مطالعہ یہودیت

یونٹ 1-9

کورس کوڈ: 4957

بی ایس علوم اسلامیہ

شعبہ مطالعات بین المذاہب
کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مطالعہ یہودیت

یونٹ 1-9 کورس کوڈ: 4957 بی ایس علوم اسلامیہ

ترتیب و تالیف

ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مطالعات بین المذاہب



شعبہ مطالعات بین المذاہب

کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین: پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن

ترتیب و تالیف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد سجاد

پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد اللہ (ڈائریکٹر، پنجاب یونیورسٹی)

کورس رابطہ کار: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

شعبہ مطالعات بین المذاہب

کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست

صفحہ نمبر

تقریظ		5
تقریظ شعبہ کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ		6
پیش لفظ		7
کورس کا تعارف		8
یونٹ نمبر1	حضرت یعقوبؑ: سیرت تاریخ وتعلیمات	13
یونٹ نمبر2	یہودیت کا آغاز وارتقاء	59
یونٹ نمبر3	یہودیت کے بنیادی عقائد وتصورات	111
یونٹ نمبر4	یہودیت میں عبادات، تہوار ورسومات	163
یونٹ نمبر5	یہودیت کا مقدس دینی ادب	219
یونٹ نمبر6	یہودیت کے بنیادی فرقے	280
یونٹ نمبر7	تحریک صہیونیت	318
یونٹ نمبر8	تاریخ بنی اسرائیل: عہد قدیم سے جدید	380
یونٹ نمبر9	عصر حاضر میں یہودی ریاست اور ارض فلسطین	480

تقریظ

موجودہ دور میں اقوامِ عالم متعدد فکری، سیاسی، اقتصادی، سماجی، قانونی اور تکثیری چیلنجز کا سامنا کر رہی ہیں۔ ایسے میں انفرادی، گروہی اور ریاستی مفادات نے مختلف اقوام کے اندر ایک تناؤ کی کیفیت پیدا کر رکھی ہے اور دوسری طرف لوگوں کے مختلف نسلی، لسانی، مذہبی اور سماجی و سیاسی تعصبات نے پرامن بقائے باہمی کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ مفادات اور تعصبات کی چپقلش نے کبھی مذہبی رنگ تو کبھی سیاسی رنگ اور بسا اوقات نسلی رنگ اختیار کرتے ہوئے مختلف اقوام اور رنگ و نسل کے کروڑوں انسانوں کو لقمۂ اجل بناڈالا ہے۔ دنیا کو درپیش مشکلات کے حل، اور اس میں رہنے والوں کی زندگی میں امن، خوشحالی، توازن اور ترقی کے لیے جن چیزوں پر پھر سے اصرار کیا جانے لگا ہے، ان میں سے ایک دنیا کے مختلف مذاہب کے درمیان مکالمے کی ثقافت کو زندہ کرنا ہے۔ موجودہ عالمی بحران مذہبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی اور معاشی طور پر دنیا کو بری طرح متاثر کر رہا ہے جس کے باعث مختلف معاشروں میں بے چینی، نفرت اور اضطراب کا غلبہ ہوتا جارہا ہے اس لئے مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کو دنیا کی سب سے بڑی ضرورت اور خواہش کے طور پر محسوس کیا جارہا ہے۔ یہاں یہ امر بہت اہمیت کا حامل ہے کہ ہر مذہب کی اپنی زبان اور روایات ہوتی ہیں جو عوام کو بنیادی انسانی قدریں عطا کرتی ہے۔ جس سے انسانی معاشرہ بہتری کی طرف بڑھتا ہے اور یہ قدریں اس سوسائٹی کے نگران کا کردار ادا کرتی ہیں۔ آج دنیا کے کسی بھی ملک میں ہونے والے واقعات کو بیک وقت پوری دنیا میں دیکھا جاتا ہے اور یہ دنیا کی مختلف تہذیبوں کے افراد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جہاں شعور و آگہی دیتے ہیں وہاں یہ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے پیروکاروں کے بارے مثبت یا منفی رویوں کو بھی جنم دیتے ہیں اس لئے ایسی کوششوں کی عالمی سطح پر ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے جس سے مذاہب کے درمیان مثبت رابطہ پیدا کر کے دنیا میں اس حوالے سے پائی جانے والی مشکلات کو کم کیا جاسکے۔ جب مختلف مذاہب کے لوگ مکالمے کے ذریعے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں تو ان کی باہمی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں اور ان کے دل میں ایک دوسرے کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب "مطالعہ یہودیت" ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ کی بہترین کاوش ہے، جسے عصر حاضر کے تناظر میں یہودیت کو سمجھنے کے لئے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ امید ہے طلبہ اور اہل علم اس سے بہتر انداز میں استفادہ کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر ناصر محمود، وائس چانسلر،

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تقریظ

تاریخ دعوتِ اسلامی کے دو پہلو بہت نمایاں اور اہم ہیں۔ پہلا یہ کہ مسلمان جس علاقے میں بھی فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، وہاں کے غیر مسلموں کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی اور انھیں جبراً اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ مذہبی افہام و تفہیم کا خوش گوار ماحول پیدا کیا، جہاں غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی اور دوسرے مذاہب کے بارے میں جاننے اور ان کا جائزہ لینے کی بھی کوشش کی جاتی تھی۔ ان دونوں پہلوؤں نے مذہبی مکالمے (dialogue) کی ایک شکل پیدا کر دی تھی۔ مغرب کی موجودہ علمی دنیا میں مذہبی مطالعہ و تحقیق کو خاص موضوع کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن مغرب کے کچھ مفکرین کا اسلوب اس معاملے میں متعصبانہ اور جانب دارانہ ہے۔ اس کے برعکس اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں نے مذاہب کے مطالعہ و جائزے کی جو روایت قائم کی ہے وہ بہت مضبوط اور صداقت و دیانت داری پر مبنی ہے۔ مسلم علماء و محققین کی جانب سے مطالعہ مذاہب پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ البیرونی کی کتاب 'فی تحقیق ما للہند'، ابن حزم کی کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل'، علامہ عبدالکریم شہرستانی کی کتاب 'کتاب الملل والنحل'، علامہ ابن تیمیہ کی کتاب 'الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح'، علامہ ابن قیم کی کتاب 'ہدایۃ الحیاریٰ فی اجوبۃ الیہود والنصاریٰ'، عہد جہاں گیر میں مرتب شدہ کتاب 'دبستان مذاہب'، سر سید احمد کی کتاب 'تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام' اور مولانا عنایت اللہ چریاکوٹی کی کتاب 'بشریٰ' وغیرہ شامل ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان مطالعہ مذاہب کے اس روایت کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ان کے درمیان اب تو خود اپنے مذہب کے مطالعے کا بھی شوق کم ہو گیا ہے۔ مغرب نے جس طرح سے 'استشراق' کے نام پر اسلام اور اسلامی تہذیب کو تعصب پر مبنی بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہوا ہے، اس کے پیشِ نظر مذاہب کے مطالعے کے سلسلے میں قدیم مسلم روایت کو دوبارہ ان کے سامنے متعارف کرانا بہت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مطالعۂ مذاہب کے سلسلے میں مغربی و اسلامی نقطہ نظر کے درمیان موازنے کا کام بھی ہونا چاہیے۔ زیر نظر کتاب "مطالعہ یہودیت" ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ کی بہترین کاوش ہے، جسے اس مذہب کو سمجھنے کے لئے عصر حاضر کے سیاسی اور عالمگیریت کے تناظر میں بہترین طریقے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ امید ہے طلبہ اور اہل علم اس سے بہتر انداز میں استفادہ کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر شاہ محی الدین ہاشمی، ڈین، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

پیش لفظ

مطالعہ مذاہب عالم سے مراد مختلف مذاہب کے بنیادی عقائد، عبادات اور رسوم کا ایسا ناقدانہ اور عادلانہ جائزہ لینا جس سے ہر ایک مذہب کی قدر و قیمت، خوبیاں اور خامیاں پوری طرح روشن ہو جائیں۔ مطالعہ مذاہب عالم کا بنیادی مقصد یہ کہ دنیا میں پائے جانے والے مشہور مذاہب اور معروف ادیان کی تعلیمات کا غیر متعصابہ تقابل اور غیر جانبدرانہ موازنہ کیا جائے۔ نیز تمام مذاہب کی خوبیوں بنیادی عقائد، عبادات اور رسوم کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے۔ مطالعہ مذاہب کے دوران اگر کسی دین کی خوبی سامنے آئی تو اسے بلا تکلف سراہا جائے۔ نیز اگر کوئی خامی ہے تو اسے دلیل اور برہاں کے ساتھ رد کیا جائے تا کہ حق تک رسائی ممکن ہو۔ مذاہب عالم کے مطالعے سے مراد یہ ہے کہ مذہب کا حقیقی محور کیا ہے۔ کیا بنیادی تعلیمات مذہب کی مشترک ہیں؟ مذہب کی تسلیم شدہ کتب لفظی و معنوی لحاظ سے محفوظ ہیں یا ان میں تبدیلی کی گئی۔ مذاہب کی کتب انسانی زندگی کے ہر شعبے کی راہنمائی کرتی ہیں یا مخصوص شعبوں کی طرف۔ بانیانِ مذاہب کے حالات زندگی کہاں تک تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ مندرجہ بالا شرائط جس میں مذہب میں بھی موجود ہو وہی مذہب اس قابل ہے کہ اس کو مانا جائے اور وہی انسانیت کی فلاح کا حقیقی مذہب ہے۔ اسلام کے پاس روحانی، عقلی، مادی، اجتماعی اور سیاسی تاثیر کی جو قوت ہے وہ کسی اور مذہب کو حاصل نہیں ۔ان تمام پہلوؤں سے مذاہب عالم کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ اس سے نہ صرف فکری لحاظ سے مستشرقین و مستعربین کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ اقدامی پوزیشن میں آکر مذاہب عالم اور جملہ افکار و نظریات پر اسلام کو غالب کر سکتے ہیں اور پھر یہ فکری غلبہ عسکری غلبے کی جانب لے جائے گا۔ ایک محقق اور داعی دین کے لیے مطالعہ مذاہب بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ذریعے محقق اور داعی مخاطب اقوام کی نفسیات، تاریخ، تمدن و ثقافت اور عقیدے سے واقف ہوتا ہے۔ ان کے عقائد و شریعت میں واقع کمزوریوں کو نمایاں کر کے ان کے سامنے غور و فکر اور تحقیق کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ عصر حاضر میں یہودیت کی تفہیم کے تناظر میں یہ کتاب ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ کی عمدہ کاوش، لگن اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور طلباء وطالبات کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

چیئرمین، شعبہ مطالعات بین المذاہب

کورس کا تعارف

یہودیت اس وقت تعداد کے لحاظ سے کوئی بڑا مذہب نہیں ہے، یہودیوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہے۔ لیکن اثر و رسوخ کے اعتبار سے، عالمی نظام میں مداخلت کے اعتبار سے، میڈیا اور معیشت پر کنٹرول کے حوالے سے یہودی اس وقت طاقتور ترین قوم ہیں۔ یہودیت کو سمجھنا اور پہچاننا ہمارے لیے بہت سے حوالوں سے ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نسلی مذہب ہے، حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے ہیں، بنی اسرائیل کہلاتے ہیں، اور نسلی تفاخر کی بنیاد پر اپنے نسلی دائرے سے باہر نہیں نکلتے۔ "نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ "(المائدہ ۱۸) جو قرآن کریم نے ان کے بارے میں کہا تھا وہ آج بھی ان کے عقائد اور ان کی نفسیات میں موجود ہے کہ ہم برتر قوم اور برتر نسل ہیں اور ہمیں دنیا پر حکمرانی کا حق حاصل ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ یہود کا ایک دور وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جہانوں پر ان کی برتری کا اعلان فرمایا۔ "وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ" (البقرہ ۴۷) کہ اپنے دور میں تمام جہانوں پر اور تمام دنیا پر ان کو برتری حاصل تھی۔ بالاتری بھی حاصل تھی اور فضیلت بھی حاصل تھی۔ اس دور میں حضرت سلیمانؑ کی حکومت "اسرائیل" کہلاتی تھی، جس کے بارے میں خود حضرت سلیمانؑ نے فرمایا تھا "قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ ہَبۡ لِیۡ مُلۡکًا لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ" (سورۃ ص ۳۵)۔ اس کا دائرہ ان کے دور میں جو تھا وہ آج کے یہودیوں کے نزدیک گریٹر اسرائیل (عظیم تر اسرائیل) کہلاتا ہے۔ آج کے یہود کا مقصد اور نظریہ یہ ہے کہ ہم نے حضرت سلیمانؑ کے دور کا اسرائیل واپس لینا ہے، بحال کرنا ہے۔ گریٹر اسرائیل کا نقشہ نیٹ پر موجود ہے۔ ایک سانپ کی شکل میں سرحد کے ساتھ اس علاقے کو گھیرا ہوا ہے جس کو وہ گریٹر اسرائیل میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں مصر، سوڈان، عراق، اردن اور فلسطین اور سعودیہ آدھا شامل ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سے وہ سرحد گزرتی ہے۔ مدینہ پر ان کا دعویٰ ہے، جبکہ مکہ ان کے دعوے سے خارج ہے۔ یہود کا کہنا یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیں مدینہ سے نکالا تھا۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ، تینوں قبیلوں کو۔ اور خیبر میں ہماری حکومت تھی، مسلمانوں نے جنگ کے ذریعے ہمیں وہاں سے نکالا۔ یہ بات درست ہے کہ مسلمانوں کا خیبر پر قبضہ ہوا اور اس وقت یہودیوں نے مزارع کے طور پر خیبر میں رہنے کی اجازت مانگی، حضورؐ نے اجازت دے دی، پھر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں انہیں خیبر سے جلاوطن کر دیا گیا۔ یہود کا کہنا ہے کہ مسلمانوں نے ہمیں مدینہ اور خیبر سے نکالا تھا اس لیے خیبر بھی ہمارا حصہ ہے اور مدینہ بھی ہمارا حصہ ہے۔ چنانچہ گریٹر اسرائیل کے نقشے میں مدینہ منورہ اور خیبر شامل ہیں۔ اور یہ ان کا اصل ٹارگٹ ہے کہ ہم نے قدیمی اسرائیل بحال کرنا ہے۔

قرآن کریم نے ان کے عروج کا دور بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کا دور، حضرت یوسفؑ کی بادشاہت، پھر حضرت موسیٰؑ کے ذریعے ان کی بادشاہت کی بحالی، بنی اسرائیل کا فرعون کے ظلم سے نجات حاصل کرنا، اور یوشع بن نونؑ کی قیادت میں بیت المقدس فتح کر کے اس کو دوبارہ اپنی ریاست بنانا، پھر حضرت طالوتؑ اور جالوت کی جنگ کا بھی قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ اس جنگ میں ان کی فتح کے بعد حضرت داؤدؑ کی بادشاہت قائم ہوئی تھی، انہیں حضرت طالوتؑ نے اپنا جانشین بنایا تھا اور داماد بھی بنایا تھا۔ دوبارہ ریاست قائم ہوئی اور حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ ٹائٹل بھی دیا "یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ" (سورۃ ص ۲۶)۔ پھر حضرت داؤدؑ کی جانشینی حضرت سلیمانؑ کے حصہ میں آئی، اور وہ پھر عظیم تر سلطنت بنی جن کے سامنے یمن کی ملکہ سبا نے بھی سرنڈر کیا۔ یہ تو بنی اسرائیل کے عروج کا دور تھا، غلبے کا دور تھا، فضیلت کا دور تھا، قرآن کریم کہتا ہے " وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ "(البقرہ ۴۷)۔

اس کے بعد یہود کے زوال کا دور شروع ہوا۔ ان کے زوال کے دور کا پہلا مرحلہ ہے جب حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے پہلے کے دور میں بخت نصر نے، جو بابل (عراق) کا حکمران تھا، اس نے یروشلم پر (بیت المقدس اور یروشلم ایک ہی شہر کے دو نام ہیں) پر حملہ کیا اور یہودیوں کا قتل عام کیا۔ ان کا عبادت خانہ ہیکل سلیمانی تباہ و برباد کر دیا، جڑ سے اکھاڑ کر پھینکا۔ جتنے لوگ قتل کر سکا قتل کیے، باقیوں کو لے گیا اور عراق میں قیدی بنا لیا۔ اور یہی بستی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں " اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّ ہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا "(البقرہ ۲۵۹) میں آیا ہے۔ پھر حضرت عزیرؑ کی برکت سے ان کے ذریعے اس کی بحالی کا اہتمام کیا۔ ایران کے بادشاہ نے عراق کے خلاف ان کی مدد کی۔ اس وقت یہ دوبارہ بحال ہوئے اور یروشلم ان کے قبضے میں آیا۔ بیت المقدس دوبارہ تعمیر کیا، اپنے عبادت گاہ ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا۔ ان کی ریاست پھر ترقی پر آ گئی۔ اس کے بعد حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ ان میں ہی نبی گزرے۔ " اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّۃَ "(الانعام ۸۹) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تین کتابیں بھی عطا فرمائیں۔ "وَ جَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا "(المائدہ ۲۰) ان کو بادشاہت دی اور حکومت بھی دی۔ یہ ان کا حق کا دور تھا، عروج کا دور تھا، اور دنیا پر ان کی دنیوی و دینی ہر اعتبار سے برتری کا دور تھا۔

پھر حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمانوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہوا۔ بیت المقدس کی اپنی تاریخ ہے، مسلمانوں نے بیت المقدس عیسائیوں سے لیا تھا، پھر عیسائیوں نے اسے لے لیا، نوے سال عیسائیوں کے پاس رہا، پھر صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس کو آزاد کروایا۔ جب طیطس رومی نے یہودیوں کو بیت المقدس سے نکالا، یہودیوں کا اس وقت سے لے کر آج سے تقریباً ایک صدی پہلے تک بیت المقدس سے کوئی تعلق نہیں تھا، یہ دنیا بھر میں بکھرے ہوئے تھے۔ اور قرآن کریم نے جو بیان فرمایا ہے " ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ "(آل عمران ۱۱۲) ان کی تقریباً اٹھارہ سو سال تک یہ کیفیت رہی ہے، اور کہیں ان کی کوئی

ریاست نہیں تھی۔ یہود کے تین قبیلوں کو مدینہ سے نکالا گیا، یہ سب خیبر میں اکٹھے ہو گئے تھے، پھر ان کو حضرت عمرؓ کے زمانے میں خیبر سے نکالا گیا، جلاوطن کیا گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے زمانے تک ان دور چلتا رہا۔ حضرت عیسیٰؑ نے جب اپنی نبوت اور وحی کا اعلان کیا تو یہود دو حصوں میں بٹ گئے، ایک حصہ ایمان لایا اور دوسرے حصے نے انکار کر دیا۔ اکثریت انکار کرنے والوں کی تھی، ایمان لانے والے تھوڑے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ ان کے جبر کا شکار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔ یہ انہیں قتل نہیں کر سکے "وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ "(النساء۱۵۷)۔ لیکن باقی مسیحی ان کے جبر کا شکار رہے، حتیٰ کہ روم عیسائیوں کے قبضے میں آ گیا اور بادشاہ طیطس رومی نے یروشلم پر حملہ کیا اور اسے یہودیوں سے چھین لیا، اس طرح یہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ طیطس رومی نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے ہیکل سلیمانی کو جڑ سے اکھاڑ دیا، موجود یہودی قتل کر دیے، باقیوں کو جلاوطن کر دیا اور یہودیوں کا داخلہ وہاں بند کر دیا۔ طیطس رومی کے زمانے سے حضرت عمرؓ کی خلافت تک یہ کیفیت رہی کہ قبضہ عیسائیوں کا تھا، وہی سارا نظام چلا رہے تھے، یہودیوں کا وہاں آنے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا اور وہ دنیا بھر میں بکھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس وقت یہود کا ایجنڈا صرف اسرائیل قائم کرنے کا نہیں ہے، بلکہ اسرائیل قائم کر کے دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کا ایجنڈا بھی ہے۔ اس بنیاد پر کہ " نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ "(المائدہ۱۸)۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بنی اسرائیل برتر نسل ہیں اور ان کو نسلی بنیاد پر دنیا پر حکمرانی کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ دنیا اسرائیل کو ایک نسلی مذہب کہتی ہے۔

جب اسرائیل بنا تو اسرائیل کو یورپی ممالک، امریکہ اور روس نے تسلیم کیا، اسے سپورٹ کیا، ریاست بنوائی، اسباب مہیا کیے، اس کو مستحکم کیا۔ بعد میں ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کی تین ملکوں مصر، شام اور اردن کے ساتھ بیک وقت جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں اسرائیل نے تینوں ملکوں کو شکست دے کر مصر کے صحرائے سینا پر، شام کی گولان پہاڑیوں پر اور اردن کے یروشلم (بیت المقدس) پر قبضہ کر لیا۔ تب سے بیت المقدس اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ اس وقت موجودہ صورتحال یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ نے جو سرحدیں طے کی تھیں اس کے مطابق اسرائیل الگ تھا، فلسطین الگ، اور یروشلم الگ تھا۔ اسرائیل کے ۱۹۶۷ء کے قبضے کو عالمی برادری تسلیم نہیں کر رہی۔ بیت المقدس متنازعہ سمجھا جا رہا ہے، اقوام متحدہ بھی اسے متنازعہ ہی کہتی ہے، اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اس دوران اسرائیل نے اسے دارالحکومت قرار دینے کا اعلان کر دیا کہ بیت المقدس ہمارا دارالحکومت ہے۔ جبکہ فلسطین بین الاقوامی معاہدات میں متنازعہ ہے اور عالم اسلام کے ہاں بھی متنازعہ ہے۔ یہود کی اس تگ و دو کے پیچھے ایک تو ان کا وہ پرانا خواب ہے کہ فلسطین ان کا وطن ہے انہوں نے واپس لینا ہے، یروشلم کو دوبارہ قبضے میں لینا ہے،

ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کرنا ہے اور اسرائیل کو بحال کرنا ہے، حضرت سلیمانؑ کے زمانے کی اسرائیلی ریاست کو دوبارہ قائم کرنا ہے۔ یہود نسلی برتری کے خبط کا شکار ہیں اور پوری دنیا پر عالمی قیادت اور کنٹرول کے دعویدار ہیں۔

خیبر سے نکالے جانے سے لے کر آج سے ایک صدی پہلے تک یہودیوں سے مسلمانوں کا کوئی تنازعہ، کوئی جھگڑا، کوئی لڑائی، کوئی جنگ نہیں ہے۔ ان کا یہ سارا زمانہ عیسائیوں کے ساتھ دشمنی میں گزرا ہے، بلکہ طیطس رومی سے لے کر اب سے ایک صدی پہلے تک، ہٹلر تک، عیسائیوں اور یہودیوں میں شدید ترین دشمنی تھی۔ یہودی کمزور قوم تھی، عیسائی حکمران انہیں مارتے تھے، قتل کرتے تھے، جلاوطن کرتے، مال چھین لیتے تھے۔ یہودیوں کی سب سے بڑی پناہ گاہ مسلمان ریاستیں ہوتی تھیں۔ خود یہودی مؤرخین اعتراف کرتے ہیں کہ ہمیں اچھی دو پناہ گاہیں میسر تھیں: اندلس میں مسلمانوں کی حکمرانی تھی، وہ ہماری پناہ گاہ تھی، وہاں ہمیں خرچ اور تحفظ بھی مل جاتا تھا۔ اور اس کے بعد خلافت عثمانیہ کے بارے میں غیر جانبدار اور معتدل یہودی مؤرخین اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اپنے پورے دور میں یہود کی پناہ گاہ تھی۔ یورپی عیسائی ان کو اٹلی، برطانیہ، فرانس میں مارتے اور یہ قسطنطنیہ، ترکی میں آجاتے۔ عصر حاضر میں پاکستان کے سرکاری موقف کے مطابق اسرائیل سے تعلقات قائم کرنے کے معاملے پر حال ہی میں پاکستانی وزیر خارجہ جلیل عباس جیلانی نے دوٹوک انداز میں واضح کیا ہے کہ پاکستان اپنے قومی مفادات اور فلسطینی عوام کے مفادات کو مد نظر رکھ کر ہی اسرائیل سے متعلق کوئی فیصلہ کرے گا۔ پاکستان کے مطابق مشرق وسطیٰ کا امن دو ریاستی حل میں پوشیدہ ہے جس میں 1967ء سے قبل کی سرحدوں کے مطابق ایک آزاد اور خود مختار فلسطینی ریاست کا وعدہ کیا گیا ہے جس کا دارالحکومت القدس شریف ہو گا۔ چنانچہ عالمی برادری کو ارض فلسطین میں اسرائیل کی طرف سے کشیدگی بڑھانے سے روکنے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں اور بین الاقوامی قانون کے تحت فلسطین کے مسئلے کے حل کے لئے کام کرنا چاہئے۔

زیرِ نظر کورس "مطالعہ یہودیت" کے عنوان سے بی ایس علوم اسلامیہ مطالعات بین المذاہب کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ اس کورس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ یہودیت کے مطالعے کو تاریخی تناظر سے عصر حاضر تک آسان فہم بنایا جائے۔ طلبہ کو یہودیت کی مختلف جہات کو یہودی مآخذ اور قرآن کے تناظر میں روشناس کرایا جائے تاکہ طلبہ میں "یہودیت" کو جامع طور پر سمجھنے کی صلاحیت اور عصر حاضر کے سیاسی مسائل کو اس کتاب کے تناظر میں اخذ کرنے کی مناسبت پیدا ہو جائے۔ کورس کل 9 یونٹس پر مشتمل ہے۔ چونکہ کتاب تالیفی نوعیت کی ہے، اس لئے ہر یونٹ کے آخر میں مصادر و مآخذ کو بیان کر دیا گیا ہے، جس میں شریک تمام مصنفین و مؤلفین کا راقم تہہ دل سے مشکور ہے۔ راقم اپنے والد محمد سمیع اللہ، والدہ محترمہ، اہلیہ محترمہ واہل خانہ، بہن بھائیوں کے اور تمام اساتذہ کرام خصوصاً ڈاکٹر محمد عبداللہ، ڈائریکٹر، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی کا تہ دل

سے شکر گزار ہے جن کی دعاؤں، سرپرستی اور رہنمائی سے یہ توفیق اور مقام ملا اور انہوں نے نظر ثانی کے لئے بھی وقت فراہم کیا۔ اور ڈاکٹر محمد سجاد بانی چیئرمین، شعبہ مطالعات بین المذاہب کا نہایت شکر گزار ہے جنہوں نے اس کتاب کی تصویب اور نظر ثانی کی۔ ڈین کلیہ و عربی و علوم اسلامیہ ڈاکٹر شاہ محی الدین ہاشمی اور چیئرمین شعبہ مطالعات بین المذاہب ڈاکٹر غلام شمس الرحمان کے انتظامی و علمی تعاون پر ان کا ممنون ہوں، اس کے علاوہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے اکیڈمک پلاننگ اور کورس پروڈکشن کے ڈائریکٹر ڈاکٹر زاہد مجید، سینئیر ریسرچ آفیسر ڈاکٹر محمود احمد، ایڈیٹر عنبرین اعجاز اور دیگر تمام ٹیم ممبران کا بروقت مسودہ کی ایڈیٹنگ کرنے پر نہایت ممنون ہے۔ اور بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ وہ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہماری مخلصانہ کاوشوں کو قبول و منظور فرما کر ہر خاص و عام کے لیے مفید بنائے۔ آمین ثم آمین۔

ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مطالعات بین المذاہب

کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

یونٹ:1

حضرت یعقوبؑ: سیرت تاریخ و تعلیمات

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر محمد عبد اللہ
ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 16

یونٹ کے مقاصد 16

مذہب کی ضرورت و اہمیت 17

حضرت ابراہیمؑ کا سامی ادیان میں مقام و مرتبہ 20

حضرت یعقوبؑ کی اولاد 22

لفظ "اسرائیل" کا مفہوم اور حضرت یعقوبؑ 25

عہد نامہ قدیم میں "اسرائیل" کا مفہوم 28

قرآن مجید میں "اسرائیل" کا مفہوم 29

عہد نامہ قدیم میں یعقوبؑ کا خدا پر غالب آنے کا ذکر 32

سورۃ یوسف میں حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یوسفؑ کے خواب کا تذکرہ 33

حضرت یعقوبؑ کی بیٹے حضرت یوسفؑ کو نصیحت 35

حضرت یعقوبؑ کے دیگر بیٹوں کا یوسفؑ سے حسد 37

حضرت یوسف کے بھائیوں کا انھیں قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کا منصوبہ! 38

حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کا یوسفؑ سے متعلق جھوٹ بولنا 41

حضرت یوسفؑ کی مصر میں بادشاہت اور بن یامین کو قید کرنے کا حکم 43

یوسفؑ کے بھائیوں کا اعتراف خطا، اور حضرت یعقوبؑ کے لئے پیراہن 47

حضرت یوسفؑ کا اللہ کے احسانات کا شکر ادا کرنا:۔ 51

اسلام، اللہ کے تمام انبیاء کا دین، اور حضرت یعقوبؑ کی وصیت 52

وصال و تدفین 55

قرانِ کریم میں ذکر 57

خود آزمائی 57
جوابات 58
ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ 58

یونٹ کا تعارف

مذہب سے انسان کا تعلق ابتدائے آفرینش سے ہے لیکن گردش حالات اور مرور زمانہ کے ساتھ مذہب اور مذہبی نظریات و تصورات میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تبدیلیاں اور تغیرات کیوں پیدا ہوئے؟ انسان نے کس طرح یہ مذہبی راستے عبور کئے؟ ان دشوار گزار راہوں میں اس نے کتنی ٹھوکریں کھائیں؟ کیونکہ کامیاب ہوا؟ کہاں ناکام رہا؟ کیسے آہستہ آہستہ کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ ہٹاتے ہوئے اس نے مذہب کی گہرائیوں کو پالیا؟ اور کب اور کیسے اس کی اخلاقی و روحانی بلندیوں کو چھو لیا؟ کہاں اسے زوال اور پستیوں کا سامنا کرنا پڑا؟ اور کب وہ جہالت کے گہرے اندھیروں میں ڈوب گیا؟ ان سوالات پر مبنی یہ ایک طویل اور منتشر داستان ہے جس کے تحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا مذہب کی طرف جھکاؤ اور خصوصی لگاؤ ہر دور اور ہر زمانہ میں کس نہ کسی طرح مسلم رہا ہے چاہے وہ اس کو قبول کرتے ہوئے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے وہ تصور خدا سے متعارف ہو یا نہ ہو لیکن سماجی، معاشی، اخلاقی سیاسی غرض یہ کہ ہر لحاظ سے وہ اچھائی کا طلبگار اور برائی سے متنفر نظر آتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام، حضرت اسحاق علیہ السّلام کے بیٹے، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پوتے اور حضرت یوسف علیہ السّلام کے والد ہیں، یوں انبیائے کرامؑ کے مبارک سلسلے میں آپؑ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپؑ کے دادا اور والد نبی ہیں، تو خود بھی اس منصب پر فائز ہوئے اور صاحب زادے کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوّت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی ولادت کی خوش خبری، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو آپؑ کے والد حضرت اسحاق علیہ السّلام کی ولادت کی اطلاع کے ساتھ دی تھی۔ حضرت یعقوبؑ کو یہ فضیلت بھی عطا فرمائی گئی کہ بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے تمام پیغمبر آپؑ ہی کی نسل میں سے ہیں۔ اس یونٹ میں حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی حیات و تاریخ پر جامع روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 مذہب کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کر سکیں۔
2 حضرت ابراہیمؑ کے سامی ادیان میں مقام و مرتبے پر بحث کر سکیں۔

3 حضرت یعقوبؑ کی اولاد کی تفصیل بیان کر سکیں۔

4 قرآن مجید اور عہد نامہ قدیم میں "اسرائیل" کا مفہوم اور تفصیل بیان کر سکیں۔

5 سورۃ یوسف میں حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یوسفؑ کے خواب کا تذکرہ اور حضرت یعقوبؑ کی نصیحت پر روشنی ڈال سکیں۔

6 حضرت یعقوبؑ کے دیگر بیٹوں کے حضرت یوسفؑ سے حسد کی وجوہات پر روشنی ڈال سکیں۔

7 حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے منصوبے کی وضاحت کر سکیں۔

8 حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کا یوسفؑ سے متعلق جھوٹ بولنے اور انہیں کنویں میں پھینکنے کے واقعہ کی تفصیل بیان کر سکیں۔

9 حضرت یوسفؑ کی مصر میں بادشاہت اور بن یامین کو قید کرنے کے واقعہ کی وضاحت کر سکیں۔

10 یوسفؑ کے بھائیوں کا اعتراف خطا اور حصرت یوسفؑ کا والد اور بھائیوں سے طرز عمل بیان کر سکیں۔

11 اسلام، اللہ کے تمام انبیاء کا دین ہے اس حوالے سے حضرت یعقوبؑ کی وصیت اور نصائح بیان کر سکیں۔

مذہب کی ضرورت واہمیت

بنی اسرائیل کی صدہاسالہ تاریخ بتلاتی ہے کہ خدا نے اس قوم کو جیسا اعزاز وشرف بخشا اور جس قدر اس قوم کی ناز برداریاں فرمائی ہیں۔ اتنے طویل زمانہ تک شاید وہ دنیا کی کسی گزشتہ دوسری قوم کو نصیب نہ ہو سکی ہوں لیکن یہ بھی اسی قوم کی تاریخی خصوصیت ہے کہ جتنے بڑے مجرم اور نافرمان یہ لوگ ہوئے ہیں شاید تاریخ اقوام اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہو۔ چنانچہ اس قوم بنی اسرائیل کو دنیا کی بادشاہت کے ساتھ دین کی بادشاہت بھی عطا کی۔ دنیوی بادشاہوں میں حضرت سلیمان اور حضرت داؤد (علیہما السلام) جیسے اولوالعزم بادشاہ بھی ہوئے اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) سے لے کر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تک جو قریب دوہزار سال کا زمانہ ہے ہزاروں انبیاء اسی خاندان بنی اسرائیل سے مبعوث ہوتے رہے اور توراۃ وانجیل وزبور سب اسی خاندان کے انبیاء پر نازل ہوئیں۔ بعض

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کے مابین جو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ ہے قریب 70 ہزار انبیاء بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ الغرض آنحضرت ﷺ کے ظاہر ہونے تک یہی خاندان نبوت ورسالت۔ اور امامت و حکومت کا مخزن رہا اور اس وقت تک تمام عالم میں بنی اسرائیل ہی کو بزرگی و برتری اور فضیلت حاصل رہی۔ جبکہ سید الانبیاء والمرسلین نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہوئے جن کی خبر تمام گزشتہ انبیاء والمرسلین اور حضرت ابراہیم اور حضرت اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) دیتے چلے آئے ۔

قرآن مجید میں یہود کو مخاطب کر کے اس بات کی یاد دہانی کی گئی ہے کہ فضیلت و بزرگی تمہیں جو کچھ بھی حاصل ہوئی ہے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہوئی ہے۔ اس میں نہ تو تمہارے استحقاق کو کوئی دخل ہے، نہ تمہارے خدائی شرف کو۔ اس وجہ سے اس قسم کے کسی وہم یا گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اس دعوت حق سے منہ نہ موڑو جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ ایک دن آنے والا ہے جس میں تمہیں اپنے اعمال کی خود ہی جواب دہی کرنی ہے، تمہارے فرائض سے متعلق نہ تو دوسروں سے سوال ہو گا اور نہ دوسرے تمہاری طرف سے کوئی جواب دہی کریں گے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ۔[1]

اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور بے شک میں نے تمھیں (اس وقت کے) تمام جہان (والوں) پر فضیلت عطا کی۔

اور جو خود بھی اپنے آپ کو چہیتی، لاڈلی، اللہ رب العزت کی من چاہی و من پسند قوم، اور اس کے منتخب بندے ظاہر کرے تو یہ لوگ اصل میں ہیں کون؟ قرآن حکیم جیسے مکمل دستور العمل کا تقریبا ایک چوتھائی حصہ جس قوم کے حالات، واقعات، تاریخ، عادات و خصائل، ان کی اسلام دشمنی، اجتماعی ارتداد اور مفسدانہ ذہنیت و خیالات سے بھرا ہوا ہے آخر یہ کون لوگ ہیں؟ ان کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ زندگی کے جملہ معاملات میں ان کا عمل اور

[1] سورة البقرة 2: 47

برتاؤ کیا ہے؟ ان کا مذہبی رجحان کیا ہے؟ اور انھوں نے بنی اسرائیل سے یہودیت کا سفر کیسے طے کیا؟ اور اب انھیں (الذین ھادوا) (اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو) کے الفاظ سے کیوں پکارا جانے لگا؟ وہ کیا وجوہات و اسباب تھے؟ جنھوں نے انھیں پسندیدہ سے ناپسندیدہ اور آل یعقوب و بنی اسرائیل سے یہود کے نام و تعارف تک پہنچادیا چنانچہ لازم ہے کہ ان کا بھرپور اور مکمل مطالعہ کیا جائے اور ان کی مکمل تاریخ کا جائزہ لیا جائے علمائے تاریخ کا اتفاق ہے کہ سلسہ توالد و تناسل حضرت نوح سے چلا، ان کے تین بیٹے تھے (حام، سام اور یافث) اس لحاظ سے تمام بنی نوع انسان حضرت نوح کی اولاد سے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ۔[2]

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کی اولاد کو ہی باقی رہنے والا بنایا۔

کیا نوح آدم ثانی ہیں؟ یہاں صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ طوفان نوح کے بعد نسل انسانی صرف نوح کے تین بیٹوں (حام۔ سام اور یافث) سے چلی (اور چوتھا بیٹا یام کافر تھا جو طوفان میں غرق ہو گیا تھا)۔[3] اور اس کی تائید ترمذی کی درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ سیدنا سمرہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ نوح کے تین بیٹے تھے۔ حام 'سام یافث 'حام حبش کا باپ 'سام عرب کا اور یافث روم کا۔[4]

ابن شفتہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

فجيمع الناس من ولد نوح وفارس الروم، وحام السودان، ويافث ابو الترك، ياجوج وماجوج والفرنج والقبط من ولد قوط بن حام، و كذلك كنعان، فانه كنعان بن ما ربع ابن حام وقيل : كنعان من ولد سام۔[5]

---

[2] سورة الصفت 37: 77

[3] مگر بعض دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد نسل سیدنا نوح کی اولاد اور ان لوگوں کی اولاد سے چلی تھی جو کشتی میں آپ کے ساتھ سوار تھے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳) اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں اجمال اور دوسری میں تفصیل ہے۔

[4] ترمذی۔ ابو اب التفسیر

[5] ابن شفته محمد بن محمد روض المناظر علم الا وائل والآخر ص: ۱۵۱ن: دار الكتب العلمية بيروت ۱۹۹۷ء

پس تمام لوگ اولاد نوح سے ہیں سام عرب، فارس اور روم کے باپ ہیں اور یافث ابوالترک کے ہیں یاجوج ماجوج فرنج اور قبط قوط بن حام کی اولاد میں اس طرح کنعان بن مار یچ بن حام ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کنعان اولاد سام سے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا سامی ادیان میں مقام و مرتبہ

حضرت ابراھیم بن تارح کا نسب نامہ سام بن نوح پر جا کر ختم ہو جاتا ہے تارخ جسے آذر کہتے ہیں بروایت تو رات اس کے تین لڑکے ابراہیم، ناخور اور باران تھے حضرت لوط ہاران کے بیٹے تھے۔[6]

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے صاحبزادے آٹھ تھے۔(1) حضرت اسماعیل (علیہ السلام) حضرت ہاجرہ (علیہ السلام) مصری کے بطن سے (2) حضرت اسحاق (علیہ السلام)، حضرت سارہ (علیہ السلام) عراقی کے بطن سے۔(3) زمران، (4) یقسان (5) مدان (6) مدیان (7) سیاق (8) سوخ یہ سب حضرت قنتورہ (علیہ السلام) کے بطن سے تھے۔[7]

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سب سے پہلے ان کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے پھر ان کی پہلی بیوی حضرت سارہؑ کے بطن سے (جو ان کی چچازاد بہن بھی تھیں) حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے اس کے بعد حضرت ابراہیم نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کی جن کے بطن سے ان کی چھ اولاد میں مدین، زمران، سرج، یقشان، نشق اور ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اب تک معلوم نہیں ہو سکا قنطورا کے بعد حضرت ابراہیم نے حجون بنت امین سے عقد کیا جن کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کے پانچ لڑکے کیسان، سورج، امیم، لوطان اور نافس پیدا ہوئے۔[8]

حضرت ابراھیمؑ ابوالانبیاء ہیں، آپ یہودیت مسیحیت اور اسلام تینوں ادیان میں عظمت کے بلند مرتبے پر فائز ہیں حضرت ابراہیم کے دو بیٹوں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کو اللہ تعالی نے خصوصی مراتب سے نوازا

---

[6] سیوہاروی ،حفظ الرحمن ، قصص القرآن، ص: ۱۵۱ ج: حبیب پبلیکیشنز لاہور ۱۲۰۰۰

[7]) پیدائش 25: 1، 2

[8] ابن کثیر اسماعیل بن عمر البداية والنهاية معه نهاية البداية والنهاية في الفتن والملائين ص: ۲۵۵ ج ۱ دارالفکر،بیروت

حضرت اسحاق کے دو بیٹے ہیں جن کے نام یعقوب اور عیسو ہیں پھر حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے ہیں: (۱) راؤبین (۲) شمون (۳) لاوی (۳) یہودا (۵) یساکر یہودہ (۲) زبولون (۷) یوسف (۸) بنیامین (۹) دان (۱۰) نفتالی (۱۱) جار (۱۲) اشیر۔[9]

حضرت یعقوب علیہ السّلام، حضرت اسحاق علیہ السّلام کے بیٹے، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پوتے اور حضرت یوسف علیہ السّلام کے والد ہیں، یوں انبیائے کرامؑ کے مبارک سلسلے میں آپؑ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپؑ کے دادا اور والد نبی ہیں، تو خود بھی اس منصب پر فائز ہوئے اور صاحب زادے کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوّت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی ولادت کی خوش خبری، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو آپؑ کے والد حضرت اسحاق علیہ السّلام کی ولادت کی اطلاع کے ساتھ دی تھی۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ
10۔

ابراہیم کی بیوی (سارہ قریب ہی) کھڑی تھیں وہ ہنس پڑیں، تو ہم نے انھیں اسحاق (علیہ السلام) کی اور اسحاق کے بعد یعقوب (علیہ السلام) کی بشارت دی۔"

حضرت سارہؑ کے ہنسنے کی وجوہ امام رازی نے لکھا ہے کہ سارہ آزر بن باحورا کی بیٹی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی عم زاد تھیں، یہ پردے کے پیچھے کھڑی ہوئیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی فرشتوں سے باتیں سن رہی تھیں۔ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے کہا: آپ مت ڈریں، ہمیں قوم لوط کے پاس بھیجا گیا ہے تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا خوف زائل ہو گیا اور حضرت ابراہیم کے خوش ہونے سے سارہ بھی خوش ہو گئیں۔ فرشتوں نے ان کو پہلے مطلقاً بچے کی بشارت دی، اس پر ان کو بطور تعجب کے ہنسی آگئی کیونکہ اس وقت ان کی عمر نوے سال سے اوپر تھی اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی عمر سو سال تھی۔ جب وہ ہنس پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی کہ وہ بیٹا اسحاق ہے اور اس کے بعد یعقوب پیدا ہو گا۔

---

[9] النجار، عبد الوہاب نقص القرآن، ص: ۱۴۴ دار احیاء التراث العربی بیروت الطبعة الاولی: ۱۹۹۴ء

[10] سورة ہود 11: 71

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ، كُلًّا هَدَيْنَا ، وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰي وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔[11]

اور ہم نے اُن (ابراہیم علیہ السّلام) کو اسحاق (علیہ السّلام) اور یعقوب (علیہ السّلام) عطا فرمائے ہم نے سب کو ہدایت عطا فرمائی اور اس سے پہلے ہم نے نوح (علیہ السّلام) کو بھی ہدایت عطا فرمائی اور اُن کی اولاد میں سے داؤد (علیہ السّلام) اور سلیمان (علیہ السّلام) اور ایوب (علیہ السّلام) اور یوسف (علیہ السّلام) اور موسیٰ (علیہ السّلام) اور ہارون (علیہ السّلام) کو (بھی ہدایت عطا فرمائی) اور ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

اور یہی وصیت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو فرمائی اور یعقوب نے بھی (اپنے بیٹوں کو یہی نصیحت کی) انھوں نے کہا اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہیں یہ دین چن کر اور منتخب کر کے دیا ہے۔ لہٰذا تم زندگی کے آخری سانس تک اسی کے فرمان بردار بن کر رہنا۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭيٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔[12]

اور ابراہیم (علیہ السّلام) نے اپنے بیٹوں کو اِسی (فرماں برداری) کی وصیّت کی اور یعقوب (علیہ السّلام) نے (بھی) کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمھارے لیے (یہ) دین (اسلام) پسند فرمالیا ہے لہٰذا تمھیں موت بھی آئے تو اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

حضرت یعقوبؑ کی اولاد

یعقوب "حضرت ابراہیم خلیل (علیہ السلام) کے پوتے اور حضرت اسحاق (علیہ السلام) نبی کے صاحبزادہ تھے۔ اور نبی زادہ ہونے کے علاوہ خود بھی نبی تھے۔ اسرائیل آپ ہی کا دوسرا نام ہے۔

---

[11] سورۃ الانعام 6: 84

[12] سورۃ البقرۃ 2: 132

توراۃ میں ہے:۔

"اور خدا نے اسے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے۔ تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائے گا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہو گا۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا"۔[13] آپ نے عمر حسب روایت توراۃ 147 سال کی پائی۔ زمانہ غالباً 2000ء ق،م تا 1853ء ق،م ولادت کنعان (فلسطین) میں ہوئی، 1870ء ق،م میں اپنے نامور فرزند یوسف (علیہ السلام) نبی کے پاس مصر میں منتقل ہو گئے۔ وفات یہیں ہوئی۔ چار ازواج طاہرات سے آپ کے بارہ فرزند تھے ان کے نام حسب تصریح توراۃ حسب ذیل ہیں: (1) روبن، (2) شمعون، (3) شمعون، (4) لادی، (4) یہوداہ، (5) اشکار، (6) زبلون، (7) یوسف، (8) بنیامین، (9) دان، (10) نفتالی، (11) جد، (12)، آشر۔[14]

حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام، "اسرائیل" تھا، اسی لیے آپؑ کی اولاد "بنی اسرائیل" کہلاتی ہے۔ اسرائیل دو الفاظ "اسرا" اور "ایل" کا مرکب ہے۔ "اسرا" عبد کو کہتے ہیں اور "ایل" کے معنی اللہ کے ہیں، یوں اسرائیل کا مطلب "اللہ کا بندہ" ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کو یہ فضیلت بھی عطا فرمائی کہ بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے تمام پیغمبر آپؑ ہی کی نسل میں سے ہیں۔

حضرت یعقوب کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے آپ کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ حضرت عیسی ابن مریمؑ پر ختم ہو جاتا ہے جہاں تک حضرت اسماعیلؑ کا تعلق ہے تو وہ حضرت محمد ﷺ کے جد اکبر ہیں اور عرب الحجاز کے مورث اعلیٰ ہیں عرب الحجاز اپنی نسبت حضرت اسماعیل کی اولاد نابت اور قیدار سے کرتے ہیں۔[15]

حضرت ابراہیمؑ کی نسل کی دو بڑی شاخیں ہوئیں ایک حضرت اسماعیل کی اولاد جو عرب میں رہی قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا جو عرب قبیلے نسلاً حضرت ابراہیمؑ کی اولاد نہ تھے وہ بھی چونکہ ان کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم و بیش متاثر تھے اس لئے وہ اپنا سلسلہ نسل اسی سے جوڑتے تھے۔

---

[13] پیدائش 25: 10، 11

[14] پیدائش 35:24 ۔ 26

[15] عفيف عبد الفتاح طيارة اليهود في القرآن، ص: ١٠٢١١٠١ دار العلم للملايان بيروت ١٩٢٤ء

دوسرے بیٹے حضرت اسحاقؑ تھے ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لئے ان کی نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی ہے۔[16]

اپنی موت سے پہلے اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے حضرت یوسف کی اولاد کو اپنے بیٹوں کے ساتھ یہ کہ کر شامل کر لیا تھا کہ (تیرے دونوں بیٹے جو ملک مصر میں آنے سے پہلے پیدا ہوئے۔۔۔۔ میرے بھی ہیں روشن اور شمون کی طرح۔۔۔ افرائیم اور منسی بھی میرے ہوں گے اور جو اولاد ان کے بعد تجھ سے ہو گی وہ تیری ٹھرے گی پر اپنی میراث میں اپنے بھائیوں کے نام وہ لوگ نامزد ہوں گے۔[17]

اس طرح افرائیم اور منسی کو شامل کر کے حضرت یعقوب کے چودہ بیٹے بن گئے حضرت یوسفؑ کے ہاں منسی اور افرائیم کے بعد کوئی اولاد نرینہ پیدا نہ ہوئی اس لئے حضرت یوسفؑ کے نام سے کوئی قبیلہ نہ بنا اس سے حضرت یوسفؑ کے علاوہ حضرت یعقوبؑ کے گیارہ بیٹوں اور حضرت یوسفؑ کے دو بیٹوں افرائیم اور منسی کے ناموں سے مصر میں بنی اسرائیل کے تیرہ قبیلے بن گئے حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جب انہوں نے لاوی کے قبیلہ کو مذہبی رسومات ادا کرنے کے لئے باقی بنی اسرائیل سے علیحدہ کر دیا تو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل رہ گئے۔[18]

یوسف ظفر لکھتے ہیں:

حضرت اسحاقؑ ساٹھ برس کے ہوئے تو اللہ تعالی نے آپ کو دو جڑواں بیٹے عیسو اور یعقوب عطا کئے اسحاق عیسو کو چاہتے تھے مگر آپ کی بیوی کو یعقوب زیادہ عزیز تھے حضرت یعقوب کا نام عبرانی میں اسرائیل ہے جو اسراء(عبد) ایل (اللہ) سے مرکب ہے عربی میں اس کا ترجمہ عبد اللہ کیا جاتا ہے اور یہود و نصاری کے قدیم خاندان اسی نسبت سے منسوب ہیں آپ کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے بڑے بیٹے کا نام یہودا اور سب سے چھوٹے کا نام بنیامین تھا۔[19]

---

[16] مودودی یہودیت قرآن کی روشنی میں ص: ۴۴ - ۱۴۱ اسلامک پبلیکیشنز لا ہور ۱۹۸۵

[17] پیدائش ۴۸:۵۶

[18] رانا احسان الحق یہودیت و مسیحیت ص: ۱۱۷ مسلم اکادمی لاہور ۱۹۸۱ء

[19] یوسف ظفر ،یہودیت ص: ۱۲-۱۵ نفیس پرنٹرز لا ہور

لفظ "اسرائیل" کا مفہوم اور حضرت یعقوبؑ

ابو حیان نے لفظ اسرائیل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

اسم عجمی ممنوع العرف للعلمية والعجمية وقد ذكر وانه مركب من اسراء او هوا لعبد اهل اسم من اسماء الله تعالى فكانه ابد الله و ذلك باللسان العبرا ني فيكون مثل جبر ائيل ميكائيل، اسرا فيل، عزرائيل۔[20]

اسرائیل غیر عربی نام ہے اسرا کے معنی عبد کے ہیں اور اہل اللہ کے ناموں میں سے ہے اسرائیل کے معنی (اللہ کا بندہ) کے ہیں اور عبرانی زبان میں یہ نام ان ناموں کی طرح استعمال ہوا ہے جیسے جبرائیل، میکائیلن، اسرافین، عزرائیلن وغیرہ- قاموس الکتاب میں اسرائیل مختلف معنوں میں بیان ہوا ہے (۱) حضرت یعقوب کے لئے (۲) اس کی اولاد یعنی عبرانیوں کے ۱۲ قبیلوں کے لئے (۳) شمال کے دس قبیلوں کے لئے جن میں افرائیم پیش پیش تھا۔[21]

الکشاف۔۔۔ میں اسرائیل کا معنی و مفہوم اس طرح سے بیان ہوا ہے۔

(اسرائیل کے معنی اللہ کا برگزیدہ بندہ کے ہیں۔ آل یا ایل عبرانی اسمائے باری تعالی میں سے ہے اور اس کے معنی عبد یا برگزیدہ کے ہیں یعنی نیک اور صالح بندہ۔[22]

قرآن میں اسرائیل کا لفظ سورۃ آل عمران میں آیا ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰي نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔[23]

بنی اسرائیل کے لئے تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں بجز ان کے جو یعقوب (علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو یعنی دلیل پیش کرو۔

---

[20] ابو حیان محمد بن یوسف التغیر الکبیر بالبحر الحیط ، ص: ۱۷ اج: دار الفکر بیروت لبنان ۱۹۸۳ء

[21] خیر اللہ پادری قاموس الکتاب ص: ۲۸۰ مسیحی اشاعت خانہ لا ہور ۱۹۹۳ء

[22] زمخشری محمد بن عمر الکشاف، ص: ۱۳ ج: دار الکتب العربي بیروت

[23] سورۃ آل عمران3: 93

اس آیت کے شان نزول میں بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہونے کا تو دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نہ اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور نہ اس کا دودھ پیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے تو یہ چیزیں حلال تھیں۔ یہود نے کہا ہم جن چیزوں کو آج حرام کہتے ہیں یہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے لیے بھی حرام تھیں اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے بھی اور اس زمانے سے آج تک ان کی حرمت چلی آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی۔[24]

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ توراۃ میں جو کھانے حرام کئے گئے ہیں پہلے وہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد اور ان کے باپ دادا اور ان کے باپ دادا حضرت اسحاق (علیہ السلام) و حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے حلال تھے۔ پھر توراۃ نازل ہونے کے بعد یہود کی بیجا حرکتوں کی وجہ سے بعض چیزیں ان کے لیے حرام کر دی گئیں۔ اونٹ کا گوشت اور دودھ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے ایک خاص وجہ سے خود ہی اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور وہ یہ کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی پسندیدہ اور مرغوب ترین غذا تھی۔ پھر ان کو عرق النساء کا مرض ہو گیا تو انھوں نے منت مانی کی اگر اللہ تعالیٰ ان کو اس بیماری سے شفا دے دے تو وہ اپنی اس محبوب ترین غذا کو چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ان کو شفا ہو گئی اور انھوں نے اپنی محبوب ترین غذا (یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ) چھوڑ دی۔ پھر ان کی اولاد نے بھی ان کی پیروی میں اس کو چھوڑ دیا ورنہ دونوں چیزیں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام نہ تھیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو توراۃ لا کر سب کے سامنے پڑھیں اس سے تمہارا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا کیونکہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جو چیزیں توراۃ کے نزول سے پہلے یہود کے لیے حلال تھیں وہ ان کی بے جا حرکتوں کی وجہ سے ان کے لیے توراۃ میں حرام کر دی گئیں۔[25]

---

[24] مظہری 2: 89

[25] مظہری 2: 90

یہود یہ فلسطین کے ایک حصے جس میں یہودا اور بنیامین کی نسل آباد ہوئی کا نام تھا اسی وجہ سے یہاں کے رہنے والے یہود کہلائے یہ لوگ نسلی اعتبار سے بنی اسرائیل ہیں لیکن تمام بنی اسرائیل یہودی نہیں اگرچہ بعد ازاں بنی اسرائیل اور یہود ہم معنی استعمال ہونے لگے لیکن عرف عام میں انہیں یہود سے الگ نہیں کیا جاسکتا تاہم اس سے مراد حضرت موسی کی شریعت کو ماننے والے لوگ ہیں مگر چونکہ مذہب کی تعلیمات صرف اور صرف آل یعقوب تک محدود ہیں اس لئے لفظ یہود ان کے نسلی گروہ تک محدود رہ گیا۔

عہد نامہ عتیق کے لحاظ سے حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ۔ اسحاق کے دو بیٹے تھے جن میں بڑے کا نام عیسو تھا جو اسماعیلؑ کا داماد تھا اور چھوٹے کا نام یعقوب، انہی کا دوسرا نام اسرائیل تھا یہ لفظ عبرانی تھا۔[26]

احمد حسن محدثؒ کا بیان ہے:

(اسرائیل اور یہود حضرت یعقوب کی اولاد کو کہتے ہیں) علامہ آلوسی بغدادی نے بھی یہی کہا ہے: کہ اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب ہے۔

اسرائیل اسم اعجمي وقد ذكرو انه مركب من ايل اسم من اسماء و تعالى و اسراوه و العبد والصفة او الانسان او المهاجر او هو لقب سيدنا يعقوب۔[27]

معارف القرآن میں اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام بیان ہوا ہے (اسرائیل یعقوب کا دوسرا نام ہے بعض علماء نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کے نام متعدد نہیں صرف حضرت یعقوب کے دو نام ہیں)[28]۔

تفسیر خازن میں بھی یہی بیان ہے کہ اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب ہی ہیں اس پر مفسرین کا اتفاق ہے۔

اتفق المفسرون على ان اسرائيل هو يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم عليهم اجمعين و معنى اسرائيل عبدالله و قبل صفوة الله والمعنى با اولاد يعقوب ۔[29]

---

[26] نعمانی عبدالرشید لغات القرآن، ص ۹۰ ج : ۱ عمر فاروق اکادمی لاہور

[27] آلوسی سید محمود البغدادی روح المعانی ، ص: ۲۴۱ ن: مکتبہ ا لرشید یہ لا ہو ر

[28] محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ص: ۱۴۶ : ادارۃ المعارف ،کراچی

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں اور اس کے معنی عبد اللہ اور اس کو صفوۃ اللہ اور اولاد یعقوب کہتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی حضرت یعقوب کا نام اسرائیل ہونے کی وجہ۔۔۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے ذریعہ سے بتاتے ہیں:

عن ابن عباس قال كانت الانبياء بنى اسرئيل الاعشره نوح وهود و صالح و لوط و شعيب و ابراهيم و اسما عيل و اسحاق و يعقوب و محمد الله عليهم السلام ولم يكن من الانبياء من له اسمان الا اسرائيل وعيسى فا اسرائيل يعقوب و عيسى والمسيح.[30]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: سوائے دس انبیاء کے باقی تمام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں اور وہ دس یہ ہیں نوح، ہود، صالح، لوط شعیب، ابراہیم، اسامیکن، اسحاق، یعقوب، اور حضرت محمد علیہم اجمعین اور سوائے اسرائیل اور عیسیٰؑ کے کسی بھی نبی کے دو نام وارد نہیں ہوئے اور ان کے دوسرے نام یعقوب اور مسیح ہیں۔

عہد نامہ قدیم میں "اسرائیل" کا مفہوم

تاریخ بائبل میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب نے فرشتے سے کشتی کی اس وجہ سے اس کا نام اسرئیل رکھا گیا اسرائیل کے معنی ہیں "خدا کا فتح مند شہزادہ" اور مقام فینائیل پر اس نے فرشتے سے کشتی لڑی جہاں وہ مغلوب رہا اور غالب بھی آیا۔[31]

---

[29] خازن علاء الدين محمد بن ابراہیم تفسیر خازن ص: ۴۷ ج: ۱ اول ،دار الكتب العربية مصر ۱۳۷

[30] السيوطى جلال الدين عبد الرحمن بن ابي بكر الدر المنثور في التفسير بالماثور ص : ۶۴ ج :اول، مكتبه مطبعةمصطفى ،مصر

[31] ڈین ایس بی مترجمین بی ایم مشتاق محمد دین خلاصه، تاریخ بائبل، ص: ۴۸آ واز حق لا ہور ۱۹۱۳ء

تفسیر نعیمی میں حضرت یعقوبؑ کے اسرائیل ہونے کی وہ تسمیہ ان کی فرشتے سے لڑائی بیان کی گئی ہے۔۔۔
ایک دفعہ حضرت اسحاقؑ عبادت کے لیے گوشہ نشین ہوئے اور حضرت یعقوب کو دروازے پر بٹھا دیا کہ کسی کو اندر نہ آنے دینا اچانک ایک مقرب فرشتہ انسانی شکل میں آیا اور اسحاقؑ کی ملاقات کا مشتاق ہوا آپ نے منع کیا مگر وہ نہ مانا انہوں نے اسے جبراً روکا۔ حضرت اسحاقؑ دروازے کا شور سن کر باہر آئے تو دیکھا کہ حضرت یعقوبؑ فرشتے سے جھگڑا کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا:

برخوردار یہ فرشتہ مقرب ہے اور فرشتے سے معذرت کی کہ انہوں آپ کو پہچانا نہیں اس نے یعقوبؑ کی بہت تعریف کی اور فرمایا اسی طرح حق خدمت ادا کرنا چاہیے اور فرمایا ہماری طرف سے اس کا نام اسرائیل رکھو۔

قرآن مجید میں "اسرائیل" کا مفہوم

بنی اسرائیل سے مراد اولاد یعقوب ہیں قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر اولاد یعقوب کے لئے آیا ہے جامع البیان فی تفسیر القرآن میں ہے:

> **عن ابن عباس قوله، يا بنى اسرائيل قال ابو جعفر بقوله جل ثنا لونه يا بنى اسرائيل قال يا اهل الكتاب للاحبار من اليهود قال ابو جعفر بقوله جل ثنا لو ه يا بنى اسرائيل يا ولد يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم خليل الرحمن مكان يعقوب يدى اسرائيل وانماخا طب الله جل ثنالو ه بقوله يا بنى اسرائيل احبار اليهود من بنى اسرائيل الذين كانوا بين ظهراني مهاجر رسول الله الله فنسبهم من ذكر اني يعقوب كما نسب ذرية آدم فقال بني آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد .**[32]

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا یہ ارشاد (یا بنی اسرئیل) سے مراد (یا اھل الکتاب) ہے مطلب یہ کہ یہود کے خاص علماء میں ہے۔ امام ابو جعفر کہتے ہیں (یا بنی اسرائیل) اللہ تعالی کے اس فرمان سے مراد ہے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیھم السلام کی اولاد اور حضرت یعقوب "اسرائیل" کے لقب سے پکارے گئے اور

[32] الطبری محمد بن جعفر جریز جامع البیان في تفسیر القرآن، ص: ۱۹۷ ج : دار المعرفة بیروت لبنان

اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان (یابنی اسرائیل) میں یہود کے علماء کو خطاب کیا ہے جو کہ اللہ کے رسول کے ہجرت کے وقت مدینہ میں موجود تھے تو اللہ نے انہیں حضرت یعقوب کی طرف منسوب کیا جس طرح اولاد آدم کو حضرت آدم کی طرف اپنے اس فرمان میں منسوب کیا ہے اے ابن آدم ہر مسجد کے پاس طہارت کا انتظام کرو۔

کتاب مقدس میں بھی واضح بیان ہے کہ حضرت یعقوب کی نسل واقعی بنی اسرائیل یعنی یعقوبؑ کی اولاد کہلائے۔یعقوب کے صلب جو لوگ پیدا ہوئے اور اس کے ساتھ مصر آئے اس کی بہوؤں کو چھوڑ کر شمار میں چھیاسٹھ تھے اور یوسف کے دو بیٹے جو مصر میں پیدا ہوئے سو یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب مل کر ستر ہوئے۔[33]

جب کہ توراۃ میں ہی ایک اور جگہ بیان ہے حضرت یعقوبؑ نے خدا کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی زندگی اس کے سپرد کی تو اسے فتح حاصل ہوئی اور خدا نے ان کا نام بدل کر اسرئیل (عبرانی۔۔۔ سیسرائیل) رکھا جس کا مطلب ہے کہ خدا کے ساتھ اس نے زور آزمائی کی اور وہ غالب رہا۔[34]

حضرت یعقوبؑ کا ذکر قرآن مجید میں سولہ مقامات پر آیا ہے۔۔۔

(البقرہ ۲:۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰)(آل عمران ۳:۸۴)(النساء ۴:۱۶۳)(الانعام ۶:۸۴)(ھود ۱۱:۷۱)

(یوسف ۱۲:۶، ۳۸، ۸۶)(مریم ۱۹:۶، ۴۹)(الانبیاء ۲۱:۷۲)(العنکبوت ۲۹:۲۷)(سورۃ صٰ ۳۸:۴۵)

قرآن حکیم کے مطابق بھی بنی اسرائیل سے مراد اولاد یعقوب یا بعد ازاں یہود و نصاریٰ ہیں۔

بنی اسرائیل اصل میں دو گروہوں میں منقسم تھے جن میں حضرت ابراہیمؑ کا وہ خاندان جو ان کے پوتے یعقوب بن اسحاق سے تھا بنو اسرائیل کہلاتا ہے اس لئے نسلی یہود اور نصاری کے قدیم خاندان اسرائیلی کہلاتے ہیں ۔چونکہ عیسیٰؑ بنو اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔تھے اس لئے ایک گروہ ان پر ایمان لایا جو نصاریٰ یا حواری کہلائے اور دوسرے گروہ نے انھیں رسول ماننے سے انکار کر دیا اور یہودیت پر قائم رہا لہذا وہ سب یہودی کہلائے

---

[33] پیدائش ۴۶: ۲۲-۲۷

[34] پیدائش : ۳۲:۲۸

قرآن حکیم میں اس قوم کے لئے الیہود،[35] ھود،[36] یاھودا،[37] (صیغہ جمع) بنی اسرائیل،[38] الذین ھادوا،[39] (اے وہ لوگو جو یہودی بن گئے ہو) کے الفاظ آئے ہیں۔

اگر چہ یہودی کی اصطلاح یا تو قدیم سلطنت یہودا کے باشندوں یا یہود ابن یعقوب کی اولاد یا مذہب یہود کے حامل شخص کے لئے مخصوص ہوتی ہے اور بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) کا لفظ وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور حضرت اسرائیل کے تمام بیٹوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تاہم عام طور پر اس سے مراد حضرت موسیٰ کی شریعت کو ماننے والے لوگ ہیں مگر چونکہ یہودی مذہب کی تعلیمات فقط اولاد یعقوب تک محدود رہی ہیں اس لئے یہ لفظ ایک نسلی گروہ کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔[40]

حضرت یعقوب کی وصیت کے مطابق عمل کرتے ہوئے سارے بنی اسرائیل نے یہودا کی نسل کے حکام کے احکام کی ایک عرصہ تک فرمانبرداری کی لیکن حضرت سلیمان کے بعد ایک شخص نے بغاوت کی اس کے ساتھ دس سے بارہ قبائل مل گئے۔ باقی دو نے رجعام بن سلیمان کو تسلیم کیا رجعام بن سلیمان کے تابع یہ دو قبائل یہود کہلانے لگے اور باقی دس قبیلے اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئے بعد ازاں پوری قوم یہود کہلانے لگی۔[41]

ھاد کے معنی رجوع اور تاب کے ہیں یہود کو یہود اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت یہ موسیٰؑ کی امت ہیں ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے تورات نازل کی گئی جو پہلی منزل من اللہ کتاب تھی اس لئے کہ حضرت ابراہیمؑ پر جو کچھ نازل ہوا وہ کتاب نہیں بلکہ صحیفے تھے۔[42]

بائبل میں یہود کو بیان کرنے کے لئے تین اصطلاحات بیان کی گئی ہیں (ا) بعض حصوں میں انھیں "عبرانی" کہا گیا ہے عبرانی لوگ عبد کی نسل سے ہیں۔[43]

---

[35] سورۃ البقرۃ ۲:۳۱۱

[36] سورۃآل عمران ۳:۱۷

[37] البقرۃ ۲:۱۱

[38] البقرۃ ۲: ۴۷

[39] سورۃ البقرۃ ۲: ۶۲

[40] اردو دائرہ معارف اسلامی : ۳۵۵ ج :اول، دانشگاہ پنجاب، لاہور

[41] فتنہ یہود ،عنصر با بری ،ص ۱۹، مطبوعہ پریس لاہور

[42] عبد الکریم الشہرستانی الملل والنحل ص : ۲۱۰ ج : المطبعہ حجازی با القاہرہ ۱۳۶۷ھ

اسی وجہ سے عبرانی بزرگ یوسفؑ،[44] کو عبدی اور بنی اسرائیل کو بحیثیت قوم عبرانیوں کہا گیا ہے،[45] دوسری اصطلاح بنی اسرائیل ہونے کی وجہ سے اسرائیلی ہے بنیادی طور پر لفظ اسرائیل یعقوب کا نام ہے۔،[46] جو یہود کی شناخت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور بطور اصطلاح بنی اسرائیل کیلئے مستقل بائبل مقدس میں بیان کردہ ہے (۳) تیسری اہم اصطلاح "یہودی ہے۔[47] موسیٰؑ کے بعد دین کی تحریف کر کے اسے یہودیت کا نام دیا گیا۔

عہد نامہ قدیم میں یعقوبؑ کا خدا پر غالب آنے کا ذکر

ایک مقام پر عہد نامہ قدیم میں خدا کو مغلوب اور حضرت یعقوب کو غالب دکھایا گیا ہے۔ گویا خدا اتنا کمزور ہوا کہ اپنی مخلوق پر بھی غالب نہ آسکا۔ دراصل یہاں حضرت یعقوب سے بھی ایک غلطی ہو گئی اور وہ یہ کہ صرف نام کی تبدیلی پر ہی خدا کو چھوڑ دیا، ورنہ اگر یعقوب اس وقت ساری خدائی بھی مانگ لیتا تو خدا اس پر بھی رضامند ہو جاتا، کیونکہ خدا کو تو اپنی جان چھڑانی مقصود تھی۔

چنانچہ لکھا ہے: "اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پُو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہوتا تو اس کی ران کو اندر سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اس کے ساتھ کشتی لڑنے میں چڑھ گئی اور اس نے کہا: مجھے جانے دو، کیونکہ پو پھٹ چلی۔ یعقوب نے کہا: جب تک تو مجھے برکت نہ دے، میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ تب اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: یعقوب۔ اس نے کہا:

---

[43] پیدائش ۱۱:۱۰، ۱۳:۱۴

[44] پیدائش ۱۷:۳۹

[45] پیدائش ۲۸:۳۲

[46] خروج ۵: ۳، ۷، ۱۶- ۹: ۱۳، ۱

[47] خروج ۱۳:۴

کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں، بلکہ اسرائیل ہو گا، کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔[48]

ذوالفقار علی شاہ بائبل میں مذکور خُدا اور یعقوب کے درمیان کُشتی کے واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

بائبل میں خُدا انسانی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، آرام کرتا ہے اور تازہ دم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر بائبل کے بیان کردہ مشہور مقابلہ میں خُدا یعقوب کے ساتھ کُشتی کرتا ہے، یعقوب کے ران کو سرکاتا ہے اور یہاں تک کہ کمزور ظاہر کیا جاتا ہے۔ یعقوب پر جسمانی طور پر غلبہ پانے کے قابل نہیں اور یہ کمزوری اس نقطہ تک بیان کی جاتی ہے کہ آخر میں یعقوب سے اجازت مانگتا ہے کہ صبح صادق کے شروع ہونے سے پہلے اُسے جانے دیا جائے۔ اس کُشتی کے مقابلہ کے نتیجہ میں خُدا یعقوب کا نام اسرائیل میں تبدیل کر دیتا ہے، جس کا مطلب ہے "وہ خدا سے مقابلہ کرتا ہے"۔[49]

سورۃ یوسف میں حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یوسفؑ کے خواب کا تذکرہ

سورہ یوسف میں دی گئی یعقوب علیہ السلام کی کہانی، ایک چلتی پھرتی کہانی ہے، جو صبر، وفاداری، شرافت اور ہمدردی کا ایک مضبوط سبق دیتی ہے۔ یہ اللہ کی قدرت اور بالادستی اور اس کے احکام کے نفاذ کی ایک مثال کے طور پر بھی کام کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمۡرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔[50]

اور اللہ اپنے معاملات پر پوری قدرت رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

---

[48] کتاب پیدائش باب 32آیت 24 تا 28

[49] Shah, Zulfiqar Ali, The Anthropomorphic Depictions of God, Gutenberg Press Ltd, Malta 2012, pp 15.

[50] سورۃ یوسف 12: 21

قرآن مجید میں حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ[51] کا واقعہ ایک خواب سے شروع ہوتا ہے اور اس کی تعبیر پوری ہونے پر ختم ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے نیند سے بیدار ہوئے اور جوش و خروش سے اپنے والد کے پاس گئے اور اپنا خواب بیان کیا:

اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَعَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ۔[52]

(یاد کرو) جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند کو دیکھا، میں نے دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔) "

حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا نام اسرائیل تھا اسرائیل کے معنی ہیں عبد اللہ حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے بیٹے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پوتے ہیں۔ قوم بنی اسرائیل انہیں حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد ہے حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے پانچ شادیاں یکے بعد دیگرے کیں ان کی اولاد ذکور میں بارہ بیٹے تھے جو مختلف بیویوں کی اولاد تھے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت یوسف (علیہ السلام) اور بنیامین ایک بیوی راحیل کے بچے تھے ان کی وفات کے بعد ان کی بہن سے شادی کی جو زندہ تھیں اور ان دونوں بچوں کی خالق ہیں دیگر دس لڑکے سب عمر میں بڑے تھے اور فوت شدہ تین بیویوں کی اولاد تھے چونکہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) حد سے زیادہ حضرت یوسف (علیہ السلام) سے محبت کرتے تھے اور ہر وقت ان کو اپنے پاس رکھتے تھے اور ان کی تربیت کا زیادہ خیال رکھتے تھے اس لیے دوسرے بھائیوں کو حسد پیدا ہوا اور وہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے تھے اور انہیں ناگوار معلوم ہوتا تھا اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) بھی اس حقیقت حال سے باخبر تھے اور بیٹوں کے حاسدانہ رویہ سے پریشان بھی رہتے تھے عین اسی کشمکش کے زمانہ میں حضرت یوسف (علیہ السلام) نے خواب دیکھا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے

---

[51] یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام) پیغمبر زادہ اور خود بھی پیغمبر تھے شرف نبوت خاندان میں تین پشتوں سے چلا آرہا تھا زمانہ بقول اغلب ۱۹۱۰ء تا ۱۸۰۰ء ق، م مولد و مسکن ارض فلسطین میں وادی حبرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جو یروشلم سے ۱۸ میل جنوب و مغرب میں واقع ہے۔ ولادت حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے محبوب ترین محل حضرت راحیل (علیہا السلام) کے بطن سے ہوئی خود بھی حسین و خوبرو اور والد ماجد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ آخر آگے چل کر پیغمبر بھی ہونے والے تھے؛۔ آثار رشد بچپن ہی سے کون کر نمایاں نہ ہوتے۔ توراۃ میں ہے:۔ "اسرائیل یوسف کو اپنے سب لڑکوں سے زیادہ پیار کرتا تھا اس لیے کہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اس کے لیے ایک بوقلمون قبا بنائی "کتاب پیدائش 3:37

[52] سورۃ یوسف 12: 4

میرے سامنے سجدہ ریز ہو کر میرے قدموں پر سجدہ کر رہے ہیں صبح تنہائی میں حضرت والد ماجد سے اپنا خواب بیان کیا حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو اس خواب سے اور اسکی تعبیر سے بڑی مسرت حاصل ہوئی اور ساتھ میں پریشانی لاحق ہوئی جس کے دفعیہ میں بیٹے سے فرمایا کہ اپنا یہ خواب چھپائے رکھو اور کبھی اپنے بھائیوں کے سامنے ظاہر نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے حال پر اور اس خواب کی بلندی پر راضی نہیں رہیں گے اور تمہارے خلاف کوئی منصوبہ اور سازش تیار کریں گے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوئی بری تدبیر کریں گے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور سازشوں کا تیار کرنے والا ہے۔ سبحان اللہ یہ گمان پر مبنی خطرہ بعد میں حقیقت بن گئی جس کا بیان آنے والا ہے حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے یوسف (علیہ السلام) کو پہلے تو یہ نصیحت کی کہ اپنے خواب اپنے بھائیوں سے بیان مت کرنا اور پھر یہ فرمایا۔

واضح رہے کہ انبیاء کے خواب اللہ کی طرف سے وحی ہوتے ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔ کہ علماء تفسیر نے بیان کیا کہ یوسف علیہ السلام کے خواب میں گیارہ ستارے ان کے بھائیوں کی نمائندگی کرتے تھے جو گیارہ تھے اور سورج اور چاند ان کے والد اور والدہ کی نمائندگی کرتے تھے۔ خواب کا یہ منظر چالیس (بعض کا کہنا ہے کہ اسّی) سال بعد حقیقت بن گیا، جب یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا جب کہ ان کے بھائی ان کے ساتھ تھے۔[53]

حضرت یعقوبؑ کی بیٹے حضرت یوسفؑ کو نصیحت

تاہم، حضرت یعقوب علیہ السلام، جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حسد سے بخوبی واقف تھے، نے انہیں خبردار کیا کہ وہ اپنے خواب اپنے بھائیوں کو بیان نہ کریں۔:

قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۔[54]

[53] (وضاحت ابن عباس، ضحاک، قتادہ، سفیان ثوری اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے جمع کی گئی ہے)۔

[54] سورۃ یوسف 12: 5

"اے میرے بیٹے! اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے خلاف سازش کریں۔ بے شک ! شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

) حضرت یوسف (علیہ السلام) کے خواب پر یعقوب (علیہ السلام) نے یہ بھی فرمایا، اے پیارے بیٹے اللہ تمہیں اپنی عنایات کے لیے چن لے گا (بایں طور کہ بادشاہ بنائے گا) اور تمہیں تعبیر خواب کا علم دے گا (کیونکہ یہ علم یعقوب (علیہ السلام) کے پاس تھا پر ہ وہ آپ کی اولاد میں سے نبوت پانے والے بیٹے کو دیا جانا تھا) اور تم پر اللہ اپنی نعمت کو پورا کرے گا (یعنی نبوت سے سر فراز فرمائے گا) اور آل یعقوب پر بھی منصب نبوت ارزنی کرے گا (چنانچہ بنی اسرائیل میں ہزاروں انبیاء آئے) جیسے تمہارے دادا اسحاق اور ابراہیم (علیہ السلام) پر اللہ نے اپنی نعمت تمام کرتے ہوئے انھیں منصب نبوت عطا فرمایا۔ یہاں یعقوب (علیہ السلام) نے اپنا نام ازراہ تواضع نہ لیا حالانکہ منصب نبوت کی نعمت ان پر تمام کی گئی تھی مگر بزرگوں کے برابر انھوں نے اپنا ذکر بھی مناسب نہ جانا۔ اس میں بزرگوں کی تعظیم کا بہترین درس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبوت سے بڑا کوئی انسانی منصب نہیں۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحَاقَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔[55]

اور (جیسا تو نے خواب میں دیکھا ہے) اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدہ کرے گا اور معاملہ فہمی اور حقیقت رسی کی تعلیم دے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور اولاد یعقوب پر پوری کرے گا جیسا کہ وہ اس سے پہلے تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر پوری کر چکا ہے۔ بلاشبہ تیرا رب (سب کچھ) جاننے والا (اور) حکمت والا ہے"۔

ویتم نعمته علیک وعلی ال یعقوب کما اتمها علی ابویک۔ کے تحت امام خازنؒ فرماتے ہیں۔ معلوم ہو اللہ جسے نبوت دے اس پر وہ اپنی نعمت تمام کر دیتا ہے گویا مخلوق کے لیے اس سے بڑا کوئی منصب نہیں۔[56]

---

[55] سورۃ یوسف 12: 6

[56] تفسیر خازن جلد دوم صفحہ 263

حضرت یعقوبؑ کے دیگر بیٹوں کا یوسفؑ سے حسد

حضرت یوسف (علیہ السلام) کا خواب کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر انھیں سجدہ کرتے ہیں کسی طرح ان کے بھائیوں تک پہنچ گیا جس سے ان کے سینہ میں نار حسد بھڑک اٹھی، روایت ہے کہ بھائیوں کی بیویاں پردے میں یہ خواب سن رہی تھی انھوں نے اپنے شوہروں کو بتادیا وہ کہنے لگے یوسف اور اس کا بھائی بنیامین (کیونکہ وہ دونوں ایک ماں سے تھے یعنی راحیل) ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالاں کہ ہم مضبوط جماعت ہیں یعنی نوجوان ہیں اور محنت و مشقت کر کے گھر کے اخراجات پورے کرتے ہیں جبکہ یوسف و بنیامین گھر میں باپ کے پہلو سے لگے رہتے ہیں تو والد صاحب کو ہم کماؤ بیٹوں سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ یقیناً والد صاحب کھلی وارفتگی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ یعقوب (علیہ السلام) یوسف و بنیامین سے اس لیے زیادہ محبت رکھتے تھے کہ وہ ساری اولاد میں سے چھوٹے تھے اور ان کی والدہ بنیامین کی پیدائش کے وقت فوت ہوگئی تھیں تو آپ انھیں ماں باپ دونوں کا پیار دیتے تھے۔ پھر یوسف کی پیشانی میں نور نبوت چمکتا تھا جسے نگاہ یعقوب دیکھتی تھی اور مذکورہ بالا خواب کے بعد یعقوب ان کی طرف زیادہ متوجہ ہوگئے تھے کیوں کہ ان کی طرف وراثت نبوت کی منتقلی واضح ہوگئی تھی۔

شیطان نے دوسرے بھائیوں میں حسد پیدا کیا اور انہوں نے یوسف علیہ السلام کے خلاف سازشیں کیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۔[57]

"جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ عزیز ہیں حالانکہ ہم اصبح ہیں۔ واقعی ہمارے والد صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔"

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائی سے مراد ان کے چھوٹے حقیقی بھائی بن یمین ہیں جو ان سے کئی سال چھوٹے تھے۔ ان کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور باقی دس بھائی مختلف ماؤں سے تھے، لیکن یہ دونوں بھائی ایک ماں سے اور سب سے چھوٹے اور ماں کی طرف سے یتیم تھے۔ اس کی وجہ سے باپ کی ان دونوں پر

---

[57] سورۃ یوسف 12: 8

زیادہ نظر شفقت رہتی تھی اور حضرت یوسف (علیہ السلام) پر اگرچہ وہ بن یمین سے کئی سال بڑے تھے زیادہ توجہ ہونے کی وجہ ان کی پیغمبرانہ صفات تھیں اور ان کے باقی دس بھائی ایک تو عمر کی اس حد کو پہنچ چکے تھے جب وہ اپنے معاملات کے فیصلے خود کرنے کی پوزیشن میں تھے اور بھرپور جوان ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر اعتماد بھی رکھتے تھے لیکن یہ بات ان کے لیے بہر حال محسوس کرنے والی تھی کہ ہمارے والد کی وہ توجہ ہم پر نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے بھائیوں پر ہے حالانکہ ذرا غور کرنے سے وہ خود بھی اس بات کو سمجھ سکتے تھے کہ ان کو ہمارے باپ کی توجہ کی جس قدر ضرورت ہے ہمیں نہیں اور مزید یہ بات بھی کہ جہاں تک حضرت یوسف (علیہ السلام) کا معاملہ ہے وہ اپنی من موہنی شکل وصورت کے ساتھ ساتھ انتہائی دل میں اتر جانے والی سیرت و کردار کا حامل ہے۔ اور اس کی پیاری پیاری عادتیں باپ کا دل جیتنے کے لیے کافی ہیں اور اس کے برعکس ہم جیسی کچھ کمزوریوں کا شکار ہیں وہ ہم بھی جانتے ہیں۔ لیکن وہ ان باتوں کو سمجھنے کی بجائے ان کے پیش نظر ایک ہی بات تھی جو بدویانہ قبائلی زندگی کی ایک حقیقت تھی۔

قبائلی زندگی میں جہاں کوئی ملکی قانون نہیں ہوتا اور صرف طاقت اور قوت اپنا لوہا منواتی اور اپنی عزت کرواتی ہے وہاں طاقت کا سرچشمہ بڑی تعداد میں جوان اولاد کا ہونا ہے اور ہم ایک دو نہیں، اکٹھے دس گبرو جوان ہیں اور ہماری وجہ سے ہمارے باپ کو قبائل میں ایک قوت حاصل ہے۔ کسی کو ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے ہونا تو یہ چاہیے کہ ہمارے والد کو ہمارا زیادہ لحاظ ہو اور شفقت کی نگاہیں ہم پر مرتکز رہیں۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے کہ شفقت انھیں حاصل ہے جو ان کی طاقت نہیں بلکہ کمزوری کا باعث ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے والد بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا گئے ہیں اور وہ صحیح فیصلہ کرنے سے محروم ہو گئے ہیں۔ حالانکہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی حضرت یوسف (علیہ السلام) سے زیادہ محبت و شفقت کا سبب یہ ہوا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی والدہ ان کی چھوٹی عمر میں انتقال فرما گئی تھیں۔ اور یہ بھی کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے حضرت یوسف (علیہ السلام) میں ہدایت اور اچھی صفات کی وہ نشانیاں ملاحظہ فرمالیں جو دوسرے بھائیوں میں نہ تھیں۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کا انھیں قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کا منصوبہ!

جب حضرت یوسف کے بھائیوں کا حسد انتہا کو پہنچ گیا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف کو اس کے باپ سے الگ کرنا ضروری ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کو قتل کر دیا جائے یا اس کو دور دراز کسی ملک میں

چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ اس کا باپ اس سے ملاقات سے مایوس ہو جائے۔ انھوں یہ جو یہ مشرہ کیا تھا کسی حاسد کا شر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا پھر انھوں نے اس شر کی یہ توجیہ کی کہ یوسف کی وجہ سے ہمارے باپ کی توجہ ہماری طرف نہیں ہوتی اور جب یوسف ان کے پاس نہیں رہے گا تو پھر وہ ہماری طرف توجہ، التفات اور محبت سے پیش آئیں گے انھوں نے کہا اس کے بعد تم لوگ صالحین ہو جاؤ گے۔

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۔قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔[58]

یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی (دوسری) سرزمین میں پھینک دو، تاکہ تمہارے باپ کا فضل تم پر ہی ہو اور اس کے بعد تم نیک لوگ بن جاؤ۔" (گناہ کرنے سے پہلے توبہ کر کے)۔ ان میں سے ایک نے کہا: یوسف کو قتل نہ کرو، لیکن اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اسے کنویں کی تہہ میں پھینک دو۔ اسے مسافروں کا کوئی قافلہ اٹھالے جائے گا۔

چنانچہ ان سب بھائیوں نے جمع ہو کر حضرت یوسف (علیہ السلام) کے خلاف مشورہ کیا، کسی نے کہا کہ ان کو قتل کر دو۔ لیکن سب سے بڑے بھائی نے کہا کہ قتل کرنا تو بہت سخت بات ہے اور ہمارا مقصد بدون اس کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر تم یوسف کو یہاں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ اس کو بستی سے دور کسی گمنام کنوئیں میں ڈال دو۔ جس سے غرض یہ تھی کہ عمداً قتل کرنے کا گناہ بھی اپنے سر نہ لیں اور ایسے کنوئیں میں ڈال دینے کے بعد بہت ممکن ہے کہ کوئی مسافر ادھر سے گزرے اور خبر پا کر کنوئیں سے نکال لے جائیے۔ اس صورت میں ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اور خون ناحق سے ہاتھ نہ رنگنے پڑیں گے۔ گویا آج کل کے محاورہ میں سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ انسان دشمنی کے عالم میں کتنی دور تک جا سکتا ہے۔ یہ ان تجویزوں سے بالکل ظاہر ہے۔

جب سب بھائیوں نے یہ مشورہ طے کر لیا کہ یوسف کو ساتھ لے جائیں اور کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال آئیں چنانچہ اس مشورہ پر اتفاق کر لینے کے بعد اپنے والد کو دھوکا دینے اور بھائی کو پھسلا کر لے جانے اور غریب پر

[58] سورۃ یوسف 12: 9،10

آفت ڈھانے کے لیے سب مل کر باپ یعنی حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے پاس آئے۔ باوجود یکہ تھے بدخواہ اور برا چاہنے والے لیکن اپنے والد کو اپنی باتوں میں پھنسانے کے لیے اور اپنے گہرے مکر میں انھیں الجھانے کے لیے پہلے ہی سے جال بچھاتے ہیں اور سب مل کر یعقوب (علیہ السلام) سے کہتے ہیں۔ کہ ابا جی آخر کیا بات ہے کہ جو آپ ہمیں یوسف کے بارہ میں امین نہیں جانتے؟ ہم تو اس کے بھائی ہیں۔ اس کی خیر خواہی ہم سے زیادہ کون کر سکتا ہے۔ ان کی ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید پہلے بھی وہ کچھ اس قسم کی درخواستیں کر چکے تھے مگر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا دل ان کے ساتھ بھیجنے پر مطمئن نہیں ہوا۔ الغرض سب بھائیوں نے ملکر حضرت یعقوب (علیہ السلام) سے کہا کہ یوسف کو ہمارے ساتھ جنگل بھیج دیجئے، آخر ہم گھر بھر کی بکریاں جانور چراتے ہیں۔ دن بھر جنگل کی تازہ ہوا کھاتے ہیں۔ آپ ہیں کہ یوسف کو کبھی اپنی آنکھ سے اوجھل ہی نہیں ہونے دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں ارشاد ہے:

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَـهٗ لَنَاصِحُوْنَ ۔اَرْسِلْـهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَـعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَـهٗ لَحَافِظُوْنَ۔قَالَ اِنِّـىْ لَيَحْزُنُنِىْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَـهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُوْنَ۔قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَـهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّـآ اِذًا لَّخَاسِرُوْنَ۔[59]

انہوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد کیوں نہیں کرتے حالانکہ ہم ان کے خیر خواہ ہیں؟ اسے کل ہمارے ساتھ بھیج دو کہ وہ لطف اندوز ہو اور کھیلے، اور ہم اس کا خیال رکھیں گے۔" اس نے (یعقوب علیہ السلام) نے کہا: "واقعی، مجھے یہ افسوسناک ہے کہ آپ اسے لے جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں بھیڑیا اسے کھانہ جائے اور تم اس سے بے پرواہ ہو۔" انہوں نے کہا: اگر اسے بھیڑیا کھا جائے اور ہم اس کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط گروہ ہیں تو یقیناً ہم خسارے میں ہیں۔

بھائی پھر منصوبہ بندی کے مطابق کنویں پر گئے۔ مزاحمت کرنے والے یوسف کی قمیض اتار دی گئی اور اسے گہرے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ اسے ویران جگہ پر چھوڑ کر اور ان کے برے کام کو خفیہ رکھنے کی قسم کھا کر انہوں نے ایک بھیڑ کو مار ڈالا اور یوسف کی قمیض کو خون میں بھگو دیا۔ قرآن کریم نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ بیان کرتا

[59] سورۃ یوسف ۱۲: ۱۴-۱۱

ہے۔ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق بھائیوں نے یوسف (علیہ السلام) کو کنویں میں پھینک دیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی تسلی اور حوصلے کے لیے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسے بلند مقام پر تجھے فائز کریں گے کہ یہ بھائی بھیک مانگتے ہوئے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر تو انھیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح سنگ دلانہ معاملہ کیا تھا، جسے سن کر وہ حیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔[60]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ.وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ۔[61]

جب اسے لے کر چلے اور متفق ہوئے کہ اسے گمنام کنوئیں میں ڈالیں، تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ تو ضرور انہیں ایک دن آگاہ کرے گا ان کے اس کام سے اور وہ تجھے نہ پہچانیں گے۔ اور وہ رات کے ابتدائی حصے میں روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے.

حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کا یوسفؑ سے متعلق جھوٹ بولنا

یوسف (علیہ السلام) کو کنوئیں میں ڈال کر اب سب بھائیوں نے گھر کی طرف واپسی کا ارادہ کیا۔ گویا گھر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا یا جان بوجھ کر اندھیرے سے آئے کہ دن کے اجالے میں باپ کو منہ دکھانا زیادہ مشکل تھا اور رات کی تاریکی ان کی سنگدلی اور جھوٹی آہ وبکا کی کسی حد پر دہ داری کر سکتی تھی۔ جب اندھیرا چھا گیا تو ان بھائیوں نے گھر پہنچ کر رونا دھونا شروع کر دیا۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) رونے کی آواز سن کر گھبرا کر باہر نکلے اور پوچھا کہ کیا ہوا اور یوسف کہاں ہے؟ تو کہنے لگے کہ ابا جان کیا کہیں جنگل میں جا کر جی چاہا کہ بھاگیں دوڑیں، یوسف کو سامان کے پاس بٹھا دیا اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو بھاگ دوڑ شروع کی بس ذرا آنکھ سے اوجھل ہونا تھا کہ بھیڑیئے نے یوسف کو آدبوچا۔ اس موقع پر اتنی ذرا سی دیر میں احتمال بھی نہ تھا کہ بھیڑیا پہنچ کر فوراً یوسف کو شکار کر لے گا آپ تو

---

[60] حضرت یوسف (علیہ السلام) اس وقت اگرچہ بچے تھے، لیکن جو بچے، نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں، ان پر بچپن میں بھی وحی آجاتی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ وغیرہ (علیہم السلام) پر آئی۔

[61] سورۃ یوسف 12: 15،16

یوسف کے معاملہ میں پہلے ہی سے ہماری طرف سے بد گمان ہیں۔ ہم لاکھ سچے ہوں مگر آپ ہمارا یقین کاہے کو کرنے لگے۔ یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے کم از کم رونے کی آواز تو بنا ہی رکھی تھی۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو ان کا چہرہ بھی بتا دیتا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں۔ پھر بھی کہانی صاف گھڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا" : یہ رونا کیوں؟ کیا ہمارے ریوڑ کو کچھ ہوا ہے؟ "انہوں نے روتے ہوئے جواب دیا:

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ۔[62]

اے ہمارے باپ! ہم آپس میں دوڑتے چلے گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا اور اسے بھیڑیا کھا گیا۔ لیکن جب ہم سچ بولیں گے تب بھی آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔

وَجَآءُوْا عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ[63]

اور وہ اس کی قمیض لے آئے جو جھوٹے خون سے داغدار تھی۔

تورات کے بیان کے مطابق حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے ایک بکری کے بچہ کو ذبح کر دیا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قمیص کو اس کے خون میں ڈبو کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے سامنے پیش کیا، حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے صاحبزادوں کی بات پر یقین کر لیا اور کہا کہ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔[64]

سب بھائیوں نے ایک ڈھونگ یہ رچایا کہ یوسف (علیہ السلام) کی قمیص جو کنوئیں میں ڈالتے وقت ان کے بدن سے اتار لی تھی کسی جانور کو مار کر اس کے خون سے بھر لی تھی اور وہ جھوٹا خون آلود کرتہ پیش کر کے کہنے لگے کہ بھیڑیئے کے زخمی کرنے سے یہ کرتا یوسف کا خون آلود ہو گیا۔ نادان یہ نہ سمجھے کہ بھیڑیا پکڑتا تو سب سے پہلے قمیص پھٹتی اس کے کیا معنی کہ بدن تو زخمی اور لہولہان ہو گیا لیکن قمیص پر ذرا بھی آنچ نہ آئی اور وہ بالکل صحیح سالم رہی، حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ ساری کہانی تمہاری گھڑی ہوئی ہے اور یہ خون جھوٹا خون ہے !

---

[62] سورۃ یوسف 12: 17

[63] سورۃ یوسف 12: 18

[64] دیکھیے : پیدائش : 37: 31

جب یعقوبؑ نے مزید معلومات مانگی تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے لیکن ہر ایک نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ٹوٹے دل باپ رو پڑے:

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔[65]

"نہیں! لیکن آپ نے خود ہی ایک کہانی بنالی ہے۔ پس (میرے لیے) صبر سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اور جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مقابلہ میں اللہ ہی سے مدد لی جاسکتی ہے۔

تمام بھائی یہ بھول گئے کہ بھیڑیا اگر یوسف (علیہ السلام) کو کھاتا تو قمیص کو بھی پھٹنا تھا، قمیص ثابت کی ثابت ہی تھی جس کو دیکھ کر، علاوہ ازیں حضرت یوسف (علیہ السلام) کے خواب اور فراست نبوت سے اندازہ لگا کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا جو تم بیان کر رہے ہو، بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ہی یہ بات بنالی ہے، حضرت یعقوب اس کی تفصیل سے بے خبر تھے، اس لیے سوائے صبر کے کوئی چارہ اور اللہ کی مدد کے علاوہ کوئی سہارا نہ تھا۔ یہاں ہم سب کے لیے یعقوب علیہ السلام کی نماز اور صبر کی ایک مثال ہے، جو بالکل شک و شبہ سے پاک ہے۔ اس کا اپنے بیٹوں کی سازشوں کے خلاف مدد کے لیے صرف اللہ پر بھروسہ ایک مضبوط سبق ہے۔

حضرت یوسفؑ کی مصر میں بادشاہت اور بن یامین کو قید کرنے کا حکم

کئی سال بعد جب یوسف علیہ السلام صبر اور کامیابی کے ساتھ اللہ پر ایمان کی تمام آزمائشوں اور آزمائشوں سے گزر چکے تھے اور مصر کے بادشاہ کے وزیر اعلیٰ بن گئے تھے تو ان کے بھائیوں نے ان کی عیادت کی جنہیں ان کی مدد کی ضرورت تھی۔ یوسفؑ نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ نہیں پہچانے۔ یوسفؑ نے انہیں اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو لانے اور چوری کے الزام میں حراست میں لینے کے لیے کہا تاکہ وہ اسے رکھ سکیں اور اس کی حفاظت کر سکیں۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی منت سماجت کی کہ وہ بن یامین کو چھوڑ دیں اور ان کی جگہ ان میں سے کسی کو رکھ لیں۔ لیکن حضرت یوسف (علیہ السلام) نے منظور نہیں کیا۔

[65] سورۃ یوسف 12: 18

جب وہ ناامید ہو گئے تو آپس میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے، کہ اب اس مشکل صورت حال کا کس طرح سامنا کیا جائے اور اس پیچیدہ الجھن کا کیا حل تلاش کیا جائے۔ کیونکہ ان کے باپ نے بن یامین کو ان کے حوالے کرنے سے پہلے ان سے پکی قسمیں لی تھیں کہ وہ بن یامین کی حفاظت کریں گے۔

دوسرے بھائی گھر واپس آئے اور اپنے والد کو بتایا کہ کیا ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو کچھ سنا اس پر یقین نہیں آتا تھا۔ قرآن مجید اس کی تفصیل ہمیں بتاتا ہے کہ بیٹوں اور ان کے باپ کی ملاقات میں کیا ہوا:

فَلَمَّا اسْتَيْاَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ۔ارْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ۔وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۚ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔[66]

پس جب وہ اس سے مایوس ہوئے تو انہوں نے اکیلے میں مشورہ کیا۔ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا: تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے حلف لیا تھا اور اس سے پہلے تم نے یوسف کے ساتھ اپنے فرض میں کوتاہی کی۔ اس لیے میں اس سرزمین کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے مقدمے کا فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اپنے باپ کے پاس واپس آؤ اور کہو: اے ہمارے باپ! بے شک تیرے بیٹے (بنیامین) نے چوری کی ہے اور ہم گواہی نہیں دیتے سوائے اس کے جو ہم جانتے ہیں اور ہم غیب کو نہیں جان سکتے تھے۔ اور اس بستی کے لوگوں سے پوچھو کہ ہم کہاں تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم واپس آئے اور ہم سچ کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: نہیں بلکہ تمھارے نفس نے تمھیں کسی چیز میں پھنسا رکھا ہے۔ اس لیے صبر میرے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ شاید اللہ ان سب کو میرے پاس واپس

[66] سورۃ یوسف 12: 80-84

لے آئے۔ واقعی وہ! صرف وہی سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔" اور اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف! اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں پس وہ سخت غمگین ہوا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام غم سے نڈھال ہو گئے اور رو پڑے، ایک بار پھر انہیں ناقابل برداشت غم کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ پر ان کا بھروسہ ثابت قدم رہا جو ان کی تسلی کا واحد ذریعہ تھا۔ صرف دعا ہی انہیں تسلی دے سکتی تھی اور اس کے ایمان اور صبر کو مضبوط کر سکتی تھی۔ وہ تمام سال اپنے پیارے بیٹے یوسف کے لیے روتے رہے– اور اب اس کا ایک اور بہترین بیٹا اس سے چھن جانے کے بعد –وہ تقریباً اپنی بینائی کھو بیٹھا تھا۔ دوسرے بیٹوں نے حضرت یعقوبؑ سے التجا کی" : اے ابا جان، آپ ایک عظیم نبی اور اللہ کے عظیم رسول ہیں۔ آپ پر وحی نازل ہوئی اور لوگوں نے آپ سے ہدایت اور ایمان حاصل کیا۔ کیوں اپنے آپ کو اس طرح تباہ کر رہے ہو؟" حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا: مجھے ملامت کرنے سے میرا غم کم نہیں ہو گا۔ صرف میرے بیٹوں کی واپسی ہی مجھے تسلی دے گی۔ میرے بیٹے، یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش میں نکلو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔."

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۔ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔[67]

(باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے) کہنے لگے، اللہ کی قسم آپ تو بس یوسف ہی کو یاد کئے جائیں گے یہاں تک کہ (اس کے غم میں) گھل (گھل کر جاں بلب ہو) جائیں یا اپنے آپ کو ہلاک کر دیں۔ (باپ نے) کہا، میں تو اپنی پریشانی اور (رنج و) غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ میرے بیٹو، (ایک بار پھر مصر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوا کرتے ہیں۔

[67] سورۃ یوسف 12: 85-87

تمام بھائی افسردہ ہو کر چلے گئے اور مصر پہنچ کر یوسفؑ سے ملاقات کی، اور انہوں نے التجا کی:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ
68۔

پھر (برادران یوسف مصر پہنچے اور) جب یوسف کے پاس حاضر ہوئے تو عرض کیا، اے عزیز، ہم اور ہمارے گھر والے (قحط کی وجہ سے سخت) مصیبت میں مبتلا ہیں (لہٰذا مجبور ہو کر غلے کی طلب میں ہمیں پھر آنا پڑا)۔ ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں پس (اسے قبول کر لیجیے اور) غلے کی پوری تول عنایت کیجئے (اور اسے خرید و فروخت کا معاملہ نہ سمجھئے بلکہ) ہمیں (محتاج سمجھ کر) خیرات دیجئے، بے شک اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

آخر میں انہوں نے یوسفؑ کی منت کی۔ انہوں نے اس سے بھیک مانگی، ان کے دل کو اپیل کرتے ہوئے، انہیں یاد دلاتے ہوئے کہ اللہ خیرات دینے والوں کو اجر دیتا ہے۔ اس وقت ان کی حالت زار کے دوران حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۔[69]

"تمہیں کچھ یاد بھی ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب کہ تم نادان تھے؟

بھائی یہ سن کر حیران ہو گئے اور کہنے لگے

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔[70]

بھائیوں نے کہا: کیا تم واقعی یوسف ہو؟ انہوں نے کہا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی (بنیامین) ہے۔ بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بے شک وہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے۔ گناہوں اور برے

---

[68] سورۃ یوسف 12: 88، کتاب خروج باب 12

[69] سورۃ یوسف 12: 89

[70] سورۃ یوسف 12: 90

کاموں سے، اور اچھے اچھے کام کرنے سے) اور صبر سے کام لیا تو یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

یوسفؑ کے بھائیوں کا اعتراف خطا، اور حضرت یعقوبؑ کے لئے پیراہن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـــِٕيْنَ۔قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۔اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔[71]

انھوں نے کہا بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم خطاکار تھے یوسف نے کہا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے میری اس قمیص کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) کا بھائیوں کا اعتراف خطا کرنا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کا انھیں معاف فرمانا: جب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا ہے اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ تو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے ان کی تصدیق کی اور ان کی فضیلت کا اعتراف کیا اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم خطاکار تھے۔ ساتھ ہی بھائیوں کو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ہدایت کی کہ وہ کنعان واپس جائیں اور میرا پیراہن لیتے جائیں جو والد حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈال دیں جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی آنکھیں روشن کر دے گا اور پھر تمام خاندان کو ساتھ لے کر مصر واپس آجاؤ۔

الغرض ادھر سے قافلہ مصر سے چلا ادھر حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے پوتوں اور گھروں والوں سے فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں عقل ماری گئی تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ کو یوسف کی خوشبو

[71] سورۃ یوسف 12: 91

آرہی ہے۔ گھر والے کہنے لگے، بخدا تم تو اپنے اسی پرانے خیال میں پڑے ہو یعنی اس قدر عرصہ گذر جانے کے بعد بھی جبکہ یوسف کا نام نشان بھی باقی نہیں رہا، تمہیں یوسف ہی کی رٹ لگی ہوئی ہے۔ یوسف کی محبت اس کے زندہ ہونے اور دوبارہ ملنے کا یقین آپ کے دل میں جاگزین ہے وہی پرانے خیالات ہیں جو یوسف کی خوشبو بن کر دماغ میں آتے ہیں، واقع میں نہ خوشبو ہے نہ کچھ ہے، حضرت یعقوب (علیہ السلام) خاموش ہو رہے۔۔ خدا کی قدرت یوسف (علیہ السلام) مصر میں موجود ہیں کبھی نہ کہا کہ یوسف کی خوشبو آتی ہے۔ کیونکہ خدائے قدوس کو امتحان پورا کرنا تھا۔ پھر یوسف اپنے وطن کنعان ہی میں کنوئیں میں تین روز تک پڑے رہے تو اس وقت یہ خوشبو محسوس نہ ہوئی، اب ملنے کا وقت آیا تو ادھر قافلہ یوسف (علیہ السلام) کی قمیص لے کر مصر سے نکلا ادھر پیراہن یوسفی کی خوشبو یعقوب (علیہ السلام) کی معطر کرنے لگی۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰي وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ڈ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ۔[72]

اور یہ قافلہ (مصر سے) چلا ہی تھا کہ ان کا باپ (گھر کے لوگوں سے) کہنے لگا، "اگر تم لوگ مجھے سٹھیا گیا ہوا نہ سمجھو (تو ایک بات کہوں کہ) میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ وہ بولے، اللہ کی قسم! آپ تو (وہی) اپنے پرانے خبط میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ پھر جب (یوسف کے زندہ و سلامت ہونے کی) خوشخبری لانے والا (یعقوب کے پاس) آپہنچا (اور) اس نے (یوسف کا) کرتہ یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا تو (یکایک) اس کی بینائی عود کر آئی۔ (تب اس نے بیٹوں سے) کہا، "کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے؟۔ وہ بولے، "اباجان، ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کیجئے۔ بے شک ہم ہی خطاکار تھے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ ۔[73]

(یعقوب نے) کہا، "میں جلد ہی اپنے رب سے تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔ بے شک وہ (اللہ بڑا ہی) بخشنے والا (اور) ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

---

[72] سورۃ یوسف 12: 94-97

[73] سورۃ یوسف 12: 98

ادھر بیٹوں کا قافلہ مصر سے جب بخیریت پہنچ گیا اور برادران یوسف نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے ارشاد کے موافق ان کا پیرہن یعقوب (علیہ السلام) کی آنکھوں پر ڈال دیا، قمیص کے منہ پر ڈالتے ہی یعقوب (علیہ السلام) کی آنکھوں کی بینائی بحال ہوگئی اور دوبارہ حسب سابق نظر آنے لگا۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور بیٹوں کو یاد دلایا کہ اللہ کی مہربانی سے کام اس طرح انجام پایا کرتے ہیں۔ جب برادران یوسف قمیص لے کر آئے اور یعقوب (علیہ السلام) کے چہرہ پر ڈالا تو حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے پوچھا کہ یوسف کیسے ہیں؟ یعنی ان کو کس حال میں پایا۔ انھوں نے بتلایا کہ وہ مصر کے بادشاہ ہیں، یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں اس کو نہیں پوچھتا کہ وہ بادشاہ ہیں یا فقیر، پوچھنا یہ ہے کہ ان کو کون سے دین پر پایا؟ انھوں نے کہا: دین اسلام پر، یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اب نعمت پوری ہوئی۔ الغرض بیٹوں نے جب سارا ماجرا بیان کیا تو فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ یوسف کو تلاش کرو۔ اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ ہم سب کو پھر اکٹھا کر دے، دیکھ لو وہی صورت ہوئی اور اسی لیے میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے دیکھو آخر اللہ تعالیٰ میری امید راست لایا۔ برادران یوسف کے لیے یہ وقت بھی بہت کٹھن تھا، شرم وندامت میں غرق، سر جھکائے ہوئے حضرت یعقوب (علیہ السلام) سے عرض کیا کہ ہمارے باپ آپ خدا کی جانب میں ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا فرمایئے کیونکہ اب تو یہ ظاہر ہی ہو چکا کہ ہم نے آپ کو جو کچھ یوسف (علیہ السلام) کے معاملہ میں تکلیف دی اس میں بلاشبہ ہم سخت خطاکار اور قصوروار ہیں۔ اس پر حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔ بے شک وہ غفور الرحیم ہے۔

حضرت یعقوبؑ کی کہانی ایک خواب سے شروع ہوئی اور خواب کی تعبیر پر ختم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: پھر جب وہ سب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس لے لیا اور کہا: "مصر میں داخل ہو جاؤ، اللہ نے چاہا تو سلامتی کے ساتھ۔"

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۔وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَي الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ

جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔[74]

پھر جب (سب کے سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو (عزت و احترام کے ساتھ) اپنے پاس جگہ دی اور کہا، "کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم (سب) مصر میں امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔"

اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر اٹھایا اور وہ اس کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔ اور فرمایا: اے میرے باپ! یہ میرے پرانے خواب کی تعبیر ہے! میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا! وہ واقعی میرے ساتھ اچھا تھا، جب اس نے مجھے قید سے نکالا، اور تم سب کو بدوئی کی زندگی سے یہاں لایا، جب کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی بو دی تھی۔ بے شک میرا رب بڑا مہربان اور مہربان ہے جس پر چاہے۔ واقعی وہ! صرف وہی سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

سیدنا یوسف کے خواب کے پورا ہونے کا وقت:۔ دوسرے دن جب سیدنا یوسف شاہی دربار میں پہنچے تو آپ نے اپنے والدین کو تخت شاہی پر اپنے ساتھ بٹھالیا اور یہ والدہ سیدنا یوسف کی کوئی سوتیلی والدہ ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں چھوٹے بھائیوں کی حقیقی والدہ راحیل، بن یمین کی پیدائش کے وقت ہی فوت ہو گئی تھی۔ جب والدین اور برادران یوسف نے سیدنا یوسف کی یہ شان و شوکت دیکھی تو والدین نیچے اترے اور وہ دونوں اور گیارہ بھائی سب کے سب سیدنا یوسف کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔[75]

---

[74] سورۃ یوسف 12: 99-100

[75] اس سجدہ کے تعظیمی سجدہ ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں، اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا اس سجدہ کی صورت وہی تھی جس پر شرعاً لفظ سجدہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے ہم نماز میں سجدہ کرتے ہیں یا سجدہ کے معنی صرف جھک جانا ہے۔ جیسے دوسرے کو سلام کرتے وقت بھی بعض دفعہ انسان جھک جاتا ہے۔ کیونکہ لغوی لحاظ سے لفظ سجد میں اس معنی کی بھی گنجائش ہے۔ اگر دوسرے معنی لیے جائیں تو پھر تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ محض تھوڑا سا جھک جانے پر بھلا کیا ہے اعتراض ہو سکتا ہے البتہ جن مفسرین نے پہلے معنی مراد لیے ہیں وہ صراحت کر دیتے ہیں کہ سجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں فی الواقع حرام ہے۔ لیکن پہلی شریعتوں میں اس کی اجازت تھی۔ سجدا سے پہلے خروا کا لفظ ہمارے خیال میں دوسرے معنی کی ہی تائید کرتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کا اللہ کے احسانات کا شکر ادا کرنا:۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۔[76]

(پھر یوسف نے دعا کی) پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا اے آسمان وزمین کے بنانے والے تو ہی میرا کارساز ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، تو (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمان برداری کی حالت میں جاؤں، اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

یہ صورت حال دیکھ کر سیدنا یوسف کو اپنے پر اللہ کے احسانات یاد آنا شروع ہو گئے۔ اور اپنے والد محترم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ جو خواب میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ یہ اس کی حقیقی تعبیر سب کے سامنے آگئی ہے۔ (اس خواب اور اس کی حقیقت کا برادران یوسف کو اسی مجلس میں علم ہوا۔ اس سے پہلے یہ خواب نہ سیدنا یوسف نے کسی کو بتایا تھا اور نہ سیدنا یعقوب نے) یہ بھی اللہ کا مجھ پر بڑا فضل واحسان ہے اور اس وقت بھی اللہ نے بڑا احسان کیا تھا۔ یوسفؑ بادشاہی کا اثاثہ بننے کے بعد، بادشاہ نے اپنے خاندان کو اپنے ساتھ مصر میں آباد کرنے کی اجازت دے دی۔

جب تک حضرت یعقوبؑ زندہ رہے۔ سیدنا یوسفؑ حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب والد فوت ہو گئے تو آپ اپنی مرضی سے اقتدار سے دست بردار ہو گئے سیدنا یعقوب نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو جو وصیتیں کی تھیں ان کا ذکر سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ منجملہ ایک یہ بھی تھی کہ میری میت کو شام لے جا کر وہاں آباؤ اجداد کے ساتھ دفن کرنا۔ چنانچہ سیدنا یوسف خود انھیں دفن کرنے کے لیے شام آئے اور دفن کے بعد واپس چلے گئے۔ ایک دفعہ آپ (سیدنا یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا جب بنی اسرائیل مصر سے نکل جائیں گے، اس وقت وہ میری میت کو ساتھ لے جائیں چنانچہ تقریباً پانچ سو سال بعد جب سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو سیدنا یوسف کا تابوت بھی ساتھ لے گئے۔

---

[76] سورۃ یوسف 12: 101

اسلام، اللہ کے تمام انبیاء کا دین، اور حضرت یعقوبؑ کی وصیت

یہود کہا کرتے تھے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے ان کو یہودیت کے بجائے کسی اور مذہب کے اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے: اس لیے ہم معذور ہیں، اگر ان کی طرف سے یہ ممانعت نہ ہوتی، تو ہم ضرور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لے آتے، قرآن مجید نے یہاں اسی پر تنقید کی ہے کہ کیا یہ لوگ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی وفات کے وقت وہاں موجود تھے؟ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی نصیحت تو صرف اس قدر تھی کہ ہمیشہ شرک سے بچنا اور توحید پر قائم رہنا، نہ یہ کہ بعد میں آنے والے انبیاء پر ایمان لانے سے انکار کر جانا۔

حضرت اسحاق (علیہ السلام) حضرت سارہ کے بیٹے، حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے چھوٹے بھائی تھے حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے بیٹے حضرت یعقوب (علیہ السلام) تھے اس آیت میں اللہ جل شانہ یہودیوں کو خطاب کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ تم جو من گھڑت باتیں بنا کر اسلام سے پھر رہے ہو اور غلط باتیں اپنے بزرگوں کے متعلق کہتے ہو تو کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے موت کے وقت اپنے بیٹوں سے سوال کیا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم اسی اللہ کی عبادت کریں گے جس کی عبادت آپ کے دادا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) آپ کے چچا حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور آپ کے والد حضرت اسحاق (علیہ السلام) کرتے آئے ہیں دین ابراہیمی اور اسلام ایک ہی چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی خدا پرستی اور نیک عملی، جو قوم یا افراد اس سے انکار کریں گے وہ چاہے کسی کے بھی بیٹے ہوں، عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا ذکر خاص طور سے اس لیے کیا گیا کہ اگر انھوں نے اولاد کو رب العزت کی رضا کے لیے قربان کر دینا منظور کیا تو ان کے لیے نیک نصیحت اور نیک عملی کا ثبوت بھی دیا باپ کی محبت ان کو بھی اتنی ہی دی گئی تھی جتنی کسی دوسرے انسان کو دی جاتی ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کے لیے دعا کی اور پھر موت کے وقت بھی ان کو یہی خیال رہا کہ اپنی اولاد کو دنیا کی سب سے بڑی دولت کی نصیحت کر جائیں اور وہ سب سے بڑی دولت کیا تھی؟ ایمان، عمل صالح اور اسلام۔ حضرت یعقوبؑ کے نزدیک اولاد کے لیے کوئی دولت، دین و اسلام سکھانے کے برابر نہیں۔ مرنے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچوں کو نصیحت کی کہ وہ اللہ کی تعلیمات پر عمل کریں۔ جب یعقوب (علیہ السلام) کی موت کا وقت

آیا۔ اس وقت حضرت یعقوب (علیہ السلام) اور ان کے سب بیٹے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے ذریعے مصر میں پہنچ چکے تھے۔ یہ سارا واقعہ سورۃ یوسف میں بیان ہوا ہے۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا انتقال مصر میں ہوا۔ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے انھوں نے اپنے بارہ کے بارہ بیٹوں کو جمع کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔[77]

کیا تم خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب (علیہ السلام) کا آخری وقت آیا۔ (اور) جس وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے (مرنے کے) بعد کس چیز کی پرستش کرو گے انھوں نے (ہالاتفاق) جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرات) ابراہیم واسماعیل واسحٰق پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے۔ اور ہم اس کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔
اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی وصیت کو نقل کیا ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔[78]

اور اسی کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم (علیہ السلام) اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب (علیہ السلام) بھی میرے بیٹو اللہ تعالیٰ نے اس دین (اسلام) کو تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب (علیہما السلام) نے اس ملت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اس پر یہود نے یہ کہا کہ ہرگز یعقوب نے یہ وصیت نہ کی تھی بلکہ یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اس پر خدا تعالیٰ ان سے بطور توبیخ کے پوچھتا ہے کہ تم یہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہو، کیا وصیت کے وقت کہ موت کا قریب زمانہ ہوتا ہے تم حاضر تھے جبکہ یعقوب (علیہ السلام) نے مصر میں جا کر لوگوں کو بت اور ستارے اور بیل اور بلی وغیرہ کو پوجتے دیکھا اور اس

---

[77] سورۃ البقرۃ 2: 133

[78] سورۃ البقرۃ 2: 132

کا خوف پیدا ہوا کہ مبادا میرے بعد یہ بھی کہیں ان کی صحبت میں بت پرست نہ ہو جائیں تو سب اولاد کو بلا کر پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے ؟ انھوں نے کہا کہ آپ کے خدا کی جو آپ کے باپ دادا ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کا خدائے واحد ہے اور ہم تو ہمیشہ سے اسی کے فرمان بردار ہیں اور رہیں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ تم اس وقت موجود نہ تھے پھر کس لیے انکار کرتے ہو ؟ اور اس بات پر ناحق مغرور ہو کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد ہیں۔ ہم پورے پورے ان کے متبع ہیں ' ہمارے اعمال سے باز پرس ہو گی تو ہم ان کے اعمال کو پیش کر دیں گے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے تم کو ان سے کیا علاقہ وہ پاکباز لوگ تھے، گزر گئے ان کے اعمال سے ان کو نفع ہو گا اور تم کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ ان کے اعمال کے تم جواب دہ نہ ہو گے۔

سارے انبیاء کی صدائے حقیقی تو ایک ہی جیسی تھی اس لیے کہ وہ سب کے سب ہم مشرب تھے۔ اگر موجودہ تورات کے اوراق اس اہم اور ضروری تذکرہ سے خاموش ہیں تو احبار یہود کا یہ قول تو آج بھی موجود ہے کہ

:"یعقوب نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیئے تھے:

1. بت پرستی نہ کرنا۔
2. خدا کی بے حرمتی نہ کرنا
3. میرے جنازہ کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے۔"[79]

عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں۔ روایات و حکایات کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں صراحت اس سے بڑھ کر ملتی ہے:۔

"یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا۔۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا۔ "سن اے اسرائیل، اے ہمارے باپ، ہمارا خدا وہی خدائے لم یزل ہے۔ جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان اسی ایک خدا پر ہے۔[80]

---

[79] جیوش انسائیکلوپیڈیا ج ۷ ص ۲٤

[80] گنزبرگ کی قصص یہود جلد 2 صفحہ 1-14، بحوالہ تفسیر ماجدی، تفسیر آیت 133 سورۃ البقرۃ

آپ کے بستر مرگ کا منظر قصص الیہود میں یوں دکھایا گیا ہے:۔ ”جب اسحاق نے دیکھا کہ ان کا وقت موعود آپہنچا، تو انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ جس کی صفات علی، عظیم، قیوم، عزیز ہیں۔ اور جو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا۔[81]

وصیت کے وقت سیدنا یعقوب کی موت کے اس حوالے سے جن باتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے، ان کی وضاحت مولانا امین احمد اصلاحی نے اپنی تفسیر میں اس طرح فرمائی ہے:

”۔۔ ایک تو اس بات کی طرف کہ حضرت یعقوب نے یہ عہد و اقرار اپنی اولاد سے اپنے بالکل آخری لمحات زندگی میں لیا ہے، اس وجہ سے یہ گمان کرنے کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے کہ اس کے بعد ان کے مسلک و مذہب میں کوئی تبدیلی واقع ہوگئی ہو۔ دوسری اس بات کی طرف کہ ایک شفیق و مہربان باپ جو خدا کا ایک پیغمبر بھی ہے، اپنی اولاد سے جو عہد و اقرار، اپنے بالکل آخری لمحات زندگی میں لیتا ہے، اس کے اور اس کی اولاد کے درمیان سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والا واقعہ وہی عہد و اقرار ہو سکتا ہے اور باوفا اولاد کا یہ سب سے بڑا اور سب سے مقدس فرض ہے کہ وہ ہر طرح کے حالات کے اندر اس عہد کو نباہے، صرف ناخلف اولاد ہی اس نوعیت کے عہد و اقرار کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ تیسری یہ کہ اللہ سے ڈرنے والے اور اپنی اولاد سے سچی محبت کرنے والے ایک باپ کا زندگی میں اپنی اولاد سے متعلق آخری فریضہ یہ ہے کہ وہ مرتے دم ان کی دنیا سے زیادہ ان کی آخرت کی فکر کرے اور ان کو دین حق پر قائم رہنے اور اسی دین پر جینے اور مرنے کی تلقین کرے۔“[82]

وصال و تدفین

تفسیرِ قرطبی میں مذکور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مِصر میں 24 سال رہنے کے بعد وفات پائی اور وفات سے پہلے حضرت یوسف علیہ السّلام کو وصیّت فرمائی کہ ”میری میّت میرے وطن بھیج کر والد، اسحاق علیہ السّلام کے پاس دفن کیا جائے۔“ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی میّت کو لکڑی کے تابوت میں رکھ

[81] گنزبرگ کی قصص یہود جلد 2 صفحہ 4-16 ، بحوالہ تفسیر ماجدی، تفسیر آیت 133 سورۃ البقرۃ
[82] تدبرِ قرآن 1: 446

کر بیت المقدس منتقل کیا گیا۔ اسی وجہ سے عام یہود میں یہ رسم چل نکلی کہ وہ اپنے مُردوں کو دُور دُور سے بیت المقدّس لے جا کر دفن کرتے ہیں۔ وفات کے وقت حضرت یعقوب علیہ السّلام کی عُمر ایک سو سینتالیس سال تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام مع اپنی اولاد جب مِصر میں داخل ہوئے، تو اُن کی تعداد 93 نفوس پر مشتمل تھی اور جب اُن ہی سے پھیلنے والے افراد حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ مِصر سے نکلے، تو اُن کی تعداد چھے لاکھ، ستّر ہزار تھی۔[83]

یہودی روایت کے مطابق

1897 ق م میں سترہ سال کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ہی بھائیوں نے حسد و بغض کی وجہ سے کنویں میں پھینکا۔ اللہ نے بچایا اور ایک قافلے کے ذریعے مصر پہنچایا۔ ایک غلام کی حیثیت سے آپؑ کی نیلامی ہو ئی۔ دو تین سال عزیز مصر کے گھر رہے، اور پھر واقعہ ءزلیخا کے سبب آٹھ نو سال جیل میں رہے۔ اللہ نے پھر آپ کو نبوت اور مصر پر حکومت عطا فرمائی۔ تیس سال کی عمر میں فرمانروا ہوئے۔ اور 1875 ق م میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے ہجرت سے تقریباً 430 سال قبل اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام اور بھائیوں سمیت سب اہل خاندان کو، جنکی تعداد 76 تھی، مصر بلوایا۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر تشریف لائے تو یہودی مؤرخ جوزیفس کے مطابق اُن کی عمر 130 سال تھی اور آپ سترہ سال تک مصر میں رہے جس کے بعد آپ بیمار پڑ گئے اور 1858 ق م میں حضرت یعقوب علیہ السلام ایک سو سینتالیس سال کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق حضرت یوسفؑ اپنے والد محترم کا جنازہ مصر سے کوسوں دور فلسطین لے آئے اور الخلیل (حبرون) میں آپ کو باپ دادا کے مزارات کے پاس سپرد خاک کر دیا اور خود دوبارہ مصر تشریف لے گئے۔[84]

---

[83] تفسیر قرطبی، ابن کثیر

[84] جوزیفس۔تاریخِ یہود۔کتاب دوم۔باب۸

قرانِ کریم میں ذکر

قرآنِ مجید کی16 آیات میں حضرت یعقوبؑ کا اُن کے نام "یعقوب" کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔اس کی تفصیل یوں ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیات132، 133، 136، 140، سورۂ آلِ عمران کی آیت84، سورۃ النساء کی آیت163، سورۂ انعام کی آیت84، سورۂ ہود کی آیت71، سورۂ یوسف کی آیات6، 38، 68میں، سورۂ مریم کی آیات6، 49، سورۂ الانبیاء کی آیت72، سورۃ العنکبوت کی آیت27اور سورۂ ص کی آیت45میں آپؑ کا ذکر کیا گیا ہے۔

خود آزمائی

1. مذہب کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کریں۔
2. حضرت ابراہیمؑ کے سامی ادیان میں مقام ومرتبے پر بحث کریں۔
3. حضرت یعقوبؑ کی اولاد کی تفصیل بیان کریں۔
4. قرآن مجید اور عہد نامہ قدیم میں "اسرائیل" کا مفہوم اور تفصیل بیان کریں۔
5. سورۃ یوسف میں حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یوسفؑ کے خواب کا تذکرہ اور حضرت یعقوبؑ کی نصیحت پر روشنی ڈالیں۔
6. حضرت یعقوبؑ کے دیگر بیٹوں کے حضرت یوسفؑ سے حسد کی وجوہات پر روشنی ڈالیں۔
7. حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے منصوبے کی وضاحت کریں۔
8. حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کا یوسفؑ سے متعلق جھوٹ بولنے اور انہیں کنویں میں پھینکنے کے واقعہ کی تفصیل بیان کریں۔
9. حضرت یوسفؑ کی مصر میں بادشاہت اور بن یامین کو قید کرنے کے واقعہ کی وضاحت کریں۔

10. حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا اعتراف خطا اور حضرت یوسفؑ کا والد اور بھائیوں سے طرز عمل بیان کریں۔

11. اسلام، اللہ کے تمام انبیاء کا دین ہے اس حوالے سے حضرت یعقوبؑ کی وصیت اور نصائح بیان کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے مآخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ

- قرآن مجید
- ابن كثير اسماعيل بن عمر البداية والنهاية معه نهاية البداية والنهاية في الفتن والملائين ص: ۲۵۵ ج ۱ دارالفكر، بيروت
- النجار، عبد الوہاب نقص القرآن، ص: ۱۴۴ دار احياء التراث العربى بيروت الطبعة الاولى: ۱۹۹۴ء
- عفيف عبد الفتاح طيارة ،اليهود في القرآن، دار العلم للملايان بيروت ۱۹۲۴ء
- آلوسى سيد محمود البغدادى روح المعانى، مكتبه ا لرشيد يه لا ہو ر
- خازن علاء الدين محمد بن ابراہيم تفسير خازن،دار الكتب العربية مصر
- عبد الكريم الشهرستانى الملل والنحل ، المطبعه حجازى با القاهره ۱۳۶۷ھ
- الطبرى محمد بن جعفر جريز جامع البيان في تفسير القرآن: دار المعرفة بيروت لبنان
- مولانا عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور
- محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی
- سیوہاروی، حفظ الرحمن، قصص القرآن، حبیب پبلیکیشنز، لاہور

- مودودی، ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۵
- پادری، خیر اللہ، قاموس الکتاب، مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۹۳ء
- کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور
- رانا احسان الحق یہودیت و مسیحیت، مسلم اکادمی لاہور ۱۹۸۱ء
- یوسف ظفر، یہودیت، نفیس پرنٹرز، لاہور

یونٹ:2

یہودیت کا آغاز وارتقاء

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر محمد عبد اللہ، ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 62

یونٹ کے مقاصد 62

یہودیت کی وجہ تسمیہ 64

مختلف مصنفین کے نزدیک یہودیت کے مفاہیم 68

شریعت کی رو سے یہودیت کی تعریف: 73

یہودیت میں نسلی غرور اور قومی تکبر 74

یہودیت کو اختیار کرنے کا رسمی عمل (گیور) 78

''عہد نامہ قدیم میں یہودیت'' کی مختصر تاریخ 80

عہد نامہ قدیم میں اسرائیل کی برگزیدہ اولاد 82

عہد نامہ قدیم کے مطابق قبائل بنی اسرائیل 84

مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کا دور 87

بنی اسرائیل پر فراعنہ کے مظالم 90

بنی اسرائیل کی غلامی 91

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ 94

واقعہ قتل اور مدین کی طرف ہجرت 95

موسیٰ کو شرفِ نبوت 96

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں 98

بنی اسرائیل کی فلسطین کی طرف عظیم ہجرت / خروج (The Exodus) 99

بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی لشکر سمیت غرقابی 101

یہود کی تاریخ کے مختلف ادوار 102

فلسطین پر بنی اسرائیل کا اقتدار 102

بنی اسرائیل میں شرک وبت پرستی کا آغاز 104

بنی اسرائیل کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کا مختصر جائزہ 105
خود آزمائی 108
جوابات 109
ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ 109

یونٹ کا تعارف

حضرت یعقوبؑ کے بڑے بیٹے کا نام یہود اہ تھا، وہ ملک فلسطین میں آباد ہوا اور اس کی نسل یہودی کہلائی یہودی یہود کے ہاں صرف وہ ہو سکتا ہے جو یہودی ماں کے بطن سے پیدا ہو اور وہی یہودی عظیم عبرانی پیغمبر ان حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی مذہبی وراثت کا حقدار ہو سکتا ہے حالانکہ ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا اور نہ ہی ان کی زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی تھی۔ دراصل یہودیوں کی قومیت کی بنیاد ان کے مذہب اور نسل پر ہے وہ اپنی قومیت اور نسل سے باہر آنے کے لئے یا اپنا قومی تشخص چھوڑنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتے ان کے نزدیک یہودی کہلانے کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو پیدائشی یہودی ہو اور یہود گھرانے میں پیدا ہوا ہو اہل یہود کے ہاں ان کے کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد و رسوم اور مذہبی روابط کا جو ڈھانچے صدھا برس میں تیار کیا اس کا نام انھوں نے یہودیت رکھا۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی ق م سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی ق م تک تیاری کے مراحل میں رہا اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا عنصر اس میں شامل رہا۔۔ اس یونٹ میں یہودیت کی تعریف، وجہ تسمیہ اور اس کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں بیان گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 یہودیت کی وجہ تسمیہ بیان کر سکیں۔
2 مختلف مصنفین کے نزدیک یہودیت کے مفاہیم اور شریعت کی رو سے یہودیت کی تعریفات بیان کر سکیں۔
3 یہودیت میں نسلی غرور اور قومی تکبر کی وجہ بیان کر سکیں، نیز یہودیت کو اختیار کرنے کے رسمی عمل (گیور) کی وضاحت کر سکیں۔

4 ''عہد نامہ قدیم میں یہودیت'' کی مختصر تاریخ اور قبائل بنی اسرائیل کا جائزہ پیش کر سکیں۔

5 مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کے دور اور بنی اسرائیل پر فراعنہ کے مظالم پر روشنی ڈال سکیں۔

6 حضرت موسیٰؑ کی ولادت، حیات، شرف نبوت اور فرعون سے مکالمے کا مختصر جائزہ پیش کر سکیں۔

7 بنی اسرائیل کی فلسطین کی طرف عظیم ہجرت / خروج اور فرعون کی غرقابی کے واقعہ کی تفصیل بیان کر سکیں۔

8 یہود کی تاریخ کے مختلف ادوار کو بیان کر سکیں، نیز بنی اسرائیل میں شرک و بت پرستی کے آغاز کی وجوہات کا جائزہ لے سکیں۔

9 بنی اسرائیل کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کا مختصر جائزہ لے سکیں۔

یہودیت ایک نسلی مذہب ہے لہذا اس میں غیر نسلی خون کی ملاوٹ کسی صورت نہیں ہو سکتی یہودی الہامی ہدایت سے عرصہ دراز تک فیض یاب ہوتے رہے لیکن بعد ازاں ان میں جاہ پرستی اور دنیا طلبی کا جذبہ غالب آ گیا ان کا بطور الہامی مذاہب یہ موقف اور نقطہ نظر یہاں تک تو قابل قبول ہے لیکن وہ آہستہ آہستہ دوسری اقوام اور مذاہب کے ساتھ معاندانہ رویے بغض و کینہ اور نفرت جیسے احساسات بھی رکھنے لگے جس سے دوسری اقوام سے آہستہ آہستہ دور ہونے لگے اور یہ معاملہ یہیں تک محدود نہیں۔ اس سے بہت آگے جا کر یہودی نہ صرف اپنے آپ کو دوسروں سے بلند تر اور فائق سمجھنے لگے اور دوسری غیر یہودی اقوام مذاہب اور مملکتوں کو اپنے لئے نقصان دہ خیال کرنے لگے بلکہ ان کا یہ بھی موقف رہا ہے کہ دوسرے مذاہب ان سے نہایت کم تر اور حقیر ہیں چنانچہ ان پر تنقید جائز ہے انکے اس طرز فکر میں تبدیلی انکے قومیت پسندانہ خیال و قصور نے پیدا کی ہے۔ قومیت پسندی کے رجحان نے انھیں آہستہ آہستہ خود غرض اور مفاد پرست بنا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب ان کی زندگیوں سے نکل گیا اور اس کی جگہ ذاتیات نے لے لی یوں وہ اپنے نفس پرستانہ رویوں کو مذہبی رنگ چڑھا کر پیش کرتے رہے اور یہ بات تو ویسے ہی ان کے لئے زبان زد عام ہے کہ وہ قوم کے اندر ایک قوم ہیں لیکن وہ خود اس کی بڑی سختی سے تردید کرتے ہیں اور نہ صرف تردید بلکہ ان کی سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ ان کے خلاف معاندانہ رویہ رکھا جاتا ہے شاید اس کی وجہ انکا یہودیت پر شدید اصرار ہے وہ اپنی مظلومیت پر فخر کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ پروپیگنڈہ بھی کرتے ہیں کہ انھیں

مذہبی ظلم کا نشانہ بنایا جارہا ہے حالانکہ ان کا اصل مسئلہ مذہبی ہر گز نہیں بلکہ نسلی اور قومی ہے جس پر وہ آغاز سے قائم ہیں۔

یہودیت کی وجہ تسمیہ

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں

وهَوَّدَ الرَّجلَ: حَوّلَه إلى ملة يَهُودَ. التَّهْوِيدُ: أَن يُصَيَّرَ الإنسانُ يَهُودِيًّاً.وهادَ وتَهَوَّد إذا صار يهودِيّاً.[1]

آدمی یہودی بنا یعنی ان کی ملت کی اتباع کی اور تہوید کا معنی ہے کہ انسان یہودی بن گیا اور ہادو اور تہود سے مراد جب وہ یہودی بنے۔

علامہ فیروز آبادی یہودیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ويَهودُ: يُجْمَعُ على يُهْدانٍ.وهَوَّدَهُ: حَوَّلَهُ إلى مِلَّةِ يهودَ. والهَوادَةُ: اللِّينُ، وما يُرْجَى به الصَّلاحُ، والرُّخْصَةُ. ويَهودَا: أخُو يوسُفَ الصِّدِّيق، عليهما السلام.2

"یہود کی جمع "یہدان" کی گئی ہے اور یہ اصطلاح ملتِ یہود کے گرد گھومتی ہے۔ ہوادۃ سے مراد دل کی ایسی نرمی جس سے بھلائی کی اُمید کی جا سکے اور جس سے صلاح اور رخصت کی اُمید ہو یہودا حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے بھائی کا نام ہے"۔

عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ۔ آگے احضرت اسحقؑ کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک نام عیسو اور دوسرے چھوٹے بیٹے کا نام یعقوبؑ تھا، یعقوب ہی کا دوسرا نام اسرائیل (عبداللہ) تھا، حضرت یعقوب کی نسل ہی اسرائیل کہلائی، حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے کا نام یہوداہ تھا اور سب سے چھوٹے بیٹے کا نام بن یامین تھا۔ ملک فلسطین کے ایک حصے کا نام یہودیہ پڑ گیا۔ یہوداہ کا خاندان خوب پھلا پھولا۔ یہوداہ اور بنی اسرائیل ایک ہی نسل کے

---

[1] ابن منظور، محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين، (المتوفى: 711هـ)، دار صادر – بيروت، لسان العرب، الطبعة: الثالثة - 1414 هـ، ۴۳۹:۳

[2] الفيروزآبادى،مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب، (المتوفى: 817هـ) القاموس المحيط،مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت – لبنان،الطبعة: الثامنة، 1426 هـ - ۲۰۰۵، ج ۱ ص ۲۲۹

لئے استعمال ہونے لگے۔ بعد ازیں تمام اسرائیلی یہودی کہلانے لگے اور ان کا مذہب یہودیت مشہور ہو گیا۔[3]

جیکب نیوسنر A Short History of Judaism میں لکھتا ہے۔

"Judaism is a religion that has three components: (i) It takes as its Scripture the Torah revealed by God to Moses at Mount Sinai, meaning, specifically, the Five Books of Moses (Genesis, Exodus, Leviticus, Numbers, and Deuteronomy, also called the Penta-teuch) and certain other records of revelation in addition; (ii) it believes that its adherents through all times and places form part of that extended family, or "Israel," the singular or holy people of whom the Pentateuch speaks; and (iii) it requires "Israel" to live in accord with the teachings of the Torah. These three components define Judaism's worldview, social entity, and way of life."[4]

یہودیت ایک ایسا مذہب ہے جس کے ۳ پہلو ہیں۔ (اول) اس کی مقدس کتاب تورات ہے جو خدا نے حضرت موسیٰؑ پر کوہ سینا پر نازل کی تھی جو پیدائش، خروج، احبار گنتی، استثناء پانچ کتابوں اور کچھ اضافی الہامی کلام پر مشتمل ہے۔ (دوم) ان کا یقین ہے کہ یہ مختلف ادوار اور مقامات پر ایک ہی خاندان اور اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) کی اولاد ہیں جس سے خمسہ موسوی مخاطب ہوتے ہیں، اور (سوم) تورات کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے ان کو ارض وطن اسرائیل کی ضرورت ہے۔ یہ تین پہلو یہودیت کی سماجی شناخت اور طرز حیات کی عالمگیر سطح پر ترجمانی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل کے نام سے پکارا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :

يٰبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ-5

"اے بنی اسرائیل میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور اس اقرار کو جو تم نے مجھ سے کیا، میں بھی اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور تم صرف مجھ سے ڈرتے رہنا"۔

---

[3] ذاکرنائیک، دنیا کے بڑے مذاہب، عبداللہ اکادمی، لاہور، ص ۲۹۸

[4] Jacob Neusner, A Short History of Judaism: Three Meals, Three Epochs, Fortress Pres, Minneapolis,USA, p.3

[5] سورۃ البقرہ ۲:۴۰

معارف القرآن میں مفتی شفیعؒ بنی اسرائیل کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

(یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ) اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی عبداللہ ہیں یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے بعض علماء نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور نبی کے نام متعدد نہیں ہیں صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو نام ہیں یعقوب اور اسرائیل، قرآن میں اس جگہ ان کو نبی یعقوب کہہ کر خطاب نہیں کیا بلکہ دوسرے نام اسرائیل کا استعمال کیا اس میں حکمت یہ ہے کہ خود اپنے لقب اور نام ہی سے ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم عبداللہ یعنی اللہ کے عبادت گذار بندے کی اولاد ہیں ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ پورا کرو تم میرے عہد کو یعنی تم نے مجھ سے عہد کیا تھا۔[6]

بعد میں بنی اسرائیل میں بگاڑ پیدا ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو طبقات میں تقسیم کرکے یہود کہلوانا پسند کیا۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قُلْ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔[7]

"ان سے کہو، اے لوگو! جو یہودی بن گئے ہو اگر تمہیں یہ گھمنڈ ہے کہ باقی سب لوگوں کو چھوڑ کر بس تم ہی اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو"۔

عبدالماجد دریا آبادیؒ تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں

یہودی مذہب اصلا تبلیغی مذہب نہیں، نسلی مذہب تھا، صرف نسل اسرائیل کے لیے محدود، لیکن یہود کے علم و فضل، ثروت و تمدن سے مرعوب و مسحور ہو کر کثرت سے مشرکین عرب نے بھی چپکے چپکے دبے پاؤں اپنے اوپر یہودیت (تہود) طاری کرلی تھی۔[8]

مولانا مودودیؒ بنی اسرائیل کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

---

[6] شفیع مفتی، معارف القرآن، دار الاشاعت، کراچی، ج ۱ ،ص ۲۰۵

[7] سورۃ الجمعۃ ۶۲:۶

[8] عبدالماجد دریاآبادی ، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور، اشاعت ۲۰۰۷، ص ۱۰۹۶

اصل دین جو موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا اور نہ ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے الگ ریاست قائم کر لی جو سامریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اسیریا نے نہ صرف یہ کہ سامریہ کو برباد کر دیا بلکہ ان اسرائیلی قبیلوں کا نام و نشان مٹا دیا جو اس ریاست کے بانی تھے۔ اس کے بعد صرف یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے ''یہود'' ہی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات و نظریات اور رجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا۔ اس کا نام یہودیت ہے۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی عیسوی تک بنتا رہا۔ اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا ہی عنصر اس میں شامل ہے۔ اور اس کا حلیہ بھی اچھا خاصا بگڑ چکا ہے۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان کو اَلَّذِیْنَ هَادُوْا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی ''اے وہ لوگ جو یہودی بن کر رہ گئے ہو''۔۔۔ ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے بلکہ وہ غیر اسرائیلی لوگ بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ قرآن میں جہاں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ''اے بنی اسرائیل'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور جہاں مذہب یہود کے پیروؤں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ''الذین ہادوا'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں''۔9

[9] مودودی، تفہیم القرآن، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۵:۴۸۹، ۴۹۰

مختلف مصنفین کے نزدیک یہودیت کے مفاہیم

یہودیت وہ مذہب ہے جس کی تلقین ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ یہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں قدیم مذہب گردانا جاتا ہے۔ یہودیت کے متعلق بحث میں اس کی تعریف ہمیشہ ایک مسئلہ رہی ہے۔ بہت سے مصنفین نے ادیان عالم کی کتابیں لکھتے ہوئے یہودیت کی تعریف مختلف انداز میں کی ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

- Edward J. Jurji کتاب The Great Religions of Modern World میں یہودیت پر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

> "Judaism is the religion professed by a small people, the Jewish people, who numbered no more than sixteen million souls at the zenith of their numerical growth before World War II and are now reduced to about ten or eleven million through the maniacal fury of a clique which set out to destroy the religion and the people, root and branch."

> "یہودیت ایک ایسا مذہب ہے جس پر ایک چھوٹی قوم (یہودی قوم) اعتقاد رکھتی ہے جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے اپنی عددی ترقی کی انتہا پر تھی۔ ان کی تعداد ایک کروڑ ساٹھ لاکھ سے زیادہ نہ تھی اور اب گھٹ کر ایک کروڑ یا ایک کروڑ دس لاکھ ہو گئی ہے جو ایک مجنون ٹولی کا نتیجہ ہے جو اس مذہب اور یہودی قوم کا مکمل صفایا کرنا چاہتی ہے"۔[10]

- Encyclopaedia of Religion and Ethics کا مصنف یہودیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

[10] Edward Jabra Jurji, The Great Religions of Modern World, (USA: Princeton University Press, 2016), 224

"A formal and precise definition of Judaism is a matter of some difficulty, because it raises the question, what is the absolute and irreducible minimum of conformity? On the other hand, it may be said, more widely, that the foundation of Judaism rests on two principles – the unity of God and the choice of Israel. Judaism denounces idolatry and polytheism. It believes in the universal God".

"یہودیت کی کوئی معین اور معروف تعریف کرنا مشکل ہے کیونکہ اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کم سے کم اور قطعی طور پر کس چیز کا اقرار ضروری ہے۔ تاہم یہودیت دو اصولوں پر مبنی ہے۔ خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کا پسندیدہ اور محبوب امت ہونا۔ یہودیت بت پرستی اور متعدد خداؤں کی پوجا(شرک) کو مسترد کرتی ہے۔ وہ ایک رب العالمین پر عقیدہ رکھتی ہے"۔[11]

- Encyclopaedia Britannica میں مصنف رقم طراز ہے:

"Judaism is characterized by a belief in one God and accepts its impact on the practical life".

"یہودیت کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو توحید خالص پر اعتقاد رکھتا ہے اور اس عقیدے کے زندگی پر عملی اثر کو تسلیم کرتا ہے"۔[12]

[11] Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. 1, p. 581

[12] Encyclopaedia Britannica, Vol. 13, p.105

یہودیت کی اساس انتہائی قدیم مذہبی عقائد پر ہے۔ لیکن ان عقائد کا تعین کرنا مشکل ہے جو یہودی بننے کے لیے ضروری ہیں۔ البتہ! یہودیت کی صحیح تعریف یہ ہے:

"یہودیت وہ مذہب ہے جس میں ایک خدا پر ایمان کے ساتھ ساتھ ایک نسل کی برتری و عظمت کا عقیدہ بھی داخل دین ہے"۔

اس طرح اس مذہب کی بنیاد دو اصولوں پر ہے:

1۔ خدا کی وحدانیت

2۔ بنی اسرائیل کی فضیلت

یہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودیت کوئی تبلیغی مذہب نہیں بلکہ نسلی مذہب ہے۔ خود یہودی کسی کو اس مذہب کی دعوت نہیں دیتے۔ تاریخی دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد توحید کی دعوت عام کرنے کے لیے سرگرم عمل تھے لیکن دعوت دین کی اشاعت کو یہودی آج ضروری خیال نہیں کرتے۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہر یہودی اپنے عقیدہ توحید سے حد درجہ مخلص ہو۔

یہودیت کی تعریف فلسفہ مذہب میں یوں کی گئی ہے:

"یہودیت اہل یہودا کا قدیم مذہب تھا عہد نامہ عتیق یہودیت کا مرکزی ماخذ ہے یہودیت نے فطرت کی دہشت زدہ عبارت سے فطری انداز میں یہ ترقی پائی اور کثرت پرستی سے وحدانیت کی طرف آئے کچھ محققین کے مطابق یہودیت دو مذاہب عیسائیت اور اسلام کا مرکب ہے۔[13]

آرای ہیوم اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے:

[13] مہا تیرا مولیہ زنجن، (مترجم) یاسر جواد فلسفہ مذاہب ص: فکشن مذاہب لا ہورا ۲۰۰

"The sacred scriputuros of Judaism are a collection of twenty four documents' arranged in three groups known as the law' the prophets and the writings. These docments have become more widly known as the Old Testament of Christianity.where they have arranged into thirty nine books. These sacred scriptures repressents a litrary actitivity of perhaps ten centuris. The orthodox Jews regard as peculiarly sacred the first five books or the law (Torah) which deals with the origion of the world' their nation and their religion[14].

یہودیت ایک الہامی مذہب ہے جو سامی نسل کے لوگوں پر نازل ہوا۔یہودیت کے آغاز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قوم عبران جب مصر میں فرعون کے زیر تسلط تھی تو اللہ نے اپنے نبی حضرت موسیٰؑ کے ذریعے انہیں نیکی کی تلقین کی اور انہیں دین ابراہیم کی اصل تعلیمات کی طرف واپسی کی دعوت دی یہودیت کے بھی بہت سے فرقے ہیں جن میں یہودیت کی اصل تعلیمات کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے اگر چہ یہودیت بنیادی طور پر ایک نسلی مذہب ہے لیکن اب اس کے ماننے والوں میں ہر رنگ و نسل کے لوگ شامل ہیں یہودیت میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو فضیلت اور برتری حاصل ہے اللہ تعالی نے اپنے نبی حضرت ابراہیم سے جو وعدہ کیا تھا کہ ایک بڑی قوم کے باپ ہوں گے تو اس وعدے کی تکمیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوب (اسرائیل) کے ذریعے ہوئی حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے حضرت یوسفؑ کو نبی کا درجہ حاصل ہے یہودیوں کی مقدس کتاب توریت" ہے جسے عہد نامہ قدیم بھی کہا جاتا ہے یہ بنیادی طور پر اخلاقی قصوں اور کہانیوں پر مشتمل ہے جس کا مقصد انسان کی اصلاح اور سیدھا راستہ دکھانا ہے۔توریت حضرت موسی پر نازل ہوئی اور انہیں کے دور میں یہودیت نے باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کر لی۔[15]

بعد ازاں یہود متحد نہ رہ سکے اور ان کی علیحدہ ریاستیں وجود میں آئیں۔حضرت سلیمانؑ کے بعد یہودی زیادہ دیر متحد نہ رہ سکے بہت جلد ان کی علیحدہ علیحدہ مملکتیں یہودا اور اسرائیل وجود میں آ گئیں جو دونوں آپس میں بر سر پیکار رہتی تھیں۔[16]

---

[14] R.E.Hume' The world's living Religions,'Eden Berg' T#T Clark' 1927. P:171

[15] او پی ،گھٹی (ترتیب و تدوین) عادل فراز، اخلاقیات مذاہب عالم کی نظر میں ص: ۲۹: ۳۰ اپنا ادارہ لاہور

[16] اردو دائر ہ معارف اسلامیہ، ص: ۳۵۷ : ج ۲۳ دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۸۹ء

جب کہ یہودی مذہب کو آغاز ادیان کی بنیاد بھی کہا جاتا ہے اس ضمن میں احمد عبداللہ المسدوی لکھتے ہیں:

یہودی مذہب ان دو عظیم الشان مذاہب کا پیش رو ہے جو کرہ ارض کے بیشتر حصوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی تعلیمات میں ابراہیمی مذہب کے اصول اور عقائد بھی پائے جاتے ہیں جن پر یہودی مذہب کا بڑی حد تک دارد مدار ہے۔[17]

اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں یہود اور یہودیت کا تعارف ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہود ایک قوم ہے جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے موسیٰؑ بھی بنی اسرائیل سے تھے اور فرعون کے گھر میں پلے بڑھے تھے اس کے بعد بنی اسرائیل موسیٰؑ کے ساتھ طور کی طرف چلے گئے اور وہاں تقریباً ۴۰ برس تک ٹھہرے اسی مدت میں حضرت موسیٰؑ پر کتاب نازل ہوئی جب حضرت موسیٰؑ فوت ہوئے تو ان کے بعد حضرت یوشعؑ نبی ہوئے اور کنعان کو فتح کر کے وہاں رہنے لگے پھر بنی اسرائیل میں قاضی مقرر ہوئے جو احکام کا فیصلہ کرتے تھے بعد ازاں ان میں فتنے اور فساد پیدا ہونے لگے جن کی وجہ سے ان میں بادشاہ مقرر ہوئے پہلے بادشاہ طالوت، پھر داؤدؑ اور پھر سلیمانؑ ہوئے اس کے بعد یہود کی دو سلطنتیں ہو گئیں ایک مملکت یہود اور دوسری مملکت بنی اسرائیل۔ پہلی ۳۸۹ برس رہی اور دوسری ۲۵۵ برس رہی بابلیوں اور آشوریوں نے ان دونوں سلطنتوں کا نشان مٹا دیا۔ یہود کے من حیث الدین چار فرقے ہیں ربّانی، قراؤن، عنانیہ اور سمرہ۔ اصل میں سمرہ بنی اسرائیل سے نہیں ہے جب کہ وہ بعد میں یہودی ہوئے ہیں۔[18]

یوسف ظفر اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

یہ فخر اسی قوم کو حاصل ہے کہ اس کے گھر سے دو عظیم مذہب۔۔۔یہودیت اور نصرانیت ظہور پذیر ہوئے اور یہ وہی گھر ہے جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دوسرے فرزند حضرت اسحاقؑ کے نور نے روشن کیا لیکن یہ جہالت بھی اسی قوم کے حصے میں آئی کہ اس نے پیغام ربانی کے ارتقائی سلسلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اپنے جد

---

[17] المسدوسی، احمد عبد اللہ ،مذاہب عالم کا ایک معاشرتی و سیاسی جائزہ ص: ۱۳۹۵ مکتبہ، خدام ملت کراچی ۱۹۹۴ء

[18] مولوی محبوب عالم اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص: ۱۸۴۰،الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور

امجد حضرت اسحاقؑ کو آپ کے سوتیلے بھائی حضرت اسماعیلؑ پر فوقیت دینے کے لئے تورات میں تحریفات کیں اور یوں نبی اکرم ﷺ پر مکمل ہونے والے دین مبین سے منکر ہو کر اس کی ابتدائی کڑی ہی کے مجاور بن گئے۔[19]

شریعت کی رو سے یہودیت کی تعریف:

شریعت کی اصطلاح میں یہودی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو حضرت موسی علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان رکھتے تھے اور ان پر جو کتاب نازل ہوئی، اس کے مطابق عمل کرتے تھے، یہ اور بات ہے کہ اب یہ مذہب محرف و منسوخ ہو چکا ہے اور یہودی علمانے تورات میں بھی بے پناہ تحریفات کر دی ہیں، اب اس کی صحیح تفصیلات جاننا مشکل ہے۔ علامہ بیضاویؒ یہود کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہود یا تو عربی لفظ ہے اور اس کا مادہ 'ھاد' ہے، جس کے معنی توبہ کرنے کے آتے ہیں۔ ان لوگوں نے جب بچھڑے کی عبادت سے توبہ کرلی تو ان کا یہ نام رکھا گیا (یعنی توبہ کرنے والے)۔ یا یہود کا لفظ یہوذا کا معرب ہے اور کسی غیر عربی لفظ کو عربی بناتے وقت ذال کو دال سے بدل دیتے ہیں تب انکا یہ نام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کے نام سے لیا گیا ہے"۔[20]

عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت اسحاق کے بھی دو بیٹے تھے ایک حضرت یعقوب علیہ السلام اور ایک حضرت عیسو۔ عیسو پیغمبر نہیں تھے جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام پیغمبر تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام "یہودہ" تھا۔ "یہودی" کا لفظ اسی سے ہے۔ اس رو سے یہ قوم یہود کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت عیسی علیہ السلام تک جتنے بھی پیغمبر آئے وہ سارے کے سارے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور حضرت یعقوب کا لقب تھا" اسرائیل"۔ اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "اللہ کا بندہ"۔ اور بنی اسرائیل کا

---

[19] یوسف ظفر ،یہودیت ص : ۳۴ ، مکتبہ داستان لمیٹڈ لاہور مئی ۱۹۸۲ء

[20] بیضاوی بحواله حاشیه جلالین، ص: ۱۱

مطلب ہے "اسرائیل کی اَولاد"۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد بار ان کو قرآن میں اسی نام سے مخاطب کیا، ایک جگہ ارشاد ہے:

يَا بَنِيَ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيَ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيَ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ[21]

اے بنی اسرائیل میرے احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔

دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب سے اللہ تعالیٰ نے کشتی لڑی۔ رات بھر کشتی ہوتی رہی اور صبح تک لڑ کر بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ پچھاڑ سکا۔ پھر جب صبح ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اب مجھے جانے دے تو انہوں نے کہا: میں تجھے نہ جانے دوں گا جب تک تو مجھے برکت نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا یعقوب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آئندہ تیرا نام یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہو گا، کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب رہا۔[22]

یہودیت میں نسلی غرور اور قومی تکبر

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

انبیاء میں سے کوئی یہودی نہ تھا اور نہ ہی ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے یہودا کی نسل سے تھا یہودا کی نسل کے غلبہ کی وجہ سے یہودی کے الفاظ کا اطلاق ہونے لگا اس مذہب کے اندر کاہنوں، ربّیوں اور اخبار اپنے

[21] سورہ البقرہ: ۴۰

[22] کتاب پیدائش، باب ۳۲، آیت ۲۵ تا ۲۹

اپنے خیالات و نظریات اور رجحانات کے مطابق عقائد ورسومات اور مذہبی ضوابط کا جو مسودہ برس ہا برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے یہودی اپنی نسل کے اعتبار سے بنی اسرائیل ہیں۔[23]

جب کہ یہودیوں کا یہ دعوی ہے کہ وہ خدا کے چہیتے اور منتخب بندے ہیں اور خدا سے ان کا تعلق خصوصی نوعیت رکھتا ہے یہ غلط ہی مگر بالکل بے بنیاد نہیں۔۔۔ اسرائیلی کون تھے؟ بائبل کا کہنا ہے کہ یہ لوگ میسوپوٹیما سے آئے کچھ عرصہ کے لئے کنعان میں آباد ہوئے لیکن ۱۷۵۰ ق م کے قریب قحط سے پریشان ہو کر ان کے بارہ قبیلے مصر کو ہجرت کر گئے مصر میں آکر وہ خوب پھلے پھولے اور خوش حال ہو گئے۔[24]

حضرت یعقوب کا نام عبرانی زبان اسرائیل تھا اسرائیل کا مطلب ہے اللہ کا بندہ۔۔۔ لیکن یہودیوں کے ہاں اس کا مفہوم درج ذیل ہے:

"He who striveth with God ....."He wrestled with God[25]".

"وہ جو خدا کے ساتھ لڑتا ہے....."وہ خدا سے کشتی لڑتا ہے۔"

جن دوسری قوموں نے ان کا دین قبول کیا انھوں نے یا تو اپنی انفرادیت ان کے اندر گم کر دی وہ نسلاً تو ان سے الگ رہے مگر مذہباً ان کے مطیع رہے اس شاخ میں جب پستی و تنزل کا دور آیا تو پہلے یہودیت پیدا ہوئی اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔[26]

دراصل وقت کے ساتھ ساتھ یہودیت کی تاریخ اُن کی مادی قوت رقابت و مسابقت دولت کی ہوس، نسلی غرور اقتدار پرستی اور قومی تکبر کی تاریخ میں ڈھل گئی یہ ذہنیت یہود کی مذہبی کتابوں ان کے ادب و لٹریچر ان کی ایجادات و اختراعات ان کے انقلاب و تحریکات اور افکار و خیالات ہر چیز سے عیاں ہے اور نرم دلی تواضع، ضبط نفس

---

[23] مودودی تفہیم القرآن، ص: ۴۹ ج : ۵ ،ادارہ ترجمان القرآن لاہور

[24] کیرن آرم سٹرانگ، مترجم : طاہر منصور فاروقی، یروشلم ص:۱۰۔ تخلیقات لاہور ۲۰۰۳

[25] Dictionary of Biblical Theology, Asion trading corporation' ,Bangalore,1987, P:258

[26] مودودی ،یہودیت و نصرانیت ص: ۱۹ البدر پبلیکیشنز لاہور ۱۹۷۲ء

خود شکنی و دنیاوی زندگی سے بے رغبتی اللہ تعالی سے ملاقات کا شوق، آخرت کی طلب اور انسانیت پر رحم و شفقت کا کوئی جذبہ ان کے قومی نظام میں نہیں پایا جاتا ہے۔[27]

رابرٹ رینڈی وئیر بیان کرتا ہے:

یہودی نسل کی ابتداء حضرت ابراہیم نے ۱۹۰۰ق م میں اس وقت کی جب وہ اپنے آباؤ کی سرزمین میسوپوٹیما (موجودہ عراق) سے نکل کر نقل مکانی کر کے مغرب کی جانب نکل گئے ان کی اولاد ایک قوم بنی اور اس نے بحیرہ روم کے کنارے کنعان کی سرزمین کو فتح کر کے وہیں بس گئی حضرت ابراہیمؑ ایمان رکھتے تھے کہ خدا ان کی راہنمائی کرتا ہے اور عبرانی یقین رکھتے تھے کہ خدا نے انھیں اس دنیا کی تاریکیوں کو دور کرنے کے منتخب کیا ہے انھوں نے یروشلم کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں دو دفعہ ہیکل تعمیر کیا۔ یروشلم میں یہودیوں نے دوسری بار جب ہیکل تعمیر کیا تو یہ بیکل سترہ عیسوی میں تباہ کر دیا گیا، ہیکل کی تباہی کے بعد یہودی یورپ اور مشرق قریب میں منتشر ہو گئے یہودی دنیا میں جہاں کہیں بھی گئے انھوں نے اپنے قدیم رسم ورواج اور ثقافت کو برقرار رکھا انھوں نے کبھی اس بات کو فراموش نہ کیا کہ وہ خدا کے منتخب کردہ بندے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں یہودیوں نے اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین پر دوبارہ اسرائیلی ریاست کو قائم کیا حضرت عیسیٰؑ اور ان کے ابتدائی حواری یہودی تھے اور عیسائی عبرانی انجیل کو عہد عتیق کا نام دیتے ہیں مسلمان بھی حضرت محمد ﷺ سے پہلے عبرانی پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اس طرح دنیا کے یہ دونوں عظیم ترین مذاہب یعنی عیسائیت اور اسلام بھی یہودیت کی طرح الہامی مذاہب ہیں۔[28]

یہودی قوم تاریخ میں اس لئے اہم ہے کیونکہ سیاسی اتار چڑھاؤ اور تبدیلیوں کی وجہ سے سب سے زیادہ اس نے اذیتیں، تکالیف اور عذاب سہے ہیں خاص طور پر ہجرت کے مصائب سے سب سے زیادہ وہی دوچار ہوئی ہیں یہی وجہ ہے کہ اپنی شناخت کو برقرار رکھنے کا جذبہ سب سے زیادہ انہی میں ہے کیونکہ کوئی بھی جماعت، قبیلہ یا قوم جب اپنی سرزمین سے جلاوطن کر دیا جائے تو دوسری سرزمین میں وہاں کی اکثریتی جماعت میں اس کے ضم ہونے کے مواقع بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ افراد اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے مذہب اور ثقافتی روایات کو چھوڑ کر جہاں انھوں نے پناہ لے لی ہے وہاں کے حالات سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں اس لئے ایسے یہودیوں کی تعداد کافی ہے کہ جو

---

[27] ابو الحسن ندوی، معرکہ ایمان و مادیت، ص: ۱۳ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۱ء

[28] رابرٹ وین ،ڈی وئر، ترجمہ: ملک اشفاق یہودیت (تاریخ عقائد فلسفہ) ص: ۱۱: ۱۲ ،لاہور ۲۰۰۹

اسلامی معاشروں میں مسلمان ہو گئے یا عیسائیوں میں عیسائی مگر اس کے باوجود یہودیوں نے بحیثیت ایک قوم اور جماعت کے اپنی مذہبی شناخت کو برقرار رکھا ہے اپنی علیحدگی کو برقرار رکھنے میں ان کا اپنے مذہب اور اس کی سچائی اور حقانیت پر ایمان ہے اور ان کا عقیدہ کہ ان کی مذہبی روایات تبدیل ہونے والی نہیں ہیں یہ روایات جو حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوئیں اور حضرت اسحاقؑ و حضرت موسیٰؑ نے انھیں مستحکم کیا یہ روایات آج بھی باقی ہیں ان روایات کی نگہبانی کرنے والے ان کے مذہبی راہنما "ربیؔ" کہلاتے ہیں یہ ان روایات کا استحکام ہے کہ جو ماضی اور حال کے یہودیوں کو آپس میں ملاتا ہے یہ انھیں ایک سلسلے میں جکڑے ہوئے ہیں یہی اتحاد انھیں ہر قسم کے مصائب اور تکالیف کو برداشت کرنے پر تیار رکھتا ہے۔[29]

چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ بنی اسرائیل سے یہود اور یہودیت تک ایک طویل سفر ہے جس کے آغاز سے اختتام تک تمام واقعات وحالات کٹھن، طویل اور صبر آزما مراحل سے گزر کر موجودہ حالت تک پہنچتے ہیں۔

''یہودیت'' دنیا کے موجودہ مذاہب میں سب سے قدیم مذہب ہے، اگرچہ اس کے ماننے والوں کی تعداد اس کی قدامت کے لحاظ سے انتہائی کم ہے، اسرائیل نام کی ریاست اس کا مرکز ملت ہے جہاں پر کم وبیش ستر سال سے ایک مذہبی حکومت قائم ہو چکی ہے، جو یہودیت کے عقائد و نظریات کی پشتیبان ہے۔ قرآن حکیم کے بیان کے مطابق یہودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی قرار دیا، چنانچہ قرآنِ کریم اس کا واضح الفاظ میں رَد کرتا ہے، اور فرماتا ہے:

"مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ".30

"ابراہیم (علیہ السلام) یہودی یا نصرانی نہیں تھے بلکہ یکسو مسلمان تھے، اور وہ مشرکین میں سے (بھی) نہیں تھے"۔

عبدالماجد دریا آبادی تفسیر ماجدی میں رقمطراز ہیں،

جس یہودیت اور جس نصرانیت کی نفی ہو رہی ہے وہ مروجہ اور گھڑی ہوئی یہودیت اور نصرانیت تھی، ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے جو دین حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ

---

[29] مبارک علی ،ڈاکٹر، تاریخی اور مذہبی تحریکیں، ص: ۸۸ فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۸ء

[30] آل عمران ۶۷:۳

السلام کا تھا، وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تھا۔ حضرت علیہ السلام کی توحید پرستی یہود ونصاری دونوں کو مسلم تھا۔[31]

پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"گمراہی سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہونے کو عربی میں الحنف کہتے ہیں اور حق سے روگردانی کر کے گمراہی کی طرف مائل ہونے کو الجنف کہتے ہیں (مفردات) تو حنیف کا معنی ہوا ہر باطل و گمراہی سے منہ موڑ کر ہمہ تن حق وصداقت کی طرف متوجہ ہونے والا۔ قرآن بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے قائل تھے اور اسی ایک کی عبادت میں سرگرم تھے۔ نہ وہ عزیر کو خدا کا بیٹا اور نہ مسیح کو اس کا فرزند کہے تھے۔ نہ صلیب کے پرستار تھے اور نہ مشرکین عرب کی طرح کسی پتھر کی مورتی کے پجاری تھے۔ ان کی توحید خالص سے تمہاری اس شرک آلود یہودیت ونصرانیت کو کیا نسبت ہو سکتی ہے"۔[32]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپﷺ نے فرمایا۔

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ،[33]

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

یہودیت کو اختیار کرنے کا رسمی عمل (گیور)

عبرانی زبان میں یہودیت کی اختیاری کے عمل کو گیور کہا جاتا ہے جو ایک رسمی عمل ہے جسے ایک غیر یہودی اس وقت انجام دیتا ہے جب وہ یہودی برادری میں شامل ہونے کا خواہش مند ہو ۔ یہودیت میں قبول مذہب ایسے سلسلہ وار مذہبی اعمال و مطالعات کا ایک مجموعہ جس میں یہودی شخصیات اور بسا اوقات اسرائیلی زمین سے اپنی وابستگی کا اظہار

---

[31] عبدالماجد دریاآبادی ، تفسیر ماجدی،پاک کمپنی،لاہور،اشاعت ۲۰۰۷، ص ۱۷۲

[32] پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن،ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور ،ص ۲۴۱

[33] البخاري، محمد بن إسماعيل،الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه:صحيح البخاري، دار طوق النجاة، كتاب الجنائز. ، باب: ما قيل في أولاد المشركين. ، ج ۲ ص ۱۰۰

بھی کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ قبول مذہب کی رسم بسااوقات اس وقت کی جاتی ہے جب مذہب تبدیل کرنے والے کی قبولِ یہودیت کے متعلق شک ہو۔

مذہب بدلنے کا طریقہ کار فرقے کی شرائط پر منحصر ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک فرقے کا مذہب تبدیل کرنے کا طریقہ کار دوسرے فرقے بھی تسلیم کریں۔ کچھ صورتوں میں، باقاعدہ قبولِ یہودیت سے ہٹ کر یہودیت کے بعض عقائد اور طریقوں کو اپنا لیا جاتا ہے - تاہم باقاعدہ قبولِ مذہب کے بغیر، اکثر سخت گیر یہودی نئے یہودیوں کے قبولِ یہودیت کے قائل نہیں ہوتے ۔ کچھ گروہوں نے جزوی یہودی رسم ورواج کے طریقے اپنا لیے ہیں۔ مثلاً روس کے سبوٹنک لوگوں نے باقاعدہ قبولِ یہودیت کے بغیر یہودیت کے زیادہ تر طریقوں کو اپنا رکھا ہے۔ تاہم، اگر سبوٹنک لوگ یا کوئی اور باقاعدہ قبولِ مذہب کے بغیر کسی یہودی خاندان میں شادی یا اسرائیل ہجرت کرنا چاہتے ہوں تو انہیں باقاعدہ قبولِ مذہب کرنا پڑے گا۔

البتہ یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ یہودیت میں نسل کو ماں کی طرف سے طے کیا جاتا ہے نہ کہ باپ کی طرف سے۔ لیکن اگر کی بچے کی ماں یہودی ہے تو وہ بچہ یہودی کہلائے گا خواہ باپ کی طرف سے وہ کچھ بھی ہو۔ ہاں یہودیت قبول کرنے والے یہودی اور پیدائشی یہودی میں ایک فرق ضرور پایا جاتا ہے۔ پیدائشی یہودی اگر شریعت کی پابندی نہ کرے تب بھی وہ یہودی ہے جبکہ یہودیت قبول کرنے والوں پر شریعت کے مکمل پیروی لازم ہے ورنہ وہ یہودی نہیں رہے گا۔

اگر کوئی غیر یہودی، یہودیت میں داخل ہونے کے لیے ربی کے پاس آتا ہے، تو ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ اسے اس اقدام سے باز رکھا جائے۔ اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم یہودی کیوں ناچاہتے ہو جبکہ یہودی سخت گناہ گار ہیں۔ ان پر ظلم توڑے جاتے ہیں اور انہیں خوف زدہ کیا جاتا ہے۔ اور انہیں تورات کی خلاف ورزی پر سزا مل سکتی ہے۔ تاہم نو وارد اگر اس کے باوجود یہودی ہو جانے پر اصرار کرتا ہے تو اسے مختلف مذہبی کتب مطالعے کے لیے دی جاتی ہیں۔ اس مطالعے میں اسے چھ مہینے اور ایک سال بھی لگ سکتا ہے۔ بعد ازاں نو وارد سے دن تہواروں، یہودی تاریخ

اور بعض یہودی اصولوں سے متعلق سوال وجواب کیے جاتے ہیں۔ جس کے لیے تین مقدس افراد پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے، اس کے سوال وجواب اور اطمینان حاصل کر لینے کے بعد نئے فرد کو یہودی بنا دیا جاتا ہے۔

یہودی مرد وعورت کو پہلے ایک مذہبی تالاب میں غوطہ (بپتسمہ) دیا جاتا ہے اس کے علاوہ مرد کی ختنہ بھی کروائی جاتی ہے۔ اگر وہ مرد پہلے سے ختنہ شدہ ہے تب بھی علامتی طور پر اس کے عضو کا ایک قطرہ زمین پر ضرور گرایا جاتا ہے تا کہ سنت ابراہیمی کی پیروی ہو سکے۔ اس عمل سے نووارد بچوں تک کو گزرنا پڑتا ہے۔ تاہم بلوغت کے بعد ان نے یہودی بچوں کو مذکورہ سہ افرادی کمیٹی کے سامنے ایک بار پھر یہودی بنے اور یہودی عبادات ادا کرنے کی یاددہانی کرائی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ ختنے اور غوطے کے بغیر کوئی شخص یہودیت میں داخل نہیں ہو سکتا- تبدیلی مذہب کی خاطر ان کے عبرانی نام رکھنے لازمی ہوتے ہیں بعد ازاں انہیں تبدیلی مذہب کا سرٹیفکیٹ بھی دیا جاتا ہے-

"عہد نامہ قدیم میں یہودیت" کی مختصر تاریخ

بنی اسرائیل کی تاریخ دلچسپی سے خالی نہیں حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔ آپ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے بائیبل میں حضرت ابراہیمؑ کو ابرام اور ابرہام کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اور آل یعقوب کو بنی اسرائیل کا نام دیا گیا ہے۔ عہد عتیق کی رو سے حضرت یعقوب کی دو بیویاں ان کے ماموں لابن کی بیٹیاں لیاہ اور راخل حقیقی بہنیں تھیں، ان کے باپ نے انہیں ایک ایک لونڈی دی تھی۔ لیاہ کی لونڈی کا نام زلفہ تھا اور راخل کی لونڈی بلہاہ تھی، یہ دونوں لونڈیاں حضرت یعقوبؑ کے حرم میں شامل ہو کر چار عورتوں سے حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے اور دو بیٹیاں ملک کنعان میں پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ بھائیوں کی بدسلوکی سے لڑکپن میں ہی مصر پہنچ گئے تھے۔ جوان ہو کر وہ مصر کے حاکم بن گئے، اور وہاں ان کے دو بیٹے منسی اور افرائیم پیدا ہوئے۔ کنعان میں رہتے ہوئے حضرت یعقوب کے گیارہ بیٹوں سے سرہ کے سوا نرینہ اولاد پیدا ہوئی۔ جن کی تعداد ۵۱ تھی۔ ان میں سے دو پوتے عیر اور اونان مر گئے۔ تو پوتوں کا شمار ۴۹ رہ گیا۔ جن میں سے دو کو دو دو بیٹے پیدا ہونے سے حضرت یعقوبؑ کے گیارہ بیٹوں دو بیٹیوں ۴۹ پوتوں اور ۴ پڑپوتوں کو ملا کر کنعان میں ۷۰ افراد تھے۔

کتاب پیدائش میں لکھا ہے۔

"یعقوب کی نسل سے پیدا ہونے والے چھیاسٹھ افراد مصر کو چلے گئے۔ (یعقوب کے بچّوں کی بیویوں کو یہاں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ وہاں یوسف کے دو بیٹے بھی تھے۔ اور وہ مصر ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وجہ سے یعقوب کے اہل خاندان میں جو مصر کو آئے کل افراد ستّر تھے"۔[34]

کنعان میں حضرت یعقوبؑ کے صلب سے پیدا ہونے والے ۶۶ افراد میں خود حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ اور ان کے دو بیٹوں کو شامل کر کے کل تعداد ۷۰ بنتی ہے۔ مگر جب ہم عہد جدید کا مطالعہ کرتے ہیں تو حضرت یعقوبؑ کے کنبے کے افراد کی تعداد ۷۵ بیان کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"پھر حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب اور سارے کنبے کو جو پچھتر جانیں تھیں بلا بھیجا"۔[35]

اعمال کی کتاب میں بیان کی گئی اس تعداد میں حضرت یوسفؑ اور ان کے دو بیٹوں کو ملا کر کل تعداد ۷۸ بنتی ہے جو کہ واضح طور پر تضاد ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی بیوی لیاہ سے چھ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے، چھ بیٹوں سے ۲۵ پوتے اور دو پڑپوتے پیدا ہوئے یہ سب ملا کر ۳۴ ہوئے۔ ان میں سے ۲ پڑپوتے (حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہوداہ کی اولاد) عیر اور اونان کنعان میں مر جانے کی وجہ سے اولاد ۳۲ رہ گئی، لیکن اس بارے میں عہد نامہ عتیق کا بیان ہے۔

"روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار اور زبولون۔ یہ سب یعقوب کی بیوی لیاہ کے بچے تھے۔ لیاہ نے اُن بچوں کو فدان ارام میں جنم دیا۔ جہاں اُس کی بیٹی دینہ بھی پیدا ہوئی۔ اِس خاندان میں کل ۳۳ افراد تھے"۔[36]

---

[34] پیدائش ۴۶:۲۶، ۲۷

[35] اعمال الرسل ۷:۱۴

[36] پیدائش ۴۶:۱۵

لیاہ میں اولاد میں دو مر جانے والے پوتوں کو شمار کیا جائے تو کل بیٹے اور بیٹیوں کی تعداد ۳۴ بنتی ہے۔ اگر ان دو کو خارج کر دیا جائے۔ تو کل تعداد ۳۲ رہ جاتی ہے۔ مگر کسی طرح سے بھی ۳۳ نہیں بنتی، جس طرح سے عہد نامہ عتیق میں تعداد ۳۳ بیان ہوئی ہے۔

عہد نامہ قدیم میں اسرائیل کی برگزیدہ اولاد

اسرائیل کی بیوی لیاہ سے اس کا پہلوٹھا رابن پیدا ہوا تھا، پہلوٹھے کا حق باپ کی میراث میں دوگنا ہوتا تھا لیکن اپنی ماں بلہاہ سے ہم بستر ہونے کی وجہ سے وہ پہلوٹھے کا حقدار نہ ٹھہرا، کتاب پیدائش میں ہے۔

"جب وہ وہاں قیام پذیر تھا تو روبن نے اِسرائیل کی خادمہ بِلہاہ سے مُباشرت کی"۔[37]

اسی کی وضاحت میں کتاب پیدائش کے باب ۴۹ میں یوں ہوتی ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ نے رابن کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے روبن تو میرا پہلوٹھا بیٹا ہے۔ تو ہی میرا پہلا بچہ ہے۔ اس لئے تو میرے تمام بیٹوں سے طاقتور اور قابل عزت ہے۔ لیکن تو کناروں سے اوپر بہتے ہوئے پانی کی طرح بے قابو ہے۔ اس لئے تمہیں پہلی جگہ نہیں ملے گی۔ جس عورت کی شادی تیرے باپ سے ہوئی تھی اس عورت کے ساتھ تو ہم بستر ہوا۔ تو اپنے باپ کی عزت کو بحال نہ رکھا۔"[38]

چنانچہ اسرائیل نے پہلوٹھے کا حق اپنے سب سے پیارے بیٹے یوسفؑ کو بخش کر ان کے بیٹوں کو اپنی میراث کے دو حصے دیئے۔ لیکن برکت دے کر افرائیم کو برگزیدہ ٹھہرایا۔

کتاب پیدائش میں مذکور ہے۔

"اس دن اسرائیل نے ان کو دعائے خیر سے نوازا اور کہا، "بنی اسرائیل یہ کہہ کر دوسروں کو دعا دے گا، 'خدا تجھے افرائیم اور منسّی کی مانند بنائے۔" اس طرح اسرائیل نے افرائیم کو منسّی سے بڑا

---

[37] پیدائش ۲۲:۳۵

[38] پیدائش ۴،۳:۴۹

بنا دیا۔ تب اسرائیل نے یوسف سے کہا کہ دیکھ میری موت کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ لیکن اب بھی خدا تیرے ساتھ ہے۔ وہ تجھے تیرے آباء و اجداد کے ملک کو واپس لوٹائے گا۔ میں نے تیرے بھائی کو جو حصہ دیا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر کوئی دوسری چیز میں نے تجھے دی ہے۔ اور میں نے عموریوں سے جس پہاڑ کو جیتا ہے وہ تجھے دیتا ہوں۔ اور کہا کہ میں نے اس پہاڑ کو ان سے تلواروں اور تیروں سے لڑتے ہوئے اپنے قبضہ میں لیا ہے۔"[39]

اسرائیل نے اپنے بیٹے یہوداہ کو یہ برکت دی کہ اس کی نسل میں بادشاہت قائم رہے گی۔

" یہوداہ شیر کی مانند ہے۔ وہ سو کر آرام کرتا ہے اور اُسے چھیڑنے کی کسی میں ہمت نہیں۔ وہ شاہی قوت کو اپنے ہاتھ میں رکھے گا جب تک کہ وہ آنہیں جاتا جو اس کا جانشیں ہو گا۔ دوسری قوموں کے لوگ ان کی فرمانبرداری کریں گے "۔[40]

واضح رہے کہ عہد نامہ قدیم میں یہ فضیلت یہوداہ کے ایک ناجائز بچے فارص کی طرف منتقل ہوئی، جو بہو تمر کے ساتھ یہوداہ کی صحبت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ یہودی حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت مسیحؑ جیسی برگزیدہ ہستیوں کو فخریہ فارص کی نسل قرار دیتے ہیں۔

اسرائیل کے بیٹے لاوی کو یہ برگزیدگی ملی کہ اس کی نسل سے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پیدا ہوئے اور خدا کے حکم سے حضرت موسیٰؑ نے کہانت یعنی دینی پیشوائی کا اعلیٰ ترین منصب حضرت ہارونؑ کو بخشا۔[41]

لیکن اسی لاوی کے بارے میں تورات کی یہ عبارت قابل توجہ ہے جس میں حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

---

[39] پیدائش ۴۸:۲۰،۲۲

[40] پیدائش ۴۹:۱۰

[41] گنتی ۱۸ آیت ۱تا ۸

"شمعون اور لاوی دونوں بھائی ہیں۔ وہ دونوں تلواروں سے لڑنے کو پسند کرتے ہیں۔ ان دونوں نے خفیہ طور پر بُرے کاموں کو کرنے کے منصوبہ بنائے۔ ان کی پوشیدہ محفلوں کو میری جان قبول نہیں کرتی۔ جب وہ غصّہ ہوئے تو آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ بغیر کسی وجہ کے جانوروں کو مار ڈالا۔ اُن کا غصّہ ہی اُن کے لئے لعنت بنا کیونکہ اُن کا غصّہ بہت سخت ہے۔ وہ یعقوب کی زمین میں بٹ جائیں گے اور اسرائیل میں پھیل جائیں گے "۔[42]

عہد نامہ قدیم کے مطابق قبائل بنی اسرائیل

عہد نامہ قدیم کے مطابق 2025 ق م میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی شادی چالیس سال کی عمر میں حضرت ربیکہ سے ہوئی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو دو بیٹوں حضرت یعقوب علیہ السلام اور عیسو سے نوازا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا۔ آپؑ کا لقب اسرائیل تھا۔ عبرانی زبان میں (اسراً) کے معنی بندہ کے ہیں اور (ایل) عبرانی میں اللہ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی اسرائیل کے معنی "اللہ کا بندہ" کے ہیں، جسے عربی میں عبداللہ کہتے ہیں۔ آپؑ کی شادی حضرت لیاہ اور حضرت راکیل سے ہوئی۔ 1921 ق م میں لیاہ سے آپ کا پہلا بیٹا راؤبین Reuben اور 1919 ق م میں لاوی LEVI پیدا ہوا۔ 1914 ق م میں دوسری بیوی حضرت راکیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ولادت بابرکت ہوئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے چار بیویوں سے تھے۔

(1) حضرت یوسف علیہ السلام Josep

(2) بنیامین Benjamin

(3) یہوداہ Judah

(4) راؤبین Reuben

(5) شمعون Simeon

---

[42] پیدائش آیت ۴۹:۵، ۷

(6) لاوی Levi

(7) اشکار Issachar

(8) زبولون Zebulun

(9) دان Dan

(10) نفتالی Naphtali

(11) جاد Gad

(12) اشر Asher

ان بارہ بیٹوں سے بارہ قبائل پیدا ہوئے، ان سب کو "بنی اسرائیل" کہتے ہیں۔ 1885 ق م میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی وفات 180 سال کی عمر میں ہوئی۔ عہد نامہ قدیم کے مطابق اپنی موت سے پہلے اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے حضرت یوسفؑ کی اولاد کو اپنے بیٹوں کے ساتھ یہ کہہ کر شامل کر لیا تھا۔

"اب تو تیرے صرف دو بیٹے ہیں۔ میرے مصر میں آمد سے پہلے ہی وہ یہاں پیدا ہوئے تیرے دو بیٹے منسّی اور افرائیم میرے بچّوں ہی کی طرح ہیں۔ وہ میرے لئے تو روبن اور شمعون کی مانند ہیں۔ اس لئے یہ دونوں بچے میرے لئے بیٹوں کی طرح ہوں گے۔ وہ بھی اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ وراثت پائیں گے۔ اگر تیرے کوئی اور دوسرے بیٹے ہیں تو وہ افرائیم اور منسّی"۔[43]

اس طرح افرائیم اور منسّی کو شامل کر کے حضرت یعقوبؑ کے ۱۴ بیٹے بن گئے۔ حضرت یوسفؑ کے ہاں افرائیم اور منسّی کے بعد کوئی اولاد نرینہ نہیں پیدا ہوئی۔ اس لئے حضرت یوسفؑ کے نام سے کوئی قبیلہ نہیں بنا، اس سے حضرت یوسفؑ کے علاوہ حضرت یعقوبؑ کے ۱۱ بیٹوں اور حضرت یوسفؑ کے ۲ بیٹوں افرائیم اور منسّی کے ناموں

[43] پیدائش ۴۸:۵، ۶

سے مصر میں بنی اسرائیل کے ۱۳ قبیلے بن گئے۔ حضرت موسیٰ کے زمانے میں جب انہوں نے لاوی کے قبیلے کو مذہبی رسومات ادا کرنے کے لئے باقی بنی اسرائیل سے علیحدہ کر دیا۔ تو بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے باقی رہ گئے۔

یہ اسرائیل کے بارہ قبیلے ہیں۔ اِن تمام باتوں (وصیت) کو اُن کے باپ اسرائیل نے ان سے بیان کیا۔ اس نے اپنے ہر بیٹے کو مناسب و موزوں دعائیں دیں۔[44]

بنی اسرائیل سامی الاصل تھے۔ ان کے اصلی وطن کے متعلق ماہرین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثریت کا خیال یہ ہے کہ عراق ہی ان کا قدیم مسکن رہا ہو گا۔ اسرائیلیوں کے جد امجد بابل کے ایک شہر "اَر" کے رہنے والے تھے۔ اسرائیلیوں کے مصری آثار سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ یہودی فلسطین میں یوشع کی فتح سے پہلے بھی آباد تھے اور دریائے فرات کے ساحلی علاقے اس قوم کا مسکن تھے۔ ان کے آباؤ اجداد قدیم زمانے میں فرات کے اس پار رہتے تھے۔[45]

قرآن کریم میں اس طرح ذکر ہوتا ہے :

وَ لَقَدْ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔46

"اور اس طرح ہم نے سرزمینِ مصر میں یوسف کے قدم جما دیے کہ جس جگہ سے چاہے حسبِ مرضی رہنے سہنے کا کام لے۔ ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے فیض یاب کر دیتے ہیں اور نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے"۔

ارضِ کنعان میں قحط کے باعث خاندانِ یعقوبؑ بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کو مصر میں بھیجنے کا واقعہ کتاب مقدس میں اس طرح مذکور ہے:

---

[44] پیدائش ۲۹:۴۹

[45] ذاکرنائیک، دنیا کے بڑے مذاہب، عبداللہ اکادمی، لاہور، ص ۳۲۴

[46] سورۃ یوسف: ۵۶:۱۲

"اور یعقوب کو معلوم ہوا کہ مصر میں غلہ ہے، تب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم کیوں ایک دوسرے کا منہ تاکتے ہو دیکھو میں نے سنا ہے کہ مصر میں غلہ ہے تم وہاں جاؤ اور وہاں سے ہمارے لیے اناج مول لے آؤ تاکہ ہم زندہ رہیں اور ہلاک نہ ہوں"۔[47]

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں ہی اپنے والد اور بھائیوں کو بُلا لیتے ہیں، تورات میں ان کی تعداد ستر بتائی گئی ہے۔ چنانچہ مصر میں حضرت یوسفؑ اور ان کے خاندان کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

مصر میں اس وقت چرواہے بادشاہوں کی حکومت تھی یہ لوگ عربی النسل تھے جو کہ فلسطین شام سے تقریباً ۲۰۰ق م کے لگ بھگ مصر جا کر سلطنت مصر پر قابض ہوئے تھے۔ چرواہے بادشاہوں نے مصر پر ۱۶۴۰ق م کے لگ بھگ حملہ کیا اور نیل کے ڈیلٹا میں آباد ہو گئے۔ مصری تاریخ کے پندرہویں اور سولہویں خانوادے کے حکمران ہِکسوس یا چرواہے بادشاہ ہی تھے جنہوں نے مصر کے بڑے حصے پر حکومت کی حتیٰ کہ ۱۵۳۲ق م کے لگ بھگ انہیں مصریوں نے نکال باہر کیا۔ہکسوس قوم کو مصر سے نکال باہر کرنے والے بالائی مصر کے اُمراء تھے۔ ان میں سے ائمس اول نے طِیبہ (Thebes) کو دارالحکومت بنایا اور سترہویں شاہی خانوادے کی بنیاد ڈالی۔ طِیبہ یا تھیبس دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر اس جگہ آباد تھا جہاں آج شہر الاقصر(Luxor)واقع ہے۔ چرواہے بادشاہوں کی حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام کو عروج حاصل کرنے کا موقع ملا اور پھر بنی اسرائیل وہاں ہاتھوں ہاتھ لیے گئے۔[48]

مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کا دور

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو ہر طرح سے سکون تھا اور یہ عرصہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا سنہرا دور ہے۔ اس دور میں بنی اسرائیل شہری عادات و خصائل سے بھی محفوظ رہے اور بڑی شجاعانہ زندگی گزاری، وفاتِ یوسف علیہ السلام کے بعد جب ملک میں بادشاہت دوسرے خاندان میں چلی گئی تو مصر میں بنی

---

[47] پیدائش ۴۲:۱، ۲

[48] مودودی، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ۲۴، ۲۵

اسرائیل کی غلامی کا دور شروع ہو گیا۔ ریمس ثانی یعنی (فرعون منفتاح) کے دور میں بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا جاتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جاتا۔

انسائیکلوپیڈیا آف امریکانا میں ہے :

"The Hyksos Capital was destroyed and disappeared from Egyptain records for more than two Conturies. Then a family from the district seized power and founded the 19th Dynasty about 1310 B.C. Rebuilding of the old Capital began almost immediately, and Ramess II called it by his own name under which it is mentioned as one of the cities which the Israelites were forced to build by their Egyptian masters."[49]

ہیکسیس دارالخلافہ تباہ کیا گیا اور مصری تاریخ میں دو صدیوں کا ریکارڈ ضائع ہو گیا۔ پھر ایک خطے میں ایک خاندان نے قوت حاصل کی اور ۱۳۱۰ء قبل مسیح میں انیسویں شاہی حکومت قائم ہوئی جس نے پرانے دارالخلافہ کو فوری تعمیر کیا۔ اور رعمیسس دوم نے اسے اپنے نام سے پکارا جس کے تحت وہ شہر مذکور ہیں جنہیں تعمیر کرنے کے لئے اسرائیلیوں کو ان کے مصری آقاؤں کی جانب سے مجبور کیا گیا تھا۔

وفات یوسفؑ کے بعد جب ملک میں بادشاہت دوسرے خاندان میں چلی گئی تو مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کا دور شروع ہو گیا دوسری سامی اقوام کی طرح عبرانی قوم کا وطن بھی عرب تھا جو تقریبا ۷۵۰ اقم سے یہ لوگ کنعان آکر آباد ہونا شروع ہوئے اور مختلف اوقات میں مختلف اطراف سے قبیلوں کی صورت میں آکر ۱۲۰۰ ق م تک وہ کنعان و فلسطین میں پوری طرح آباد ہو گئے۔

یہودی روایت یہ ہے کہ انھیں حضرت ابراہیمؑ کنعانیوں کے زیر اثر حکومت سے نکال لائے پہلے وہ فلسطین میں ٹھہرے پھر مصر چلے گئے جہاں انھیں غلام بنالیا گیا آخر کار حضرت یوسفؑ نے انھیں اس غلامی سے نجات دلائی اور موسیٰؑ دیشوں کی سرکردگی میں تقریبا ۱۳۰۰ ق م میں وہ مصر چھوڑ کر کنعان آگئے عبرانی قوم سے تقریبا ۱۰۰۰ سال پہلے کنعان میں ایک دوسری قوم سامی النسل آباد تھی جسے کنعانی کہتے ہیں یہ عبرانیوں سے کہیں زیادہ متمدن تھے ان

[49] The Encyclopedia of Americana, Vol,3,P634

کا اپنا مذہب تھا اپنی حکومت تھی یروشلم ان کا دار الحکومت تھا عبرانی بہت جلد کنعانیوں میں گھل مل گئے اور ان کی تہذیب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا فلسطین میں ایک دوسری قوم بھی آباد تھی جو فلسطینی کہلاتی تھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ کریٹ سے ہجرت کر کے آئے تھے فلسطینی فتوحات نے یہودیوں کو متحد کر دیا اور ۱۰۰۰ ق م انھوں نے حضرت صالحؑ کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا ان کے دوسرے بادشاہ نے یروشلم کو کنعانیوں سے چھین لیا جو اس دن سے آج تک فلسطین کا دارالحکومت ہے حضرت سلیمان نے جو داؤدؑ کے بیٹے تھے یروشلم کا ہیکل بنوایا اور اس کی تعمیر پورا کرنے کے لئے بھاری ٹیکس لگائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان کے بیٹے ریہوم (۹۳۰ ق م) کے زمانہ میں دس شمالی قبیلوں نے اپنی علیحدہ ریاست قائم کر لی جو حکومت اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی ان کا دارالحکومت سماریہ تھا دو جنوبی قبیلوں نے یہودا کی ریاست بنائی جس کا دارالحکومت یروشلم برقرار رہا ۸۵۰ ق م میں فرعون مصر شیشاک نے ہیکل سلیمانی کو لوٹا اور ۷۴۴ ق م میں اسرائیل کی زرخیزی اور دولت کی فراوانی نے آشوری حکمران سادرگون کو حملہ کرنے پر اکسایا وہ اس کے کل باشندوں کو قیدی بنا کر لے گیا اور یہ پتہ نہ چلا کہ اسرائیل کے دس قبیلے کہاں گئے وہ اور ان کی حکومت صفحہ تاریخ سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئی۔ اسرائیل کے بعد یہودا کی باری آئی ۵۸۶ ق م کلدانی حکمران تخت نونے حملہ کیا اور یروشلم کو مسمار کر کے وہاں کے باشندوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا ۵۳۹ ق م ایرانی بادشاہ سائرس (syrus) نے بابل پر قبضہ کر کے کلدانی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور یہودیوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی اس کے بعد سے یہ قوم کبھی تو ایرانیوں کے ماتحت رہی اور کبھی یونانیوں کی حتی کہ ۷۰ عیسوی میں یروشلم کو رومی حکمران ٹائٹس (TITUS) نے مسمار کر کے یہودی ریاست کا خاتمہ کر دیا تب سے یہودیوں کو ابھرنے کا موقعہ نہ ملا بہر حال وہ زندہ ہیں اور اپنے مذہب پر قائم ہیں۔[50]

اس حوالے سے سید مودودی لکھتے ہیں:

"حضرت موسیٰؑ سے قبل بنی اسرائیل کی تاریخ تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی بائبل اور تورات بھی اس پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالتی اور نہ مصر کی قدیم تاریخ اور اثرات سے اس معاملہ میں کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔[51]

یہودیت اور یہودیوں کے بارے میں ڈاکٹر ذاکر نائیک بیان کرتے ہیں

---

[50] نیاز فتح پوری خدا اور تصور خدا :تاریخ مذاہب کی روشنی میں، ص ۱۷۴-۱۷۰ آواز اشاعت گھر، لاہور

[51] مودودی تفہیمات، ص: ۲۶ ج : ۱۲ اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۷۷ء

:"یہودیت بڑے سامی مذاہب میں سے ایک ہے اس مذہب کے پیروکار یہودی کہلاتے ہیں اور یہودی حضرت موسیٰؑ کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔[52]

بنی اسرائیل پر فراعنہ کے مظالم

مصر میں فرعون منفتاح کے دورِ حکومت میں بنی اسرائیل کو شدید ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کو ہر طرح سے کمزور کرنے کی کوشش کی گئی ان پر بیگار لینے والے مقرر کیے گئے۔ عمارتوں کی تعمیر کے لیے ان سے گارا اور اینٹیں بنوائی گئیں۔ کھیتوں میں ان سے کام کروایا گیا اور آخری احتیاطی تدبیر کے طور پر لڑکوں کو قتل کر دیا جاتا اور لڑکیاں اپنے تسلط کے لیے رکھ لی جاتیں تاکہ ان سے قبطی نسل پیدا ہو۔

قرآن پاک میں بنی اسرائیل پر فراعنہ کے مظالم کی تصویر کشی اس طرح کی گئی ہے :

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيِۦ نِسَآءَ هُمْ ط إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۔[53]

"بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام چالوں کو ناکام بنا کر بنی اسرائیل کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس دشمنِ خدا کے گھر میں ہی آپ نے پرورش پائی۔ جب بنی اسرائیل کے حقوق ہر طرح سے سلب ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ ان کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائیں۔ لہٰذا جب فرعون نے حق کو قبول نہ کیا تو بنی اسرائیل کو مصر سے ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ اب ان کا ٹھکانہ وادیٔ سینا تھی۔

---

[52] نائیک ؛ عبد الکریم، ڈاکٹر ترجمہ محمد زاہد ملک خدا کا تصور مذاہب عالم میں، ص: ۲۷ زبیر پبلشرز لاہور ۲۰۰۶ء

[53] سورۃ القصص ۲۸:۴

وادیٔ سینا میں بنی اسرائیل کی مردم شماری کی گئی۔ بنی اسرائیل کی مردم شماری کے بعد جو تعداد مقرر ہوئی اس پر انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں اس طرح تبصرہ کیا گیا ہے :

> "Early in the Socond year after the exodus, to take a census of the arms bearing men over 20 in each of the clans of Israel. Moses and Aaron, aided by the clan Chiefs. Take the count. Clan by clan and reach a total of 603,550 men according to critical scholars, an unblievably large total for the time and traditions. [54]

خروج کے ابتدائی دوسرے سال کے بعد مردم شماری کا انعقاد ہوا جس میں اسلحہ بردار ہر قبیلے میں ۲۰ افراد تھے۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ کی معاونت کے لئے ہر قبیلے کا سردار تھا۔ محققین کے مطابق ہر قبیلے کی مردم شماری ہوئی جن میں شمار کردہ افراد کی تعداد چھ لاکھ تین ہزار اور پانچ سو پچاس تھی۔ جو کہ اس وقت کی روایات اور وقت کے اعتبار سے ناقابل یقین حد تک زیادہ ہے۔

بنی اسرائیل کی غلامی

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ کو امانتاً مصر ہی میں دفن کیا گیا۔ آپ کا عہد حکومت چالیس سال تھا۔ آپ کی بیوی مصری تھیں, جن کے بطن سے آپ کے دو بیٹے جناب افراہیم اور جناب مُنسّی پیدا ہوئے۔ آپ کی نسل انہی دو بیٹوں سے چلی۔ مصر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یعنی بنی اسرائیل بے حد پھیلی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک پچیس سال تک وہ مصر پر حکمران رہے۔ رفتہ رفتہ بنی اسرائیل مختلف قسم کی برائیوں میں مبتلا ہوتی گئی۔ 125 سال کے بعد اللہ نے ان کی بد اعمالیوں کے سبب ان کی آزادی چھین کر ان کو غلامی میں مبتلا کر دیا۔ 1674 ق م میں مصر میں قبطیوں کے ہاتھ قوم پرست انقلاب برپا ہوا۔

یہ یاد رہے کہ مصر میں حضرت حامؑ کے بیٹے مصرؑ کی اولاد آباد تھی۔ مصر کے حکمرانوں کو فرعون کہا جاتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر آمد سے قبل ان کی حکومت کمزور پڑ گئی تھی۔ موقع کو غنیمت پاکر مصر سے باہر کا ایک جنگجو سامی النسل قبیلہ حملہ آور ہوا اور فرعون کو شکست دیکر اپنی حکومت قائم کر دی۔ تاریخ میں یہ "چرواھے

---

[54] The New Encyclopedia Britannica, vol 14, p925

بادشاہ Hyksos "کہلائے۔ قرآن کریم نے بھی دور یوسفی کے مصری حکمران کو فرعون کی بجائے "بادشاہ" کہہ کر ذکر کیا ہے۔ یہ بھی قرآن کا ایک تاریخی معجزہ ہے۔ اس کے برعکس تحریف کردہ تورات اور دیگر یہودی روایات میں اس دور کے سامی النسل بادشاہوں کو بھی فرعون کے نام سے ذکر کیا گیا ہے جو تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے بازار میں نیلام کئے گئے تو وہ انہی سامی النسل چرواھے بادشاہوں کا دور حکومت تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مصر کے حقیقی باشندوں نے کبھی بھی خارجی حکمرانوں کو دل سے قبول نہیں کیا۔ مصری باشندے سامی حکمرانوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پر نور دور میں آپ کی بصیرت اور حکومت کے فوائد سے بہرہ ور ہوتے رہے لیکن آپ کی وفات کے بعد وہ چرواہے حکمرانوں کے خلاف بغاوت پر اُتر آئے اور بالآخر انہوں نے ان کا تختہ الٹ دیا۔ سامی النسل چرواہے حکمرانوں کا تختہ الٹانے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد قوم پرست فرعونی حکومت بنی اسرائیل کی روز افزوں بڑھتی دولت اور آبادی سے بھی بے حد خائف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کا زور توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ تورات میں اس کا ذکر اس طرح ہوا ہے:۔

"تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا دیکھو اسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہو گئے ہیں، سو آؤ ہم اس ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں ایسا نہ ہو کہ وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائی ۔[55]

فرعونی مصر نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر نہایت ذلیل و خوار کر دیا اور ان کے مکانات، جائیدادیں اور زرخیز زمینیں چھین کر انہیں ذلیل و خوار کر کے ادنیٰ اور گھٹیا کاموں کے لئے مخصوص کر دیا۔ اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ ان کی آبادی کو گھٹانے کے لئے ریاستی جبر کی انتہا کر دی کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھا جاتا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل کو جس ظلم و تشدد سے کچلا گیا اتنی ہی ان کی اولاد بڑھتی گئی، جسے فراعنہ مصر نے بامشقت کاموں کے لئے مخصوص رکھا۔

[55] خروج۔باب ۱

غلامی ایک قوم پر سب سے بڑا عذابِ الٰہی ہوتا ہے اور یہ عذابِ الٰہی یہودیوں کی نافرمانیوں اور بداعمالی کے سبب ان پر نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سارے اقوام عالم پر فضیلت بخشی۔ نبوت دی اور مصر پر حکومت عطا کی لیکن اللہ کے احسانات کے بدلے میں انہوں نے احسان فراموشی اور بغاوت کیں۔ جس ملک میں وہ حکمران رہے، اسی ملک میں وہ محکوم اور غلام بنا دیئے گئے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذابوں میں غلامی بہت ہی بڑا عذاب ہے۔ مسلسل چار صدیاں انہوں نے فراعنہ مصر کی غلامی، ذلت وخواری میں گُزاری۔

نامور یہودی مؤرخ جوسیفس لکھتا ہے:۔

"اب ایسا ہوا کہ مصری بہت نازک مزاج اور کاہل ہوگئے اور محنت سے جی چرانے لگے دوسری طرف وہ عبرانیوں (بنی اسرائیل) سے اُن کی آسودہ حالی اور خوشحالی پر حسد کرنے لگے، کیونکہ مصریوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل نے کس قدر ترقی کی اور بہت زیادہ دولتمند ہوگئے۔ یہ دولت بنی اسرائیل کو ان کو اپنی بے حد محنت کے باعث حاصل ہوئی تھی۔ مصری اس دوران یوسف (علیہ السلام) کے احسانات بھول گئے۔ پھر اس دور میں حکمرانی بھی کسی اور خاندان کے پاس آگئی تھی جو خود بھی بنی اسرائیل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مصریوں نے بنی اسرائیل کو مختلف طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا، دریا سے نہریں نکالنے، شہروں کے فصیل اور دیواروں کی تعمیر اور دریا کے کنارے پُشتے بنانے، اور اُن کے لئے اہرام Pyramids تعمیر کرنے کے سخت ترین اور بامشقت کاموں کے لئے وقف کر دیا۔ اس طرح تقریباً چار صدیوں تک بنی اسرائیل نے (مصریوں کے ہاتھوں) یہ مصیبتیں جھیلیں اور نسل در نسل بدترین غلامی کا شکار رہے۔ اس بدترین مشقت کے ذریعے مصری بنی اسرائیل کو نیست ونابود کرنے کے درپے رہے اور اسرائیلی اپنا وجود برقرار رکھتے رہے۔[56]

یہودی عالم "ربی لوئیس" اپنی نامور کتاب "داستانِ یہود" میں لکھتا ہے:۔

"جوں ہی یوسف (علیہ السلام) کا انتقال ہوا بنی اسرائیل کی مشکلات کا آغاز ہوا۔ جب تک یعقوب (علیہ السلام) کا ایک بھی بیٹا زندہ رہا، مصریوں نے براہ راست بنی اسرائیل پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ لیکن جب یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹے لاوی کا انتقال بھی ہوا تب مصریوں کا بنی اسرائیل کے بارے میں طرز عمل کھلم کھلا تبدیل ہوا۔

---

[56] تاریخ یہود۔ از جوزیفس۔ کتاب دوم، باب ۹

مصریوں نے رفتہ رفتہ بنی اسرائیل کو غلام بنانے کا عمل شروع کیا۔ مصریوں کا سب سے پہلا جارحانہ قدم یہ تھا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو اُن کی جائیدادوں، کھیتوں، باغوں سے محروم کر دیا۔ اس دشمنی پر بھی انہوں نے بس نہیں کیا بلکہ دوسرے ہر ممکن طریقے سے انہوں نے بنی اسرائیل کو ستایا۔ مصریوں کی اس نفرت کا سبب خوف اور حسد تھا کیونکہ بنی اسرائیل کی آبادی معجزاتی طور پر بہت بڑھی چکی تھی. قلیل مدت میں اُن کی تعداد ستر سے بڑھ کر ساٹھ ہزار ہو گئی۔ بنی اسرائیل کی عظیم الشان جسمانی مضبوطی کو بھی مصری خطرے کی گھنٹی سمجھتے تھے۔ اس دوران مصریوں اور بنی اسرائیل کے بھائیوں عدو میوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں بنی اسرائیل نے مصریوں کا ساتھ دیا اور ایسی بہادری دکھائی کہ مخالف لشکر شکست کھا گیا۔ مصریوں نے بنی اسرائیل کی مدد سے فتح تو حاصل کر لی لیکن وہ اس کی بہادری اور قوت سے بے حد خائف ہوئے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ

فراعنہ مصر کے مظالم پر اور بنی اسرائیل کی ذلت وخواری پر اللہ کی رحمت جوش میں آئی۔ چنانچہ تورات کے مطابق چار سو تیس سال تک مصر میں بدترین غلامی اور انتہائی ذلت و جبر کی زندگی بسر کرنے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان اور فضل و کرم فرما کر ان کے درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت 1525 ق م میں ہوئی۔

جوزیفس کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل فرعونِ مصر کو مستقبل کی پیشن گوئی کرنیوالے ایک نجومی نے بتایا کہ عنقریب مصر کے اسرائیلیوں میں ایک بچہ پیدا ہو گا جس کو اگر زندہ رہنے دیا گیا تو وہ مصری حکومت کو مغلوب اور بنی اسرائیل کو غالب کر دے گا اور وہ تمام انسانوں میں اعلیٰ صفت ہو گا اور بنی اسرائیل کو ایسی شان و شوکت بخش دے گا جو ہر دور میں قائم رہے گا۔ یہ سُن کر فرعون بے حد خوفزدہ ہوا اور اُس نے حکم جاری کیا اب بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو، اس کو ختم کیا جائے۔ اس نے مصری دائیوں کو بھی حکم دیا کہ وہ عبرانی خواتین

کی بوقت زچگی نگرانی کرے اور پیدا ہونے والے بچے کا معائنہ کرے کہ کہیں وہ لڑکا تو نہیں۔ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کو دریائے نیل میں غرق کیا جائے یا مار دیا جائے۔[57]

اسی مشکل دور میں بنی اسرائیل کے لاوی قبیلے کے ایک با مرتبہ شخص "عمران" کی بیوی "یاخوبد Jochebed" کے ہاں موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش باسعادت ہوئی۔ فرعون کے ڈر سے انہوں نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھ کر اس کو دریا کے حوالے کر دیا۔ قدرت الٰہی سے ٹوکرا بہتے بہتے فرعون کے محل جا پہنچا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنھا محل میں دریا کے کنارے بیٹھی تھیں۔ انہوں نے یہ ٹوکرا دیکھا تو ان کو پانی سے نکلوایا۔ دیکھا کہ ٹوکرے میں ایک معصوم بچہ اپنی انگلی چوس رہا ہے۔ اس نے اس معصوم بچے کو اپنا بیٹا بنایا۔ اور اس کا نام "موسیٰ" عبرانی میں "موشے (Mosheh or Moshe) جس کے معنی ہے "پانی سے نکالا ہوا" رکھا۔ کیونکہ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے آپ کو پانی سے نکالا تھا۔ حضرت آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے جس عورت کو منتخب کیا قدرت الٰہی سے وہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن فرعون کے محل میں کی لیکن دودھ اپنی والدہ محترمہ کا پیتے رہے۔۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں شاہی ماحول میں شاہی تعلیم و تربیت حاصل کر کے جوان ہوئے۔ آپ قوی ہیکل نوجوان تھے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام گندم گوں اور دراز قد تھے (بخاری شریف۔ کتاب الانبیا)۔ اللہ تعالیٰ نے جسمانی طاقت و طاقت کے علاوہ علم و حکمت اور اچھی سیرت سے بھی نوازا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ابتدائی چالیس سال فرعون کے محل میں گزرے۔

واقعہ قتل اور مدین کی طرف ہجرت

موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں اسرائیلیوں کی محکومیت اور ان کی بدحالی کا شدت سے احساس تھا۔ وہ اکثر گشت پر نکل کر بنی اسرائیل کی حالت کا جائزہ لیتے اور اپنی قوم بنی اسرائیل کی حالت زار پر غمگین ہو جاتے۔ آپ ایک دن مصر کے بازار میں سے گزر رہے تھے، دیکھا کہ ایک مصری قبطی ایک اسرائیلی پر تشدد کر رہا ہے۔ آپ سے رہا نہیں گیا

[57] جوزیفس۔ کتاب دوم

لہذا آپ نے قبطی سے اسرائیلی کو چھڑانا چاہا۔ اس صورتحال میں آپ نے اس قبطی کو ایک مکا مارا۔ آپ کا مکا وہ قبطی سہہ نہ سکا وہ ایسے گرا کہ مر گیا اور اسرائیلی بھاگ گیا۔ شہر میں مصری کے قتل کی خبر پھیل گئی مگر قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اگلے دن جب موسیٰ علیہ السلام پھر بازار میں سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ اسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی مار رہا ہے۔ آپ اسرائیلی پر بھی غصے ہوئے اور جب اس کو چھڑا رہا تھا تو اسرائیلی چلا اُٹھا کہ اس قبطی کو ایسے نہ مارنا کہ جیسے کل ایک مصری کو مارا تھا۔ پھر کیا ہوا کہ بات پھیلتے پھیلتے مقتول کے ورثا اور فرعون تک پہنچ گئی۔ اُس نے موسیٰ کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ اطلاع ایک معزز مصری نے پہنچائی۔ چنانچہ آپ فرعون کے شر سے بچنے کے لئے مصر چھوڑ کر تک و تنہا بغیر سواری اور زادِ راہ کے، جزیرہ نما سینا کی طرف روانہ ہوئے اور اسی پریشانی میں چالیس دن سفر کر کے مدین جا پہنچے۔

مدین حجاز کے شمال اور مصر کے مشرق میں واقع تھا۔ قوم مدین در اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت قطورہ کے بیٹے مدین کی نسل میں سے تھی۔ اسی قوم میں حضرت شعیب علیہ السلام بھی مبعوث ہوئے۔ جس بزرگ کے آپ قیام پذیر ہوئے، اُن کا نام قرآن کریم میں نہیں لیا گیا۔ اس سلسلے میں علماء اسلام میں مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ اُن میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ وہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور غالب گمان بھی یہی ہے کہ وہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس جلاوطنی میں مسلسل چالیس سال گزار دیئے۔ آپ کی شادی حضرت صفورہ رضی اللہ عنھا سے ہوئی۔ محل میں نازوں میں پلنے والا موسیٰ علیہ السلام اب مدین کے دشت و بیابان میں گلہ بانی کرنے لگا۔

موسیٰ کو شرفِ نبوت

اس دوران فرعونِ مصر مر گیا اور اس کا بیٹا رعمسّس دوم تخت نشین ہوا۔ یہ فرعونِ مصر بھی بنی اسرائیل کا سخت مخالف تھا۔ اہلِ مصر کے ظلم اور بنی اسرائیل کی بدترین مظلومیت پر رحمتِ الٰہی کو جوش آیا اور موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکمِ الٰہی ملا کہ مصر جا کر فرعون کو دینِ حق کی دعوت دے اور بنی اسرائیل کو مصریوں کے ظلم سے نجات دلا۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ آپ اپنے اہل و عیال سمیت بکریاں چراتے چراتے مدین کی بستی سے دور کوہِ طور کے دامن میں وادیٔ طویٰ میں داخل ہوئے۔ رات ہوئی اور سردی سے بچنے کے لئے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ رات کے اندھیرے میں دور کہیں آگ نظر آئی، چنانچہ جب آپ چلتے چلتے اس

آگ کے قریب پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ایک درخت آگ کی طرح روشن ہے. درخت پر روشنی تو ہے مگر اس کی شاخیں اور پتے جل نہیں رہے ہیں۔ آپ نور سے منور درخت کے قریب جاتے تو وہ دور ہو جاتی۔ یہ منظر حیرت ناک تھا۔ آپ اس پُر جلال منظر سے ڈر گئے اور واپس ہونے لگے کہ اُن کو ایک ندا سنائی دی۔

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰا مُوْسٰى۔اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى۔58

جب اس نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید کہ میں اس سے تمہارے پاس کوئی چنگاری لاؤں یا وہاں کوئی رہبر پاؤں۔ پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ۔ میں تمہارا رب ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار دو، بے شک تم پاک وادی طوٰی میں ہو۔ اور میں نے تجھے پسند کیا ہے جو کچھ وحی کی جارہی ہے اسے سن لو۔

تورات میں لکھا ہے:۔

"جب خدا نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو کترا آرہا ہے تو خدا نے اُسے جھاڑی میں سے پُکارا اور کہا اے موسیٰ! اے موسیٰ! اُس نے کہا میں حاضر ہوں، تب اُس نے کہا ادھر مت آ۔ اپنے پاؤں سے جُوتا اتار کیونکہ جس جگہ تُو کھڑا ہے وہ مقدس زمین ہے، پھر اس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا ہوں یعنی ابراہیم کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں، موسیٰ نے اپنا منہ چھپایا کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا تھا، اور خداوند نے کہا میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں خوب دیکھی اور اُن کی فریاد جو بیگار لینے والوں کے سبب ہے سُنی اور میں اُن کے دکھوں کو جانتا ہوں اور میں اُترا ہوں کہ اُن کو مصریوں کے ہاتھ سے چھُڑاؤں اور اُس ملک سے نکال کر اُن کو اچھے اور وسیع ملک میں جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے یعنی کنعانیوں اور حِتّیوں اور اموریوں اور فرزّیوں اور حوّیوں اور یبوسیوں کے ملک میں

---

58 سورۃ طہ ۲۰: ۱۰ تا ۱۳

پہنچاؤں، دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک پہنچی ہے اور میں نے وہ ظلم بھی جو مصری اُن پر کرتے ہیں دیکھا ہے، سو اب میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تُو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے۔[59]

اللہ تعالیٰ نے جناب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نبوت کے لئے چن لیا اور اُن کو یہ ذمہ داری بخشی کہ وہ فرعون کو دعوت حق دے اور اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصریوں کی غلامی سے نجات دلائے۔ خالقِ کائنات نے اپنے پیغمبر کو نبوت کی نشانی کے طور پر دو معجزات "عصا" اور ید بیضا" عطا فرمائے۔ جب آپ اپنے دُو شاخہ عصا کو زمین پر پھینکتے تو وہ قدرتِ الٰہی سے اژدہا بن جاتا۔ اپنے ہاتھ مبارک کو گریبان کے اندر ڈال کر دوبارہ نکالتے تو وہ سورج سے زیادہ روشن ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بھائی حضرت ہارون کو اپنا نبی اور آپ کا وزیر مقرر فرمایا۔ آپ نے چالیس سال اس صحرا میں منشاالٰہی سے گزار کر صحرانوردی کی خصوصی تربیت حاصل فرمائی کیونکہ مستقبل میں آپ نے اپنی قوم کے ہمراہ ایک بار پھر صحرا کی پر مشقت زندگی بسر کرنی تھی۔ چالیس سال کی صحرا نشینی کے بعد بحکمِ خداوندی آپ دوبارہ مصر واپس لوٹے اور سیدھا اپنی قوم کے پاس گئے اور قوم کے بڑوں، بزرگوں کو جمع کر کے اُن کو دعوت حق دی اور ان کو مصریوں کی غلامی سے نجات کی خوشخبری سنائی۔

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ہمراہ خدا کے حکم سے فرعون کے دربار شاہی تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کی تھی کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعونِ مصر کو نرمی سے دعوت دو، شاید کہ وہ دینِ حق قبول کر لے۔ آپ نے فرعون کے دربار میں اس کو دین حق کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا کہ اے فرعون! ہمیں آسمان اور زمین کے رب نے اپنا ایلچی بنا کر تیرے پاس بھیجا ہے کہ ایک تو تم اپنی خدائی کا دعویٰ چھوڑ کر خدائے واحد پر ایمان لاؤ۔ دوسری بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنے سے باز آجاؤ اور ان کو اپنی غلامی سے آزاد کر دے۔ فرعون نے دعوت قبول کرنے کی بجائے بحث و تکرار شروع کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے دلائل دے دے کر اس کو سمجھانے کی کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نبوت کی نشانی کے طور پر اپنے دو معجزات پیش کئے لیکن فرعون نے معجزات کو "جادو" کہہ کر مسترد کر دیا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے جادو

[59] خروج۔باب۳

گروں کے ساتھ مقابلہ کا چیلنج دیا۔ بعد میں ایک مقررہ دن فرعونی سلطنت کے جادوگروں نے جادو کے کرتب دکھا ئیے لیکن اللہ کی قدرت سے وہ ناکام ہوئے۔ جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے، فتح حق کی ہوئی۔ فرعون کے جادوگر معجزات سے متحیر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم ملک کے سب سے بڑے جادوگر ہیں اور جادو کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ہم بے شک جادوگر ہیں لیکن موسیٰ جادوگر نہیں بلکہ خدائے واحد کا نبی ہے۔ وہ تمام جادوگر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ فرعون کی پہلی شکست تھی جس پر وہ تلملا کر رہ گیا۔

بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بار بار دعوت حق دی۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر تو مسلمان نہیں ہوتا تو تیری مرضی، مگر میری قوم کو تو اپنی غلامی سے آزاد کر کے مصر سے ہجرت کرنے کی اجازت دیدے۔ لیکن فرعون کسی قیمت پر نہ مانا۔ تب موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا سے اہل مصر پر قدرت الٰہی سے مسلسل یکے بعد دیگرے قسم قسم مثلاً وبا، جوؤں کی کثرت، مینڈکوں کی بھرمار، پانی کا خون آلود ہونا، وبا سے مویشیوں کا مرجانا وغیرہ کے عذاب نازل ہوتے رہے۔

بنی اسرائیل کی فلسطین کی طرف عظیم ہجرت / خروج (The Exodus)

1446 ق م کے موسمِ بہار میں اسرائیلی قوم نے مصرؔ سے خروج کیا۔[60] یہودی روایات کے مطابق یہودی مہینے نسان کی پندرہ تاریخ کو چھ لاکھ مردوں (جن میں خواتین اور بچوں کی تعداد شامل نہیں) پر مشتمل افراد کا عظیم الشان قافلہ فرعونی سلطنت کے دارالسلطنت رعمسیس سے براستہ سکات فلسطین کی طرف روانہ ہوا۔ بعد میں اسی تاریخ سے بنی اسرائیل نے یہودی کیلنڈر کا آغاز کیا گیا۔ اُس تاریخی موقع کی مناسبت سے بنی اسرائیل کی پہلی عید "عیدِ فسخ یا عید فطیر" منائی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل اور بنی اسرائیل کی باقیات یعنی قوم یہود عظیم خروج یعنی ہجرت کو قوم کی تاریخ کا سنگ میل قرار دیتی ہے کہ جس نے بنی اسرائیل کو ایک باقاعدہ قوم اور ملت کی صورت دے دی۔ خود قرآن کریم بھی دور موسوی سے بنی اسرائیل کو ان کے نام بنی اسرائیل سے مخاطب کرتی ہے۔ بنی اسرائیل کا قافلہ حکم الٰہی سے مصر سے سیدھا فلسطین جانے کی بجائے اُس طویل راستے پر گامزن ہوا کہ جس کی راہ میں بحر قلزم

[60] قاموس الکتاب، صفحہ ۹۴

کا شمالی سرا (موجودہ خلیج سوئز) پڑتا تھا۔ نزدیکی, مختصر اور خشکی کے راستے سفر کرنے کی بجائے بحیرہ قلزم کے راستے فلسطین جانے کی کئی وجوہات تھیں۔

1. نزدیکی اور مختصر راستے کو اپنانے میں کنعانیوں سے براہ راست تصادم یقینی تھا جس کی سخت غلامی سے تازہ ترین نجات پانے والے کم ہمت اسرائیلیوں میں ہرگز جرآت نہیں تھی۔
2. اللہ کے باغی فرعون اور اس کے لشکر کو پانی میں غرق کرنا تھا۔
3. طویل اور کٹھن مسافتوں کے ذریعے بنی اسرائیل کی جسمانی، ذہنی، اخلاقی، نفسیاتی اور مذہبی تربیت کرنا تھا۔
4. وادیٔ سینا میں کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو شریعت عطا کرنا بھی مطلوب تھا۔

فرعون نے اگرچہ پہلے پہل تو بنی اسرائیل کو جانے دیا لیکن ان کے روانہ ہونے کے بعد اہل مصر سخت پشیمان ہوئے کہ اب ان کی خدمت کون کرے گا، کون ان کے مندر بنائے گا، کون اُن کے شہر، ان کے اہرام، ان کے بازار، ان کے گھر، ان کے کام کاج کرے گا۔ چنانچہ فرعون کا ارادہ بدلا اور وہ بنی اسرائیل کو دوبارہ اپنی غلامی میں لینے اُن کے تعاقب میں بمع لاؤ لشکر کے تیز رفتاری سے روانہ ہوا۔ بنی اسرائیل نے غلامی سے ابھی ابھی تازہ نجات پائی تھی اور اُن کے دل و دماغ ابھی ایمان کی نورانیت سے خالی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے دور سے بہت بڑی دھول اڑتی دیکھی تو سمجھ گئے کہ فرعون ان کے تعاقب میں ان تک پہنچنے ہی والا ہے. وہ بے حد خوفزدہ ہوئے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سخت احتجاج کیا کہ فرعون کے لشکر کے ہاتھوں مرنے سے بہتر تھا کہ ہم اس کی غلامی میں زندہ رہتے۔ بہت سے لوگ واپس جانے کی باتیں کرنے لگے۔ تورات میں ہے:۔

"جب فرعون نزدیک آگیا تب بنی اسرائیل نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا کہ کہ مصری اُنکا پیچھا کئے چلے آتے ہیں اور وہ نہایت خوفزدہ ہوگئے۔ تب بنی اسرائیل نے خدا سے فریاد کیا اور موسیٰ سے کہنے لگے کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تُو ہم کو وہاں سے مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ھے؟ تُو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا کیا ہم تجھ

سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔[61]

بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی لشکر سمیت غرقابی

تب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے مدد مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنی عصا سمندر کے پانی پر مار۔ پھر بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کا پہلا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر قلزم دو حصوں میں تقسیم ہوا اور درمیان میں بنی اسرائیل کے لئے راستہ بنا جو بالکل خشک تھا۔ بنی اسرائیل اپنے مال مویشی سمیت اس راہ پر ہو لئے۔ ادھر بنی اسرائیل کا آخری فرد سمندر کے دوسرے یعنی مشرقی کنارے پہنچا، اُدھر فرعونی لشکر ان کے تعاقب میں ان کی نقش قدم پر چلتا چلتا سمندر کے وسط میں پہنچا۔ تب اللہ کے حکم سے بحر قلزم کا پانی ایک دوسرے سے جا ملا اور فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت تیز و تند لہروں میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ موت کے منہ میں جا کر جب ناپائیدار بادشاہی اور جھوٹی خدائی کا نشہ اُترا تو وہ خوف سے چلا اٹھا کہ اے موسیٰ میں تیرے خدا پر ایمان لاتا ہوں۔ لیکن فرعون عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آچکا تھا لہذا اُس کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون (رعمسیس دوم) کو بحر قلزم میں غرق کر کے اس کی لاش کو آنیوالے زمانوں کے لئے محفوظ فرمادیا۔ آج بھی مصر کے سرکاری عجائب گھر میں بحر قلزم میں سے غرق ہونے والے فرعون "رعمسیس دوم" کی غیر حنوط شدہ لاش موجود ہے۔ کیونکہ اللہ نے اعلان فرمایا تھا کہ اس کی لاش کو عبرت کے لئے محفوظ کیا جائے گا:۔

آٰلْاٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۔فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيَاتِنَا لَغَافِلُوْنَ۔[62]

اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے یہ حال تھا کہ نافرمانی کرتا رہا اور فساد کئے چلا گیا۔ اچھا آج ہم تیری لاش کو بچائے لیتے ہیں تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بنا رہے۔ اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

---

[61] خروج۔ باب ۱۴۔۱۱

[62] سورۃ یونس ۱۰:۹۱،۹۲

بنی اسرائیل نے جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ اللہ نے ان کو بچا دیا اور ان کے دشمن کو پانی میں غرق کر دیا تو وہ اللہ تعالیٰ پر اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دوبارہ ایمان لائے۔ یہ یاد رہے کہ صدیوں تک بت پرست مصریوں کی غلامی نے جہاں اس قوم کی غیرت اور ہمت چھین لی تھی، وہیں ان کا ایمان بھی نہیں رہا اور وہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

یہود کی تاریخ کے مختلف ادوار

یہود کی تاریخ مندرجہ ذیل ادوار میں منقسم ہے۔ پہلا دور: جس کو ہم Bibilical History کے مطابق "Patrioricalage" کر سکتے ہیں اس میں مندرجہ ذیل ہستیاں شامل ہیں۔

- حضرت ابراہیمؑ جن کا دور لگ بھگ ۲۰۰۰ ق م سے ۱۸۲۵ ق م تک ہے۔
- حضرت اسحاقؑ کا دور ۱۹۰۰ سے ۷۲۰ ق م تک ہے۔
- حضرت یعقوبؑ کا دور لگ بھگ ۱۸۴۰ سے ۷۰۰ ق م تک ہے۔

یعنی حضرت ابراہیم سے حضرت موسیٰ تک کا دور پیٹریاکس patriax کا زمانہ کہلاتا ہے بنی اسرائیل کا داخلہ حضرت یوسف کے دور سے شروع ہوتا ہے اور یہ دور تقریباً ۱۷۵ ق م سے ۶۴ ق م تک ہے اس زمانہ میں بنی اسرائیل کو ہر طرف سے سکون تھا۔ یوں یہ عرصہ سنہری دور ہے مصر میں الگ علاقہ "جشن" میں بنی اسرائیل سکونت اختیار کرتے ہیں تاکہ وہ مصری بت پرستی اور بداخلاقیوں سے محفوظ رہ سکیں اس دور میں بنی اسرائیل شہری عادات و خصائل سے بھی محفوظ رہے اور اپنی شجاعانہ اور بدویانہ زندگی کو بھی نہ بھولے یوں بنی اسرائیل مصر میں پھلے پھولے۔

فلسطین پر بنی اسرائیل کا اقتدار

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور اسے فتح کر لو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے۔ فاران کے قریب پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ آدمیوں کو قوم جبارین کی خبر لانے کے لیے روانہ کیا۔ یہ لوگ جس وقت کنعانین اور عمالقہ کے شہروں میں پہنچے اُن کی عظمت اور جلال کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ نااُمید اور افسردہ دل ہو کر لوٹے

اور بنی اسرائیل کو ان کی قوت وسطوت سے آگاہ کیا تو بنی اسرائیل اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ موسیٰ علیہ السلام سے بولے :

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ إِنَّا ہٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔[63]

"اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر ان سے لڑو ہم تو یہاں بیٹھیں گے"۔

جن بارہ افراد کو موسیٰ علیہ السلام نے جبارین کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا ان میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور کالب بن یوفنا بھی شامل تھے، ان دونوں نے صرف موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے خبریں بیان کیں۔ اور یہ دو ہی لوگ ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے اپنے انعام خاص سے سرفراز فرمایا تھا۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے Biblical Literature میں اس واقعہ کی تفصیل کو اس طرح بیان کیا گیا ہے :

> "In the book of numbers, Chapters 13-14 tell of the despatch of spies from paran to reconnoiter canaan and of the despair, rebellion and unsuccessful foray of the people in response to the spies' reports. Scholars discern two separate accounts of the spying incident artfully woven together. According to the J.E account, the spies go only as far as Hebron in the south and return with a glowing report of a fertileland, which is however, they warn, too strongly defended to be taken from that quarter: only one spy, caleb, advocates attacking it. …. Ruefully, the people now decide to attack and go forth against Moses, warning, to a resounding defeat."[64]

"کتاب گنتی کے تیرہویں اور چودھویں باب میں حضرت موسیٰ کا سراغ رساں گروپ کو فاران سے کنعان کی طرف بھیجنا تاکہ وہ کنعان کے حالات معلوم کریں اور پھر سراغ رسانوں کی مایوس کن رپورٹ اس پر لوگوں کی بغاوت اور سراغ رساؤں پر اچانک ہلہ بول دینے کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دو حضرات کا باقی گروپ سے مختلف رپورٹ دینا بھی فرق کو واضح کرتا ہے۔ جے۔ای اکاؤنٹ کے مطابق سراغ رساں اتنی دور جنوب کی طرف جاتے ہیں جتنا کہ حبرون ہے اور تمتائی

---

[63] سورۃ المائدہ ۵:۲۴

[64] The New Encyclopedia Britannica, vol 14, p926

رپورٹ زرخیز زمین کی لاتے ہیں۔ تاہم وہاں کے باشندوں کا سخت حفاظت میں ہونا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان سے ایک چوتھائی حصہ بھی نہیں لیا جاسکتا۔ صرف ایک جاسوس کالب کنعان پر حملے کی تائید کرتا ہے۔ جاسوس تمام ملک کو اچھی طرح دیکھتے ہیں اور مایوس کن رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق وہاں کے باشندے بھوکوں کی طرح کھاتے ہیں اور اسرائیلیوں کے مقابلے میں جنوں کی طرح ہیں۔ لوگ یہ سن کر چیخ پڑتے ہیں اور واپس مصر جانا چاہتے ہیں۔ جبکہ کالب اور یوشع انہیں التجا کرتے ہیں کہ وہ خدا پر بھروسہ کریں اور اس سرزمین کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ اللہ ان لوگوں سے ناراض ہو جاتا ہے اور انہیں یہ سزا دیتا ہے کہ وہ چالیس سال تک صحرا میں گھومتے رہیں گے اور اب ان کی نسل یوشع اور کالب کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہو سکے گی۔ اب انہیں پچھتاوا ہوتا ہے اور وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ کے برخلاف حملہ کریں، آخرکار انہیں فتح نصیب ہوتی ہے"۔

بنی اسرائیل میں شرک وبت پرستی کا آغاز

بنی اسرائیل کے متعلق قرآنِ حکیم اور تاریخِ عالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر موقع پر اللہ اور اس کے رسولوں کے احکامات کی خلاف ورزی کی۔ ہر دفعہ انہیں معاف کیا جاتا رہا اور موقع دیا جاتا رہا۔ مگر ان کی سرشت میں انحراف ہی تھا کہ ہر موقع انہوں نے کھو دیا اور اللہ کی لاڈلی قوم ہونے کے بعد بدبخت اور ذلیل کہلائی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ نے وفات سے قبل ان کو ہدایات کی تھیں کہ فلسطین سے دیگر قوموں کو نکال کر رہائش اختیار کرنا اور ان کے ساتھ رہنے بسنے اور ان کی اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرنا مگر بنی اسرائیل نے اس ہدایت کو پس پشت ڈال دیا، یہاں تک کہ ان کی شرکیہ عادات اختیار کر لیں اور ان کے بت بعل کی پرستش شروع کر دی جیسا کہ کتاب مقدس میں مذکور ہے :

"اور بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے بدی کی اور بعلیم کی پرستش کرنے لگے اور انہوں نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کو جو اُن کو ملک مصر سے نکال لایا تھا چھوڑ دیا۔ اور دوسرے معبودوں کی جو ان کے چوگرد کی قوموں کے دیوتاؤں میں سے تھے پیروی کرنے اور ان کو سجدہ

کرنے لگے اور خداوند کو غصہ دلایا اور وہ خداوند کو چھوڑ کر بعل اور عشارات کی پرستش کرنے لگے"۔[65]

اس وقت حکومت کی طاقت اور ذرائع سے شرک اور بداخلاقیاں سیلاب کی طرح اسرائیلیوں میں پھیلنی شروع ہوئیں۔ حضرت الیاس اور الیسع نے اس سیلاب کو روکنے کی انتہائی کوشش کی مگر یہ قوم جس تنزل کی طرف جارہی تھی اس سے باز نہ آئی۔ آخر کار اللہ کا غضب آشوریوں کی شکل میں دولتِ اسرائیل کی طرف متوجہ ہوا اور نویں صدی قبل مسیح سے فلسطین پر اشوری فاتحین کے مسلسل حملے شروع ہوگئے۔ اس دور میں عاموس، ہوسیع اور میکاہ نبی نے اُٹھ کر اسرائیلیوں کو پے در پے تنبیہات کیں مگر جس غفلت کے نشے میں وہ سرشار تھے وہ تنبیہ کی ترشی سے اور زیادہ تیز ہوگیا۔ ۷۲۱ق م میں اشور کے سخت گیر فرمانروا سارگوٹون (Sargon II) نے سامریہ کو فتح کر کے دولت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا۔ ہزارہا اسرائیلی تہ تیغ کیے گئے۔ ۲۷ ہزار سے زیادہ بااثر اسرائیلیوں کو ملک سے نکال کر اشوری سلطنت کے مشرقی اضلاع میں تتر بتر کیا گیا اور دوسرے علاقوں سے لا کر غیر قوموں کو اسرائیل کے علاقے میں بسایا گیا۔[66]

بنی اسرائیل کی دوسری ریاست جو کہ یہودیہ کے نام سے جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی اشوریوں نے اس پر بھی پے در پے حملے شروع کر دیئے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

بنی اسرائیل کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کا مختصر جائزہ

بنی اسرائیل کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خدا سے وفاداری اور شریعت کی پاس داری کے اس عہد کی آخری درجہ میں پابندی کی ہے۔ جب جب انھوں نے غداری و سرکشی کی تو ان پر بدترین عذاب مسلط کر دیے گئے اور وفاداری کی صورت میں ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیے گئے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں بنی اسرائیل کو سزا و جزا کی یہی داستان سنائی گئی ہے۔

---

[65] کتاب قضاۃ، باب ۲ آیت ۱۱-۱۳

[66] The Encyclopedia of Americana, Vol3, p 635,636

اس داستان کا آغاز حضرت موسیٰؑ ہی کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ آپؑ کے زمانے میں ان پر انعام و اکرام کا معاملہ تو اوپر بیان ہو گیا کہ نہ صرف فرعون سے انھیں نجات دلائی گئی، بلکہ صحرا میں ان کے کھانے پینے اور ان پر سائے کے لیے غیر معمولی انتظامات کیے گئے، تاہم جب حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر گئے اور ان کے پیچھے بنی اسرائیل بچھڑے کو خدا بنا بیٹھے تو انھیں اس جرم پر شدید عذاب دیا گیا، اس طرح کہ تمام مجرموں کو ان کے ہم قبیلہ اور خاندان کے لوگوں نے قتل کیا۔[67] اسی طرح جب انھوں نے جہاد پر جانے کے حضرت موسیٰؑ کے حکم کے معاملے میں بزدلی دکھائی تو فلسطین کی زمین چالیس سال کے لیے ان پر حرام کر کے صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔[68]

حضرت موسیٰ کے جانشین حضرت یوشع بن نونؑ ہوئے اور ان کے زمانے میں بنی اسرائیل نے شام و فلسطین کو فتح کر لیا۔ یوں خدا کا وہ وعدہ ان کے حق میں پورا ہوا جو اس مقدس سرزمین کے بارے میں ان سے کیا گیا تھا۔[69] تاہم اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس زمانے تک مصر کے زوال کا عمل تیزی سے شروع ہو چکا تھا۔ جبکہ فلسطین کا علاقہ تہذیب انسانی کا مرکز بن رہا تھا اور یہاں کی اقوام گردن تک شرک کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی شکل میں ایک خدا پرست قوم کو ان کے درمیان آباد کر دیا گیا۔ یہ وہی معاملہ تھا جو پہلے مصر میں کیا گیا تھا۔ اس دوران میں ان کی رہنمائی کے لیے ان میں نبی آتے رہے، جبکہ ان کے اجتماعی امور کی نگرانی قاضی کیا کرتے تھے، مگر صدیوں کے تعامل کے بعد ایک دفعہ پھر وہی کچھ ہونے لگا جو مصر میں ہوا تھا، یعنی ایک طرف تو بنی اسرائیل میں شرک کے اثرات تیزی سے سرائیت کرنے لگے[70] اور دوسری طرف بنی اسرائیل سیاسی طور پر مغلوب ہونے لگے۔ ان کے ارد گرد آباد مشرک اقوام نے متحد ہو کر ان پر حملے شروع کر دیے اور فلسطین کے بڑے حصے سے انھیں بے دخل کر دیا۔ اس پر بنی اسرائیل میں جہاد کا داعیہ پیدا ہوا اور انھوں نے اس دور کے نبی حضرت سموئیلؑ سے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے تاکہ وہ بھی قومی حیثیت میں مشرکوں کا مقابلہ کر سکیں۔ ان کی درخواست پر ان کے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا۔ ان کی تمام تر کمزوریوں کے باوجود اللہ

---

[67] قرآن مجید، البقرہ ۲: ۵۴۔ کتاب مقدس، خروج ۳۲: ۲۵ ۔ ۳۰

[68] المائدہ ۵:۲۶

[69] یشوع ۱: ۱۔۶

[70] قضاۃ۲: ۱۱۔۱۳

تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور طالوت کی زیر قیادت انھوں نے مشرکوں کو شکست دے کر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔[71] یہیں سے بنی اسرائیل کی تاریخ کا سب سے روشن باب شروع ہوتا ہے جب طالوت کے بعد سیدنا داؤدؑ اور پھر سیدنا سلیمانؑ کے زمانے میں بنی اسرائیل کے اقتدار کا سکہ پورے مشرق وسطیٰ، جو کہ اس دور کی تہذیب کا مرکز تھا، پر چلنا شروع ہو گیا۔ اس دور میں بنی اسرائیل کے اقتدار کا کیا عالم تھا اور کس طرح توحید کی بنیاد پر قائم اس معاشرے نے ارد گرد کے مشرکوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا؟ اس کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے جو ملکۂ سبا اور حضرت سلیمان کے حوالے سے سورۂ نمل (۲۷) کی آیات ۱۵۔ ۴۴ میں مذکور ہے۔ یہ زمانہ ۱۰۰۰ ق م کے لگ بھگ کا ہے۔

تاہم حضرت سلیمانؑ کے بعد چند صدیوں کے اندر اندر بنی اسرائیل میں وہ تمام برائیاں پیدا ہو گئیں جن کے خلاف انھیں جنگ کرنا تھی۔ حضرت سلیمانؑ کی عظیم حکومت دو ریاستوں یہودیہ اور اسرائیل میں تقسیم ہو گئی۔ اس دوران میں نبیوں نے بار بار بنی اسرائیل کو ان کی غلط روی پر متنبہ کیا، مگر بے سود۔ آخر کار خدائی عذاب کا کوڑا بنی اسرائیل پر برس پڑا۔ پہلے ریاست اسرائیل آشوریوں کے حملوں میں برباد ہو گئی۔ ۷۲۱ ق م میں اشوری حکمران سارگون نے اس کے دارالحکومت سامریہ کو فتح کر لیا۔ دوسری طرف ۵۸۷ ق م میں یہودیہ کی ریاست کے تمام شہر بابل کے حکمران بخت نصر کے حملے میں برباد ہو گئے۔ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور ہیکل سلیمانی کو زمین بوس کر دیا گیا، اور بخت نصر بنی اسرائیل کو غلام بنا کر بابل لے گیا۔

یہ بنی اسرائیل کے فساد کے جواب میں خدا کی پہلی عظیم سزا تھی جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیات ۴۔۸ میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خدا نے ان کے حال پر مہربانی کی۔ ایرانی حکمران سائرس نے انھیں بابل کی غلامی سے نجات دلائی اور واپس فلسطین آنے کی اجازت دی۔ ہیکل کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور حضرت عزیرؑ کی رہنمائی میں بنی اسرائیل کے دین کی ایک دفعہ پھر تجدید کی گئی۔ ان کی تجدید کی مساعی اس قدر مؤثر تھی کہ اس واقعہ کے تین صدی بعد بھی جب یونانی حکمرانوں نے بنی اسرائیل پر شرک مسلط کرنا چاہا تو انھوں نے بھرپور مزاحمت کی اور آخر کار ان کو فلسطین سے باہر نکال دیا۔ انعام کے طور پر خدا نے ان کی سلطنت کو اتنا وسیع کر دیا کہ اس کا علاقہ حضرت سلیمانؑ کے دور اقتدار سے بھی بڑھ گیا، تاہم ایک صدی کے اندر یہ اخلاقی روح فنا ہوتی چلی گئی۔ جس کے نتیجے میں خدا نے رومیوں کو ان پر مسلط کر دیا اور رومی فاتح پومپی نے ۶۳ ق م میں یروشلم پر قبضہ کر کے ان کے اقتدار کا خاتمہ

---

[71] البقرہ ۲: ۲۴۶۔ ۲۵۱

کر دیا اور بالواسطہ رومی حکومت قائم کر دی۔ اس عرصہ میں بنی اسرائیل کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا جس کا اظہار اینٹی پاس نامی یہودی حکمران کے دربار میں ایک رقاصہ کی فرمایش پر سیدنا یحییٰؑ کے قتل سے ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بحیثیت امت آخری مہلت کے طور پر بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰؑ جیسے جلیل القدر رسول کو مبعوث فرمایا۔ انھوں نے آخری درجہ میں بنی اسرائیل کو تنبیہ کی، مگر حب دنیا اور ظاہر پرستی کے پھندوں میں گرفتار بنی اسرائیل نہ صرف یہ موقع گنوا بیٹھے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر انھوں نے آپ کے قتل کی سازش کر ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آفتاب رسالت کو اٹھالیا اور اس جرم عظیم کی پاداش میں بنی اسرائیل کو منصب امامت سے معزول کر کے ایک زبردست سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کی، جسے فرو کرنے کے لیے رومی حکمران ٹیٹس نے یروشلم پر حملہ کر کے پوری آبادی کو تہس نہس کر ڈالا، اور یہودیوں کو اس طرح فلسطین سے نکالا کہ وہ دو ہزار سال تک یہاں واپس نہ لوٹ سکے۔

بنی اسرائیل کی تقریباً ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کا یہ ایک انتہائی مختصر جائزہ ہے جو نہ صرف اس بات پر گواہ ہے کہ کس طرح وہ دنیا میں امامت کے منصب پر فائز رہے، بلکہ تاریخ کے اس آئینے میں یہ بات بھی صاف نظر آتی ہے کہ ان کے عروج و زوال کا تمام تر انحصار صرف اس بات پر تھا کہ وہ کس حد تک خدا کے ساتھ کیے گئے اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔

خود آزمائی

1. یہودیت کی وجہ تسمیہ کی تفصیلاً وضاحت کریں۔
2. مختلف مصنفین کے نزدیک یہودیت کے مفاہیم اور شریعت کی رو سے یہودیت کی تعریفات بیان کریں۔
3. یہودیت میں نسلی غرور اور قومی تکبر کی وجہ بیان کریں، نیز یہودیت کو اختیار کرنے کے رسمی عمل (گیور) کی وضاحت کریں۔
4. ''عہد نامہ قدیم میں یہودیت'' کی مختصر تاریخ اور قبائل بنی اسرائیل کا جائزہ پیش کریں۔

5. مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کے دور اور بنی اسرائیل پر فراعنہ کے مظالم پر روشنی ڈالیں۔
6. حضرت موسیٰؑ کی ولادت، حیات، شرف نبوت اور فرعون سے مکالمے کا مختصر جائزہ پیش کریں۔
7. بنی اسرائیل کی فلسطین کی طرف عظیم ہجرت / خروج اور فرعون کی غرقابی کے واقعہ کی تفصیل بیان کریں۔
8. یہود کی تاریخ کے مختلف ادوار کو بیان کریں، نیز بنی اسرائیل میں شرک وبت پرستی کے آغاز کی وجوہات کا جائزہ پیش کریں۔
9. بنی اسرائیل کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ پر جامع نوٹ لکھیں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے مآخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ

- قرآن مجید
- ابن كثير اسماعيل بن عمر البداية والنهاية معه نهاية البداية والنهاية في الفتن والملائين ص: ۲۵۵ ج ۱ دارالفكر، بيروت
- النجار، عبد الوہاب نقص القرآن، ص: ۱۴۴ دار احياء التراث العربى بيروت الطبعة الاولى: ۱۹۹۴ء
- عفيف عبد الفتاح طيارة ،اليهود في القرآن، دار العلم للملايان بيروت ۱۹۲۴ء
- آلوسى سيد محمود البغدادى روح المعانى، مكتبه ا لرشيد يه لا ہو ر
- خازن علاء الدين محمد بن ابراہيم تفسير خازن،دار الكتب العربية مصر
- عبد الكريم الشهرستانى الملل والنحل ، المطبعه حجازى با القاهره ۱۳۶۷ھ
- الطبرى محمد بن جعفر جريز جامع البيان في تفسير القرآن: دار المعرفة بيروت لبنان

- مولانا عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور
- محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی
- سیوہاروی، حفظ الرحمن، قصص القرآن، حبیب پبلیکیشنز، لاہور
- مودودی، ابو الاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۵
- پادری، خیر اللہ، قاموس الکتاب، مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۹۳ء
- کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور
- رانا احسان الحق یہودیت و مسیحیت، مسلم اکادمی لاہور ۱۹۸۱ء
- یوسف ظفر، یہودیت، نفیس پرنٹرز، لاہور

یونٹ:3

یہودیت کے بنیادی عقائد و تصورات

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر محمد عبد اللہ
ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 115

یونٹ کے مقاصد 115

تصور خدا 117

عہد نامہ قدیم میں خدا کی صفات: 117

بنی اسرائیل کی فضیلت کا عقیدہ(Chosen People) 119

احکام عشرہ(Ten Commandments) 121

تورات کی کتاب خروج میں احکاماتِ عشرہ: 121

تورات کی کتاب اِستثناء میں احکاماتِ عشرہ: 123

موسیٰ بن میمون کے تیرہ اساسی اصول 125

یوم آخرت، سزا و جزا اور حیات بعد الموت پر ایمان 127

مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ مسیح پر ایمان 128

نجات دہندہ مسیح کے دور کے حالات 128

اسلام اور یہودی عقائد و تصورات کا تقابلی جائزہ 129

۱ - نکاح 129

۲ - نماز 130

۳ - قبلہ 130

۴ - قبر 130

۵ - نمازوں کی تعداد 130

۶ - نماز مع الجماعت 131

۷ - نمازی کی حالت 131

۸ - حج و زیارت 131

۹ - مسجد اقصیٰ یا ہیکل سلیمان 131

۱۰ -دعاء 132
۱۱ -موت 132
۱۲ -دفن 132
۱۴-دعاءیانماز دفن 133
۱۵ -صوم 133
۱۶ -روزہ کامقصد 133
۱۷ -صدقہ 134
۱۸ -سود 134
۱۹ -جہاد 134
۲۰ -طعام 135
۲۱ -شکار کرنا 135
۲۲ -ذبیحہ 136
۲۳ -شراب کااستعمال 136
۲۴ -مذہبی امور 136
۲۵ -معبد میں مسلم اور یہودی کی حاضری 137
۲۶ -مذہبی تعلیم 137
۲۷ -شیطان 137
قرآن مجید کی روشنی میں یہودی عقائد پر تنقید 138
1۔ کتمان علم وحق 138
2۔حسد 140
3۔یہود کی عہد شکنی 141
4۔یہود کا سود کھانا 141
5۔یہود کا رشوت لینا 142

6۔یہود کا علم ہونے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا 142
7 ۔نافرمانی، ظلم کرنا اور برائی سے نہ روکنا 143
8۔اکابر پرستی 144
9۔یہود کا غلو فی الدین 144
10۔اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کا ناحق قتل: 145
بنی اسرائیل پر انبیاء کی لعنت: 146
سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ 146
قرآن کے مطابق بنی اسرائیل کے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے چار وعدے اور ان کی خلاف ورزی: 147
بنی اسرائیل کی اپنے عہد کی خلاف ورزی اور اللہ کی لعنت 148
بنی اسرائیل کو پہلا حکم:۔اثبات توحید 150
توراۃ میں ممانعت شرک کے احکام 150
دوسرا حکم:۔قرآن اور توراۃ میں والدین کی فرمان برداری کا عہد: 151
تیسرا حکم:۔بنی اسرائیل کا عزیز رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کا عہد: 152
چوتھا حکم:۔عبادتِ الٰہی میں مصروف رہنے کا عہد: 153
توراۃ کے مطابق بنی اسرائیل کی اپنے وعدوں کی خلاف ورزی 154
خود آزمائی 155
جوابات 156
ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ 156

یونٹ کا تعارف

یہودیت میں اعتقادات کا کوئی باضابطہ قانون نہیں، نہ ہی ان کی کوئی با قائدہ فہرست روز اول سے متعین کی گئی لیکن اس سے یہ مراد بھی نہیں کہ یہ محض رسمی یا روایتی ہیں بلکہ ان کے ماخذات صحف مقدسہ میں مندرج احکامات اور واقعات ہیں مثلاً تورات وغیرہ۔ یہودی مذہب میں دو اصول بہت اہمیت رکھتے ہیں اور یہودیوں کا ان پر عقیدہ رہا ہے۔ پہلا عقیدہ خدا کی وحدانیت کا ہے جس کی بنا پر بت پرستی اور شرک کی تمام صورتوں کو مسترد کر دیا گیا ہے لہذا ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل خدا کے منتخب بندے ہیں اور خدا کی نعمتیں صرف انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ یہودی مذہب میں جزا و سزا کا عقیدہ بھی موجود ہے، اس عقیدے کی بنا پر انسان کو اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔ کیونکہ اسے آزاد پیدا کیا گیا ہے اس لیے نیکی اور بدی کا راستہ اختیار کرنے کی اسے مکمل آزادی ہے۔ اگر وہ نیکی کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کا اجر ملے گا اور اگر برائی کرے گا تو سزا آخرت میں ملے گی۔ اس کے علاوہ احکام عشرہ پر ایمان اور عمل یہودیوں کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ان دس احکامات میں حقوق العباد کی ادائیگی کو اہم مقام دیا گیا ہے۔ حلال و حرام کی تمیز کے ساتھ ساتھ ان چیزوں سے رکنے کی بھی تلقین کی ہے۔ اس یونٹ میں یہودیت کے بنیادی عقائد و تصورات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 یہودیت میں تصور خدا اور اس کی صفات اجاگر کر سکیں۔
2 یہودیت میں بنی اسرائیل کی فضیلت کے عقیدہ کی وضاحت کر سکیں۔
3 تورات کی کتاب خروج میں احکاماتِ عشرہ بیان کر سکیں۔
4 تورات کی کتاب استثناء میں احکاماتِ عشرہ بیان کر سکیں۔
5 یہودی ربی موسیٰ بن میمون کے تیرہ اساسی اصولوں پر روشنی ڈال سکیں۔
6 آخرت سے متعلق یہودی تصور اور مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ مسیح سے متعلق یہودی تصورات کی وضاحت کر سکیں۔

7 اسلام اور یہودی عقائد و تصورات کا تقابلی جائزہ لے سکیں۔

8 قرآن مجید کی روشنی میں یہودی عقائد پر نقد کی وضاحت کر سکیں۔

9 قرآن کے مطابق بنی اسرائیل کے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے چار وعدوں اور ان کی خلاف ورزی کا مفصل جائزہ لے سکیں۔

10 توراۃ کے مطابق بنی اسرائیل کی وعدوں کی خلاف ورزی کا جائزہ لے سکیں۔

بارہویں صدی کے یہودی عالم، فلسفی اور ربی موسی بن میمون نے تیرہ اساسی اصول 'شولوشاہ عصر اکارم' کے نام سے ان تمام توراتی احکامات کو مدون کیا جو عقائد میں بنیادی حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں۔ موسی بن میمون کے نزدیک "یہ ہمارے مذہب کے وہ اساسی حقائق جن پر تمام مذہبی عقائد و رسوم کی بنیاد ہے"۔ ان اعتقادات کو یہودیت میں عقائد کی واضح ترین تشریح کے طور پر قبولیت عام حاصل ہوئی اور آج تک یہودی کتب ادعیہ میں مندرج ہیں۔ اگرچہ یہودی ہونے کے لیے ان سب پر اعتقاد و یقین رکھنا لازم نہیں اور ممکنہ طور پر کچھ یہودی اس بارے میں ابہام و سوالات رکھتے ہیں تاہم انہیں مذہب یہودیت کا عمومی خلاصہ کہا جاسکتا ہے۔

تصور خدا

ہر نبی توحید کا پیغام لے کر آتا ہے اور دین کی اساس ہی توحید ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ لوگ اس میں شرک کا عنصر ملا کر اس عقیدے کو بگاڑ دیتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ یہودیوں کے ساتھ بھی ہوا، جب انہوں نے ایک خدا کی عبادت کرتے کرتے کئی بت بنا لیے اور ان کو پوجنا شروع کر دیا۔ لیکن آج بھی یہودیوں کا بنیادی عقیدہ توحید مانا جاتا ہے اور اسی کو یہودیت کا بنیادی اصول تصور کیا جاتا ہے۔

عہد عتیق میں اللہ تعالی کی بیسیوں اسماء صفات کا ذکر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام تک خدا کے لیے الشدائی کا لفظ استعمال کیا گیا۔ لیکن بعد میں یہی نام یہواہ (YHWH) میں بدل دیا گیا۔ بائبل نے غیر اللہ کی پرستش کو سختی سے منع کیا ہے۔ بائبل میں آتا ہے:

"میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے"[1]

عہد نامہ قدیم میں خدا کی صفات:

1۔ خدا تعالی مہذب ہے وہ تمام زمین کے اوپر بادشاہ عظیم ہے۔[2]

---

[1] خروج۔ ۲۰:۳، استثنا۔ ۱۴:۵، ۶، ۷

2۔ میں نے خداوند کو اس کی کرسی پر بیٹھے دیکھا اور سارا آسمانی لشکر اس کے پاس اس کے داہنے ہاتھ اور اس کے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔[3]

3۔ خداوند آسمان پر سے دیکھتا ہے۔ وہ سارے بنی آدم پر نگاہ رکھتا ہے وہ اپنی سکونت کے مقام سے زمین کے سب باشندوں کو تاکتا ہے۔[4]

4۔ خداوند کا تخت آسمان پر ہے اس کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ اس کی پلکیں بنی آدم کو آزماتی ہیں۔[5]

یہود کو خدا کا نام لینے کی اجازت نہیں۔ علماء یہود خدا کا نام لینے کو بے ادبی سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے اس کی سزا مقرر کی کہ جو بھی خدا کا نام لے گا اسے سنگ سار کر دیا جائے گا۔

بائبل میں یہود کا خدا قومی خدا ہے۔ اللہ تعالی کو خداوند اسرائیل کے نام سے پکارا گیا۔ بائبل میں لکھا ہے:

"تیرے سوا جہاں تک کہ ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے کوئی خدا نہیں اور دنیا میں تیری قوم اسرائیل کی مانند ایک قوم کون ہے کہ جس کو بچانے کے لیے خدا آپ گیا، تاکہ اسے اپنی قوم آپ بنائے"[6]

---

[2] زبور۔۲۷:۱

[3] سلاطین 1۔ باب ۲۲، آیت ۱۹

[4] زبور ۳۳:۱۳، ۱۴

[5] زبور ۱۱:۴

[6] سموئیل دوم ۷:۲۲، ۲۳

بنی اسرائیل کی فضیلت کا عقیدہ (Chosen People)

یہودی عقائد کے مطابق بنی اسرائیل خدا کے منتخب کردہ بندے ہیں اس لیے انہیں دیگر اقوام پر فضیلت حاصل ہے۔ یہودیوں کے مطابق اس فضیلت سے مراد نسلی امتیاز یا افتخار نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ خدا تعالی نے انہیں دنیا کی رہنمائی اور قیادت کے لیے منتخب کیا ہے اور کیونکہ (یہودی عقیدے کے مطابق) نبوت صرف بنی اسرائیل میں ہی آتی ہے اور یہودی پیغمبروں کی اولاد ہے اس لیے وہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ تصور یا عقیدہ پہلی بار تورات میں ملتا ہے اور اس کے بعد کی کتابوں جیسے عبرانی انجیل تک میں بھی مذکور رہا۔ خاخامی ادب میں اس خصوصیت پر بے شمار مواد موجود ہے۔ یہودیت کے تین معتبر فرقوں راسخ العقیدہ یہودیت، رجعت پسند یہودیت اور اصلاحی یہودیت کا پختہ عقیدہ ہے کہ خدا نے انہیں اپنی خاص الخاص منشا کے تحت چن کر برگزیدگی عطا کی۔

یہودیوں کی برگزیدگی کا استدلال تورات کی ان آیات سے کیا جاتا ہے:

خداوند نے جو تُم سے محبت کی اور تم کو چُن لیا تو اس کا سبب یہ نہ تھا کہ تُم شمار میں اور قوموں سے زیادہ تھے کیونکہ تُم سب قوموں سے شمار میں کم تھے؟ بلکہ چونکہ خداوند کو تُم سے محبت ہے اور وہ اُس قسم کو جو اُس نے تمہارے باپ دادا سے کھائی پورا کرنا چاہتا تھا اِس لیے خداوند تم کو اپنے زور آور ہاتھ سے نکال لایا اور غُلامی کے گھر یعنی مصر کے بادشاہ فرعون کے ہاتھ سے تم کو مخلصی بخشی۔[7]

دوسری جگہ آیا ہے:

[7] استثنا ۷:۷

سو اب اگر تُم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں سے تم ہی میرے میری خاص مِلکیت ٹھہرو گے کیونکہ ساری زمیں میری ہے۔ اور تم میرے لیے کاہنوں کی ایک مملکت اور ایک مقدس قوم ہو گے۔[8]

برگزیدگی کا عمومی یہودی نقطہ نظر دو حصوں پر مشتمل ہے ایک یہ کہ خدا نے بنی اسرائیل کو منتخب کیا اور دوسرا یہ کہ بنی اسرائیل نے بھی خدا کا انتخاب کیا۔ اگرچہ یہ یہودیوں کا واجب نظریہ نہیں تاہم سلطنت اسرائیل اور سلسلہ اسرائیل میں خاص مذہبی اہمیت کا حامل ہے۔ یہودیوں کے بعض فرقے مثلاً کابالائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے یہودیوں کو تخلیق عالم سے بھی پہلے منتخب کر لیا تھا۔ یہودیوں کے ہاں برگزیدگی کی اس بحث میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ خدا نے یہودیوں کو ایسے خصوصی انعامات، اعزازات اور فرائض سے نوازا جو کسی غیر یہودی قوم کو نصیب نہ ہوئے۔ اور اس کیے انہیں خود سے کمتر گردانتے ہیں۔

فلسفی زیولوی جیسے کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ اسرائیلیوں کے عقیدہ برگزیدگی کو تاریخی وقائع کے حوالے سے ہی دیکھا جانا چاہیے۔ ان کے مطابق برگزیدگی کو اس قدر عمیق عقیدہ نہیں بنانا چاہیے کہ غیر برگزیدہ اقوام کے حوالے سے یہ قومی تعصب اور نسل پرستی قرار پائے۔

اور بعض یہ کہتے ہیں برگزیدگی میں راسخ العقیدگی تعصب، نسل پرستی اور غیر یہودی اقوام کی تحقیر کے مترادف ہے۔

جبکہ اتحاد ضد افتراء اور دیگر یہودی تنظیموں کے مطابق یہودیت کا عقیدہ برگزیدگی نسل پرستی یا تعصب نہیں بلکہ خدا اور بنی اسرائیل کے مابین خاص رابطے کا اظہار ہے۔

---

[8] خروج ۱۹:۵

احکام عشرہ(Ten Commandments)

موسوی شریعت کی رو سے بنی اسرائیل امت کو جو دس ابتدائی ہدایت دی گئیں وہ احکاماتِ عشرہ کہلاتی ہیں۔ یہ احکامات بنی اسرائیل کے عقیدے کے مطابق خدا نے موسیٰ پر نازل کیے جو وہ پتھر کی دو تختیوں پر کندہ کر کے لائے۔ توریت کی دوسری کتاب خروج میں ان کا اندراج موجود ہے۔ ان احکامات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول جو خاص خدا سے متعلق ہیں۔ دوم جو بنی نوع انسان کے متعلق ہیں۔

تورات کی کتاب خروج میں احکاماتِ عشرہ:

احکاماتِ عشرہ تورات کی دوسری کتاب خروج کے بیسویں باب میں موجود ہیں۔ یہ احکامات یوں ہیں:

1. اور خداوند نے یہ سب باتیں فرمائیں کہ :خداوند تیرا خدا جو تجھے ملکِ مصر کی غلامی سے نکال لایا، میں ہوں۔[9] میرے حضور تُو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔[10]
2. تُو کسی بھی شَے کی صورت پر خواہ وہ اُوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا نیچے پانیوں میں ہو، کوئی بت نہ بنانا۔[11]
3. تُو اُن کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ہی اُن کی عبادت کرنا۔ کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور ہوں۔[12]
4. تُو خداوند اپنے خدا کا نام بری نیت سے نہ لینا کیونکہ جو کوئی اُس کا نام بری نیت سے لے گا تو خداوند اُسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔[13]

---

[9] خروج ۲:۲۰

[10] خروج ۳:۲۰

[11] خروج ۴:۲۰

[12] خروج ۵:۲۰

5. سبت کے دِن کو یاد سے پاک رکھنا۔[14] چھ دِن تک تُو محنت سے اپنا سارا کام کاج کرنا۔[15] لیکن ساتوں دِن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے۔ اُس دِن نہ تُو کوئی کام کرنا نہ تیرا بیٹا یا بیٹی، نہ تیرا نوکر یا نوکرانی، نہ تیرے چوپائے اور نہ ہی کوئی مسافر جو تیرے یہاں مقیم ہو۔[16] کیونکہ چھ دِن میں خداوند نے آسمانوں کو، زمین کو، سمندر کو اور جو کچھ اُن میں ہے، وہ سب بنایا۔ لیکن ساتویں دِن آرام کیا اِس لیے خداوند نے سبت کے دِن کو برکت دِی اور اُسے مقدس ٹھہرایا۔[17]

6. اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اُس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے، دراز ہو۔[18]

7. تُو خون نہ کرنا۔[19]

8. تُو زِنا نہ کرنا۔[20]

9. تُو چوری نہ کرنا۔[21]

---

[13] خروج ۲۰:۶

[14] خروج ۲۰:۸

[15] خروج ۲۰:۹

[16] خروج ۲۰:۱۰

[17] خروج ۲۰:۱۱

[18] خروج ۲۰:۱۲

[19] خروج ۲۰:۱۳

[20] خروج ۲۰:۱۴

10. تُو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔[22] تُو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ تُو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اُس کے غلام یا اُس کی کنیز کا، نہ اُس کے بیل یا گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا۔[23]

تورات کی کتاب اِستثناء میں احکاماتِ عشرہ:

تورات کی کتاب اِستثناء کے پانچویں باب میں آیت 6 سے 21 تک میں بھی یہی احکاماتِ عشرہ دوبارہ بیان ہوئے ہیں جو تھوڑے سے اِختلافی الفاظ کے ساتھ کتاب خروج میں بیان کیے گئے احکاماتِ عشرہ کے برابر ہیں۔ کتاب اِستثناء میں بیان کردہ احکاماتِ عشرہ یوں ہیں:

خداوند تمہارا خدا جو تمہیں ملکِ مصر یعنی غلامی کے ملک سے نکال لایا، میں ہوں۔[24]

1. میرے آگے تُم اور معبودوں کو نہ مانو۔[25]
2. تُم اپنے لیے کوئی مورت نہ بنانا، جو اُوپر آسمان کی یا نیچے زمین پر کی یا پانی کے اندر کی کسی چیز سے مشابہہ ہو۔[26]

---

[21] خروج ۲۰:۱۵

[22] خروج ۲۰:۱۶

[23] خروج ۲۰:۱۷

[24] اِستثناء ۵:۶

[25] اِستثناء ۵:۷

3. تُم اُن کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ اُن کی عبادت کرنا کیونکہ میں، خداوند تیرا خدا غیور ہوں۔[27]

4. تُم خداوند اپنے خدا کا نام بے جا اِستعمال نہ کرنا کیونکہ خداوند اپنے نام کا بے جا اِستعمال کرنے والے کو بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔[28]

5. تُم سبت کے دِن کو پاک رکھ کر اُس کے پابند رہنا۔[29] چھ دِن تک محنت کر کے تُم اپنا سارا کام کاج کرنا۔[30] لیکن ساتواں دِن خداوند تمہارے خدا کا سبت ہے۔ اُس دِن تُم کوئی کام نہ کرنا۔ نہ تم، نہ تمہارا بیٹا یا بیٹی، نہ تمہارا خادم یا خادمہ، نہ تمہارا بیل، نہ تمہارا گدھا اور نہ تمہارا کوئی جانور اور نہ کوئی مسافر جو تمہارے پھاٹکوں کے اندر ہو تا کہ تمہارے خادم اور خادمائیں تمہاری طرح آرام کریں۔[31] یاد رَکھو کہ تم مصر میں غلام تھے اور خداوند تمہارا خدا وہاں سے تمہیں اپنے قوی ہاتھ سے اور اپنے بازو بڑھا کہ نکال لایا۔ اِس لیے خداوند تمہارے خدا نے تمہیں سبت کا دِن ماننے کا حکم دِیا ہے۔[32]

---

[26] اِستثناء ۵:۸

[27] اِستثناء ۵:۹

[28] اِستثناء ۵:۱۱

[29] اِستثناء ۵:۱۲

[30] اِستثناء ۵:۱۳

[31] اِستثناء ۵:۱۴

[32] اِستثناء ۵:۱۵

6. اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا جیسا کہ خداوند تمہارے خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تا کہ تمہاری عمر دراز ہو اور جو ملک خداوند تمہارا خدا تمہیں دے رہا ہے اُس میں تمہارا بھلا ہو۔[33]

7. تم خون نہ کرنا۔[34]

8. تم زِنا نہ کرنا۔[35]

9. تم چوری نہ کرنا۔[36]

10. تم اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔[37] تم اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور تم اپنے پڑوسی کے مکان یا زمین، اُس کے خادم یا خادمہ، اُس کے بیل یا گدھے یا اپنے پڑوسی کی کسی چیز کا خواہاں ہونا۔[38]

موسیٰ بن میمون کے تیرہ اساسی اصول

بارہویں صدی کے یہودی عالم، فلسفی اور ربی موسی بن میمون نے تیرہ اساسی اصول 'شولوشاہ عصر اکارم' کے نام سے ان تمام توراتی احکامات کو مدون کیا جو عقائد میں بنیادی حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں۔ موسی بن میمون کے نزدیک "یہ ہمارے مذہب کے وہ اساسی حقائق جن پر تمام مذہبی عقائد و رسوم کی بنیاد ہے"۔ ان اعتقادات کو یہودیت میں عقائد کی واضح ترین تشریح کے طور پر قبولیت عام حاصل ہوئی اور آج تک یہودی کتب ادعیہ میں

---

[33] اِستثناء۵:۱۶

[34] اِستثناء۵:۱۷

[35] اِستثناء۵:۱۸

[36] اِستثناء۵:۱۹

[37] اِستثناء۵:۲۰

[38] اِستثناء۵:۲۱

مندرج ہیں۔ اگرچہ یہودی ہونے کے لیے ان سب پر اعتقاد و یقین رکھنا لازم نہیں اور ممکنہ طور پر کچھ یہودی اس بارے میں ابہام و سوالات رکھتے ہیں تاہم انہیں مذہب یہودیت کا عمومی روشن خلاصہ کہا جاسکتا ہے۔

موسی بن میمون نے انہیں اس طرح بیان کیا ہے:

1۔ وجود خالق پر اعتقاد جو ہر جہت، سمت اور صفت میں کامل اکمل ہے اور تمام تر موجودات اس کے مرہون منت ہیں۔

2۔ اس کی وحدانیت اور بے مثل ہونے پر اعتقاد۔

3۔ یہ کہ وہ لامکاں وماورائے مادہ ہے۔ نہ وہ تھکتا ہے نہ کوئی سرگرمی اس پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

4۔ اس کی ابدیت پر اعتقاد

5۔ صرف وہی لائق عبادت ہے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

6۔ اس بات پر اعتقاد کہ اللہ تعالی اپنے بندوں سے انبیا کے توسط سے بات کرتا ہے۔

7۔ موسی کی نبوت کاملہ اور ان کے بتائے تمام غیب و شہود پر اعتقاد۔

8۔ تورات کے کلام الہی ہونے پر اعتقاد۔

9۔ تورات کے تحریف و تنقیص سے مبرا ہونے پر اعتقاد۔

10۔ رب العزت کے ہر شے کے علم اور احاطے پر اعتقاد۔

11۔ رب العزت کے سزا و جزا پر قادر ہونے پر یا سزا و جزا من جانب اللہ پر اعتقاد۔

12۔ مسیح اور ان کے دور کے واپس آنے پر اعتقاد

13۔ روز حشر اور مردوں کے دوبارہ جی اٹھنے پر اعتقاد۔

یہودی ان تیرہ احکامات یا ادعیہ کو منظوم یالے کے انداز ہر صبح سائینا گوگ میں بعد از عبادت پڑھتے ہیں اور آغاز میں 'انی مامن' کہتے ہیں جس کے معنی ہیں میں ایمان لایا۔

یوم آخرت، سزا و جزا اور حیات بعد الموت پر ایمان

زمانہ قدیم میں یہودی قیامت، سزا و جزا کے قائل تھے، جنت اور جہنم کا اعتقاد بھی ان میں موجود تھا۔ خود قرآن کریم میں ان یہود کے ان نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔ کتاب ایوب میں لکھا ہے:

"کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میرا بدلہ لینے والا زندہ ہے اور وہ روز آخر زمین پر دائم و قائم ہو گا اور ہر چند میرے پوست کے بعد میرا جسم کرم خوردہ ہو جائے گا۔ لیکن میں اپنے گوشت میں سے خدا کو دیکھوں گا۔"[39]

کتاب زبور میں ہے:

"خداوند ابد تک تخت نشین ہے، اس نے عدالت کے لیے اپنی مسند تیار کی ہے اور وہ صداقت سے جہان کا انصاف کرے گا اور اسی سے قوموں کو عدالت کرے گا۔"

لیکن دور حاضر میں یہودی عقیدہ آخرت کو بھلا چکے ہیں۔ اور ان کا موجودہ نقطہ نظر اسلامی نقطہ نظر سے مناسبت نہیں رکھتا۔ آخرت کو ماننے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ یہ بات مان لی جائے کہ مرنے کے بعد پھر اٹھائے

---

[39] ایوب ۱۹:۲۵،۲۶

جائیں گے۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ماننا ضروری ہے کہ وہاں کوئی سعی، سفارش، کوئی فدیہ اور کسی بزرگ سے منتسب ہونا کام نہ آئے گا اور نہ کوئی کسی کا کفارہ بن سکے گا۔ اس عقیدے کے بغیر آخرت کو ماننا لاحاصل ہے۔[40]

مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ مسیح پر ایمان

یہودیت میں آخری ایام یا خدا کا دن (یوم یہواہ) کی طرف بار بار اشارہ ہوا ہے اور یہ وہ دور ہے جب یہودی قوم کی عظمت اپنی انتہا تک پہنچے گی اور گنہگار نیست و نابود ہو جائیں گے[41] اور یسی (داؤد کے باپ) کی نسل سے ایک بادشاہ جس پر خدا کی روح قرار پائی ہے۔[42] اور صاحب حکمت اور خدا کا خوف رکھنے والا ہے۔[43] ظہور کرے گا اور دنیا کو عدل اور خیر و برکت سے پر کرے گا[44] اور حالت یہ ہو گی کہ بھیڑیا دنبے کے ساتھ رہے گا[45] اور چیتا بکرے کے ساتھ ایک مقام پر آرام کرے گا[46]۔ یہودی عقائد کے مطابق مسیح بادشاہ داؤد کی نسل سے ہو گا اور ربی کے ادبیات میں "بن داؤد" کے نام سے مشہور ہے۔ مسیح کو بائبل میں مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے اور بائبل کی وہ آیات جو یہودی علما کی تفسیر کے مطابق مسیح کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔[47]

نجات دہندہ مسیح کے دور کے حالات

- یروشلم کی تعمیر نو ہو گی۔[48]
- ویرانیاں ختم ہوں گی۔[49]

---

[40] زبور ۹:۷

[41] عاموس ۵:۱۸-۲۰ اور ۲:۱۲-۱۷

[42] عاموس ۱۱:۱-۸

[43] ہوسیع ۲:۲۰-۲۵

[44] میکاہ ۵:۲-۶

[45] ارمیاہ ۲۳:۵-۶

[46] حزقی ایل ۱۱:۱۷-۲۰

[47] پیدائش ۱۰:۴۹۔ زبور ۱۷:۲۷۔ ارمیاہ (یرمیاہ) ۱۳:۱۶

[48] یسعیاہ ۱۱:۵۴ اور باب ۱۲۔

- پورے عالمِ فطرت میں صلح و امن قائم ہو گا۔ یہاں تک کہ بدترین دشمن جانور بھی آپس میں دوست ہوں گے، جیسے بیل اور شیر۔[50]
- دنیا بھر میں غم اور جنگ کا خاتمہ ہو گا۔[51]
- دنیا سے موت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔[52]

اسلام اور یہودی عقائد و تصورات کا تقابلی جائزہ

۱ - نکاح

اسلام : اسلام یہودی عورت سے کسی مسلمان کے نکاح کو اس حالت میں بھی جائز قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے اصلی یہودی مذہب پر رہے۔[53]

یہودیت : یہودیت کسی بھی عورت کا نکاح کسی مرد سے صرف اس حالت میں قبول کرتی ہے جب وہ اپنا قدیم دین چھوڑ کر یہودیت اختیار کر لے۔[54]

---

[49] حزقی ایل ۱۶:۵۵

[50] یسعیاہ ۱۱:۶-۸

[51] یسعیاہ ۱۹:۶۵

[52] یسعیاہ ۸:۲۵

[53] کتاب عزرا

[54] سورہ بقرہ آیت: ۱۴۴

۲ - نماز

اسلام : اسلام میں نماز میں وہ سارے ارکان موجود ہیں جن کے ذریعے آدمی کامل طور پر خدا کی فرماں برداری کا حق ادا کر سکتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں رکوع سجدہ، قیام وغیرہ نہیں ہے۔

۳ - قبلہ

اسلام : اسلام میں نماز میں کعبہ (مکہ شریف) کی طرف رخ کرنا لازمی ہے۔[55]

یہودیت : یہودیت میں نماز میں یروشلم (ہیکل سلیمانی) کی طرف رخ کرنا لازمی ہے۔[56]

۴ - قبر

اسلام : اسلام میں میت کو قبر میں قبلہ رخ لٹایا جاتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں میت کو یروشلم (بیت المقدس) کے رخ پر لٹایا جاتا ہے۔

۵ - نمازوں کی تعداد

اسلام : اسلام میں پانچ وقت کی نماز یعنی: فجر، ظہر، عصر، مغرب وعشاء لازمی ہے۔

یہودیت : یہودیت میں صرف تین وقت کی نماز فجر، ظہر، بعد از مغرب واجب ہے۔

---

[55] کتاب عزرا

[56] کتاب دانیال

۶ - نماز مع الجماعت

اسلام : اسلام میں جماعت کے لیے کم سے کم دو آدمی لازمی ہیں۔

یہودیت : یہودیت میں کم سے کم دس آدمی لازم ہیں۔

۷ - نمازی کی حالت

اسلام : اسلام نماز کے دوران نمازی کو پر سکون اور طمانینت قلب کے ساتھ رہنے کی تاکید کرتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں آدمی کو نماز کے دوران پر سکون رہنے کی کوئی خاص ہدایت نہیں ہے۔

۸ - حج وزیارت

اسلام : اسلام میں عاقل، بالغ، غنی صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں کم سے کم ایک بار بیت اللہ شریف کا حج کرنا لازمی ہے۔[57]

یہودیت : یہودیت میں زمانۂ قدیم میں ہیکل سلیمانی کے زمانے میں سال میں کم سے کم تین بار ہر یہودی کو ہیکل کی زیارت کرنا لازمی تھا۔[58]

۹ - مسجد اقصیٰ یا ہیکل سلیمان

اسلام : اسلام مسجد اقصیٰ کو قدیم ہیکل سلیمانی کے مقام پر بنا ہوا نہیں مانتا۔ اس مسجد کی اصل مسجد عمر ہے جس کو بعد میں خلیفہ عبد الملک بن ولید نے بنوایا تھا۔

یہودیت : یہودیت موجود اقصیٰ کو قدیم منہدم ہیکل سلیمانی کے مقام پر مانتی ہے۔

---

[57] سورہ آل عمران آیت:۹۷، اور حدیث رسول کتاب الحج

[58] کتاب احبار

۱۰ –دعاء

اسلام : اسلام ایک مسلمان کو دنیاو آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کرنے کی دعاءمانگنے کی ترغیب دیتاہے۔[59]

ایک سچا مسلمان دنیامیں زیادہ رہناپسند نہیں کرتااور موت کو برائی سے یاد نہیں کرتابلکہ موت کو دنیاو آخرت کے درمیان محض ایک پل مانتاہے۔اس کی دعاءیہی رہتی ہے"**اللّٰهم بارك لي في الموت وفيما بعد الموت**"

یہودیت : یہودیت انسان کو صرف موجودہ دنیامیں ہی خوش وخرم رہنے کی دعاء کی ترغیب دیتی ہے اور خراب سے خراب زندگی کو موت (آخرت) کے مقابلے ترجیح دیتی ہے۔

۱۱ –موت

اسلام : ایک مسلمان کسی کی موت سن کر یہ کہتاہے"**انا لله و انا اليه راجعون**"موت ایک حقیقت مانی جاتی ہے اور اس سے کوئی بھی متدین مسلمان نہیں ڈرتابلکہ حدیث رسول(**الموت قنطرة بين الدنيا والآخرة**)کی روشنی میں موت دنیاو آخرت کے درمیان ایک پل مانی جاتی ہے۔[60]

یہودیت : ایک یہودی موت کانام سن کر یہ کہتاہے "Blessed be the true juged" یعنی(قاضی صادق بابرکت ہو)یہودی موت کے نام سے ہی گھبراتاہے حتی کہ جب موت آتی ہے تومرنے والے کواس کانام بدل کر پکارنا شروع کردیتے ہیں۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ دنیاہی کو اصل سمجھتے ہیں اور ہزاروں سال جیناچاہتے ہیں۔[61]

۱۲ –دفن

اسلام : اسلام مردہ کو جلد از جلد دفن کرنے کی ہدایت کرتاہے۔

یہودیت : یہودیت ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر دفن کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔

---

[59] سورہ بقرہ ۲۰۱

[60] سورہ جمعہ آیت:۸، مومنون آیت:۱۵

[61] البقرہ آیت:۹۶

۱۴-دعاءیانماز دفن

اسلام : کوئی بھی بالغ مرد جنازے کی نماز پڑھ سکتا ہے۔

جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے۔

یہودیت : صرف قریبی رشتہ دار ہی جنازے کی نماز پڑھ سکتا ہے۔

جنازے میں شامل نہ ہونا گناہ ہے۔

۱۵ -صوم

اسلام : صوم کا وقت فجر کے وقت سے شروع ہو کر غروب شمس تک ہے یہاں تک کہ رات ہو جائے۔[62]

یہودیت : یہودیت میں روزہ کا وقت سورج کے غروب سے لے کر اگلے روز کے غروب شمس تک ہے یعنی ۲۴ گھنٹے کا روزہ ہوتا ہے۔

۱۶ -روزہ کا مقصد

اسلام : اسلام میں روزہ کا اصل مقصد تقویٰ کا پیدا ہونا اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکنا روح اور بدن کی پاکیزگی ہے کچھ حالات میں روزہ بطور کفارہ کے بھی رکھا جاتا ہے جیسا کہ قسم کو توڑنا یا قتل خطا وغیرہ کے سلسلے میں۔[63]

یہودیت : یہودیت میں روزہ ایام رنج و غم کی یاد کے لیے اور گناہوں سے معافی چاہنے کے لیے رکھا جاتا ہے۔

---

[62] سورہ البقرہ:۱۸۷

[63] سورۃ البقرہ: ۸۲، المائدہ:۸۹

۱۷-صدقہ

اسلام : اسلام میں صدقہ فرض بھی ہے اور نفل بھی ہے اور فرض صدقے کے مصارف بھی واضح کر دیے گئے ہیں" اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ"[64]

صدقات (یعنی زکوٰۃ وخیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور خدا کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیئے یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔

یہودیت : یہودیت میں صدقہ اسلام کی طرح فرض وواجب تو نہیں ہے لیکن کھیت کی میڈھوں کے آس پاس یا جو اناج نیچے گر جائے وہ سب فقراء کا ہے اور پھل دار درختوں کی پہلی فصل بھی خدا کے نام پر دی جاتی ہے۔[65]

۱۸-سود

اسلام : اسلام میں سود کی بالکل ممانعت ہے۔[66]

یہودیت : کسی یہودی سے سود نہیں لیا جاسکتا؛ لیکن یہودی غیر یہودی سے لے سکتا ہے۔[67]

۱۹-جہاد

اسلام : اسلام میں جہاد کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ اپنی حفاظت کے لیے بھی ظلم سے بچنے کے لیے بھی جہاد کی اجازت ہے۔[68]

---

[64] سورہ توبہ آیت:۶۰

[65] کتاب احبار

[66] سورہ آل عمران:۲۷۹-۲۷۷

[67] کتاب استثناء باب:۲۳، آیات:۲۱-۲۰

اگر کوئی شخص عین میدان جہاد میں کسی مسلمان کے سامنے کلمہ پڑھ لے یا کسی گاؤں سے اذان کی آواز آجائے تو ان سے جہاد (قتال) نہیں کیا جاسکتا۔

یہودیت : یہودیت میں جہاد کا مقصد صرف زمین و جائیداد کی تحصیل ہے، اگر کوئی شخص اپنی جان بچانے کیلئے یہودیت اختیار بھی کرنا چاہے تب بھی اس کو قتل کر دینا جائز ہے۔ [69]

۲۰ -طعام

اسلام : اسلام میں ہر ایک طیب چیز کا کھانا جائز ہے حتی کہ اونٹ اور خرگوش کی بھی اجازت ہے۔ [70]

یہودیت : یہودیت میں اونٹ اور خرگوش کو کھانا جائز نہیں حتی کہ ایسے پھل کو کھانا بھی جائز نہیں جو ایسے درخت سے توڑا گیا ہو جو تین سال سے کم ہو۔ [71]

۲۱ -شکار کرنا

اسلام : اسلام میں حلال جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔

یہودیت : یہودیت میں شکار کے مسائل کی وجہ سے شکار کرنا جائز نہیں۔

---

[68] کتاب استثناء: باب: ۲۰، آیت: ۱۰-۱۸

[69] سورہ الحج آیت: ۴۰-۳۹، سورہ انفال و سورہ توبہ

[70] سورۃ المائدہ آیت: ۴

[71] کتاب احبار

۲۲ -ذبیحہ

اسلام : اسلام یہودی کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوئے حلال جانوروں کا گوشت کھانا جائز قرار دیتا ہے۔(اہل کتاب ہونے کی وجہ سے۔[72]

یہودیت : یہودیت کسی مسلمان کے ہاتھ سے ذبح کیے ہوئے حلال جانور کو بھی یہودی کے لیے کھانا جائز نہیں رکھتی۔

۲۳ -شراب کا استعمال

اسلام : اسلام شراب کو پینا مطلقاً حرام قرار دیتا ہے چاہے زیادہ ہو یا کم ہو۔[73]

یہودیت : یہودیت تورات کے اعتبار سے تو شراب کو حرام قرار دیتی ہے[74] لیکن تالمود کے اعتبار سے ربیوں کے یہاں شراب کے استعمال پر آراء مختلف ہیں، بعض بالکل حرام قرار دیتے ہیں اور بعض تھوڑی مقدار میں پینے کو جائز رکھتے ہیں۔

۲۴ -مذہبی امور

اسلام : اسلام میں مذہبی امور میں آسانی ہے، مثلاً جمعہ کے روز جمعہ کی نماز کی تیاری اور ادائیگی کے لیے جمعہ کی پہلی اذان سے لے کر جمعہ کی نماز ادا کرنے تک دنیا کا کوئی بھی کام کرنا جائز نہیں۔[75]

یہودیت : لیکن یہودیت میں جمعہ کے روز غروب شمس سے لے کر سنیچر کے روز غروب شمس تک دنیا کا کوئی کام نہیں کرسکتے حتی کہ بجلی کی سوئچ وغیرہ بھی آن آف کرنے کی اجازت نہیں۔[76]

---

[72] المائدہ آیت:۵

[73] سورہ المائدہ آیت:۹۲-۹۱

[74] کتاب احبار: باب:۱۰، آیت:۹

[75] سورہ جمعہ آیت:۹:۱۱

[76] کتاب تخلیق: باب:۲، آیت:۲

۲۵ -معبد میں مسلم اور یہودی کی حاضری

اسلام : اسلام میں مسجد میں نماز پڑھنے یا ذکر کرنے یا تلاوت وغیرہ کے لیے کوئی کہیں بھی بیٹھ سکتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں مساوات کا نام تک نہیں بڑے لوگوں کے لیے ان کی سیٹیں محفوظ رہتی ہیں حتی کہ عبادت کی جگہیں وراثت میں حاصل بھی کی جاتی ہیں۔

۲۶ -مذہبی تعلیم

اسلام : اسلام میں مذہب کی تعلیم مرد و عورت دونوں کے لیے لازمی ہے جیسا کہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق "**العلم فريضة على كل مسلم**" اسلام کی تعلیم بین الاقوامی ہے۔ مرد و عورت دونوں کے لیے لازمی جیسا کہ سورہ اقرأ اور حدیث "**العلم فريضة**" سے ثابت ہے۔

یہودیت : تورات کا حکم یہ ہے کہ اپنے بیٹوں کو تعلیم دو۔ اس وجہ سے یہودیت میں مذہبی تعلیم میں عورتوں کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے حتی کہ بعض ربیوں کے مطابق عورت کو تورات کی تعلیم دینا ایسا ہے جیسا کہ لکڑی میں آگ لگا دینا۔ یہودیت کی تعلیم خاص طور پر بنی اسرائیل تک محدود ہے اور بنی اسرائیل میں بھی مذہب کی تعلیم تو صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے دینی تعلیم کو پسند نہیں کیا جاتا کیوں کہ تورات کا یہ حکم ہے اپنے لڑکوں کو تعلیم دو۔[77]

۲۷ -شیطان

اسلام : شیطان نے حضرت آدم و حواء کو دھوکہ دیا اور شجر ممنوعہ کھلا دیا۔[78]

یہودیت : شیطان کے بجائے سانپ نے حضرت حواء کو دھوکہ دیا اور شجر ممنوعہ کھلوا دیا۔[79]

---

[77] کتاب استثناء: باب: ۱۱، آیت: ۱۹۲

[78] سورہ اعراف آیت: ۲۰

[79] کتاب تخلیق: باب: ۳-۲

قرآن مجید کی روشنی میں یہودی عقائد پر تنقید

قرآن مجید میں بہت سی سابقہ اقوام کے حالات بیان کیے گئے ہیں تاکہ امت محمدیہ کو عروج وزوال کا قانون فطرت معلوم ہو جائے۔ اور وہ ان سے عبرت لے کر تباہی اور ناکامی کی طرف جانے والی کھائی سے بچ کر ترقی اور کامیابی کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے۔ ان اقوام میں قرآن مجید نے متعدد بار بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات میں بنی اسرائیل کو عطا کردہ بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور کبھی ان کی نافرمانیوں کے بدلے دی گئی سزاؤں کا۔ ان کا عروج انسان کو چونکا بھی دیتا ہے اور ان کا زوال پستی اور نامرادی کا سبق بھی دیتا ہے۔ جب اس قوم کے بڑے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے تو اللہ نے ان پر دنیوی اور اخروی انعامات کی بارش نازل فرمائی، انہیں نبوت و بادشاہت جیسی اعلیٰ ترین روحانی و مادی نعمت عطا فرمائی اور اس وقت کی تمام اقوام پر انہیں فوقیت دی۔ لیکن جب ان کے پچھلوں نے نافرمانی شروع کی اور روحانی صفات کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام میں پڑ گئے جس کی وجہ سے ان کو پستی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہود یا بنی اسرائیل کا تزکرہ قرآن مجید کی تقریبا ساڑھے چار سو آیات میں ملتا ہے۔ اگر ہم ان آیات کا مختصر اجائزہ لیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں کون سی ایسی خصلتیں موجود تھیں جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ سے بدترین قوموں میں شمار ہونے لگے۔ ان میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے:

1۔ کتمان علم وحق

یہودیوں میں یہ خصلت عام تھی کہ جو حکم یا کام ان کی مرضی کے خلاف ہوتا تھا یا تو وہ اسے چھپا لیتے تھے یا پھر اس میں تحریف کر دیتے تھے۔ قرآن میں ان کی اس خصلت کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[80]

اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

[80] سورۃ البقرہ:۴۲

یہ حکم خاص طور سے یہودیوں کو دیا گیا کیونکہ ایک تو وہ حق کو چھپاتے بھی تھے اور حق و باطل میں ملاوٹ بھی کرتے تھے، حالانکہ ان کو نہایت سختی کے ساتھ اس حرکت سے روکا بھی گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّـهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ[81]

اور اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کروگے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے ۔

یعنی اہل کتاب سے یہ عہد لے لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارات کتاب اللہ میں ہیں انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ نہ ہیر پھیر کر کے ان کے معنی بدلیں گے۔ مگر انہوں نے اس عہد کی زرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے۔[82]

اس کی بہترین مثال صحیح بخاری شریف میں موجود ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو لایا گیا، جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری کتاب تورات میں اس کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے علماء نے (اس کی سزا) چہرہ کو سیاہ کرنا اور گدھے پر الٹا سوار کرنا تجویز کی ہوئی ہے۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! ان سے توریت منگوایئے۔ جب توریت لائی گئی تو ان میں سے ایک نے رجم والی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور اس سے آگے اور پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ (اور جب اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو) آیت رجم اس کے ہاتھ کے نیچے تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے متعلق حکم دیا اور انہیں رجم کر دیا گیا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنھما

---

[81] سورۃ آل عمران: ۱۸۷

[82] تفسیر عثمانی، ص۹۶

نے بیان کیا کہ انہیں بلاط (مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ) میں رجم کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ یہودی عورت کو مرد بچانے کے لیے اس پر جھک جھک پڑتا تھا۔[83]

2۔ حسد

قرآنِ کریم نے یہودیوں کے حسد کو کئی مقامات پر بیان کیا ہے، اور اس حسد کا سبب یہ تھا کہ امامت بنی اسرائیل سے چھین کر بنی اسماعیل کی جانب منتقل کر دی گئی تھی، اور اس انعام سے محرومی پر یہودی غیض وغضب کا شکار ہو کر حسد میں مبتلا ہو گئے تھے، ان کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا گیا:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا[84]

یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے، ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے اور ان کو ہم نے بڑی بادشاہی دی ہے۔

یہود اس بات کے حریص تھے کہ اہلِ ایمان کسی طرح نعمتِ ایمان سے محروم ہو کر کفر کی جانب پلٹ جائیں، ان کے حسد کو اللہ تعالی نے یوں بیان کیا:

وَدَّ كَثِیرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ یَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِیمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ یَأْتِیَ اللَّـهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّـهَ عَلَىٰ كُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ[85]

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد و بغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ تعالے ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

---

[83] صحیح بخاری: کتاب: ان کفار و مرتدوں کے احکام میں جو مسلمان سے لڑتے ہیں (باب: بلاط میں رجم کرنا)، ۶۸۱۹

[84] سورۃ النساء: ۵۴

[85] سورۃ البقرۃ: ۱۰۹

3۔یہود کی عہد شکنی

یہود کی عہد شکنی سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّـهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ[86]

پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیئے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے، ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا۔

حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ نقض عہد (یعنی عہد توڑنے) کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں: ایک "ملعونیت" اور دوسری "قسوت قلب" (یعنی دل کی سختی) ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں: "تحریف کلام اللہ" اور "عدم انتفاع الذکر" (یعنی نصیحت سے فائدہ نہ اٹھانا)۔ یعنی لعنت کے اثر سے ان کا دماغ معوف ہو گیا حتیٰ کے نہایت بے باکی اور بد عقلی سے کتب سماویہ میں تحریف کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ دوسری طرف جب عہد شکنی سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت سے متاثر ہونے کا مادہ نہ رہا، اس طرح علمی اور عملی دونوں قوتیں ضائع کر بیٹھے۔[87]

4۔یہود کا سود کھانا

یہود کے سود کھانے سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[86] سورۃ المائدۃ: ۱۳

[87] تفسیر عثمانی، ص ۱۴۵

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّـهِ كَثِيرًا وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا[88]

جو نفیس چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں ان کے ظلم کے باعث اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث اور سود جس سے منع کئے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث اور ان میں جو کفار ہیں ہم نے ان کے لئے المناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

5۔یہود کا رشوت لینا

یہود کی رشوت خوری سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [89]

آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم وزیادتی کی طرف اور مال حرام کھانے کی طرف لپک رہے ہیں، جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت برے کام ہیں

ابن کثیر، طبری، بغوی اور دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ "سحت" سے مراد رشوت ہے۔

6۔یہود کا علم ہونے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّـهِ ۚ وَاللَّـهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ[90]

---

[88] سورۃ النساء: ۱۶۰ تا ۱۶۱

[89] سورۃ المائدۃ: ۶۲

[90] سورۃ الجمعۃ: ۵

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ (ایسے) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا

یہود و نصاری میں سے وہ لوگ جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اور انکو حکم تھا کہ وہ تورات کی تعلیم حاصل کریں اور اس پر عمل کریں انہوں نے اس ذمہ داری کو اٹھایا نہ پورا کیا تو ان کے لیے کوئی فضیلت نہیں اور ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس کی پیٹھ پر علمی کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو کیا یہ گدھا ان کتابوں سے مستفید ہو سکتا ہے جو اس کی پیٹھ پر لاد دی گئی ہیں؟ کیا اس سبب سے اسے کوئی فضیلت ہو سکتی ہے یا اس کا نصیب تو بس ان کتابوں کو اٹھانا ہے؟ یہ مثال اہل کتاب کے ان علما کی ہے جو تورات کے احکامات پر عمل نہیں کرتے جن میں جلیل ترین عظیم ترین حکم حضرت محمد مصطفی ﷺ کی اتباع کا حکم، آپ کی بعثت کی بشارت اور آپ جو قرآن لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لانے کا حکم ہے، پس جس کا یہ وصف ہو وہ ناکامی اور خسارے اور اس کے خلاف حجت کے قائم ہونے کے سوا کیا فائدہ حاصل کر سکتا ہے؟ یہ مثال ان کے احوال کے عین مطابق ہے۔

7۔ نافرمانی، ظلم کرنا اور برائی سے نہ روکنا

اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی اصل امتحان ہے کیونکہ اللہ نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو مان لے اور چاہے تو اس کا انکار کر دے اور یوم آخرت اسی پر پوچھ بھی ہو گی۔ یہودی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر کرنے کے بجائے خود غرض ہو گئے تھے اور آخرت کو بھلا چکے تھے۔ انہوں نے اللہ کے احکامات کو ہمیشہ ٹھکرایا جو ان کے فائدہ کے لیے نازل ہوئے تھے۔ انہوں نے اطاعت کے بجائے نافرمانی اور آزادی کو فخر سمجھا۔ قرآن مجید میں یہود کی نافرمانیوں کا ذکر آیا ہے جو حسب ذیل ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ[91]

اور بے شک تمہیں وہ لوگ بھی معلوم ہیں جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی پھر ہم نے ان سے کہا تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔

[91] سورۃ البقرہ:٦٥

یہودیوں کو اللہ کی طرف سے حکم ملا تھا کہ ہفتہ کے دن شکار نہیں کرنا لیکن انہوں نے اس حکم کو اپنے خلاف سمجھا اور ہیلے بہانے کر کے ہفتے کے دن شکار کرتے رہے۔ چنانچہ اللہ نے ان کو عذاب سے دوچار کیا اور ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ[92]

بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داؤد (علیہ السلام) اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبانی لعنت کی گئی اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔

8۔ اکابر پرستی

یہود کی اکابر پستی سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّـهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَـٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ [93]

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

9۔ یہود کا غلو فی الدین

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ[94]

---

[92] سورۃ المائدۃ: ۷۹-۷۸

[93] سورۃ التوبۃ: ۳۱

[94] سورۃ المائدۃ: ۷۷

کہہ دیجئے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں

مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ۚ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا[95]

یہودیوں میں بعض ایسے ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر (بگاڑ) دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہیں مانا اور (کہتے ہیں) سنو! تمہیں نہ سنایا جائے اور (کہتے ہیں) راعِنا اپنی زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کرنے کے خیال سے، اور اگر وہ یوں کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور تو سن اور ہم پر نظر کر تو ان کے حق میں بہتر اور درست ہوتا لیکن ان کے کفر کے سبب سے اللہ نے ان پر لعنت کی سو ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے

10۔ اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کا ناحق قتل:

یہود نے اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کا ناحق قتل کیا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُ وْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ[96]

اگر اہل کتاب (بنی اسرائیل) ایمان لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ یہ تمھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، مگر یہ کہ زبان درازی کر لیں۔ اور اگر یہ تم سے جنگ کے لیے نکلیں گے تو تمھیں پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ نکلے گا۔ یہ جہاں کہیں بھی ہیں، ان پر ذلت کی مار ہے، مگر اللہ کے ذمہ کے تحت یا لوگوں کے کسی معاہدہ کے تحت۔ یہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں اور ان پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ

---

[95] سورۃ النساء:۴۶

[96] سورۃ آل عمران: ۱۱۰ تا ۱۱۳

یہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں اور یہ جسارت انھوں نے اس سبب سے کی کہ انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور یہ حد سے بڑھ جانے والے تھے۔

بنی اسرائیل پر انبیاء کی لعنت:

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، حضرت داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریمؑ کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی، کیونکہ وہ نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ كَانُوا يَعْتَدُونَ "[97]

جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے.

"كَانُوا لاَ يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔[98]

جن برے کاموں کے وہ مرتکب ہوتے تھے ان سے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے، ان کا یہ عمل کتنا برا ہے۔"

یہود اپنے آپ کو خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے اور محبوب قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کا حال یہ رہا ہے کہ حضرت داؤد سے لے کر حضرت عیسیٰ بن مریم تک ہر پیغمبر نے ان کے حال پر نوحہ کیا، اور ان پر لعنت برسائی، جیسا کہ مزامیر داؤد کے مختلف مقامات پر آج بھی موجود و مذکور ہے۔ اور توراۃ کے صحیفوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر ان کے ہر پیغمبر نے لعنت کی ہے۔ اور اس ضمن میں بعض پیغمبروں کے الفاظ تو بڑے ہی سخت ہیں، سو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں پر اس ضمن میں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کا ذکر صرف ابتداء اور انتہاء کو واضح کرنے کے

---

[97] سورۃ المائدہ ۷۸

[98] سورۃ المائدہ ۷۹

لئے ہے، اصل میں بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت داؤد سے لیکر حضرت عیسیٰ تک ہر پیغمبر نے ان پر لعنت فرمائی ہے، حضرت داؤد سے بنی اسرائیل کی سیاسی عظمت کی ابتداء ہوئی اور یہود کو ان پر بڑا فخر بھی تھا۔ اور آج تک بھی ہے، چنانچہ آج بھی اسرائیلی حکومت کا قومی نشان نجمہ داؤد یعنی داؤدی ستارہ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ پر اسرائیلی سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ سو اس اعتبار سے ان دو پیغمبروں کے ذکر سے گویا بنی اسرائیل کی پوری تاریخ کا ذکر فرما دیا گیا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان پر ان سب ہی حضرات نے لعنت فرمائی۔

قرآن کے مطابق بنی اسرائیل کے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے چار وعدے اور ان کی خلاف ورزی:

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ میں موجود تھے۔ بنی اسرائیل نے جب موسیٰ (علیہ السلام) سے پانی کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ فلاں پتھر پر اپنا عصا مارو تو بارہ چشمے پھوٹ پڑیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہر قبیلہ نے اپنا اپنا چشمہ یا پانی پینے کی جگہ پہچان لی اور اس پر قابض ہو گیا۔ انھیں بارہ قبائل میں سے ہر قبیلہ سے ایک ایک نقیب مقرر کیا گیا۔ جس کا کام یہ تھا کہ وہ لوگوں کے اخلاق و کردار کی نگرانی کرے اور انھیں بے دینی اور بد اخلاقی سے بچانے کی کوشش کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ معیت چار باتوں سے مشروط تھا۔ (۱) بنی اسرائیل نماز کو قائم کرتے رہیں (۲) زکوۃ ادا کرتے رہیں (۳) بعد میں جو رسول مبعوث ہوں ان پر ایمان بھی لائیں اور ان کی جان اور مال سے مدد بھی کریں اور (٤) لوگوں کو قرضہ حسنہ دیتے رہیں۔ گویا جو ذمہ داری ان نقیبوں پر ڈالی گئی تھی ان میں سے مذکورہ چار کام سب سے اہم تھے اور ان سے عہد یہ تھا کہ اگر وہ ذمہ داری پوری کرتے رہیں گے تو یقیناً اللہ ان کے ساتھ ہو گا اور ان کی ہر معاملہ میں مدد فرمائے گا۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا

حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔[99]

اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ نگران مقرر کیے تھے اور اللہ نے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی، زکوۃ ادا کی، میرے پیغمبروں پر ایمان لائے، عزت سے ان کا ساتھ دیا اور اللہ کو اچھا قرض دیا۔ تو یقین جانو کہ میں تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دوں گا، اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے گا تو درحقیقت وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔

بنی اسرائیل کی اپنے عہد کی خلاف ورزی اور اللہ کی لعنت:۔

بنی اسرائیل نے اپنے اس مضبوط عہد کی چنداں پروانہ کی۔ قیام صلٰوۃ اور ایتائے زکوۃ میں غفلت برتی۔ زکوۃ کے بجائے بخل کی راہ اختیار کی اور قرضہ حسنہ دینے کی بجائے سود خوری اور حرام خوری شروع کر دی۔ اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا تو درکنار، جی بھر کر ان کی مخالفت کی اور بعض انبیاء کو ناحق قتل بھی کرتے رہے غرض یہ کہ اس عہد کی ایک ایک شق کو توڑنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی جس کے عوض ہم نے ان پر لعنت کی اور انھیں اپنی رحمت سے دور کر دیا اور دوسری سزا یہ دی کہ ان کے دل سخت بنا دیئے جس کی وجہ سے ایک تو راہ حق قبول کرنے سے قاصر ہو گئے دوسرے آپس میں الفت و موانست کے جذبات کے بجائے ان میں خود غرضی، سنگدلی اور باہمی منافرت نے راہ پالی۔ ان دونوں سزاؤں کے مزید نتائج یہ نکلے کہ ان لوگوں نے کتاب اللہ میں تحریف شروع کر دی۔ فلسفیانہ موشگافیاں اور خود غرضانہ تاویلات کے ذریعہ کتاب کی اکثر آیات کا مفہوم ہی بدل ڈالا اور اسے کچھ کا کچھ بنا دیا اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ انھیں کہا تو یہ گیا تھا کہ وہ کتاب اللہ سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ یہ بات تو انھوں نے یکسر چھوڑ ہی دی اور اس کے بجائے اپنا سارا زور الفاظ کی گتھیوں کو سلجھانے میں صرف کرنے لگے اور ایسا مطلب اخذ کرنا شروع کیا جو ان کی خواہش کے مطابق ہو۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔

---

[99] سورۃ المائدہ ۱۲

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَ نَسُوا حَظّاً مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَ لاَ تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلاَّ قَلِيلاً مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔[100]

پھر ان کی عہد شکنی کی بناپر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنادیا وہ ہمارے کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور انہوں نے ہماری یاد دہانی کا اکثر حصّہ فراموش کر دیا ہے اور تم ان کی خیانتوں پر برابر مطلع ہوتے رہو گے علاوہ چند افراد کے لہٰذا ان سے در گزر کرو اور ان کی طرف سے کنارہ کشی کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

سورۃ البقرۃ کے مطابق بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے' لوگوں سے اچھی باتیں کریں گے' نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے' پھر چند اشخاص کے سوا باقی سب نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔

"وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لاَ تَعْبُدُونَ إِلاَّ اللَّهَ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَ ذِي الْقُرْبَى وَ الْيَتَامَى وَ الْمَسَاكِينِ وَ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً وَ أَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلاَّ قَلِيلاً مِنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مُعْرِضُونَ "۔[101]

اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خبردار خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا. لوگوں سے اچھی باتیں کرنا نماز قائم کرنا، زکات ادا کرنا لیکن اس کے بعد تم میں سے چند کے علاوہ سب منحرف ہوگئے اور تم لوگ تو بس اعراض کرنے والے ہی ہو۔

---

[100] سورۃ المائدہ ۱۳

[101] سورۃ البقرۃ ۸۳

بنی اسرائیل کو پہلا حکم:۔ اثبات توحید

مندرجہ بالا آیت میں جو احکامات اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دیئے تھے ان میں سے پہلا حکم یا جو عہد بنی اسرائیل سے لیے تھے ان کا پہلا عہد یہ تھا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی غلامی نہ کریں۔ اپنی ضروریات زندگی میں اس سے طالب اعانت ہوں اور سب سے باغی بن کر اس ایک کی اطاعت کا جوا اپنی گردن میں ڈال لیں تاکہ سب قوموں کے سامنے سربلند ہوں۔

توراۃ میں ممانعت شرک کے احکام

گویا پہلا عہد اثبات توحید اور ممانعت شرک ہی کا تھا۔ آج بھی توراۃ میں یہ حکم اسی طرح موجود ہے یہاں بطور نمونہ ایک دو جگہ کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پایا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا، تو ان کے آگے، اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر، کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔[102] "

"میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہووے تو اپنے لیے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انھیں سجدہ نہ کر، نہ ان کی بندگی کر۔[103] "

"سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ "[104]

---

[102] خروج ۲۰:۳،۵

[103] استثناء ۵:۷،۸

[104] استثناء ٦:٤

"تم اور معبودوں کی قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے، نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمہیں روئے زمین سے فنا کر دے۔ "[105]

اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لیے جتنا زور قرآن کریم کے صفحات میں دیا گیا ہے اتنا دوسری کتب آسمانی میں نہ سہی تاہم کتب آسمانی میں تحریف ہونے کے باوجود ایسے احکام مل جاتے ہیں جن میں توحید کا درس آج بھی پایا جاتا ہے۔

دوسرا حکم:۔ قرآن اور توراۃ میں والدین کی فرمان برداری کا عہد:

اللہ تعالیٰ کے بعد شان ربوبیت میں والدین ہی ہوتے ہیں جو عاصی و نافرمان اولاد پر بھی احسان کرنے سے جی نہیں چراتے اور اپنی اولاد کے لیے ہر کمال کے آرزومند رہتے ہیں اس لیے اللہ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ کے ساتھ بر و احسان کا حکم دیا ہے۔

چنانچہ توراۃ میں بھی ہے کہ"

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے، دراز ہووے۔[106]

دوسری جگہ کتاب استثناء میں لکھا ہے۔

"اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا ہے۔ "[107]

قرآن کریم نے جگہ جگہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک پر بہت زور دیا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ:

---

[105] استثناء ٦:١٤، ١٥

[106] خروج ٢٠:١٢

[107] استثناء ٥:١٦

وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ۰۰۲۳ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ؕ۔[108]

"اور تمہارے رب نے یہ بات ٹھہرادی ہے کہ اس کے سوااور کسی کی بندگی نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک یادونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں تو ان کسی بات پر اُف نہ کرو اور نہ جھڑکنے لگو اور ان کے ساتھ بات چیت ادب و عزت کے ساتھ کرو ان کے سامنے محبت اور مہربانی کے ساتھ عاجزی کا سر جھکائے رکھو ان کے حق میں دعا کرو اے پروردگار! جس طرح انھوں نے مجھے صغر سنی میں پالا پوسا ہے اور بڑا کیا ہے تو اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔"

تیسرا حکم:۔ بنی اسرائیل کا عزیز رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کا عہد:

عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا یہ بھی دراصل ماں باپ کی محبت کا ایک جز ہوتا ہے اور وہ صلہ رحمی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ یتامی اور مساکین کی نصرت و اعانت پر بھی اسلام نے بہت زور دیا ہے اور اس کا عہد بنی اسرائیل سے بھی لیا گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی توراۃ کے صفحات میں اس عہد الٰہی کے نشانات موجود ہیں۔

"اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کیجئے بلکہ اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو اور کسی کام میں جو وہ چاہے بہ قدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو۔ "[109]

"اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں آئیں اور کھائیں اور سیر ہو جاویں۔ "[110]

"مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے اس لیے یہ کہہ کہ میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لیے اور اپنے محتاج واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنے ہاتھ کشادہ رکھیو۔ [111]

---

[108] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳

[109] استثناء ۱۵: ۸، ۹

[110] استثناء ۱٤: ۲۹

اور اسی طرح تمام انسانوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک کی ہدایت کی گئی ہے اگرچہ وہ حسب و نسب کے رشتہ میں نہ آئیں تاہم انسانیت کا رشتہ تو ان سے بھی قائم ہے اس لیے حکم دیا جارہا ہے کہ سب لوگوں سے بھلی بات کہنا بھی ضروری ہے ہر ایک انسان سے بات چیت اور گفتگو میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور انسانیت کا ادنیٰ فرض ہے۔ اس لیے یہ حکم عام ہے یعنی خوش خلقی کے ساتھ ہی سب انسانوں سے پیش آتے رہنا چاہیے۔ موجودہ توراۃ میں جتنے بھی حسن سلوک کا احکام ملتے ہیں ان کا دائرہ محدود ہے لیکن قرآن کریم میں ان احکامات کو بھی بار بار اور بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

چوتھا حکم:۔ عبادتِ الٰہی میں مصروف رہنے کا عہد:

صلوٰۃ، اقامت صلوٰۃ اور زکوۃ سب مخصوص اسلامی اصطلاحیں ہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ بنی اسرائیل کو بھی اسی طرح پانچ وقت کی نماز اپنی ساری شرطوں کے ساتھ اور اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینے کا حکم تھا۔ بلکہ یہ سب احکام ان کو مخصوص ہئیتوں اور متعین قیود کے ساتھ ملے تھے ہاں! ان کو جو احکام ملے تھے، اپنی عبادات کے متعلق اگرچہ ان کی مخصوص زبان ہے اور ان کے حالات وماحول کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور دعاوعبادت کی تاکید ابھی بھی توراۃ میں مختلف عنوانات سے موجود ہے۔ حکم زکوۃ کی تفصیل کے لیے کتاب خروج اور احبار میں تفصیل موجود ہے[112]

اور عبادت الٰہی کا حکم کتاب استثناء میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

---

[111] استثناء ۱۵:۱۱

[112] ملاحظہ ہو۔ خروج ۲۳:۱۰ اور احبار ۲۵:۱

"چاہیے کہ تم خداوند اپنے خدا کی پیروی کرو اور اس سے ڈرو اور اس کے احکام کو حفظ کرو اور اس کی بات مانو، تم اسی کی بندگی کرو اور اسی سے لپٹے رہو۔ "[113]

توراۃ کے مطابق بنی اسرائیل کی اپنے وعدوں کی خلاف ورزی

توراۃ ہی کے مطابق بنی اسرائیل نے ان وعدوں میں سے کسی کو پورا نہ کیا یا ان احکامات میں سے کسی ایک حکم کو بھی بجا نہ لاسکے۔ کسی سے آج اعراض کیا تو کسی سے کل منہ پھیر گئے۔ چنانچہ اس کی گواہیاں بھی کتاب توراۃ میں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

"وہ اس راہ سے جو میں نے انھیں فرمائی جلد ہی پھر گئے۔ "[114]

"میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ ایک گردن کش قوم ہے۔ "[115]

"بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو۔ "[116]

اسی طرح خونریزی کی ممانعت توراۃ مروجہ میں بھی متعدد جگہ ملتی ہے مثلاً یہ کہ:

"تو خون مت کر۔ "[117]

"بے گناہ کا لہو تیری زمین پر جسے خداوند تیرا میراث کر دیتا ہے۔ بہایا نہ جائے کہ خون تجھ پر ہو۔ "[118]

---

[113] الاستثناء ۱۳:٤

[114] خروج ۳۲:۸

[115] خروج ۳۲:۹

[116] خروج ۳۳:۵

[117] خروج ۲۰:۱۳

[118] استثناء ۱۹:۱۰

یعنی ان احکامات کی اطاعت کا اقرار یہود نے صاف صاف لفظوں میں کیا جو آج تک ان کے نوشتوں میں لکھا چلا آ رہا ہے اور یہود کو اس سے انکار کی مجال نہیں ہے۔

جیسے توراۃ میں ہے کہ: "وہ بولے کہ یہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے اور تابع رہیں گے۔ "[119]

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت کرنا' نماز قائم کرنا' اور زکوۃ ادا کرنا' ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا' یہ اس قسم کی عبادات ہیں جو ہر نبی کے دور میں مشترک رہی ہیں۔

خود آزمائی

1. یہودیت میں تصور خدا اور اس کی صفات کو اجاگر کریں۔
2. یہودیت میں بنی اسرائیل کی فضیلت کے عقیدہ کی وضاحت کریں۔
3. تورات کی کتاب خروج میں احکاماتِ عشرہ بیان کریں۔
4. تورات کی کتاب استثناء میں احکاماتِ عشرہ بیان کریں۔
5. یہودی ربی موسیٰ بن میمون کے تیرہ اساسی اصولوں پر روشنی ڈالیں۔
6. آخرت سے متعلق یہودی تصور اور مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ مسیح سے متعلق یہودی تصورات کی وضاحت کریں۔
7. اسلام اور یہودی عقائد و تصورات کا تقابلی جائزہ مفصل بیان کریں۔
8. قرآن مجید کی روشنی میں یہودی عقائد پر نقد کی وضاحت کریں۔

---

[119] خروج ۲٤:۷

9. قرآن کے مطابق بنی اسرائیل کے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے چار وعدوں اور ان کی خلاف ورزی کا مفصل جائزہ پیش کریں۔
10. توراۃ کے مطابق بنی اسرائیل کی وعدوں کی خلاف ورزی کا جائزہ پیش کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے ماخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ

- قرآن مجید
- ابن كثير اسماعيل بن عمر البداية والنهاية معه نهاية البداية والنهاية في الفتن والملائين ص: ۲۵۵ ج ۱ دارالفكر، بيروت
- النجار، عبد الوباب نقص القرآن، ص: ۱۴۴ دار احياء التراث العربى بيروت الطبعة الاولى: ۱۹۹۴ء
- عفيف عبد الفتاح طيارة ،اليهود في القرآن، دار العلم للملايان بيروت ۱۹۲۴ء
- آلوسى سيد محمود البغدادى روح المعانى، مكتبه ا لرشيد يه لا ہو ر
- خازن علاء الدين محمد بن ابراہيم تفسير خازن،دار الكتب العربية مصر
- عبد الكريم الشهرستانى الملل والنحل ، المطبعه حجازى با القاهره ۱۳۶۷م
- الطبرى محمد بن جعفر جريز جامع البيان في تفسير القرآن: دار المعرفة بيروت لبنان
- مولانا عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور
- محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی
- سیوہاروی، حفظ الرحمن، قصص القرآن، حبیب پبلیکیشنز، لاہور
- مودودی، ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۵

- پادری، خیر اللہ، قاموس الکتاب، مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۹۳ء
- کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور
- رانا احسان الحق یہودیت و مسیحیت، مسلم اکادمی لاہور ۱۹۸۱ء
- یوسف ظفر، یہودیت، نفیس پرنٹرز، لاہور

یونٹ:4

یہودیت میں عبادات، تہوار ورسومات

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر محمد عبداللہ

ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 166

یونٹ کے مقاصد 166

تعارف: 168

عبادات:۔ٹیفیلاہ(Tefillah) 169

یہود کی کی روزانہ تین نمازیں 170

شاخاریت (Shacharit) 171

مِنخا (Mincha) 171

معاریب (Ma'ariv) 171

یہودی نماز کی بعض شرائط 172

نماز میں چمڑے کے دو تعویز 173

نماز کی چادرTalit 174

یہودی مذہبی ادب میں نماز کے احکام 175

سیناگاگ:عبادت گاہ/کنشت(Synagogue) 177

قوانین خوردونوش(Dietary Laws) 178

یہودی رسومات اور تہواروں کی اہمیت 179

عیدالفصح(Passover/ Pesach)پیساک کا تہوار 181

پینٹی کوسٹ/ہفتوں کا تہوار(Pentecost/Shavuot) 182

یوم السبت(Sabbath/ Shabbath) 182

روش ہشنہ(Rosh Hashanah) 187

یوم کپور/یوم کفارہ(Yom Kippur- the day of Atonement) 190

سوکوت(Sukkot) 195
ہنوکہ(Hanukkah) 197
پوریم(Purim) 199
تیشاباؤ(Tisha B'av) 200
بارمتزواہ-باتمتزواہ(Bar Mitzvah- Bat Mitzvah) 201
ختنہ(Circumcision) 204
شادی کی رسومات(Marriage) 207
تدفین کی رسومات(Death and Burial) 212
خود آزمائی 216
جوابات 217
ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ 217

یونٹ کا تعارف

یہویت کے رسوم و رواج سماجی و مذہبی کی اساس قانونِ یہودیت (Halakhah) ہلاخا/ ہلاکا پر مبنی ہیں جس کا مطلب "جس راہ پر چلا جائے" ہے۔ یہ قانون دراصل ایک مجموعہ قوانین کہا جا سکتا ہے جو فرامین خداوندی بشارت ہائے الہامی اور اجتہادہائے ربانیین پر مشتمل ہے۔ ہلاخانہ صرف مذہبی معاملات پر راہنمائی فراہم کرتا ہے بلکہ روزمرہ کی زندگی کے بارے میں بھی واضح ہدایات دیتا ہے مثلاً لباس کیسا ہونا چاہیے؟ کیسے پہننا چاہیے؟ کیا کھانا چاہیے؟ کیسے کھانا چاہیے؟ اور صدقہ و خیرات کا انداز و طریقہ کار کیا ہونا چاہئے؟ وغیرہ۔ ہلاخا یہ جزو خدا کی شکر گزاری کا جذبہ پیدا کرتا ہے، یہودی شناخت کا احساس فراہم کرتا ہے اور روزمرہ کی زندگی میں طہارت و پاکیزگی اختیار کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔۔ دوسرے مذاہب کی طرح یہودیت میں بھی عبادات بعض دنوں، رسومات اور تہواروں کو خصوصی تقدّس حاصل ہے، جن کا احوال اس یونٹ میں پیشِ خدمت ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 یہودی عبادات میں ٹیفیلاہ (Tefillah) یعنی نماز کے تصور کو اجاگر کر سکیں اور اس کی تین اقسام بیان کر سکیں۔

2 یہودی مذہبی ادب میں نماز کے احکام بیان کر سکیں نیز یہودی نماز کی شرائط، تعویزات اور چادر کی وضاحت کر سکیں۔

3 یہودیت میں سیناگاگ/عبادت گاہ (Synagogue) سمیت یہودی قوانین خوردونوش کی وضاحت کر سکیں۔

4 یہودی رسومات اور تہواروں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے (Pentecost/ Shavuot) یعنی ہفتوں کے تہوار اور عیدالفصح (Passover/ Pesach) پیساک کے تہوار پر روشنی ڈال سکیں۔

5 یہودیت میں یوم السبت (Sabbath/ Shabbath) کی اہمیت اور تفصیل بیان کر سکیں۔

6 یہودیت میں روش ہشنہ (Rosh Hashanah) تہوار کی اہمیت اور تفصیل بیان کر سکیں۔

7 یہودیت میں یوم کپور / یوم کفارہ (Yom Kippur- the day of Atonement) کی تفصیل بیان کر سکیں۔

8 یہودیت میں سوکوت (Sukkot) کے تہوار پر روشنی ڈال سکیں۔

9 یہودیت میں ہنوکہ (Hanukkah) کے تہوار پر نوٹ لکھ سکیں۔

10 تیشا باؤ (Tisha B'av) اور بار متزواہ- باتمتزواہ (Bar Mitzvah- Bat Mitzvah) کی رسومات کو بیان کر سکیں۔

11 یہودیت میں ختنہ (Circumcision) کی رسم کی تفصیل بیان کر سکیں۔

12 یہودیت میں شادی کی رسومات (Marriage) پر روشنی ڈال سکیں۔

13 یہودیت میں تدفین کی رسومات (Death and Burial) کی وضاحت کر سکیں۔

عبادات، تہوار ورسومات

تعارف:

مذہب یہودیت ایک فرد کی زندگی کے بہت سے اہم اجتماعی اور خصوصا ذاتی معاملات و تقریبات کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ ایسی تقریبات جن میں کوئی فرد خاندانی، تہواری یا بسا اوقات پورے معاشرتی ماحول کا مرکز نگاہ ہوتا ہے۔ یہ مخصوص تقریبات و مواقع بہت اہم مذہبی مقام رکھتے ہیں۔ یہودی عبادات میں تین نمازیں شامل ہیں جو مختلف اوقات میں ادا کی جاتی ہیں۔ ایک فجر کے وقت، دوسری دوپہر کے وقت اور تیسری مغرب کے وقت۔ یہ عبادا ت فردا بھی ادا کی جاسکتی ہے اور جماعت کے ساتھ بھی۔ اس میں عام طور پر کوئی قید نہیں رکھی گئی۔ جماعت میں کم سے کم دس افراد کا ہونا لازمی ہے۔ اس جماعت میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوسکتے ہیں۔

ابتدائی یہودیت میں کچھ رسومات مردوں تک محدود تھیں۔ عورت کو بعض عبادات میں شامل نہیں کیا گیا۔ مرد ہی کو گھر کا سربراہ مانا گیا۔ اکثر ربیوں کی دعاؤں میں بھی بیٹوں کا ذکر ہوتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم یہودیوں میں مردوں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ اس سے یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورت کو کوئی وقعت نہیں دی گئی۔ یہودیت کا ابتدائی دور بزرگوں کا دور کہلاتا ہے۔ عمومی طور پر بزرگوں میں مردوں کو شامل کیا جاتا ہے لیکن مختلف روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بزرگوں کے اس دور میں عورت کا کردار بھی اہم اور مقتدر تھا، مثلاً اس ضمن میں سارہؑ کا کردار خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ انہیں کے کہنے پر ہی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ اور اپنی لونڈی ہاجرہؑ کو لق و دق صحرا میں اکیلا چھوڑ دیا۔ وہ خود ایسا کرنے کو راضی نہیں تھے لیکن یہ سارہ ہی تھیں جن کے کہنے پر انہیں یہ قدم اٹھانا پڑا۔ یہودیت کا شمار ان مذاہب میں ہوتا ہے جن میں عورتوں کو نبیہ ہونے کا درجہ بھی حاصل ہے۔ یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ بعض رسومات یا عبادات سے عورت کو مستثنیٰ کرنا ان کی مذہبی قدر کم کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خاندان کی دیکھ بھال، گھریلو ذمہ داریاں اور بچے کی پرورش جیسے مشکل کام انہیں کی مرہون منت چلتے ہیں۔ اس لیے انہیں بعض جگہوں پر استثنیٰ حاصل ہے۔[1]

[1] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۵۷

یہودی عبادت گاہ "Synagogue"یعنی سیناگاگ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ تاریخی لحاظ سے بھی یہودیوں کے لیے کافی اہم ہے۔ معبد نہ ہونے کے باعث جو لوگ عبادت سے محروم ہو گئے تھے انہوں نے سیناگاگ کا اہتمام کیا، تاکہ وہ اپنی عبادات کو جاری رکھ سکیں۔ سیناگاگ کے ساتھ ہی یہودی احبار یا مذہبی پیشوا یعنی (ربی) کی شخصیت سامنے آئی۔ سیناگاگ اور ربی کے ساتھ ہی اسرائیل سے باہر کی یہودی برادریوں نے اپنے مذہب کو زندہ رکھا۔ یہودیوں کے بہت سے مقدس دن بھی ہیں جنہیں وہ بہت احترام اور عقیدت سے مناتے ہیں۔ بیشتر تہوار انہی خاص دنوں کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔ ان مقدس دنوں کے علاوہ یہودیوں کے ہاں شادی بیاہ، بچے کی پیدائش اور بلوغت اور مردوں کی تدفین کی بھی خاص رسمیں ہوتی ہیں، جو مذہبی طور طریقوں کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ ان عبادات و رسموں کو یہودی مذہب میں خاصی اہمیت حاصل ہے اور یہ ان کی زندگیوں کا اہم جزو ہے۔

عبادات:۔ ٹیفیلاہ(Tefillah)

روزانہ کی جانے والی یہودی عبادت یا نماز کو عبرانی زبان میں ٹیفیلاہ(Tefillah) کہتے ہیں۔ البتہ اردو میں اسے یہودی نماز بھی کہا جاسکتا ہے۔ روز کی تین عبادات مقرر ہیں جن میں سے صبح اور دوپہر کی فرض ہیں اور شام کی اپنے آپ پر واجب کی جاسکتی ہے۔یہودیت میں دیگر احکام اس وقت تک اختیاری ہوتے ہیں جب تک انسان ان کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنانے کی نیت نہ کرلے۔اس نیت کے بعد وہ واجب ہو جاتے ہیں اور ان میں اور فرائض میں کوئی فرق نہیں رہتا۔تمام عبادات فرداً بھی ادا ہو سکتی ہیں اور باجماعت بھی تاہم باجماعت ادا کرنے میں فضیلت ہے خصوصاً اس لیے کہ جماعت جب اکٹھی ہو جائے تو وہ خدا کے دربار میں بطور بنی اسرائیل حاضر ہوتی ہے۔جماعت کو پورا ہونے کے لیے کم از کم دس افراد کی ضرورت ہے ورنہ ایک ساتھ رہ کر بھی عبادت فرداً ہی قبول ہو جاتی ہے۔ یہودیت کے کئی مذاہب میں دس مردوں کو جماعت مانا جاتا ہے اور کئی میں دس افراد کو، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔

یہودیوں کی نمازیں ان کے مذہبی فرائض کا ایک اہم حصہ ہیں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے ہی سے فرض ہیں لیکن اس دور میں ان کی کوئی تعداد یا وقت مقرر نہیں تھا یہودی زندگی میں نمازیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں جنہیں روزانہ ادا کرنا ہوتا ہے نماز کا مآخذ تو اور تورات ہے جس میں اللہ نے انہیں ہر روز کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاہم اس کے لیے نماز کی کسی خاص شکل کا تعین بھی نہیں کیا گیا یہودی نماز کے تین اجزاء ہیں۔

1. اللہ کی تعریف
2. دعااور فریاد، بندگی کا اظہار
3. خدا کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں نماز ہر یہودی کا انفرادی فعل ہوتا تھا لیکن بعد میں جب بابل کی جانب یہودیوں کی پہلی ہجرت ہوئی تو بابلی تہذیب کے اثر سے وہ نمازوں میں کاہلی برتنے لگے جسے مد نظر رکھتے ہوئے حضرت عزیرؑ نے ان کے لیے روزانہ کی بنیادوں پر نمازوں کا حکم دوبارہ جاری کر دیا تاکہ بکھرے ہوئے یہودیوں میں یکجہتی پیدا ہو باؤل میں یہودیوں کا قیام کا عرصہ 70 سال (بخت نصر بادشاہ یہودیوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا تھا) پر محیط تھا جس کے بعد یروشلم میں انہوں نے اپنا دوسرا ہیکل تعمیر دوبارہ کیا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد رومی سپہ سالار طیطوس نے اس ہیکل کو بھی 70 عیسوی میں تباہ و برباد کر دیا۔[2]

اس کے بعد نماز روزوں میں ایک بار پھر غفلت برتی جانے لگی لہذا اب ان کے لیے ایک بار پھر نمازوں کا حکم جاری کیا گیا جس میں کہا گیا کہ ہیکل میں جتنی بار بھی قربانی کی جائے گی اتنی ہی بار وہاں نمازیں بھی ادا کی جائیں گی ہیکل میں اس دور میں دن بھر میں دو مرتبہ قربانی کی جاتی تھی جبکہ کبھی کبھی ایک قربانی مزید پیش کی جاتی تھی۔ اس تیسری قربانی کو ہیکل میں جلا دیا جاتا تھا اس طرح صبح کی قربانی کے ساتھ صبح کی نماز، دوپہر کی قربانی کے ساتھ دوپہر کی نماز اور اضافی قربانی کے لیے اضافی نماز ادا کی جانے لگی شام کو کوئی قربانی نہیں ہوتی تھی لیکن چونکہ دوپہر کی قربانی کی آگ ساری رات جلتی رہتی تھی اس لیے ایک نماز شام کی بھی طے کر دی گئی گویا اب یہودیوں کے لیے تین نمازیں مقرر ہو گئیں صبح دوپہر اور شام۔[3]

یہود کی کی روزانہ تین نمازیں

ٹیفیلاہ یعنی نماز میں تین مختلف اوقات ہوتے ہیں جیسے کہ:

---

[2] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۵۲

[3] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۵۳

1. صبح کی نماز (Shacharit): صبح کی نماز ہوتی ہے، جو سورج نکلنے کے بعد اور غروب ہونے سے قبل کی جاتی ہے۔
2. دوپہر کی نماز (Mincha): دوپہر کی نماز ہوتی ہے، جو دوپہر کے بعد اور سورج چھپنے سے قبل کی جاتی ہے۔
3. رات کی نماز (Ma'ariv): رات کی نماز ہوتی ہے، جو سورج چھپنے کے بعد اور سحر ہونے سے قبل کی جاتی ہے۔

شاخاریت (Shacharit)

فجر کی عبادت۔یہ سب سے لمبی اور دن کی سب سے اہم عبادت ہوتی ہے۔اس کے چھ حصے ہیں۔پہلے حصہ میں علما کی تفسیریں پڑھی جاتی ہیں۔دوسرے میں توریت اور زبور کے اجزا پڑھے جاتے ہیں۔تیسرے میں شماع پڑھی جاتی ہے، جو اس عبادت کا سب سے اہم حصہ ہے کیونکہ اس میں پوری قوم بنی اسرائیل کو پکارا جاتا ہے کہ وہ توحید کی شہادت دے۔اس کے بعد آمیدہ پڑھی جاتی ہے اور پھر مسیحا کی آمد کی دعا کی جاتی ہے جو زبور میں سے پڑھی جاتی ہے۔ آخر میں بنی اسرائیل کے فرائض کو دُہرایا جاتا ہے اور توحید کی شہادت بھی دہرائی جاتی ہے۔

مِنخا (Mincha)

دوپہر کی عبادت :اس میں آمیدہ پڑھی جاتی اور تہواروں پر توریت کا جز بھی پڑھا جاتا ہے۔

معاریب (Ma'ariv)

مغرب کی عبادت: اس میں شماع اور آمیدہ پڑھی جاتی ہیں۔

تین نمازیں یہودیوں کے روزانہ کے دینی و مذہبی اعمال کا جزو ہیں۔یعنی یہودی دن میں تین نمازیں ادا کرتے ہیں۔ جبکہ روز سبت (ہفتے کا دن) اور دیگر تمام ایام مقدسہ سال (عیدین و جشن وغیرہ) پر یہودیوں کے فرقہ راسخ العقیدہ اور رجعت پسند یہودی ایک اضافی نماز ادا کرتے ہیں جسے 'موساف' کہا جاتا ہے۔ ایک پانچویں نماز بھی ہے

جسے نئیلا کہا جاتا ہے لیکن وہ صرف اوائل خزاں ماہ تیشری کے دسویں دن یعنی یوم الغفران (یوم کپور) کو ہی ادا کی جاتی ہے۔ یہودیت کی نماز بھی تنہا اور جماعت کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے۔ جس طرح مذہب اسلام میں نماز با جماعت کی فضیلت ہے بعینہ دین یہودیت بھی با جماعت نماز کو افضل تر قرار دیتا ہے اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ بغیر جماعت کے نماز ادا نہیں ہوتی۔

یہودی روایات میں آتا ہے کہ

- صبح کی نماز کا آغاز دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔
- جبکہ دوپہر کی نماز کا آغاز حضرت اسحاق علیہ السلام نے کیا تھا۔
- اور شام کی نماز کا آغاز حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا تھا۔

کتاب دانیال باب 6 آیت 10 کے مطابق حضرت دانیال علیہ السلام بھی تین وقت کی عبادت کرتے تھے اگرچہ نماز اللہ ہی کے لیے پڑھی جاتی ہے لیکن یہودی صحیفوں میں آتا ہے کہ ہر وقت اللہ کا نام زبان سے نہ نکالا کرو جیسا کہ کتاب خروج میں لکھا ہے۔

تو خواہ مخواہ اللہ کا نام نہیں پکار کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔[4]

یہودی نماز کی بعض شرائط

یہودیوں کو نمازوں کو گھروں پر پڑنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن ترجیح دی گئی ہے کہ اس سے باجماعت یعنی (Minyan) منیان کے ساتھ پڑھا جائے منیان کا مطلب ہے 13 سال سے زائد 10 مرد حضرات کا اجتماع. 10 کا یہ عدد یہودیوں نے عہد نامہ قدیم کی کتاب گنتی باب 14 آیت 27 سے لیا گیا ہے۔

[4] کتاب خروج ۲۰:۷

مردوں کی طرف عورتوں پر بھی نماز کی پابندی لازمی ہے البتہ تورات کے مذہبی عالم کے لیے محض دو وقت کی نمازوں کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں صبح کی نماز دوپہر کی نماز شام کی نماز سے انہیں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ نماز کی تیاریوں میں

- عمومی نماز کی کتاب
- تفصیلات کی نماز کی کتاب
- نماز کا لباس یعنی شال جھالر والی مخصوص چادر (Talit) پہنتے ہیں۔
- چھوٹی سفید ٹوپی (Kippah)
- اور تورات کی عبارتوں والا ایک چرمی تعویز

ضروری سمجھے جاتے ہیں نماز کی شال کہ چاروں کونوں پر چار جھالریں لگی ہوتی ہیں جن کے لیے اعداد مخصوص کر دیے گئے ہیں یعنی (۷،۸،۱۱،۱۳) اور ان سب کے مجموعے سے (ابجد حوزر کے قاعدے سے) جو لفظ بنتا ہے وہ "خدا ایک ہے" ہوتا ہے۔

یہودی نماز کے دوران

- شیما کلمے کی قرآت کرتے ہیں۔
- ناقوس کی آواز سنتے ہیں۔
- مخصوص خیمے یعنی Sukkah میں بیٹھتے ہیں۔
- نماز میں چمڑے کے دو تعویذ پہنتے ہیں۔

نماز میں چمڑے کے دو تعویز

یہ تعویذ دو قسم کے ہوتے ہیں پیشانی پر پہننے والا اور ہاتھ پر پہننے والا

سر والا تعویذ (چمڑے کی پٹی) پیشانی کے اوپری حصے میں پہنا جاتا ہے اور ہاتھ والا تعویذ یعنی چمڑے کی پٹی بائیں ہاتھ میں سات دفعہ لپیٹی جاتی ہے۔ ان دونوں تعویزوں پر عبرانی حروف دال اور شین بنے ہوئے

ہوتے ہیں لہذا یہودی جب بھی انگریزی میں خدا یا لوڈ لکھتے ہیں تو وہ اس طرح لکھتے ہیں۔(G-d یا L-rd)یہودی اللہ تعالی کو اس کے صفاتی ناموں سے پکارتے ہیں مثلا واحد، مالک کائنات، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، بنی اسرائیل کا سرپرست، عظیم اور قادر وغیرہ

نماز کی چادرTalit

یہودی مرد اور لڑکے بچپن ہی سے تمام دن اپنے لباس کے اوپر یا نیچے نماز کی ایک شالTalit پہنتے ہیں جس کے چاروں کونوں پر جھالریں لگی ہوتی ہیں. تورات میں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے کپڑوں پر جھالر لگی ہوئی چادر پہنا کریں۔ یہودی نماز کے دوران یہ چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ تورات بیان کرتی ہے۔

اور خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہے کہ وہ نسل در نسل اپنے پیراہنوں کے کناروں پر جھالر لگائیں اور ہاتھ کنارے کی جھالر کے اوپر آسمانی رنگ کا دھاگا، ٹانکیں یہ جھالر تمہارے لیے ایسی ہو کہ جب تم اسے دیکھو تو خداوند کے سب حکموں کو یاد کر کے ان پر عمل کرو اور اپنے دل اور انکھوں کی خواہشوں کی پیروی میں گناہ نہ کرتے پھرو جیسا کہ کرتے آئے ہو بلکہ میرے سب حکموں کو یاد کر کے ان کو عمل میں لاؤ اور اپنے خدا کے لیے مقدس ہو۔ میں خداوند تمہارا خدا ہوں جو تمہیں ملک مصر سے نکال کر لایا تا کہ تمہارا خدا ٹھہروں۔[5]

نماز کے دوران یہودی خدا سے براہ راست گفتگو کرتے ہیں یعنی درمیان میں انہیں کسی اور واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بنیادی طور پر نماز کو عبرانی زبان ہی میں ادا کیا جاتا ہے تاہم اجازت دی گئی ہے کہ یہودی انہیں کسی اور معروف زبان میں بھی ادا کر سکتے ہیں نماز کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اپنے خیالات کو خدا کی طرف یکسو کیا جائے اور صاف ستھرا معقول لباس پہنا جائے کیونکہ یہ وقت دراصل بادشاہوں کے بادشاہ کے پاس پیشی کا ہے۔[6]

ٹیفیلاہ کی دوسری اہم مشق ہے " دعا"، جو انسان کے اندر کی امید یا خواہش کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے، اسے منظوم زبان میں یہودی مقدس کتابوں سے اخذ کیا جاتا ہے، یا خود اپنے الفاظ میں بھی

---

[5] گنتی ۱۵:۳۷تا۴۱

[6] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص۵۸

کی جاتی ہے۔ ٹیفیلاہ کی اہمیت یہ ہے کہ یہ عبادت کا ایک اہم جزو ہے جو یہودیوں کے لیے دینی زندگی کا اہم حصہ بنا ہوا ہے، جو یہودیوں کے لئے روزانہ کی زندگی کے مختلف حالات میں ان کی روحانیت اور تقوی کو بڑھاتا ہے۔

یہودی مذہبی ادب میں نماز کے احکام

کتاب استثناء کے مطابق "خدا کی عبادت اپنے دل و جان سے کرو"۔[7]

موسی بن میمون لکھتا ہے

جو عبادت حضور قلب سے کی جائے یہی نماز ہے۔ تو نماز کو بوداشبالو بھی کہا گیا یعنی صدق دل سی ہی عبادت۔[8]

موسی بن میمون نے نماز کو تورات کی عبادات کا خراج عقیدت قرار دیا ہے۔ لیکن اوقات و تعداد کا ذکر نہیں کیا۔ خواتین کے لیے فرض نمازوں میں سے ترجیحا نماز صبح واجب اولی ہے اور اسے ادا کرنا لازم ہے جبکہ باقی اختیاری ہیں۔ جبکہ باقی نمازوں کی ادائیگی یا ان میں شرکت سے خواتین کو استثنی حاصل ہے اور قابل معافی گردانا گیا ہے۔

تالمود میں تین نمازوں کی فرضیت کے بارے میں دو استدلال بیان ہوئے ہیں؛

ہر نماز قدیم ہیکل سلیمانی میں ایک قربانی کے برابر ہے۔ اور مثل غسل بپتسمہ ہیں کہ ایک وقت صبح اور ایک عصر کے وقت اور اسی طرح نماز شب کہ مثل غسل بپتسمہ جو دن بھر کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔

---

[7] استثنا 13:11

[8] میمون، مشناہ تورہ 1:1

اور یہ نمازیں تمہارے بادشاہ باپوں کی یادگاریں ہیں۔ تورات کے مطابق ابراہیم صبح کی نماز پڑھتے تھے، اسحق عصر کی نماز پڑھتے تھے اور یعقوب رات کی نماز پڑھتے تھے۔ اس نکتہ نظر پر تکیہ کرنے کے علاوہ بھی نمازوں کی ادائیگی اور ان کے اوقات اور نماز موساف اس سے پہلے کے نوشتہ جات میں بھی موجود اور تشریح شدہ ہیں۔

داؤد اور دانیال بھی دن میں تین مرتبہ نماز پڑھتے تھے۔

مزامیر داؤد میں لکھا ہے :"صبح اور عصر اور رات کو عبادت کرتا ہوں اور التجا کرتا ہوں بی شک وہ دعاؤں کو سننے والا ہے۔[9]"

کتاب دانیال میں ہے؛"اس کے حجرے کی کھڑکی یروشلیم کی جانب کھلی رہتی تھی اور وہ دن میں تین مرتبہ عبادت کے لیے خدا کے حضور جھکتا تھا اور وہ شکر گزار تھا پس خدا نے ہمیشہ اسے سرفراز کیا۔[10]"

راسخ العقیدہ یہودیوں کے مطابق فقہ ہلاخاہ یہود کا تقاضا ہے کہ ہر یہودی دن میں تین بار نماز ادا کرے اور سبات (سبت کی جمع یعنی ہفتہ) اور ایام مقدسہ میں چار بار اور یوم الغفران (یوم کپور) کو پانچ بار نماز ادا کرے۔ راسخ العقیدہ یہودیوں میں خواتین پر ایک نماز لازم ہے لیکن تعین وقت میں رعایت ہے۔ رجعت پسند یہودی بھی نمازوں کی مقررہ تعداد کو واجب العین سمجھتے ہیں۔ سال دو ہزار میں یہ قرار دیا گیا کہ ماسوائے روایتی مستثنیٰ لوگوں اور گروہوں کے خواتین بھی تعداد اور اوقات میں مردوں کے برابر نمازیں ادا کیا کریں گی۔ اصلاح پسند یہودیت میں ہلاخاہ فرض نہیں گردانا جاتا اور نمازوں کے اوقات کو اختیاری قرار دیا جاتا ہے۔

یہودیت میں اکثر اعمال کی قرأت بآواز ایک خاص لے میں کی جاتی ہے جسے 'نیگون' کہا جاتا ہے۔ ہر کنیسہ میں ایک قدرے کم بلند چبوترا موجود ہوتا ہے جس پر کھڑے ہو کر یہ مناجات پڑھی جاتی ہیں۔

---

[9] مزامیر 18:15

[10] دانیال 11:6

موجودہ مشرقی یہودی جن کی زبان یدیش ہے، داون Daven کہتے ہیں جس کے معنی بھی نماز پڑھنے کے ہی ہیں۔ راسخ العقیدہ اشکنازی یہودیوں میں یہی لفظ زیادہ مستعمل ہے۔

سیناگاگ:عبادت گاہ/کنشت(Synagogue)

یہودیوں کی عبادت گاہ سیناگاگ کہلاتی ہے۔ انگریزی لفظ "Synagogue" یونانی لفظ Synagoge سے ماخوذ ہے جس کا مطلب اجتماع ہے۔ سیناگاگ کے اصل معنی "یہودی مجالس عبادت کے ہیں۔ اس سے مراد ان کی سپریم مذہبی کانسل بھی لی جاتی ہے۔ یہ دراصل ایک اجتماع ہی ہے۔ جہاں کہیں تورات کا نسخہ موجود ہو اور دس بالغ یہودی مرد ہوں وہاں سیناگاگ کا قیام ممکن ہے۔ سیناگاگ میں جانے کے خاص آداب ہوتے ہیں۔ شروع میں سر پر ٹوپی پہن کر جانا ضروری تھا لیکن جدید دور میں ننگے سر جانے کی اجازت ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اور ایتھکس کا مصنف لکھتا ہے:

"سیناگاگ مذہبی ادارے کی حیثیت سے ہیکل کی تباہی اور اس کے نتیجے میں قربانیوں پر مشتمل عبادت سے انقطاع سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا۔ اس ادارے نے اس اشد مذہبی ضرورت کو پورا کیا۔"

یہودیوں کا سب سے بڑا اور قدیم معبد یروشلم میں تھا، جس کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو مضبوط بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا۔ یہ معبد نہایت ہی خوبصورت تھا، جس میں قیمتی پتھر لگے ہوئے تھے۔ اس میں ایک تابوت رکھا ہوا تھا، جو صدیوں سے متبرک سمجھا جاتا تھا۔

فلسطین سے باہر جو یہودی آباد تھے انہوں نے اپنے لیے علیحدہ عبادت گاہیں بنالیں جنہیں "صومعہ" کہا جاتا ہے۔ مختلف جگہوں پر یہودی وقتاً فوقتاً جمع ہو کر عبادت کرتے۔ یہاں عبادت کے علاوہ مذہبی قوانین کی درس و تدریس کا انتظام بھی تھا۔ یہاں کا امام عوام سے منتخب ہوتا جو قوانین موسوی پڑھ کر سناتا تھا۔

فلسطین سے جلاوطنی اور علیحدگی کے بعد یہودیوں میں ایک اور عقیدہ پیدا ہو گیا کہ یہودیت کی بقا کے لیے فلسطین سے وابستگی ضروری نہیں اور دوسرے ممالک میں یہودیت فروغ پا سکتی ہے، چنانچہ جب رومی بادشاہ ٹائٹس (Titus) نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو یہودیوں کا ایک مذہبی رہنما وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے جانبیہ کے مقام پر ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسے نے یہودیوں میں امید کی کرن پیدا کی۔ مدرسہ جانبیہ میں یہودی مذہب کی تمام روایات کو جمع کیا گیا، جو تلمود کی شکل میں سامنے آئیں۔

اس مدرسے کی طرز پر کچھ اور مدرسے بھی تعمیر ہوئے جو گلیلی اور بابل میں تھے۔ ان مدارس میں ہی یہودی علماء نے کتب مقدسہ کی تحقیق کی اور ان کی زمانے کے تقاضوں کے مطابق تفسیریں لکھیں۔

قوانین خوردونوش (Dietary Laws)

کشروت (Kashrut) یہود کے مذہبی قوانین خورد ونوش کے مجموعہ کو کہتے ہیں، وہ کھانے جو ہلاخا کے مطابق حلال ہیں انھیں کوشر (kosher) کہا جاتا ہے۔ اسلام کی طرح یہود میں بھی حلال اور حرام چیزوں میں فرق کا تصور موجود ہے۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

- یہودی قانون میں گائیں، بکری، بھینس، مچھلی کا گوشت حلال ہے جبکہ خنزیر اور شل مچھلی (shellfish) کا گوشت حرام ہے۔
- کشروت میں جانور کے حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جگالی کرتا ہو اور اس کے سم پھٹے ہوئے ہوں، جیسے اونٹ کے سم پھٹے ہوئے نہیں ہوتے اس لیے وہ کشروت میں جائز نہیں ہے۔
- جل تھلیل جیسے کہ مینڈک کشروت میں مکمل طور پر حرام ہے۔
- تقریباً تمام حشرات کشروت میں ممنوع ہیں۔ صرف ٹڈوں کی کچھ اقسام جائز ہیں تاہم یہ بھی زیادہ تر یہودی نہیں کھاتے کیونکہ یقین سے نہیں جانتے کہ کونسی اقسام جائز ہیں اور کونسی نہیں، ماسوائے یمنی یہودیوں کے جو ٹڈے کھاتے ہیں۔

- یہودی زبانی قوانین کے مطابق تمام مچھلیاں جن کے چانے ہوں، ان کے پر بھی ہوتے ہیں اور یوں چانوں والی تمام مچھلیاں کشروت ہو جاتی ہیں جس کے باعث یہ قانون ذبیحہ حلال جیسا ہو جاتا ہے۔ کشروت میں خول والے سمندری جانور جیسے کہ جھینگے اور لابسٹر ممنوع ہیں۔
- جیلاٹن صرف اس صورت میں جائز سمجھا جاتا ہے اگر اسے جائز جانوروں سے تیار کیا گیا ہو۔ کوشر جیلاٹن عموماً کوشر مچھلیوں کی ہڈیوں یا سویابین وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔
- کشروت میں تمام قسم کی الکوحل جس میں غیر کشروت اجزاء شامل نہ ہوں جائز ہے۔ انگور کی شراب اور رس کے متعلق ایک اضافی قانون یہ ہے کہ ان کی تیاری کشروت قوانین کے تحت کسی یہودی کی نگرانی میں ضروری ہے۔ غیر یہودیوں کی تیار کردہ انگور کی شراب یا رس ناجائز ہیں۔

یہودی رسومات اور تہواروں کی اہمیت

ایک مذہبی یہودی کی ساری زندگی مختلف رسومات میں منقسم ہے جو اس کی پیدائش سے لے کر اس کے مرنے کے بعد تک جاری رہتی ہیں۔

ربی تو ویالیون نے مشناء کی تشریح کرتے ہوئے زندگی کا خلاصہ درج ذیل لفظوں میں بیان کیا ہے:

כב

הוּא הָיָה אוֹמֵר: בֶּן חָמֵשׁ שָׁנִים לְמִקְרָא, בֶּן עֶשֶׂר שָׁנִים לְמִשְׁנָה, בֶּן שְׁלֹשׁ עֶשְׂרֵה לְמִצְוֹת, בֶּן חֲמֵשׁ עֶשְׂרֵה לְגְמָרָא, בֶּן שְׁמוֹנָה עֶשְׂרֵה לְחֻפָּה, בֶּן עֶשְׂרִים לִרְדּוֹף, בֶּן שְׁלֹשִׁים לְכֹחַ, בֶּן אַרְבָּעִים לְבִינָה, בֶּן חֲמִשִּׁים לְעֵצָה, בֶּן שִׁשִּׁים לִזְקָנָה, בֶּן שִׁבְעִים

לְשִׁיבָה, בֶּן שְׁמוֹנִים לִגְבוּרָה, בֶּן תִּשְׁעִים לָשׁוּחַ, בֶּן מֵאָה כְּאִלּוּ מֵת וְעָבַר וּבָטֵל מִן הָעוֹלָם.[11]

He would also say: Five years is the age for the study of Scripture. Ten, for the study of Mishnah. Thirteen, for the obligation to observe the mitzvot. Fifteen, for the study of Talmud. Eighteen, for marriage. Twenty, to pursue [a livelihood]. Thirty, for strength. Forty, for understanding. Fifty, for counsel. Sixty, for sagacity. Seventy, for elderliness. Eighty, for power. Ninety, to stoop. A hundred-year-old is as one who has died and passed away and has been negated from the world.

پانچ سال کی عمر میں مقدس کتب کی پڑھائی، دس سال کی عمر میں مشنا کی پڑھائی، تیرہ سال کی عمر میں وصیتوں کی پیروی، پندرہ سال میں تلمود کی پڑھائی، اٹھارہ سال میں شادی، بیس سال میں ملازمت، تیس سال میں قوت کا عروج، چالیس سال میں دانائی، پچاس میں صلاح دینے کے قابل، ساٹھ میں بڑھاپا، ستر میں سالوں سے بھرپور ،اسی میں "ہمت" کی انتہاء نوے میں خم رسیدہ، سو سال میں مردے کی مانند اور اس دنیا سے کوچ۔

یہودی تہذیب و ثقافت کی تعریف کرنا بھی ایک مشکل مرحلہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنی چار ہزار سالہ تاریخ میں بہت کم خود مختار زندگی گزاری ہے۔ یہ جس قوم یا مذہب کے تحت رہے وہاں کی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہوتے رہے۔ اس لیے یہودیوں کی تہذیب کو تاریخ سے تلاش کرنا ایک دشوار عمل ہے جس میں غلطیوں کی گنجائش بدرجہ اولیٰ موجود ہے۔ یہودی مصنفین نے اپنی تہذیب و ثقافت پر جو کتب تحریر کی ہیں وہ بھی زیادہ تر ان کی تاریخ ہی کو تہذیب کی چادر میں لپیٹ کر بیان کرتی ہیں۔ ان کتب سے یہودی تہذیب کی پیچیدگیوں

[11] Meir Ben Tovia Lyon, The Book of Fathers' Mercy (Commentary on the chapters of ancestors), National Library of Israel, Publisher S. P. Garhaer printing press, 1909, P. 115

اور موضوع کی وسعت کا علم تو ہوتا ہے تاہم اس عمل کی فلسفیانہ موشگافیوں میں تہذیب و ثقافت کا عملی بیان ثانوی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔[12]

یہودیوں کے ہاں مختلف قسم کے رسوم اور تہوار ہیں جنہیں یہودی بہت اہتمام سے مناتے ہیں۔ یہ تہوار یہودی کیلنڈر کے مطابق منائے جاتے ہیں۔ ان تہواروں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

عید الفصح (Passover/ Pesach) پیساک کا تہوار

پیساک (Pesach): پیساک کا تہوار اسرائیلیوں کی قدیم مصری غلامی سے نجات کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ ہر برس عبرانی مہینے، نسان یا مارچ، اپریل میں سات روز تک اس کی تقریبات جاری رہتی ہیں۔ پیساک کی پہلی دو راتوں میں سیڈر کے کھانے کا اہتمام ہوتا ہے، جب کہ تہوار کے پہلے دو اور آخری دو دنوں میں مکمل تعطیلات ہوتی ہیں۔ ان چھٹیوں کے دَوران رات کو خصوصی طور پر موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔ جس کے بعد ریڈ سمندر کی تقسیم کی یاد میں تقریب ہوتی ہے۔ پیساک کے دنوں میں سفر، لکھنے یا برقی آلات استعمال کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی اور کھانا پکانے یا باہر جانے کی بھی اجازت ہوتی ہے، جب کہ سبت کے موقعے پر ان چیزوں پر پابندی ہوتی ہے۔

یہ یہودیوں کا اہم تہوار ہے جو آٹھ دن چلتا ہے۔ اس تہوار کو پیساک بھی کہا جاتا ہے۔ یہودی کیلنڈر کے مطابق یہ تہوار بہار کے موسم (مارچ، اپریل) میں آتا ہے۔ یہ اسرائیلیوں کی مصری غلامی سے نجات کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس میں کھانے کی ایسی چیزیں تیار کی جاتی ہیں مثلاً بغیر خمیر کی روٹی، تلخ سبزیاں اور سالم بھنا گوشت وغیرہ، جس سے سفر کی یاد تازہ ہو جائے۔ جب بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کا حکم دیا گیا تو اس وقت ان پر توریت میں پابندی لگائی گئی کہ وہ سب سات روز تک بے خمیری روٹی کھائیں۔ اس کے ساتھ ہی توریت میں یہ حکم ہے کہ "اس دن کو ہر سال عید سمجھ کر منانا اور ہمیشہ ایسا کرنا"۔[13] پیساک کی پہلی دو راتوں میں یہودی خاندان ایک رسمی کھانے Seder

---

[12] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص۱۵۸

[13] خروج، 15:12

کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ خروج سے منسلک خوراک کھائی جاتی ہے اور خاندان کے تمام افراد خروج کی یاد گیری والی رسم میں شامل ہوتے ہیں۔

پینٹی کوسٹ / ہفتوں کا تہوار (Pentecost/ Shavuot)

ہفتوں کا تہوار (Shavuot): شیوت، عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی "ہفتوں" کے ہیں۔ یہ پیساک کے پچاس دنوں کے بعد، سیوان (مئی، جون) میں منایا جاتا ہے۔ عہد نامہ جدید میں اس تہوار کو پینٹی کوسٹ کہا جانے لگا۔ دراصل، یہ تہوار ایک طرح سے گندم کی فصل کے اختتام کا اعلان ہوتا ہے۔ بعد ازاں اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ سینا پر مقدس تختیاں ملنے سے منسلک کر دیا گیا۔ اس تہوار کے موقع پر یہودی راہب گندم کی دو خمیر روٹیاں پکواتے ہیں، پھر سات بھیڑیں، یا ایک بیل یا دو دنبے ذبح کرتے ہیں جس سے غریب مستحقین کی دعوت کی جاتی ہے۔ عبادت گاہوں میں اس روز خاص عبادت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس موقعے پر گھروں اور عبادت گاہوں کو پھولوں اور پودوں سے سجایا جاتا ہے۔

یہ ایک زرعی تہوار کے طور پر شروع ہوا، لیکن اب اسے دیگر یہودی تہواروں کی طرح بھرپور طریقے سے منایا جاتا ہے۔ اس موقعے پر گھروں کو پھولوں سے سجایا جاتا ہے۔ یہ تہوار پیساک کے پچاس دنوں کے بعد، سیوان (مئی، جون) کے چھٹے اور ساتویں روز منایا جاتا ہے۔ دراصل، یہ تہوار ایک طرح سے گندم کی فصل کے اختتام کا اعلان ہوتا ہے۔ شیوت کو کئی ناموں سے جانا جاتا ہے، جیسے چگ ہاساویوٹ (ہفتے کے فیسٹیول)، چگ حبیکر کر (پہلے پھل کی دعوت)۔ اس تہوار کو واقعۂ خروج سے بھی منسلک کیا جاتا ہے۔

یوم السبت (Sabbath/ Shabbath)

سبت (Shabbat): یہودیت اور بعض عیسائی فرقوں میں سبت عبادت کا دن ہے۔ اسے یہودیوں کے مقدّس دنوں میں سب سے اہم ترین دن سمجھا جاتا ہے۔ سبت، جمعہ کے روز غروبِ آفتاب سے شروع ہو کر اگلے روز

غروبِ آفتاب تک جاری رہتا ہے۔ یہ دن روایتی طور پر تین ضروری کھانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ غیر آرتھوڈوکس یہودیوں کے لیے جمعے اور ہفتے کی درمیانی رات کا کھانا سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور وہ اس کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ اس کھانے کا آغاز چالہ روٹی سے ہوتا ہے، جو برکت کے طور پر کھائی جاتی ہے۔ سبت کو امن اور پاکیزگی کا دن سمجھا جاتا ہے۔ اس روز روایتی طور پر اچھے کپڑے پہننے کو اہمیت دی جاتی ہے اور بعض لوگ، پاکیزگی کی علامت کے طور پر سفید کپڑے پہنتے ہیں۔ جمعے کی رات کو گھر میں موم بتیوں کو روشن کیا جاتا ہے اور صبح سویرے عبادت گاہوں کا رُخ کیا جاتا ہے، جہاں اس دن کی مناسبت سے خصوصی عبادات کی جاتی ہیں۔ نیز، سخت نظریات کے حامل یہودی اس روز تمباکو نوشی، آتش بازی، محنت مزدوری اور گاڑیوں میں سفر کرنے سے منع کرتے ہیں۔

یہودیوں کے مقدس دنوں میں اہم اور ممتاز ترین دن سبت ہے۔ یہودیت نے دنیا کو ہفتے کے چھ دن کام اور ساتویں دن عبادت اور آرام کے لیے مخصوص کر دینے کی تعلیم دی۔ سبت کا حکم موسوی شریعت کے اہم ترین حصہ احکام عشرہ میں موجود ہے۔ اس کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ خداوند نے کائنات بناتے ہوئے ساتویں دن آرام کو مختص کیا تھا، اسی لیے اس دن کام کاج نہیں کرنا چاہیے۔

عبرانی بائیبل کے مطابق

خدا نے چھ دن میں دنیا تخلیق کی اور ساتویں دن آرام کیا۔ اس نے "ساتویں دن کو برکت دی اور اس کو مقدس دن قرار دیا۔[14]

کتاب تالمود میں لکھا ہوا ہے کہ سبت کے دن جمعہ کی شام سینی گاگ سے واپسی کے وقت نیکی اور بدی کے دو فرشتے یہودی فرد کے ساتھ اس کے گھر آتے اور اس کی جانب سے کی گئی سبت کی تیاریوں کا جائزہ لیتے ہیں اگر وہ گھر میں ہر تیاری کو درست پاتے ہیں تو نیکی کا فرشتہ اس کے حق میں یہ دعا کرتا ہے کہ خدا تیرے اگلے سبت کو بھی اس طرح خوبصورت کر دے اس کے جواب میں بدی کا فرشتہ آمین کہتا ہے اور اگر فرشتے اس کے گھر میں سبت کی تیاری میں کوتاہی محسوس کرتے ہیں تو بدی کا فرشتہ اس کی بدنصیبی کے لیے دعا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خدا کرے تیرے

[14] پیدائش ۲:۲

اگلے ہفتے کا سبب بھی اسی طرح بیکار ہو اس کے جواب میں بھی نیکی کا فرشتہ آمین کہتا ہے۔ سینی گاگ سے واپسی کے بعد تمام گھر والے سبت کی میز کے گرد جمع ہو کر ایک بار پھر سبق کا وہ ترانہ گاتے ہیں جس میں فرشتوں کو خوش آمدید کہا جاتا ہے اور ان کے ذریعے اپنے لیے برکتوں کی دعا مانگی جاتی ہے۔[15]

سبت جمعہ کو غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور ہفتہ کو غروب آفتاب تک جاری رہتا ہے۔ اس تہوار میں ہر یہودی کی شرکت ضروری ہے۔ روایتی اعتبار سے ہفتہ کا بہترین کھانا جمعہ کی شام کو پیش کیا جاتا ہے۔ ہفتہ کے دن سب یہودی اپنے کاروبار بند رکھتے ہیں۔ راسخ العقیدہ یہود اس روز دنیاوی کاموں سے دور رہتے ہیں اور سارا دن عبادت و مراقبہ میں مشغول رہتے ہیں۔

جمعہ کا اہم ترین حصہ عشائیہ ہے جس میں عمدہ کھانوں سے مزین میز سجائی جاتی ہے۔ قدیش پڑھنے کے ساتھ کھانا شروع کیا جاتا ہے۔ یہودیت میں شراب نوشی کو خوشی اور تسکین کی علامت سمجھا جاتا ہے لہذا کھانے کی میز پر اس کا ہونا ضروری ہے۔ بیشتر عبادات اور تہواروں میں اس کا استعمال ضرور کیا جاتا ہے۔ گھر کا بڑا شراب کا جام ہاتھ میں پکڑ کر گیت گاتا ہے۔ خاوند، عبرانی بائیبل سے کچھ آیات لے کر اپنی بیوی کی تعریف کرتا ہے اور بچوں کو پیار کرتا ہے۔ ایک مخصوص سفید روٹی توڑ کر کھانے کا آغاز کیا جاتا ہے۔ دن کا اختتام مذہبی دعائیں، مناجات اور گانے گا کر خوشی خوشی کیا جاتا ہے۔ ہفتے کے دن کا سب سے اہم کام توریت کا ہفتہ وارانہ سبق ہوتا ہے جو تمام یہودیوں کے لیے پڑھا جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس دن کا ایک حصہ عبادات میں اور ایک حصہ مطالعے میں صرف کیا جائے۔ تاہم دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کا وقت لوگ اپنی مرضی سے گزارتے ہیں۔ کتابیں پڑھنا، گھومنا پھرنا، آرام کرنا یا دوستوں سے ملنا یہ ان کی مرضی ہوتی ہے۔ تقریباً عصر کے وقت توریت کی مختصر تلاوت کی جاتی ہے اور ہلکے پھلکے کھانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ کھانے جمعہ کے دن ہی تیار کر لیے جاتے ہیں کیونکہ یہودی سبت کے دن شرعی طور پر آگ نہیں جلا سکتے۔ ہفتے کی شام جب آسمان پر تین ستارے دکھائی دینے لگتے ہیں تو سبت کا اختتام ہو جاتا ہے اور

---

[15] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۷۵، ۷۶

ایک سے زائد شعلوں والی شمع روشن کی جاتی ہے جو اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ اب گھر میں آگ جلائی جاسکتی ہے۔ سبت کا اختتام بھی دعاؤں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔[16]

موسیٰ میمونائیڈز لکھتے ہیں۔

The God commanded us to abstain from work on the Sabbath, and to rest, for two; namely. (1) That we might confirm the true theory, that of the Creation, which at once and clearly leads to the theory of the existence of God. (a) That we might remember how kind God has been in freeing us from the burden of the Egyptians.Sabbath is therefore a double blessing it give us correct notions and also promotes the well-being of our bodies [17].

خُدا نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سبت کے دن کام سے پرہیز کریں، اور آرام کریں، دو کے لیے؛ یعنی (اول) تاکہ ہم حقیقی نظریہ یعنی تخلیق کے نظریہ کی تصدیق کر سکیں، جو یکدم اور واضح طور پر خدا کے وجود کے نظریہ کی طرف لے جاتا ہے۔ (دوم) تاکہ ہم یاد رکھیں کہ خدا نے ہمیں مصریوں کے بوجھ سے آزاد کرنے میں کتنا مہربان ہے۔ اس لیے سبت کا دن ایک دوہری نعمت ہے جو ہمارے خیالات کو درست کرتا ہے اور ہمارے جسم کی فلاح و صحت کا سبب بنتا ہے۔

عصر حاضر میں زیادہ تر اصلاح شدہ اور رجعت پسند یہودی سبت کی بیشتر پابندیوں کا خیال نہیں رکھتے۔ البتہ یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ اس دن مکمل آرام کیا جائے اور خدا، خاندان اور دوستوں کے ساتھ ایک خوشگوار وقت گزارا جائے۔ روایتی طور پر سبت سے قبل تمام گھریلو کام مکمل کر لیے جاتے ہیں۔ عبرانی بائیبل کے مطابق سب سے پہلا کام جو خدا نے تخلیق کے دوران کیا تھا وہ روشنی کرنے کا تھا.[18]

---

[16] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۶۴

[17] Moses Maimonides, The Guide for the Perplexed, Cornell University, G. Routledge & Sons, 1910, P. 219

[18] پیدائش ۱:۳

اس وجہ سے یہودی شمعیں جلا کر سبت کا باقائدہ آغاز کرتے ہیں اور خالق اور تخلیق کو یاد کرتے ہیں۔ سبت کی شروعات دعاؤں سے ہوتی ہے جو زیادہ تر زبور سے لی جاتی ہیں۔ باقاعدہ عبادت کا اہتمام سینا گاگ میں کیا جاتا ہے جس میں اجتماعی دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور سبت کی مبارک باد دی جاتی ہے جسے "شبت شلوم" کہتے ہیں۔ عبرانی زبان کا لفظ "شلوم" عربی لفظ سلام ہی کی طرح ہے جس کا مطلب "امن" ہے۔ اصلاح شدہ یہودی یہ عبادات رات کو تاخیر سے شروع کرتے ہیں تاکہ ملازمت پیشہ لوگ بھی بآسانی اس تہوار میں شرکت کر سکیں۔ تاخیر سے شروع کی جانے والی یہ عبادات اپنی نوعیت میں زیادہ رسمی ہوتی ہیں جن میں ربی کا وعظ بھی ہوتا ہے، موسیقی بھی اور کھانے کا اہتمام بھی۔ عبادات کے بعد لوگ دوستوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں، ایک دوسرے کو اس تہوار کی مبارک باد دیتے ہیں اور طنز و مزاح کی محفل سجاتے ہیں۔[19]

سبت کی میز کے گرد بیٹھ کر شوہر اپنی بیوی کی تعریف میں وہ آیات پڑھتا ہے جو عہد نامہ قدیم کتاب امثال باب ۳۱ آیات ۱۰ تا ۳۱ میں درج ہیں ان آیات میں یہودی شوہر اپنی بیوی کے کمالات، ہنر مندی، محبت، گھر داری، مذہبیت اور سلیقہ شعاری کی دل کھول تعریف کرتا ہے۔ سبت کے کھانے سے پہلے والدین بچوں کے لیے برکت کی دعا مانگتے ہیں بچوں کا باپ بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ تم یوسفؑ کے بیٹوں اور یعقوبؑ کے پوتوں کی مانند بن جاؤ کیونکہ اپنی مقدس سرزمین کے باہر یعنی مصر میں پیدا ہونے والے اگرچہ وہ پہلے یہودی بچے تھے لیکن اس کے باوجود ان پر مصری تہذیب و ثقافت کا مطلق اثر نہیں پڑا تھا۔ یہودی بچیوں کے لیے بھی اس قسم کی دعا مانگی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں (تم بھی سارہ، لیحا اور راشیل کی مانند ہو جاؤ) یہ وہ خواتین ہیں جنہوں نے یہودی بچوں کی پرورش کے لیے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔[20]

---

[19] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۶۳، ۱۶۴

[20] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۷۶، ۷۷

روش ہشنہ (Rosh Hashanah)

"روش ہشنہ" کے لفظی معنی "سال کا آغاز" کے ہیں۔ اسے یہودیوں کا نیا سال بھی کہا جاتا ہے۔ اس تہوار کا آغاز، مدّتِ استغفار سے ہوتا ہے، جس کی عبادت 10 دن پر محیط ہوتی ہے۔ یہ تہوار بنیادی طور پر توبہ اور استغفار کا تہوار ہے۔ اس موقعے پر دنیا بھر کے یہودی اپنی عبادت گاہوں کا رُخ کرتے ہیں۔ اس تہوار کا اختتام، اگلے روز "یومِ کفارہ" پر ہوتا ہے، جو انتہائی مقدّس دن کہلاتا ہے۔ یہ تہوار، تشرے (ستمبر یا اکتوبر) کی پہلی اور دوسری تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ روایت کے مطابق روش ہشنہ کے دن " تخلیق " کے بھی اولین دن تھے۔ سال نو میں خصوصی دعاؤں اور آنے والے سال کے لیے اچھی امیدوں کے ساتھ یہودی ایک دوسرے کو سیب اور شہد چکھا کر نئے سال کی مبارک باد دیتے ہیں۔

ایڈم آگسٹین، انسائکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں لکھتے ہیں۔

Rosh Hashana, a major Jewish observance now accepted as inaugurating the religious New Year on Tishri 1 (September or October). Because the New Year ushers in a 10-day period of self-examination and penitence, Rosh Hashana is also called the annual Day of Judgment; during this period each Jew reviews his relationship with God, the Supreme Judge. A distinctive feature of the liturgy is the blowing of the ram's horn (shofar) as prescribed in Numbers 29:1; the notes of the shofar call the Jewish people to a spiritual awakening associated with the revelation to Moses on Mount Sinai. During the Additional Service in the synagogue, the shofar is sounded after the recital of each of three groups of prayers[21].

روش ہشنا، ایک اہم یہودی تہوار اب تشری 1 (ستمبر یا اکتوبر) کو مذہبی نئے سال کے افتتاح کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ چونکہ نیا سال 10 دن کی خود کی جانچ اور توبہ کی مدت میں شروع ہوتا ہے، روش ہشانا کو یومِ جزا بھی کہا جاتا ہے۔ اس مدت کے دوران ہر یہودی خدا کے ساتھ اپنے تعلقات کا جائزہ لیتا ہے، سپریم جج۔ عبادت کی ایک

[21] https://www.britannica.com/topic/Rosh-Hashana Accessed on 25 december, 2023

مخصوص خصوصیت مینڈھے کے سینگ (شوفر) کا پھونکنا ہے جیسا کہ گنتی 29:1 میں بیان کیا گیا ہے۔ شوفر کے نوٹ یہودی لوگوں کو ایک روحانی بیداری کی طرف بلاتے ہیں جو کہ کوہ سیناپر موسیٰ پر وحی سے وابستہ ہے۔ عبادت گاہ میں اضافی خدمت کے دوران، نماز کے تین گروہوں میں سے ہر ایک کی تلاوت کے بعد شوفر بجائی جاتی ہے۔

روش ہشانہ نئے یہودی سال کا تہوار ہے جو تشری / تسری کے پہلے اور دوسرے دن منایا جاتا ہے۔ تشری قدیم یہودی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے جبکہ موسموں کے مطابق نسان پہلا مہینہ ہے۔ دس دن جاری رہنے والا یہ تہوار یہودیوں کے لیے غور و فکر اور معافی کا موقع ہوتا ہے جس وجہ سے ان دنوں کو "یامیم نورائیم "یعنی "ہیبت کے ایام" بھی کہا جاتا ہے۔ یہودی گزرے سال پر غور کرتے ہیں کہ وہ کیسے گزارا، ان سے کیا گناہ سرزد ہوئے اور کیسے ان گناہوں کی تلافی ممکن ہے۔ روش ہشانہ کی تیاری اس سے پہلے والے ہفتے ہی شروع کر دی جاتی ہے اور آدھی رات کو اٹھ کر خدا سے معافی مانگی جاتی ہے۔ ایسا کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ معافی مانگنے اور بخشے جانے کے لیے یہودی کسی قدر مشتاق ہیں۔[22]

ایڈم آگسٹین، انسائکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں لکھتے ہیں۔

Rosh Hashana is also known as the Day of Remembrance, for on this day Jews commemorate the creation of the world, and the Jewish nation recalls its responsibilities as God's chosen people. [23]

روش ہاشنا کو یومِ یاد کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، کیونکہ اس دن یہودی دنیا کی تخلیق کی یاد مناتے ہیں، اور یہودی قوم خدا کے چنے ہوئے لوگوں کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کو یاد کرتی ہے۔

برکت کے لیے سیناگاگ میں توریت کے طومار اور اس سے متعلقہ چیزوں کو سفید کپڑے میں لپٹایا جاتا ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ سال کے پہلے دن تمام انسان خدا کے سامنے پیش ہوتے ہیں جن میں سے کچھ کو اچھا اور کچھ کو برا نامزد کر دیا جاتا ہے۔ ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اچھے اور برے کے درمیان ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس قدر ہو سکتا ہے خدا سے معافی مانگیں تاکہ یوم کپور آنے سے پہلے پہلے خدا

---

[22] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۷۰، ۱۷۱

[23] https://www.britannica.com/topic/Rosh-Hashana Accessed on 25 december, 2023

کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ اس دن یہودی ایک دوسرے کو نئے دن کی مبارک اور دعا دیتے ہیں کہ نیا سال ان کے لیے اچھا ہو۔ روش ہشانہ اور یوم کپور کے درمیان آنے والے سبت کو بھی تاسف کا سبت سمجھا جاتا ہے۔ اس سبت کی عمومی عبادات میں توبہ و استغفار سے متعلق دعاؤں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

روش ہشنا کی پہلی رات کو نئے سال کا رواج یہ حکم دیتا ہے کہ خوش قسمتی کے شگون کے طور پر اچھے پکوان تیار کیے جائیں۔ اگلی رات کو روٹی اور پھل، شہد میں ڈبو کر، حسب معمول کھایا جاتا ہے، اور ایک خاص دعا کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ روش ہاشناواحد تہوار ہے جو اسرائیل میں دو دن تک منایا جاتا ہے۔[24]

روش ہشانہ کی شام کے کھانے سے پہلے یا بعد سینا گاگ میں ایک عبادت منعقد کی جاتی ہے۔ اگلے دن تقریب کا آغاز ناشتے سے ہوتا ہے۔ شمعیں روشن کی جاتی ہیں اور شراب پر قدیش کا ورد ہوتا ہے۔ پھر یہ دعا پڑھی جاتی ہے کہ "خدا کرے یہ تمہاری مرضی ہو، اے خداوند خدا ہمارے خدا کہ ایک نئے اور میٹھے سال کے لیے ہمارا احیا ہو" اور سیب کو شہد میں ڈبو کر کھایا جاتا ہے۔ دو دن تک سینا گاگ میں ایک طویل عبادت منعقد کی جاتی ہے (لبرل یہودی صرف ایک دن عبادت کرتے ہیں)۔ اس دن لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے بھیڑ کا سینگ جسے "شوفر" کہتے ہیں پھونکا جاتا ہے۔ شوفر کی وجہ سے لوگ روش ہشانہ کو "شوفر پھونکنے کا دن" بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس دن کو "یوم الدین" یعنی "فیصلہ کا دن" بھی کہا جاتا ہے۔ عبادت کا آخری حصہ تین بنیادی اجزا پر مبنی ہوتا ہے:

1. یہ ماننا کہ خدا ہی کائنات کا بادشاہ ہے۔

2. یہ ماننا کہ خدا لوگوں کے اعمال یاد رکھتا ہے اور اچھوں کو جزا اور بروں کو سزا دیتا ہے۔

3. یہ ماننا کہ شوفر کی آواز کے ذریعے خدا نے اپنی مرضی کوہ سینا پر نازل کی اور وہ مسیح موعود کے دور میں دنیا کو مکمل کرنے کے لیے خود کو دوبارہ نازل کرے گا۔ راسخ العقیدہ یہودیوں کے دن کا اختتام عموماً دریا یا ندی کنارے کھڑے ہو کر آب رواں میں روٹی کے ٹکڑے پھینک کر ہوتا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے بہنے والے ٹکڑوں کی طرح گناہ

[24] Rabbi Chaim Miller, Ḥaftarot, Ḳol Menaḥem,Brooklyn, NY, USA. P. 166

بھی دھل گئے ہیں۔ اسے صرف ایک علامتی رسم کے طور پر لیا جاتا ہے حقیقتاً یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اس عمل سے انسان کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔[25]

یوم کپور / یوم کفارہ(Yom Kippur- the day of Atonement)

یوم کفارہ(Yom Kippur): یہودی کیلنڈر میں تشری کا مہینہ سب سے زیادہ مقدّس مہینہ اور یومِ کیپوریا کفارہ کا دن، سب سے مقدّس دن تصوّر کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ یہودیوں کا یومِ عید ہے۔ اس موقعے پر 25 گھنٹوں کا روزہ رکھا جاتا ہے اور جانور کی قربانی کی جاتی ہے، جب کہ گناہوں کی بخشش کے لیے دعائیں کرنے کے ساتھ، خیرات بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ یوم کپور کی بنیاد عبرانی کیلنڈر پر ہے نہ کہ عیسوی کیلنڈر پر اس لیے عیسوی لحاظ سے یہ دن ہر سال مختلف تاریخوں پر آتا ہے اس دن سینی گاگ کو نئے سرے سے درست کیا جاتا ہے اور ہر جگہ سفید رنگ کے پردے اور غلاف لگائے جاتے ہیں ربی بھی اس دن سفید رنگ کے لباس پہنتے ہیں کیونکہ یہ رنگ صفائی ستھرائی اور معافی اور استغفار دونوں کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس رنگ سے دلوں میں اچھی امیدوں کا دروازہ بھی کھلتا ہے۔

اس کا پس منظر یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام کو کوہ سیناپر احکامات عشرہ دیے گئے تھے جہاں وہ 40 دنوں کے لیے گئے تھے لیکن جب آپ واپس لوٹے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خدا کے بدلے بنی اسرائیل گائے پرستی میں مشغول ہو گئے ہیں لہذا انہوں نے اپنی قوم کی بہت ڈانٹ ڈپٹ کی اور انہیں آخرت کے خوف سے متنبہ کیا چنانچہ ان کی تنبیہات کی وجہ سے قوم نے اللہ تعالٰی سے اپنی مغفرت کی درخواست کی جس کے بعد اس نے انہیں معاف کر دیا بعد ازاں حضرت موسی علیہ السلام دوبارہ پہاڑ کی طرف چلے گئے واپسی پر انہوں نے دیکھا کہ ماضی کے برعکس ان کی قوم اب اپنے ایمان میں بہت مضبوط اور مستحکم ہو گئی ہے حضرت موسی علیہ السلام کی دوبارہ واپسی کا یہ دن چونکہ

[25] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۷۱، ۱۷۲

یہودی کیلنڈر کے اعتبار سے تشری مہینے کا دسواں دن تھالہذا اس دن کے بعد سے اس ساتویں مہینے کا دسواں دن پوری یہودی قوم کے لیے شرعی یوم کفارہ بن گیا۔[26]

کتاب احبار میں ذکر ہے: "دھیان رکھو کہ ساتویں مہینے کا دسواں دن کفارے کا دن ہے، تمہارے لئے ایک مقدس اجتماع ہے۔ اس دن تمہیں خاکسار ہونا ہے اور خداوند کو تحفہ پیش کرنا ہے۔[27]

کتاب گنتی میں آیا ہے: "ساتویں مہینے کے اول روز ایک خاص اجلاس ہو گا۔ اس دن تم روزہ رکھو گے اور کوئی کام نہیں کرو گے۔[28]

یوم کپور کو تشری مہینے کے دسویں دن منایا جاتا ہے۔ یہ عموماً ستمبر یا اکتوبر میں آتا ہے۔ عشرۃ التوبہ کے اختتام پر ایک لمبا روزہ ہوتا ہے جو یومِ کپور کی شام سورج ڈوبنے پر شروع ہوتا ہے اور اگلے دن سورج غروب پر کھولا جاتا ہے-اس تہوار کا مقصد سال بھر کی توبہ کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ عشرۃ التوبہ کے دوران انسان انسان سے معافی مانگتا ہے، یومِ کپور توبہ کا آخری موقع ہے جس میں یہودی باجماعت خدا سے معافی مانگتے ہیں، اپنے اعمال کی توبہ کرتے ہیں اور آئندہ سال میں نیکیاں کرنے اور گناہ سے پرہیز کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یومِ کپور کے روزہ میں کھانے، پینے اور ازدواجی تعلقات سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کام سے بھی پرہیز کیا جاتا ہے چونکہ انسان کا تمام وقت کنشت میں گزرتا ہے یا پھر گھر میں بیٹھ کر فرداً یا خاندان کے ساتھ عبادت میں۔

یومِ کپور کی شام کنشت میں گزرتی ہے جہاں ربی "کول نِیدرے" نامی ایک دعا تلاوت سے پڑھتا ہے۔ اس شام میں دوست عزیزوں سے معافی مانگنے کا بھی آخرے موقع ملتا ہے۔ یومِ کپور کی صبح ایک فرد صبح سے شام تک کنشت میں گزارتا ہے جس دوران تورات کے کچھ حصے پڑھے جاتے ہیں اور مزید توبہ کی باجماعت دعائیں کی جاتی

---

[26] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص۸۹

[27] کتاب احبار ۲۳:۲۷

[28] گنتی ۲۹:۷

ہیں۔ اس کے علاوہ اس موقع پر جن دوست عزیزوں کا انتقال ہو چکا ہوتا ہے، ان کی فلاح کی دعا کی جاتے ہے، جس کو کادش کہا جاتا ہے۔اس کے بعد گھر آکر خاندان کے ساتھ یا پھر کنشت ہی میں یوم کپور کا روزہ کھولا جاتا ہے۔[29]

یہودیت میں اگر کسی خاندان میں پہلے بیٹا پیدا ہو تو وہ بچہ پہلوٹھا کہلاتا ہے جس کا کفارہ دیا جانا ضروری ہے۔ کتاب پیدائش میں ذکر ہے "تمہیں اسرائیلیوں میں سے ہر پہلوٹھے مرد کو مجھے دینا چاہیے۔ ہر ایک عورت کا پہلا نر بچہ اور ہر جانور کا پہلا نر بچہ میرا ہو گا۔"[30]

لہذا تاریخی طور پر ہر عورت کا پہلا بیٹا خدا کی نذر ہوتا تھا جس کی قربانی دی جاتی تھی۔ جیسا کہ ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اسحاقؑ کی قربانی دیں۔ یہ قربانی جسمانی طور پر وقوع پذیر نہیں ہوئی تھی اور صرف ایک آزمائش تھی جس پر آپ پورے اترے۔ اس لیے پہلوٹھے کو قربان کرنے کی بجائے اس کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے جس کا حکم کتاب گنتی میں ہے: "جب وہ ایک مہینے کا ہو جائے تب تمہیں ان کے لئے کفارہ لے لینا چاہیے۔ اُس کی قیمت پانچ مثقال چاندی ہو گی۔"[31]

کتاب گنتی کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے راسخ العقیدہ یہودی پیدائش کے ایک ماہ بعد بچے کو سیناگاگ لے جاتے ہیں جہاں اس کا والد کاہن کو بتاتا ہے کہ یہ اس کا پہلوٹھا بیٹا ہے۔ وہ بچہ اور پانچ مثقال (تقریبا96 گرام) چاندی کاہن کو دیتا ہے۔ کاہن بچے کے والد سے پوچھتا ہے کہ اسے بیٹا چاہیے یا چاندی؟ والد کے اثبات کے بعد بچے کو دعاؤں کے ساتھ باپ کے حوالے کر دیا جاتا ہے جس سے کفارے کی رسم طے پا جاتی ہے۔ یہ رسم نہ ہی عورتوں کے دل میں تمنا پیدا کرتی ہے کہ ان کی پہلی اولاد بیٹا ہو تا کہ ان کے شوہر "پیدیون ہابین" یعنی کفارے کی رسم ادا

---

[29] "Yom Kippur." Encyclopedia Britannica. 2008

[30] پیدائش ۱۳:۲

[31] گنتی ۱۸:۱۶

کر سکیں۔ راسخ العقیدہ یہودیوں کے برعکس اصلاح شدہ یہودی اس تقریب کو پسند نہیں کرتے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ ایک پرانی رسم ہے جو کاہنوں کے لیے تھی۔ اس سے بیٹیوں کا استحصال ہوتا ہے۔[32]

اس دن یہودی خدا سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگتے اور ایک مخصوص رسم ادا کرتے ہیں جس کا نام (Kaparot) ہے اس رسم سے یہودیوں کا یہ یاد دلانا مقصود ہوتا ہے کہ ان کی دنیاوی زندگی فانی ہے اور داؤ پر لگی ہوئی ہے نیاز یہ کہ اپنے گناہوں کی بنیاد پر وہ صحیح معنوں میں سزا کے مستحق ہیں لہذا اس کی تلافی کے طور پر یہودی صدقہ و خیرات کرتے اور گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اس بات کا انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کی نیکیاں برائیوں کو ڈھانپ لیں گی اور وہ جو مالی ایثار کریں گے ان کی مغفرت کے لیے وہ معاون اور مددگار ہوں گی۔[33]

روش بشانہ سے دسویں دن یعنی تشری کی دس تاریخ کو منایا جانے والا یہ تہوار کفارے کا دن کہلاتا ہے۔ اسے سال کا مقدس ترین دن سمجھا جاتا ہے۔ یہ روزہ پچیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔ چنانچہ یوم کپور سے پہلے والی شام روزہ رکھا جاتا ہے جو اگلے دن کی شام تک جاری رہتا۔ بچوں اور بیماروں کے علاوہ تمام لوگوں پر یہ روزہ فرض ہے۔ یوم کپور عبادت میں گزارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ازدواجی تعلقات سے مکمل گریز کیا جاتا ہے۔ آرام دہ کپڑوں، زیورات یا میک اپ وغیرہ کا استعمال بھی نہیں کیا جاتا۔ چونکہ اس دن کوئی بھی کام کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے یوم کپور کو "سبت کا سبت" بھی کہا جاتا ہے۔ یہودی خدا سے معافی مانگتے ہیں، اس کی حمد گاتے ہیں اور اپنی ذات میں غور و فکر کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس دن خدا حساب و کتاب کرتا ہے اور اچھے بروں کے متعلق لکھ دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس دن جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو دعا دیتے ہیں کہ ان کا حساب اچھا لکھا جائے۔[34]

یوم کپور کے آغاز سے قبل ایک مذہبی کھانا اتنا ہی ضروری سمجھا جاتا ہے جتنا خود یہ مقدس دن منانا ضروری ہے کھانے کے بعد اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے سینی گاگ میں جانے کے لیے ضروری ہے کہ تمام افراد مخصوص سفید لباس پہنے جسے وہ (kittle) کہتے ہیں اس سے مراد عبادت گزاروں کی پاکیزگی اور نجات ہے چونکہ اس دن چمڑے کے

---

[32] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۶۰، ۱۶۱

[33] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۸۹

[34] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۷۲

جوتوں کا استعمال ممنوع ہے اس لیے مرد و عورت ہر ایک کو ہلکی چپلیں یا نرم جوتے پہننے کی ہدایت کی گئی ہے اس معاملے میں یہودی شریعت میں یہاں تک سختی ہے کہ زیبائش کے طور پر بھی جوتوں چپلوں کے اوپر کسی قسم کا چمڑا لگانا ممنوع ہے niz جوتوں کے تلوں اور ایڑی پر بھی چمڑے کا سول لگانا ممنوع ہے۔(یہودیوں نے بے شمار سختیاں اپنے اوپر از خود عائد کر لی ہیں)۔[35]

یہودی اس دن اپنے نفس کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یوم کپور میں کی جانے والی عبادات صرف خدا اور بندے کے درمیان معافی کے رشتہ کو استوار کرتی ہیں۔ ان عبادات میں خدا کے حقوق تو معاف ہو سکتے ہیں لیکن بندوں کے حقوق نہیں۔ اگر کوئی اپنے بھائی کا گناہ گار ہے تو اسے اپنے بھائی سے معافی مانگنی ہو گی۔ جب اس نے اپنے بھائی کا دل دکھایا تھا تو اس نے نہ صرف بھائی کے حقوق غصب کیے بلکہ خدا کا قانون بھی توڑا تھا۔ اب بھائی سے معافی مانگنے اور اسے منانے کے بعد اسے خدا سے معافی مانگتی ہے۔ اس لیے یہودی صبح کی عبادت کے بعد سینا گاگ میں ایک دوسرے سے معافی طلب کرتے ہیں۔ دوپہر کی عبادت میں مرنے والوں کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ اس میں خصوصی طور پر ہیکل کی تباہی میں مرنے والے یہودیوں کو یاد رکھا جاتا ہے۔ دوپہر کی عبادات کا خاص حصہ کتاب یوناہ کی تلاوت ہے جس میں معافی پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو ایک خصوصی دعا "نعیلا" پڑھی جاتی ہے۔ تاریکی پھیلنے پر شماع سات دفعہ دہرا کر شوفر پھونکا جاتا ہے اور مل کر کہا جاتا ہے کہ "اگلے سال یروشلم میں" جو کہ یروشلم حاصل کرنے کے یہودی عزم کا اعادہ ہے۔ راسخ العقیدہ یہودی اس دن کسی پرندے کو ذبح کر کے اسے بیچتے ہیں اور حاصل ہونے والی رقم کو صدقہ کر دیتے ہیں۔ اصلاح شدہ یہودیوں میں اس رسم پر مکمل پابندی ہے۔ وہ پرندہ ذبح کرنے کی بجائے رقم صدقہ کرتے ہیں۔ اس دن کے اختتام پر روزہ کھولا جاتا ہے۔ عزیز و اقارب اور دوست ایک جگہ اکٹھے ہو کر افطار کرتے ہیں۔[36]

---

[35] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۹۰

[36] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۷۳

سوکوت(Sukkot)

سوکوت (Sukkot): عبرانی میں سوکوت کا مطلب "عارضی جھونپڑا یا چھپر" کے ہیں۔ یہ موسمِ خزاں کی فصل کی کٹائی کا تہوار ہے اور بعض دیگر مقدّس دنوں کی طرح اسے بھی واقعۂ خروج سے منسلک کیا جاتا ہے، جب اسرائیلی صحرائے سینا میں مارے مارے پھرتے تھے اور سوکوتھ میں رہتے تھے۔ یومِ کفارہ کے پانچ روز بعد، تشری کی پندرہ تاریخ کو سوکوت منایا جاتا ہے۔ سوکوت بمعنی جشن خیام، عید خیام یا خیموں کی عید۔[37] سوکوت عبرانی زبان کے لفظ 'سوکہ' کی جمع ہے۔ 'سوکہ' کے لغوی معنی خیمے یا سائبان کے ہیں۔ کتاب مقدس کے مطابق عبرانی تقویم کے مہینے تشری کی پندرہ تاریخ کو ہر سال جشن خیام بطور عید یہود برپا ہوتا ہیں۔ جشن سوکا بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کی نسبت سے منایا جاتا ہے۔ اس سے مراد غلامی سے نجات حاصل کر کے آزادی کے خیمے میں پہنچنے کی لی جاتی ہے۔ اگرچہ بنی اسرائیل کا مصر سے خروج ماہ نیساں کی پندرہ تاریخ (جشن فسح) کو ہوا تھا لیکن انہیں عید خیام، تیشری کے مہینے ہی میں منانے کا حکم ہوا تھا۔ جشن خیام یہودیوں کے روزہ کبیر یا یوم کپور کے پانچ دن بعد شروع ہوتا ہے اور سات دن جاری رہتا ہے۔ یہ تہوار دراصل خیموں کا تہوار ہے یہودیوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اس دن وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر عارضی طور پر ایک کچے مکان میں مقیم رہیں۔

کتاب احبار میں لکھا ہے سات روز تک تم برابر بیابانوں میں رہنا، جتنے اسرائیل کی نسل کے لوگ ہیں سب کے سب بیابانوں میں رہیں، تاکہ تمہاری نسل کو معلوم ہو کہ جب میں بنی اسرائیل کو ملک مصر سے نکال کر لا رہا تھا تو میں نے انہیں بانوں میں ٹکایا تھا میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔[38]

اس حکم کی تعمیل میں یہودی آج بھی ایک ایسا نیم کچا نیم پکا مکان تیار کرتے ہیں جو کم از کم ہوا کے جھونکوں کو برداشت کر سکے اس کی تیاری وہ یوم کپور کے اختتام کے فوراً بعد شروع کر دیتے ہیں اگر عارضی مکان کی تیاری گھر کے اندر ممکن نہ ہو تو انہیں پڑوس کے (Sukkah) یعنی عارضی مکان میں رہنے کی بھی اجازت ہے اس مقصد کے لیے سینی گاگ میں تیار کردہ (Sukkah) کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

---

[37] احبار 34:23

[38] احبار ۲۳:۴۱، ۴۲

اس تہوار کے موقع پر چار قسم کے پودے اور پھل لے کر دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔

1. کھجور کے درخت کی ایک چھوٹی شاخ
2. حنا کی شاخیں
3. بید کے درخت کی شاخیں
4. لیموں کے درخت کی شاخیں

پھر ان سب شاخوں کو آپس میں کھجور کی شاخ سے باندھ دیا جاتا ہے۔

اس تہوار کے دو اہم جزو ہیں۔ چکوترے کی فراہمی اور کھجور کی شاخ پر مہندی اور برگ بید لگا کر ایک چھڑی سی تیار کرنا۔ عبادات کے دوران ان دونوں چیزوں کو اکٹھے ہر طرف لہرایا جاتا ہے جو اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ خدا نے انہیں ہر چیز سے نوازا ہے۔

کتاب احبار میں خصوصیت سے ذکر آیا ہے کہ:

"یوم اول میں تم خود کے لئے درختوں سے تازہ پھل لاؤ گے۔ اور تم کھجور کے درخت، برگ آور درخت اور بید کے درخت کی شاخیں بھی لاؤ گے۔ تم اپنے خداوند خدا کے سامنے سات دن تک جشن مناؤ گے۔[39]

اگلے سب ایام میں بھی مختلف عبادات جاری رہتی ہیں جن میں سبت زیادہ خصوصیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ اس دن کتاب واعظ کی تلاوت کی جاتی ہے۔

یوم کپور کے چار دن بعد تشری کی 15 تاریخ کو خیموں کا ایک تہوار منایا جاتا ہے جسے سکوت (خیمے) کہتے ہیں۔ اسے خزاں کی کٹائی کا تہوار بھی سمجھا جاتا ہے۔ آٹھ یا نو دن جاری رہنے والے اس تہوار کو بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی یاد میں منایا جاتا ہے جنہوں نے مصریوں کی غلامی سے آزادی کے بعد صحرائے سینا میں خیمہ وغیرہ لگا کر اپنے کٹھن دن گزارے تھے۔ اس تہوار کا پہلا اور آخری دن سب سے اہم ہوتا ہے جن کو یوم طوو یعنی اہم تہوار

---

[39] احبار ۲۳:۴۰

کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جو لوگ اسرائیل سے باہر رہے ہیں وہ نو دن کا تہوار مناتے ہیں جس کے ابتدائی اور آخری دو دو دن، ایام طوو ہوتے ہیں۔ یہودی آج بھی ان دنوں میں گھروں سے باہر خیمے لگا کر رہتے ہیں۔ یہ ایکطرح سے بنی اسرائیلیوں سے اظہار یک جہتی ہوتا ہے۔ ان خیموں کی چھتوں کو درختوں کے پتوں اور چھالوں سے بنایا جاتا ہے تاکہ دن کو سورج کی روشنی اور رات میں تاروں کی چمک دکھائی دیتی رہے۔ ان دنوں یہ خیمے ہی مسکن ہوتے ہیں۔ موسمی پھلوں پر مبنی کھانے، مہمانوں کی تواضع اور شب باشی کا انتظام بھی یہیں ہوتا ہے۔[40]

اکثر مفسرین تورات اس بات کے قائل ہیں کہ بیابان میں خیموں سے مراد وہ بادل تھے جو معجزانہ طور پر بیابان میں موجود لوگوں پر سایہ فگن ہو گئے تھے۔ اور انہیں ہر قسم کی جسمانی اور روحانی کوفت، پریشانی اور ہر قسم کے خطرات و آفات سے بچانے کا سبب بن گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ان کے لیے بیک وقت سائبان بھی تھے اور محافظ بھی تھے۔ اس لیے سوکا میں سکونت کے اس زمانے کی یاد منانا دراصل اس معجزہ خدا کا شکرانہ ہے جو اس نے عبرانیوں کے مصر سے نکلنے اور پھر چالیس برس تک بیابان میں قیام کے دوران ان پر بادلوں کے ذریعے حفاظت اور جائے اقامت کی صورت نازل کیا تھا۔

ہنوکہ (Hanukkah)

یہ تہوار اہل ماضی میں یونانی و شامی حکام کی جانب سے یہودیوں پر کی جانے والی بربریت اور اس کے مقابلے میں یہودیوں کی روحانی فتح کی یاد میں منایا جاتا ہے دوسری صدی قبل مسیح کے وسط میں ایک یونانی بادشاہ "اینٹی آکس " نے اپنے ظالمانہ اقتدار میں یہودیوں کو ان کے مذہبی تہوار اور عبادات سے روک دیا تھا اور مقدس ہیکل میں موجود ان کی مذہبی کتابوں کو ضائع کر دیا تھا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اس نے ہیکل کو فاحشاؤں اور طوائفوں کے حوالے کر دیا تھا چنانچہ رد عمل کے طور پر بعض یہودیوں نے کفر کے ساتھ مصالحت کرنے کی بجائے مر جانے کو ترجیح دی تھی

[40] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۷۳، ۱۷۴

جبکہ دیگر یہودیوں نے بغاوت کرنے کی ٹھان لی تھی اس بغاوت میں ان کے ایک قبیلے مکابی نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔[41]

آخر کار 165 قبل مسیح میں یہودیوں کو معجزاتی کامیابی حاصل ہوئی اور ہیکل دوبارہ ان کے قبضے میں آگیا۔ اس موقع پر وہاں اس وقت تک ایک مقدس شمع جلتی ہوئی پائی گئی تھی البتہ اس کا تیل ختم ہونے کے قریب تھا لیکن حیرت انگیز طور پر زیتون کے اس بقیہ تیل سے وہ چراغ مسلسل آٹھ دن تک جلتا رہا لہذا مکابیوں نے آئندہ سال سے یہ آٹھوں دن خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے منانے کا اعلان کیا جس کے بعد بڑے مذہبی پیشواؤں نے بھی اس رسم کو سند قبولیت بخش دی اس طرح آج تک روشنیوں کا یہ تہوار مسلسل آٹھ دن تک منایا جاتا ہے۔[42]

جدید عبرانی میں اسے ہنوکہ اور روشنیوں کا تہوار بھی کہا جاتا ہے مقدس عبادت گاہ کی یاد میں یہودیوں کا آٹھویں روزہ تہوار ہے۔ جو 25 کلویلی (نومبر، دسمبر) سے 8 دن میں منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ اس تہوار میں نو شاخی شمعدان کا استعمال ہوتا ہے جسے ہنوکہ منورہ یا ہانکو کہ کہتے ہیں۔ اس شمعدان کی ایک شاخ بیچ میں سب سے اونچی ہوتی ہے جسے شامان کہا جاتا ہے اور اسی سے باقی آٹھ شمعیں روشن کی جاتی ہیں۔ باقی کی آٹھ شامان کے دونوں طرف ہوتی ہیں۔ اس تہوار میں بچوں کو کھلونے اور پیسے دیے جاتے ہیں۔ روایتی ہنوکہ برتنوں میں کھانا بنایا اور پیش کیا جاتا ہے، خاص پکوانوں میں جام اور آلو پینکیکس یا پینکیکس (لیٹیکس) کے ساتھ ڈونٹس شامل ہیں۔

روشنیوں کی تقریب کہلایا جانے والا یہ آٹھ روزہ تہوار (kisler) مہینے کی 25 تاریخ کو شروع ہوتا ہے۔ کرسمس کے نزدیک ہونے کی وجہ سے عصر حاضر میں یہ تہوار زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یہ تہوار مکابیوں کی فتح یروشلم کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ اس تہوار کی نسبت سے ایک روایت مشہور ہے کہ جب مکابیوں نے یروشلم پر

---

[41] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۱۰۲

[42] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۱۰۳

دوبارہ قبضہ کیا تو وہاں شمعیں روشن کرنے کے لیے تیل کا صرف ایک کنستر تھا۔ یہ کنستر ایک رات میں ختم ہونا تھا لیکن اسی تیل سے آٹھ دن تک شمعیں روشن رہیں۔ اسی یاد میں یہودی روشنیاں جلاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تحائف دینا، موسیقی سننا اور کھیل کھیلنا اس دن کی یادگار ہیں۔[43]

پوریم(Purim)

یہودیوں کی ایک عید، "پور" کا معنی ہے قرعہ۔ کہا جاتا ہے کہ اسے مردکی نے ہامان کی یہودیوں کے خلاف سازش کے ناکام ہونے کی یاد میں جاری کیا تھا۔ یہ یہودی ہر سال کے آخری مہینے کی 14 تاریخ کو مناتے ہیں۔

یہ ایک قدیم یہودی تہوار ہے جو 450 سال قبل مسیح سے بھی پہلے شروع ہوا۔ اس کی کہانی عہد نامہ قدیم کی کتاب آستر میں بیان ہوئی ہے ایران میں اخسویرس (Xerxes) کے دور میں اس کے وزیر ہامان نے یہودیوں کے خلاف سازش کرتے ہوئے اُن کے قتل عام کا اجازت نامہ لے لیا۔ بادشاہ کی ملکہ آستر جو یہودی تھی نے اپنے رشتہ دار مردکی کے ساتھ مل کر اس سازش کو ناکام بنا دیا۔ یہودیوں کے اس قتل عام سے نجات پانے کی یادگار پوریم کے تہوار سے منائی جاتی ہے جو بڑی ضیافتوں اور خوشی کا دن سمجھا جاتا ہے۔

پورنیم کی مٹھائی (Mishloach manot) تیار کی جاتی ہے، اس مٹھائی کو دوستوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے گھروں میں بطور تحفہ کے بھیجا جاتا ہے اور غریبوں میں بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ عید پوریم کے موقع پر غریب گھرانوں کو ایک خاص قسم کا صدقہ (mattanot la-evyonim) بھی پیش کیا جاتا ہے جو مالی انفاق سے ملتی جلتی ایک شکل ہے۔ اس عید کے موقع پر ایک خاص پکوان (se'udat Purim) ہر گھر کے چولھے پر چڑھا نظر آتا ہے اور خاندان کے کل افراد جمع ہو کر اس پکوان کا بڑی بے صبری کے ساتھ انتظار کرتے ہیں اور مل کر اسے تناول کیا جاتا ہے۔ عبادت گاہوں میں عہد نامہ قدیم کی ''آستر'' نامی کتاب کی مل کر تلاوت کی جاتی ہے اور

---

[43] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۷۸، ۱۷۹

بعض مقامات پر اسے موسیقی کے ساتھ گاکر بھی پڑھا جاتاہے۔ گلی محلوں میں، چوراہوں اور سیر گاہوں میں اور شہر بھر کے تفریحی مقامات پر ایک رات سے اگلی رات تک میلے کا سماں بندھا رہتاہے اور قسم قسم کے کھانے اور مشروبات سے اور دیگر سرگرمیاں خوشی کے سماں کو دوبالا کرتی ہیں۔ ایران میں بسنے والے یہودی اس موقع پر ہمدان شہر میں ملکہ آستر کے مزار پر بھی جاتے ہیں۔

تیشاباؤ(Tisha B'av)

تیشاباؤ یہودیوں کے سوگ کا دن ہے۔ ہ دن دوسری صدی ہجری میں رومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس اور یروشلم کی تباہی کی یاد میں منایاجاتا ہے۔ اس دن تمام یہودی روزہ رکھتے ہیں، آب AV کے مہینے (جولائی، اگست) کے نویں دن کی شام سے اگلے دن کی شام تک نہ کھاتے پیتے ہیں، نہ نہاتے دھوتے ہیں، کریم، تیل، جوتوں اور دیگر آرائشی اشیاء کا استعمال پورا دن ترک کرتے ہیں۔ کتاب نوحہ (Book of Lamentations) کی سائناگاگ میں تلاوت کی جاتی ہے۔

کتاب مشنا کے مطابق پانچ تاریخی واقعات ایسے تھے جن مد نظر رکھ کر یہودی روزار کھتے ہیں:

1۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جن بارہ لوگوں کو اپنے ساتھ کنان لے کر گئے تھے، وہ واپس آکر اپنے قول سے پھر گئے۔ اور واپس آکر بنی اسرائیل کو گمراہ کیا۔ خدا نے ان کو اس کی سزا دی اور ان کی نسلیں کبھی مقدس وادی میں داخل نہیں ہو سکیں۔[44]

2۔ پہلا ہیکل سلیمانی 587 ق م میں تباہ ہوا، اور یہودیہ کے اسرائیلیوں کو ملک بدر کر کے بابل بھیج دیا گیا۔[45]

---

[44] اعداد:13-14

[45] Max Landsberg, Kaufmann Kohler, Ab, Ninth Day of, Jewish Encyclopedia, http://www.jewishencyclopedia.com/articles/110-ab-ninth-day-of

3۔ دوسرا ہیکل جو عزرا علیہ السلام اور یرمیاہ علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، 70ء میں رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ اس تباہی کے بعد یہودی دنیا کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔

4۔ 4 اگست 135ء میں رومیوں کے خلاف بغاوت کرنے پر پچاس ہزار یہودوں کو قتل کیا گیا اور اس بغاوت کے بعد ہیکل سلیمانی اور اس کے ارد گرد کی جگہ کو مسمار کر کے اس پر ہل چلا دیا گیا۔[46]

بار متزواہ-باتمتزواہ(Bar Mitzvah- Bat Mitzvah)

بار مِتزواہ یا بار مسواہ یہودیوں کی ایک رسم ہے جو لڑکوں کا بلوغت پہنچنے کی علامت کرتی ہے۔ لڑکیوں کی مساوی رسم بات متزواہ کہلاتی ہے۔ رسمی طور پر، بار متزواہ ہوتا ہے جب لڑکا تیرہ کی عمر پہنچے، جبکہ لڑکیوں کے لیے ان کے فرقے پر منحصر کرتا ہے کہ بارہ یا تیرہ کی عمر پر ہو، مگر عموماً بارہ پر ہوتا ہے۔ یہودی شریعت کے مطابق اس عمر سے پہلے، بچے کی ہر حرکت اور فعل کے لیے اس کے والدین جوابدہ ٹھہرائے جاتے ہیں، مگر اس کے بعد بچہ خود یہودی شریعت اور اخلاقی اصول ماننے کا اور رسمیں نبھانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، وہ یہودی سماجی زندگی کے ہر حلقے میں اب حصہ دار ہو سکتے ہیں اور لڑکے باجماعت نماز بھی پڑھا سکتے ہیں۔ بار متزواہ کی تقریب عام طور پر لڑکے کی تیرہویں یا لڑکی کی بارہویں سالگرہ کے بعد پہلی سبت پر منائی جاتی ہے۔ بار متزواہ کا ذکر مشنا اور تلمود میں کیا جاتا ہے۔

یہودیت میں تیرہ سال بچے کی بلوغت کی عمر سمجھی جاتی ہے۔ ایسے بچے کے لیے "بار متزواہ" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جس کا لفظی مطلب "وصیت کا بیٹا" ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بچہ اب اس قابل ہے کہ وہ توریت کی وصیتوں پر عمل کر سکے۔ اسی لیے یہودی جب باجماعت نماز کی تیاری کرتے ہیں تو پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ

---

[46] Barclay, Rabbi Elozor; Jaeger, Rabbi Yitzchok, Guidelines: Over Four Hundred of the Most Commonly Asked Questions About the Three Weeks. Targum Press, 2003.

نماز میں کم از کم دس ایسے افراد شامل ہوں جن کی عمر تیرہ برس سے اوپر ہو۔ اسی طرح تیرہ سال کی عمر میں بچہ روزہ رکھنے کا مکلف بھی ہو جاتا ہے۔ قدیم یہودیت میں اس تقریب کے انعقاد کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ ذکر ضرور ہے کہ تیرہ سال کی عمر میں بچہ توریت کی وصیتوں پر عمل کے قابل ہو جاتا ہے۔ عصر حاضر کے یہودی اس تقریب کو با قاعدہ مناتے ہیں۔ بعض مصنفین کے مطابق اس رسم کے تانے بانے قرون وسطیٰ سے جاملتے ہیں۔[47]

بار متزواہ کا جشن عام طور پر خاندان، دوست اور یہودی برادری کے افراد کے ساتھ دعوت پر مشتمل ہوتا ہے، مگر کچھ لوگ دیگر طریقے سے مناتے ہیں، جیسے کہ سیاحی کے دورے پر جانا یا کوئی اور خاص فنکشن یا پارٹی دینا۔ کچھ برادریوں میں نو بالغ کو سند نامہ بھی نوازا جاتا ہے۔ کچھ بالغ یہودی اپنی بعد کی بلوغت میں بھی بار متزواہ مناتے ہیں۔ کبھی یہ ان کی دوسری بار متزواہ ہوتی ہے، مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچپن میں رسم نبھائی نہ ہو اور بلوغت میں اپنی یہودی شناخت میں ان کی دلچسپی میں اضافہ ہوا ہے۔ بالغ نو مذہب یہودیوں کی بھی بلوغت میں رسم ہوتی ہے۔[48]

یہ تقریب زیادہ تر اسی سبت منعقد کی جاتی ہے جس ہفتے بچے کی عمر تیرہ برس ہوتی ہے لیکن یہ لازمی نہیں ہے۔ عصر حاضر کے یہودی اس بات کا زیادہ خیال کرتے ہیں کہ تقریب ایسے دن منعقد ہو جب سیناگاگ میں کوئی اور تقریب نہ ہو رہی ہو۔ بچے سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ اس وقت تک وہ خود توریت کی تلاوت کے قابل ہو چکا ہو کیونکہ اس تقریب میں اس نے یہ کام کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے "تلیت" پہننے کے قابل بھی سمجھا جانے لگتا ہے۔ تلیت جھالروں والی اس دھاری دار روایتی چادر کو کہتے ہیں جو یہودی مذہبی تقریبات کے دوران اوڑھتے ہیں۔ "کپا" یعنی سر پر پہنے والی ٹوپی اور تلیت ان چند بچی کھچی روایات میں سے ہیں جنہیں یورپی یہودی بھی اپنائے ہوئے ہیں۔ ورنہ اپنے لباس اور رہن سہن میں زیادہ تر یورپی یہودی خصوصاً خواتین نے پرانی روایات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ سینا گاگ میں عورتوں کے لیے پردے کا الگ انتظام ہوا کرتا تھا۔ جبکہ عصر حاضر کے اصلاح شدہ یہودی اس پر بھی کاربند

---

[47] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۶۱

[48] Goldberg, Harvey E. "Rites of Passage: Jewish Rites". Encyclopedia of Religion. Ed. Lindsay Jones. 2nd ed. Vol. 11. Detroit: Macmillan Reference, 2005. pp. 7818–7824

نہیں رہے۔ بار متسواہ کی تقریب زیادہ تر سینا گاگ ہی میں منعقد ہوتی ہے۔ بچہ جب توریت کے مخصوص حصوں کی تلاوت کر لیتا ہے تو اسے تحائف دیے جاتے ہیں جو زیادہ تر رقم کی صورت میں ہوتے ہیں۔ یہاں عجیب شور وغل اور ہنگامے کی کیفیت ہوتی ہے۔ ادھر بچے نے تلاوت مکمل کی اُدھر اس کے ہم جولیوں نے اس پر پیسوں کی برسات کر دی۔ سکوں کی صورت میں انہیں دور سے پھینکا جاتا ہے جن سے چوٹ لگنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ والدین بچے کو ترغیب دیتے ہیں کہ اس رقم کا دس فیصد صدقہ کرے اور بقیہ سنبھال کر رکھ دے۔ جب وہ اٹھارہ برس کا ہو جائے تب اسے استعمال کرے۔ عموماً تقریب کا یہ پہلا حصہ سینا گاگ میں منعقد ہوتا ہے اور اس کے بعد کھانے پینے یا رقص کے لیے کسی دوسری جگہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔[49]

بار متزواہ (Bar Mitzvah): بار منتزواہ تہوار عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لیے متعارف کروایا گیا تھا۔ یہودی قانون کے مطابق، جب کوئی لڑکا یا لڑکی تیرہ برس کی عُمر کو پہنچ جائے، تو وہ اپنے اعمال کے جواب دہ بن جاتے ہیں۔ اس ''منتزواہ'' کی عُمر تک پہنچنے سے قبل بچّے کے والدین ہی اُس کے اعمال کے ذمّے دار تصوّر کیے جاتے ہیں۔ اس موقعے پر خصوصی اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں، جن میں زیادہ تر ''اصلاحی'' تقاریر کی جاتی ہیں۔

بچیوں کی اسی رسم کو "بات متسواہ" کہا جاتا ہے جس کا مطلب "وصیت کی بیٹی" ہے۔ ان کی یہ رسم تیرہ کی بجائے بارہ برس کی عمر میں ادا کی جاتی ہے۔ لڑکوں کی نسبت لڑکیوں کے لیے یہ رسم زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ لڑکے تو پیدائش کے ساتھ ہی ختنہ کی رسم سے گزر جاتے ہیں جو ایک طرح سے ان کی یہودی شناخت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس لڑکیوں کے لیے بالغ ہونے تک کوئی رسم موجود نہیں ہوتی۔ راسخ العقیدہ یہودیوں کے ہاں اس رسم میں لڑکیاں توریت کی تلاوت نہیں کرتیں جبکہ اصلاح شدہ یہودی یا رجعت پسند یہودیوں کے ہاں لڑکیوں کی تقریب بھی لڑکوں کی تقریب ہی کی طرح منائی جاتی ہے۔ اس رسم کا بنیادی مقصد بچے کو یہ احساس دلانا ہوتا ہے کہ اب وہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اسے اپنے مذہبی فرائض ذمہ داری سے سرانجام دینے ہوں گے۔ یہ بھی

---

[49] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۶۱، ۱۶۲

ضروری نہیں کہ اس رسم کو جب باقاعدہ ادا کیا جائے گا تو ہی وہ مکلف ہو گا۔ چاہے کوئی رسم ادا ہو یا نہ ہو تیرہ برس کی عمر میں پہنچے کے بعد وہ مکلف ہو جاتا ہے۔[50]

ختنہ (Circumcision)

مذہب یہود میں مرد کا ختنہ ضروری ہے اور تورات میں اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔ کتاب پیدائش میں خدا اور ابراہیم کے درمیان میں عہد نامہ میں وضاحت ہے کہ: تمام نسلوں میں ہر ایک مرد کو 8 دن کی عمر میں ختنہ کروانا ضروری ہے۔ یہ تمہارے لیے میرا عہد ہے اور یہ ایک دائمی عہد ہے۔ جس نے ختنہ نہیں کروایا اس کی روح کو اپنی قوم سے کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا ہے۔ کتاب احبار میں مذکور ہے کہ خدا نے موسی اسرائیلیوں کے یہ پیغام دیا کہ : جب بھی کوئی عورت حامل ہو اور مذکر اولاد جنے تو آٹھویں دن اس کا ختنہ کروا دیا جائے۔[51]

ختنہ کے بعد کھانے کی میز سجتی ہے جس میں ایک کرسی خالی چھوڑ دی جاتی ہے۔ یہ ایلیاہؑ کی نشست سمجھی جاتی ہے جو یہودی عقیدہ کے مطابق مسیح موعود سے پہلے دنیا میں دوبارہ آئیں گے۔ چونکہ ایلیاہؑ نے ختنہ کی روایت پر بہت زور دیا تھا لہذا یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ختنہ کے وقت وہ خود موجود ہوتے ہیں۔ ختنہ سے پہلے تک اسی نشست پر بچے کو لٹایا جاتا ہے۔ خاندان کے لوگ ایلیاہؑ نبی کی یاد میں گیت گاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں۔ اس تقریب میں بچے کا نام رکھا جاتا ہے۔ بیٹیوں کے نام عموماً سیناگاگ میں رکھے جاتے ہیں جہاں ربی مخصوص دعائیں پڑھ کر نام تجویز کرتے ہیں۔ نسوانیت کی تحریکوں کے زیر اثر بیٹیوں کو بھی اس عمل سے گزارنے کے لیے مختلف رسومات متعارف کروائی جاتی رہی ہیں تاہم یہودیوں کے درمیان اس حوالے سے کوئی نئی رسم مقبول نہیں ہو سکی۔ چنانچہ آج بھی یہودیوں

---

[50] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۶۲

[51] پیدائش 17:9-14

میں بیٹی کی نسبت بیٹے کی پیدائش ایک بڑا واقعہ سمجھا جاتا ہے اور اگر بچہ پہلوٹھا بھی ہو تو اس عمل کی وقعت مزید بڑھ جاتی ہے۔[52]

کتابوں میں لکھا ہے کہ بچہ کے باپ کا فرض ہے کہ وہ بچہ کا ختنہ خود کرے۔ البتہ جنکو ختنہ کرنا نہیں آتا ہے وہ کسی موہل (ماہر ختان) کی خدمت حاصل کرتے ہیں۔ موہل خاص طور پر ختنہ کرنے اور متعلقہ رسومات کے ماہر ہوتے ہیں۔ کئی موہل تو ڈاکٹر یا ربی ہوتے ہیں اور کچھ دونوں۔

ختنہ یہودیوں میں ایک مقدس عبادت، عبد اور تہوار کے طور پر منائی جانے والی تقریب ہے۔ عبرانی زبان میں اس کے لیے "بریت میلا" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ کسی بھی یہودی بچے کی زندگی کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ اس عمل کی تاریخ ابراہیمؑ کے خدا کے ساتھ کیے گئے عہد سے جاملتی ہے۔ اسے یہودیوں کو دی گئی پہلی وصیت بھی کہتے ہیں۔ آج تک یہودی اس عہد کی پاسداری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر نئے بچے کی پیدائش پر آٹھویں روز اس کا ختنہ کیا جاتا ہے۔ البتہ تلمود صحت کی خرابی یا کسی جسمانی نقص کی وجہ سے اس عمل کو مؤخر کر دینے کی اجازت دیتی ہے۔[53]

تالمود کی تشریح میں ربی یہودا حناسی کا بیان ہے۔

As it is taught in a baraita: If a woman circumcised her first son and he died as a result of the circumcision, and she circumcised her second son and he also died, she should not circumcise her third son, as the deaths of the first two produce a presumption that this woman's sons die as a result of circumcision. This is the statement of Rabbi Yehuda HaNasi. Rabban Shimon ben Gamliel says: She should circumcise her third son, as

[52] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص۱۵۹

[53] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص۱۵۷

there is not considered to be a legal presumption that her sons die from circumcision, but she should not circumcise her fourth son if her first three sons died from circumcision[54].

اگر کسی عورت نے اپنے پہلے بیٹے کا ختنہ کیا اور وہ ختنہ کے نتیجے میں مر گیا اور اس نے اپنے دوسرے بیٹے کا ختنہ کیا اور وہ بھی مر گیا تو اسے اپنے تیسرے بیٹے کا ختنہ نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ پہلے دو بچوں کی موت سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اس عورت کے بیٹے ختنہ کے نتیجے میں مرے ہیں۔۔ ربن شمعون بن گملیل کہتے ہیں: اسے اپنے تیسرے بیٹے کا ختنہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس کے بیٹوں کے ختنہ سے مرنے کا کوئی شرعی قیاس نہیں ہے، لیکن اگر اس کے پہلے تین بیٹے ختنہ سے مر جائیں تو اسے اپنے چوتھے بیٹے کا ختنہ نہیں کرنا چاہیے۔

یہ ایک مذہبی عمل ہے جس کی ادائیگی کے وقت بعض مخصوص دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ گھر میں خوشی کی ایک تقریب منعقد ہوتی ہے۔ کسی بڑے بوڑھے کو "سندک" یعنی روحانی / رضاعی باپ مقرر کیا جاتا ہے جو کہ بڑے اعزاز کی بات سمجھی جاتی ہے۔ روحانی باپ کی طرح روحانی ماں بھی مقرر کی جاتی ہے جو بچے کو ختنہ کے کمرے میں لے کر آتی ہے۔ سندک بچے کو کپڑوں میں لپیٹ کر پکڑتا ہے اور "موہیل" بچے کا ختنہ کرتا ہے۔ موہیل ختنہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے جو اس کام کے لیے باقاعدہ تربیت یافتہ ہوتا ہے۔[55]

سرکاری طور موجودہ اسرائیل میں ایسے لوگ بھی مقرر ہیں جو اس عمل کی نگرانی کرتے ہیں تاکہ ختنہ کا یہ قومی اور مذہبی عمل درست طریقے سے ادا ہوتا رہے۔ جیسا کہ Harvey E. Goldberg اسرائیل میں اپنے سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

[54] The William Davidson Talmud (Koren - Steinsaltz) https://www.sefaria.org/Yevamot.64b.9?lang=bi&with=all&lang2=en Accessed on 12.12.2023

[55] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص۱۵۹

He said that he was the chief inspector of all the circumcisers in Israel and had to check to see whether circumcisions were Iring carried out correctly[56].

وہ اسرائیل میں تمام ختنہ کرانے والوں کا چیف انسپکٹر تھا اور اسے یہ دیکھنے کے لیے چیک کرنا تھا کہ آیا شہر میں ختنہ صحیح طریقے سے ہو رہا ہے۔

شادی کی رسومات(Marriage)

یہودیت میں شادی کو مرد و عورت کے درمیان کا ایک ایسا بندھن تصور کیا جاتا ہے جس میں خدا بذات خود شامل ہے۔[57] گو کہ ان کے یہاں شادی کا واحد مقصد افزائش نسل نہیں ہے لیکن اس عمل کو افزائش نسل کے ربانی حکم کے پورا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔[58]

کتاب پیدائش کے مطابق

تخلیق کے چھٹے دن خدا نے حضرت آدم علیہ السلام یعنی (آدمی) کی تخلیق کی جو مٹی سے بنائے گئے تھے تخلیق کے بعد انہیں جنت میں ٹھکانہ عطا کیا گیا جہاں وہ سویا کرتے تھے ایک بار جب انہیں گہری نیند آگئی تو خدا نے ان کے جسم سے ایک پسلی نکال کر ان کے لیے حضرت حوا علیہ السلام یعنی (عورت) کی تخلیق کی حضرت حوا علیہ السلام کو عبرانی میں Chavah چاوہ کہتے ہیں۔[59]

اسی مقصد کے پیش نظر جب مرد و عورت شادی کے رشتے میں منسلک ہوتے ہیں تو انہیں یک جان دو قالب سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہودی مرد شادی نہ کرے تو تلمود کی نگاہ میں وہ ایک "نامکمل" مرد ہے۔

---

[56] Harvey E. Goldberg ,Jewish Passages Cycles of Jewish Life, University of California Press, P 31

[57] استثنا1:24

[58] پیدائش ۱:۲۸

[59] کتاب پیدائش ۳:۲۰

مولانا ظفیر الدین یہودیت کے قانون ازدواج کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہودی قانون میں ہے جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ اس شخص پر ہو گا"[60]

رشید احمد نے اپنی کتاب "تاریخِ مذاہب" میں یہودیوں کی شادی کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے:

یہودیوں میں شادی کا طریقہ بہت سادہ اور دلچسپ ہے۔ منگنی کا اعلان شادی سے پہلے کر دیا جاتا ہے۔ شادی کے دن روزہ رکھنے کو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ شادی کی رسم سہ پہر کو مجلس میں ادا کی جاتی ہے، جس میں کم از کم دس بالغوں کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ مجلس کی عمارت میں ایک ریشمی کپڑے کا شامیانہ تیار کیا جاتا ہے۔ جس میں دلہا دلہن کے ہمراہ آتا ہے۔ ربی ایک گلاس میں شراب لیتا ہے اور زوجین کے حق میں دعا کرتا ہے۔ پھر اس گلاس کو دلہا دلہن کو دے دیتا ہے۔ یہ لوگ شراب چکھتے ہیں۔ پھر دل دلہا دلہن کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے عبرانی زبان میں کہتا ہے: "دیکھو تم اس انگلی کے ذریعے سیدنا موسٰی اور اسرائیل کی رسوم کے مطابق میرے ساتھ منسوب ہو چکی ہو۔" پھر شادی کے عہد نامے کو آرامی زبان میں ربی با آواز بلند پڑھتا ہے۔ اس کے بعد شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور دعا کر کے پھر زوجین کو دیتا ہے جسے وہ دونوں چکھ لیتے ہیں۔ خالی گلاس فرش پر رکھ دیا جاتا ہے جسے نوشہ (دلہا) توڑ دیتا ہے اور حاضرین مزل توب یعنی خوش قسمت چِلاتے ہیں۔[61]

یہودیت میں انسان کے مجرد رہنے کو پسند نہیں کیا جاتا ہے۔ عبرانی بائیبل کے مطابق آدمؑ و حواؑ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی نسل کو بڑھائیں۔ اسی لیے تالمود کے مطابق کتاب یسعیاہ 45:18 اور کتاب واعظ 11:6 کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ بچوں کے پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی کرنے کا حکم ہے۔ اور یہودیوں کی یہ مذہبی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نسل کی حفاظت کریں اور خاندان کو بڑھائیں۔

---

[60] اسلام کا نظام عفت و عظمت ص195

[61] تاریخِ مذاہب ص289

Yevamot 62b and M.T. Laws of Marriage [Ishut] 15:16) encourage as many children as possible on the basis of Isaiah 45:18 and Ecclesiastes11:6 [62].

جب وہ بابل میں غلام بنا کر لے جائے گئے تھے تو یر میاہؑ نے انہیں یہ نصیحت بھی کی تھی کہ اپنی نسل کو بڑھائیں تا کہ ان کی تعداد کم ہونے کی بجائے بڑھے۔ روایتی طور پر شادی کے لیے لڑکی کی تلاش لڑکے کا باپ اپنے کسی ملازم کے ذریعے کرتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیمؑ کی روایت ہے کہ انہوں نے اسحاق کی شادی کے لیے اپنے ملازم کو بھیجا جو ربقہ کو تلاش کر کے لائے۔ اس سلسلے میں تلمود نے یہودی معاشرہ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے عورت کی توقیر اس کے حسن کی بجائے اس کے ماں بننے کی صلاحیت میں رکھی۔ یہودیوں کو بتایا کہ جس کی بیوی نہیں ہے اس کے پاس نہ تو خوشی ہے نہ برکت اور نہ کوئی اچھائی یا" جس کے پاس بیوی نہیں اس کے پاس توریت نہیں۔ جیسا کہ ربی حنیلائی نے تالمود میں کہا ہے۔

Rabbi Ḥanilai said: Any man who does not have a wife is left without joy, without blessing, without goodness. He proceeds to quote verses to support each part of his statement. He is without joy, as it is written: "And you shall rejoice, you and your household" (Deuteronomy 14:26), which indicates that the a man is in a joyful state only when he is with his household, i.e., his wife. He is without blessing, as it is written: "To cause a blessing to rest in your house" (Ezekiel 44:30), which indicates that blessing comes through one's house, i.e., one's wife. He is without goodness, as it is written: "It is not good that man should be alone" (Genesis 2:18), i.e., without a wife. [63]

: جس مرد کی بیوی نہیں ہے وہ خوشی کے بغیر، برکت کے بغیر، نیکی کے بغیر رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ کتاب استثناء میں لکھا ہے: "اور تم اور تمھارے گھر والے خوش ہوں گے" (استثنا14:26)، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آدمی صرف اس وقت خوشی کی حالت میں ہوتا ہے جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ہوتا ہے، بیوی نہ ہو تو وہ برکت کے بغیر ہے، جیسا کہ لکھا ہے: "اپنے گھر میں برکت پیدا کرنے کے لیے" (حزقی ایل 44:30)، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ برکت کسی مرد کے گھر، صرف بیوی کے ذریعے آتی ہے۔ بیوی نہ ہونے کی صورت میں وہ نیکی

[62] Elliot N. Dorff, Jonathan K. Crane, The Oxford Handbook of Jewish Ethics and Morality, Oxford University Press, 2016, P. 325
[63] Encyclopaedia Judaica, the University of Michigan, 1996, P. 795

سے خالی ہے، جیسا کہ کتاب پیدائش میں لکھا ہے: "یہ اچھا نہیں ہے کہ آدمی تنہا رہے" (پیدائش 2:18)، یعنی، بغیر بیوی کے۔

اگر کسی کی بیوی خدا سے ڈرتی ہے اور وہ اس کے پاس نہیں جاتا، اس سے مباشرت نہیں کرتا تو وہ گناہ گار ہے۔ اس سے پہلے تک یہودی اپنی بیوی کو اس وجہ سے بھی طلاق دے دیا کرتے تھے کہ انہیں کوئی دوسری خوبصورت عورت میسر آجاتی۔ لیکن ربیانی ادب نے انہیں یہ باور کروادیا کہ بیوی کے انتخاب میں ایک زینہ نیچے اترو؛ یعنی اگر عورت کمتر حیثیت کی بھی ہو تب بھی اس سے شادی کی جائے۔ لہذا یہودیت میں شادی ایک شرعی عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہودیوں میں شادی کی رسومات میں تغیر پایا جاتا ہے جو زیادہ تر علاقائی ثقافت کی وجہ سے ہے۔ کچھ رسومات ایسی ہیں جو تقریباً تمام یہودیوں میں مشترک ہیں۔ شادی کی رسومات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلے حصے کو "اوئفروف" کہا جاتا ہے جس کا مطلب "بلانا" ہے۔ اس حصے میں شادی کی تقریب سے پہلے والے سبت میں لڑکے کو "آلیہ" یعنی توریت کے ایک مخصوص حصے کی تلاوت کے لیے بلایا جاتا ہے۔ بعد میں ربی شادی کی تقریب کے خیر وعافیت سے وقوع پذیر ہونے کے لیے دعاؤں اور نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہے۔ راسخ العقیدہ یہودیوں میں صرف لڑکا ہی اس رسم کو ادا کرتا ہے جبکہ اصلاح شدہ اور رجعت پسند یہودیوں میں لڑکی بھی اس رسم کو ادا کرتی ہے۔ بعض یہودیوں کے ہاں اس رسم کی ادائیگی کے بعد لڑکا اور لڑکی پر میٹھی چیزوں جیسے ٹافیوں کی برسات بھی کی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہیں میٹھی اور پر سکون زندگی نصیب ہو۔[64]

یہودی شادی میں نکاح نامہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے اس کے بغیر شادی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس نکاح نامہ کو یہودی اصطلاح میں "کتوبا" کہا جاتا ہے۔ یہ تین الفاظ (کف-تاو-بیت) سے مل کر بنا ہے جس کا معنی ہے "لکھا ہوا۔" یہودیت میں منگنی ("ایروسین") کا تصور بھی پایا جاتا ہے اسی لیے یہودیت میں بھی شادی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک منگنی اور دوسرا شادی۔ منگنی شادی کا اعلان ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ ان کی شادی عنقریب ہونے والی ہے۔ شادی کی کم از کم عمر کیا ہونی چاہیے اس بارے میں کوئی واضح ثبوت یہودیت میں نہیں ملتا، البتہ تلمود کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے لیے کم از کم عمر 12 سال ہونی چاہیے۔

---

[64] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۶۵

شادی کے دوسرے حصے کو "کدوشین" کہتے ہیں جس کا مطلب "تقدس" ہے۔ کدوشین دو حصوں پر مبنی ہے۔ پہلے حصے میں منگنی اور دوسرے حصے میں شادی۔ یہودیت میں پہلے یہ رواج رہا ہے کہ شادی سے کچھ عرصہ پہلے منگنی کی رسم ادا کر دی جاتی اور شادی عموماً سال بعد کی جاتی۔ اب ان دونوں رسموں کو باہم ملا بھی دیا جاتا ہے۔ منگنی کی رسم کی شروعات "کتوبا" پڑھے جانے سے ہوتی ہے۔ کتوبا وہی قانونی دستاویز ہے جس کے بغیر شادی ممکن نہیں۔ کتوبا پر دولھا کی موت یا طلاق کی صورت میں دلہن کو ملنے والی جائیداد یا رقم کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ کتوبا کا صرف ایک نسخہ ہوتا ہے جو دلہن کی ملکیت میں رہتا ہے۔ کتوبا کی تاریخ اس بات کی عکاس ہے کہ یہودیت نے تقریباً دو ہزار سال پہلے اس دستاویز کو رواج دے کر عورت کا ایک آئینی اور قانونی حق متعارف کروایا۔ اس سے پہلے کی عورت کو اپنے خاوند کی وفات یا طلاق کے بعد جائیداد میں سے حصہ نہیں ملتا تھا۔ خاوند کی جائیداد اس کے بھائیوں اور بیٹوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ کتوبا کے پڑھے جانے کے بعد دو گواہ اس پر دستخط کرتے ہیں۔ پھر دولھا، دلہن کو کوئی قیمتی چیز تحفے میں دیتا ہے۔ قیمتی تحفہ دینا بھی شادی کی ایک قانونی ضرورت ہے۔ عصر حاضر میں دولھا اپنی دلہن کے سیدھے ہاتھ کی پہلی انگلی میں سونے کی انگوٹھی پہناتا ہے اور کہتا ہے کہ "تم موسیٰؑ اور اسرائیل کے قانون کے مطابق میرے لیے محترم ہو۔" شرعی ضرورت یہ ہے مرد عورت کو کوئی قیمتی چیز دے تاہم عصر حاضر کی شادیوں میں دلہن بھی دولھے کو انگوٹھی پہنا کر درج بالا جملہ دوہراتی ہے۔ دلہن کے انگوٹھی پہنانے کا رواج زیادہ تر اصلاح شدہ اور رجعت پسند یہودیوں میں ہے۔ اس کے بعد شراب کے ایک کپ پر دعائیں پڑھی جاتی ہیں جسے پہلے دولھا اور پھر دلہن پیتی ہے۔ شادی کے لیے ایک عارضی چھپر بنایا جاتا ہے جسے "خوپا یا حوپا" کہتے ہیں۔ علامتی طور پر خوپا نئے گھر کا اظہار ہے جس میں دولھا اور دلہن کو رہنا ہوتا ہے۔ شادی کے بعد سب لوگ خوپا کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں جو ایک گھر کی تکمیل کی علامت سمجھا جاتا ہے۔[65]

یہودی شریعت میں یہودی اور غیر یہودی کے درمیان شادی کی مخالفت کی جاتی ہے البتہ اب نئے تبدیل شدہ یہودی کے ساتھ شادی کی اجازت دے دی گئی ہے تاہم مذہبی پیشوا یعنی ربی کو نو وارد یہودیوں کے ساتھ شادی کی اجازت نہیں ہے۔ قدیم ایام میں منگنی اور شادی دو علیحدہ علیحدہ رسمیں ہوا کرتی تھیں لیکن اج کل منگنی کے ساتھ ہی شادی کا فرض بھی انجام دے دیا جاتا ہے ایک رواج یہ بھی ہے کہ دولہا اور دلہن کی مائیں ایک رکابی یعنی پلیٹ کو زمین

---

[65] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص۱۶۶

میں گرا کر توڑ دیتی ہیں ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ شادی کا معاہدہ لکھا جاتا ہے اور اس لیے کیا جاتا ہے کہ یہ احساس زندہ رہے کہ اس خوشی کے موقع پر بھی انہیں اپنے ہیکل کی بربادی کا غم تازہ ہے روایتی طور پر دلہن اپنے ہونے والے شوہر کو شادی کا مخصوص سفید کوٹ (kittle) خریدنے کے لیے مطلوبہ رقم بھی فراہم کرتی ہے[66]

شادی کی دعا کے بعد دولہا اور دلہن ایک بار پھر جام شراب سے چسکیاں لیتے ہیں اور تقریب کے اختتام پر دولہا کے لیے شیشے کا ایک گلاس نیچے زمین پر پھینک کر توڑنا ضروری ہوتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ شادی کی بے پایاں خوشیاں اس وقت تک بیکار ہیں جب تک مسمار شدہ ہیکل دوبارہ تعمیر نہ ہو جائے ایسے موقع پر کتاب زبور کی یہ آیات پڑھی جاتی ہیں۔

اے یروشلم اگر میں تجھے فراموش کر دوں تو میرا دایاں بازو اپنا ہنر گم کر دے، اور اگر اے یروشلم میں تجھے اپنی خوشیوں سے زیادہ عزیز نہ رکھوں تو میری زبان میرے تالو سے چپک کے رہ جائے۔[67]

تدفین کی رسومات (Death and Burial)

موجودہ زندگی اور پیش انے والی دنیا کے درمیان کے ایک وقفے کا نام موت ہے انسان کو جس روح سے زندگی حاصل ہوتی ہے موت کے وقت کوئی روح لوٹ کر خدا کی طرف چلے جاتی ہے۔ تورات کہتی ہے "تو مٹی ہے اور مٹی ہی میں لوٹ جائے گا"[68]

یہودیت میں تجہیز و تکفین سے مراد وہ اعمال و رسومات ہیں جو کسی یہودی کی وفات کے بعد اسے دفنانے سے قبل انجام دیے جاتے ہیں۔ یہودیت میں موت کو جزو حیات اور منشائے ایزدی تسلیم کیا جاتا ہے۔ ماتم و عزا کی یہودی رسومات اس بات کی دلیل ہیں کہ موت برحق ہے اور یہودیت کسی طور بھی اس سے انکار یا احتجاج پر یقین نہیں رکھتی بلکہ اسے حیات انسانی کے اہم جزو کے طور پر مانتی ہے۔

---

[66] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۱۱۴، ۱۱۵

[67] کتاب زبور، ۱۳۷، آیات ۵، ۶

[68] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۱۴۲

جب کسی یہودی برادری میں کوئی انتقال کر جاتا ہے تو اس کی آنکھیں بند کر کے میت کو فرش پر لٹا کر اسے ڈھانپ دیا جاتا ہے اور قریب ہی شمعیں روشن کر دی جاتی ہیں۔ احتراماً میت کو کسی بھی وقت اکیلا نہیں چھوڑا جاتا۔ میت کے قریب کچھ کھانا پینا یا کوئی متزوط ادا کرنا ممنوع ہے اس عقیدے سے کہ چونکہ مرنے والا اب ان افعال کو انجام نہیں دے سکتا لہذا اس کی روح کو تکلیف ہوگی۔ میت کے قریب موجود رہنے والوں کو شومیرم (Shomerim) کہا جاتا ہے۔ زیادہ تر یہودی برادریوں میں رضاکاروں کی ایک مخصوص جماعت ہوتی ہے جسے شیر واکادیشا (Chevra Kadisha) یعنی مقدس لوگ کہا جاتا ہے جن کے ذمے تجہیز و تکفین کی رسومات ادا کرنا ہوتا ہے۔ میت کو غسل و کفن دینا اور اسے یہودی روایات کے مطابق تدفین کے لیے تیار کرنا ان لوگوں کے ذمہ ہوتا ہے اور ان افراد کو انتہائی قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگوں کی خدمت انجام دیتے ہیں جو ان کو بدلے میں کچھ بھی نہیں دے سکتے۔

یہودیت میں کسی بھی شخص کی وفات کے بعد اس پر عائد مذہبی ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس شخص کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری اہل علاقہ پر ہوتی ہے جس کے لیے انہوں نے ایک انجمن قائم کی ہوتی ہے جسے "خیورہ کدیشا" یعنی "مقدس انجمن" کہا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں تجہیز و تکفین کے لیے پیشہ ور لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جبکہ پرانے وقتوں سے خیورہ کدیشا ہی یہ ذمہ داری ادا کرتی آئی ہے۔ آج بھی بعض علاقوں میں خیورہ کدیشا ہی آخری رسومات ادا کرتی ہے۔ یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے والے کی روح فوری طور پر خدا کے حضور پیش ہو جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ جلد از جلد اس کے جسم کو بھی سپرد خاک کر دیا جائے۔ عام حالات میں یہ عمل چوبیس گھنٹوں کے اندر مکمل کر دیا جاتا ہے جبکہ خصوصی حالات، مثلاً اگر مرنے والے کے کسی قریبی عزیز نے آنا ہو یا کوئی قانونی دشواری ہو تو اس میں تاخیر بھی کی جاسکتی ہے۔ خیورہ کدیشا کے اراکین میت کو اٹھا کر نہلاتے ہیں اور پھر اسے سفید رنگ کے کپڑے کا کفن پہنا کر لکڑی کے بنے ایک تابوت میں رکھ دیتے ہیں۔ کفن سر کو ڈھکنے کے ایک کپڑے، شلوار، قمیص اور ایک بڑی شال پر مبنی ہوتا ہے جس کے اوپر تلیت بھی ڈال دی جاتی ہے۔ عبرانی بائیبل سے کچھ دعائیں خاص طور پر توریت کی تلاوت کی جاتی ہے اور مردے کو دفنا دیا جاتا ہے۔ راسخ العقیدہ یہودی لاش کو قبر میں دفنانا ضروری سمجھتے

ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ انسان کا جسم خاک سے بنایا گیا ہے۔ اس لیے اسے خاک ہی کے سپرد کرنا چاہیے۔ البتہ عصر حاضر میں کچھ یہودی فرقے خصوصاً اصلاح شدہ یہودی لاش کے جلانے کو بھی جائز سمجھنے لگے ہیں۔[69]

یہودی اعتقادات کے مطابق میت کو چھونا روحانی ناپاکی کا سبب ہوتا ہے لہذا کوہن (Kohen) کو میت والے کمرے یا جگہ پر موجود ہونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ کوہن یہودیت میں مثل پادری ایک منصب ہے اور وہ لوگ جنہوں نے میت کو مس کیا ہے ان پر غسل یا کم از کم ہاتھ پاؤں دھونا لازم ہوتا ہے۔

تدفین کا عمل ہر ممکن صورت جلد از جلد انجام دیا جاتا ہے۔ میت کو حنوط کرنا یا جلانا ممنوع ہے البتہ اگر مرحوم نے اعضاء عطیہ کیے ہوں تو اس کی مشروط شرعی اجازت لی جاسکتی ہے اگر یہ ثابت ہو کہ ایسا کرنے سے کوئی زندگی بچائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ جسم کو اس کے مکمل اعضاء سمیت دفن کرنا لازم ہے۔

کفنانے کے بعد کفن یا تابوت کو کھولنے کی اجازت نہیں تاکہ مرحوم کے دشمن اسے اس بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں نہ دیکھ پائیں۔ میت کے اوپر ایک شال جسے تالیت (Tallit) کہا جاتے ہے، بھی ڈال دی جاتی ہے۔

اسرائیل میں تابوت استعمال کرنے کا رواج نہیں اور اگر کسی وجہ سے استعمال کیا جائے تو اس میں سوراخ رکھے جاتے ہیں تاکہ خاک ارض سے میت کا تعلق برقرار رہے۔ ایک رسم یہ بھی ہے کہ مرنے والے کا قریبی عزیز ایک مشت خاک اس کے کفن میں ڈالتا ہے۔ یہ رسوم و عقائد اس بات کی دلیل ہیں کہ مرحوم کا جسم خاک ارض مقدس سے مس رہے۔

چونکہ عزیز کی وفات لواحقین کے لیے رنج و حزن لے کر آتی ہے اس لیے مرنے والے کے ورثاء درج بالا رسومات کی ادائیگی سے مستثنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ مرنے والا یا والی کسی کی ماں، باپ، بہن، بھائی، بیٹی، بیٹا، بیوی یا

---

[69] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص ۱۶۶، ۱۶۷

خاوند ہو تو اسے قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے نوحہ گر کہا جاتا ہے۔ نوحہ گر کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جب وہ وفات کی خبر سنے تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے جو ایک طرح سے ماتم کا عملی اظہار ہے۔ ماتم میں "قدیش" پڑھی جاتی ہے جو خدا کی حمد ہوتی ہے۔ اس کے پڑھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دکھ اور الم کی اس گھڑی میں بھی خدا کو یاد کیا جائے۔22 ہمسایوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ لواحقین کے لیے کھانا بنائیں۔ سات دن تک لواحقین سوائے سبت کے گھر سے نہیں نکلتے اور ماتم پرسی کے لیے آنے والوں سے ملتے ہیں۔ عبرانی زبان میں سات دن کے اس عرصے کو "شیو آ / شیفآ " کہتے ہیں۔ شیو آ میں لواحقین اپنے بال اور ناخن نہیں تراشتے، غسل نہیں کرتے اور نہ ہی آرام دہ کپڑوں کا استعمال کرتے ہیں۔ گھر میں مرنے والے کی یاد میں ایک شمع جلائی جاتی ہے جسے علامتی طور پر مرنے والے کی روح سمجھا جاتا ہے۔ شیو آ سے اگلے تیئس دن بھی ماتم جاری رہتا ہے جس میں روزمرہ کے کام تو جاری رہتے ہیں لیکن شادی بیاہ کی تقریبات اور خوشی کے تہواروں میں شرکت نہیں کی جاتی۔ ماں باپ کی وفات پر ایک سال تک خوشی کے تہواروں میں شمولیت نہیں کی جاتی۔ ایک سال پورا ہونے کے بعد مرنے والے کی یاد میں ایک دن منایا جاتا ہے جسے نیر نیشما" کہتے ہیں۔ اس دن بھی ایک شمع روشن کی جاتی ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ اس دن مرنے والے کی قبر پر بھی حاضری دی جائے۔ پہلا سال ختم ہونے کے ساتھ ہی نوحہ گر کے ماتم کی مدت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لازمی نہیں ہے کہ مرنے والے کے لیے دعا درج بالا دنوں ہی میں کی جائے۔ یہودیت میں بعض دیگر تہواروں، مثلاً یوم کپور، شودس، سکوت اور پیشاخ کے موقعوں پر بھی مرنے والوں کے لیے اجتماعی دعائیں کی جاتی ہیں۔[70]

تورات میں ہدایت کی گئی ہے کہ مرنے کے بعد میت کی تدفین اسی دن کر دی جائے یہودی قوانین میں اس ہدایت کا مطلب مردے کو زمین میں براہ راست دفن کرنا ہے تاہم جہاں تابوت کی ضرورت ہو وہاں تابوت کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی ہے ان کے ہاں مردے کو جلانے کی بھی اجازت نہیں ہے خواب میت نے اپنی زندگی میں اس کی وصیت بھی کی ہو اس طرح لاش کو حنوط کر کے محفوظ کرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ یہ تمام کام

[70] مطالعہ یہودیت، ذوہیب احمد، فروغ زبان پبلشرز، ص۱۶۶، ۱۶۷

خدائی صفات میں مداخلت کہلاتے ہیں میت اور تدفین کی تمام رسومات مردوں کے لیے مرد اور خواتین کے لیے خواتین ہی انجام دیتی ہیں مردے کو نہلانے کے بعد سفید کفن پہنایا جاتا ہے جس میں کئی کپڑے ہوتے ہیں کفن کو ہاتھ سے سیا جاتا ہے۔[71]

قوانین یہودیت کے مطابق الواح مزار کا ہونا لازم ہے تاکہ قبور کی شناخت برقرار رہے۔ کچھ گروہ بوقت زیارت قبور اس پر پتھر رکھنے کے بھی قائل ہیں۔ یہودی الواح مزار پر مرحوم کا نام، تاریخ پیدائش اور کچھ حالات زندگی (خصوصاً مذہبی خدمات) عبرانی زبان میں کندہ کیے جاتے ہیں، علاوہ ازیں کچھ مذہبی علامات مثلاً ستارہ داؤدی، منورا، آیات تورات اور اقتباسات دس احکام بھی لکھے جاتے ہیں۔

خود آزمائی

1 یہودی عبادات میں ٹیفیلاہ (Tefillah) یعنی نماز کے تصور کو اجاگر کریں اور اس کی تین اقسام بیان کریں۔

2 یہودی مذہبی ادب میں نماز کے احکام بیان کریں نیز یہودی نماز کی شرائط، تعویزات اور چادر کی وضاحت کریں۔

3 یہودیت میں سیناگاگ / عبادت گاہ (Synagogue) سمیت یہودی قوانین خوردونوش کی وضاحت کریں۔

4 یہودی رسومات اور تہواروں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے (Pentecost/ Shavuot) یعنی ہفتوں کے تہوار اور عید الفصح (Passover/ Pesach) پیساک کے تہوار پر روشنی ڈالیں۔

5 یہودیت میں یوم السبت (Sabbath/ Shabbath) کی اہمیت اور تفصیل بیان کریں۔

6 یہودیت میں روش ہشنہ (Rosh Hashanah) تہوار کی اہمیت اور تفصیل بیان کریں۔

7 یہودیت میں یوم کپور / یوم کفارہ (Yom Kippur- the day of Atonement) کی تفصیل بیان کریں۔

---

[71] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی، ص ۱۴۸

8 یہودیت میں سوکوت (Sukkot) کے تہوار پر روشنی ڈالیں۔

9 یہودیت میں ہنوکہ (Hanukkah) کے تہوار پر نوٹ لکھیں۔

10 تیشا باؤ (Tisha B'av) اور بار متزواہ- باتمتزواہ (Bar Mitzvah- Bat Mitzvah) کی رسومات کو بیان کریں۔

11 یہودیت میں ختنہ (Circumcision) کی رسم کی تفصیل بیان کریں۔

12 یہودیت میں شادی کی رسومات (Marriage) پر روشنی ڈالیں۔

13 یہودیت میں تدفین کی رسومات (Death and Burial) کی وضاحت کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے ماخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ

- قرآن مجید
- ابن كثير اسماعيل بن عمر البداية والنهاية معه نهاية البداية والنهاية في الفتن والملائين ص: ۲۵۵ ج ۱ دارالفكر، بيروت
- النجار، عبد الوہاب نقص القرآن، ص: ۱۴۴ دار احياء التراث العربى بيروت الطبعة الاولى: ۱۹۹۴ء
- عفيف عبد الفتاح طيارة ،اليهود في القرآن، دار العلم للملايان بيروت ۱۹۲۴ء
- آلوسى سيد محمود البغدادى روح المعانى، مكتبه ا لرشيد يه لا ہو ر
- خازن علاء الدين محمد بن ابراہيم تفسير خازن،دار الكتب العربية مصر
- عبد الكريم الشهرستانى الملل والنحل ، المطبعه حجازى با القاهره ۱۳۶۷ھ
- الطبرى محمد بن جعفر جريز جامع البيان في تفسير القرآن: دار المعرفة بيروت لبنان
- مولانا عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور

- محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی
- سیوہاروی، حفظ الرحمن، قصص القرآن، حبیب پبلیکیشنز، لاہور
- مودودی، ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۵
- پادری، خیر اللہ، قاموس الکتاب، مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۹۳ء
- کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور
- رانا احسان الحق یہودیت و مسیحیت، مسلم اکادمی لاہور ۱۹۸۱ء
- یوسف ظفر، یہودیت، نفیس پرنٹرز، لاہور
- ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ پبلشرز
- رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی

یونٹ:5

یہودیت کا مقدس دینی ادب

مولف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر محمد عبد اللہ
ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 222

یونٹ کے مقاصد 223

توراۃ کا تعارف 224

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں توریت کی کیفیت 225

عہد نامہ قدیم میں 'اسفار خمسہ' کو تورات کہنے کی تردید 227

عہد نامہ قدیم کے مطابق حضرت موسیٰؑ کا الواح کو ضائع کرنا 228

حضرت موسیٰؑ پر الواح کا دوبارہ نزول 229

خدا کے ساتھ بنی اسرائیل کا عہد 230

"عہد کا صندوق" اور تورات 230

حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کی وفات 231

تورات کی گمشدگی اور دریافت ہونے کا افسانہ 233

دریافت شدہ تورات کے ساتھ یہودیوں کا سلوک اور بُخْتَ نَصَّر کا حملہ 235

بنی اسرئیل کی ستر سالہ غلامی سے رہائی اور توریت کی از سر نو کتابت 237

عزرا نبی کی ترتیب و تدوین: 238

عصر حاضر میں یہود کی بنیادی کتب 239

تورات کا مفہوم 239

کتب تورات کے عدد کا اختلاف 241

خمسہ موسوی اور عہد نامہ عتیق کی کتب 243

تورات کی کتابوں کی فہرست اور مختصر تعارف 245

پیدائش (Genesis) 246

خروج(Exodus) 246
احبار(Leviticus) 247
شمار، گنتی(Numbers) 247
استثناء(Deuteronomy) 248
انبیاء کی کتب(Prophets) 248
بنی اسرائیل کے انبیائے متقدمین کی کتب: 249
انبیائے متاخرین کی کتب: 249
صحائفِ مقدسہ / متفرق کتابیں 250
صحائفِ مقدسہ / متفرق کتابیں سے متعلق محققین کی آراء 251
تالمود(Talmud) کا مفہوم و تعارف 253
غیر مستند اور غیر معتبر کتب اپوکریفہ 257
عہد نامہ قدیم کی کتب کی تعداد: 260
عہد نامہ قدیم کا دورِ تالیف 261
عہد نامہ قدیم کی زبان 262
عہد نامہ قدیم کی الہامی و استنادی حیثیت اور محققین کی آراء 265
بائبل کی روشنی میں عہد نامہ قدیم کا جائزہ 271
تورات کی حیثیت قرآن کی روشنی میں 272
تحریف تورات 273
خود آزمائی 277
جوابات 278
ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ 278

یونٹ کا تعارف

توریت "عبرانی" زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی قانون ہے۔ قرآنی اصطلاح میں تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو عبرانی زبان میں بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ یہود کے بنیادی مذہبی لٹریچر کو عربی میں "العہد العتیق" انگلش میں (Old Testsament)، اردو میں "عہد نامہ قدیم" یا "پرانہ عہد نامہ" کہتے ہیں۔ بائبل ایک کتاب کا نام نہیں، بلکہ انتالیس کتابوں پر مشتمل مجموعہ کا نام ہے۔ یہ مجموعہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ (توریت) پہلا حصہ پانچ کتابوں اور ایک سو ستاسی ابواب پر مشتمل ہے۔ خاص اسی حصے کو یہودی الہامی کتاب سمجھتے ہیں اور تورات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ تورات عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: تعلیم، قانون، شریعت۔ اسے عبرانی میں "توراہ"، انگریزی میں (Torah) اور عربی میں توراۃ کہا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ (صحائف انبیاء): دوسرا حصہ مختلف انبیائے کرام علیہم السلام سے موسوم "صحائف" اور بنی اسرائیل کے تاریخی واقعات پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ بائیس کتابوں پر مشتمل ہے۔ تیسرا حصہ (ادبی مجموعہ) تیسرا حصہ زیادہ تر مذہبی ادبی تحریروں پر مشتمل ہے، اس میں بارہ کتابیں ہیں۔ واضح رہے کہ عہد نامہ قدیم کے دو نسخے ہیں۔ ایک عبرانی اور دوسرا یونانی۔ یہودیوں کے ہاں معتبر نسخہ عبرانی ہے اور مسیحیوں کے ہاں یونانی نسخہ، اس یونٹ میں یہود کے مذہبی ادب کا مفصل جائزہ پیش کیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 توراۃ کا تعارف، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں توریت کی کیفیت اور عہد نامہ قدیم میں 'اسفار خمسہ' کو تورات کہنے کی تردید پر روشنی ڈال سکیں۔

2 عہد نامہ قدیم کے مطابق حضرت موسیٰؑ کا الواح کو ضائع کرنا، الواح کے دوبارہ نزول کی تفصیل بیان کر سکیں۔

3 عہد نامہ قدیم کے مطابق خدا کے ساتھ بنی اسرائیل کے عہد، عہد کا صندوق" اور تورات، حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کی وفات کے واقعات کی وضاحت کر سکیں۔

4 تورات کی گمشدگی اور دریافت ہونے کا افسانہ، دریافت شدہ تورات کے ساتھ یہودیوں کا سلوک اور بُخْتَ نَصَّر کے حملہ سے متعلق واقعات کو بیان کر سکیں۔

5 بنی اسرئیل کی ستر سالہ غلامی سے رہائی اور توریت کی از سر نو کتابت پھر عزرا نبی کی ترتیب و تدوین پر نوٹ لکھ سکیں۔

6 عصر حاضر میں یہود کی بنیادی کتب، تورات کا مفہوم، خمسہ موسوی اور عہد نامہ عتیق کی کتب کی وضاحت کر سکیں۔

7 تورات کی پانچ کتابوں (پیدائش، خروج، احبار، گنتی، استثناء) کا مختصر تعارف لکھ سکیں۔

8 بنی اسرائیل کے انبیائے متقدمین، انبیائے متاخرین، صحائفِ مقدسہ کی کتب کے نام تحریر کر سکیں، اور ان سے متعلق محققین کی آراء نقل کر سکیں۔

9 تالمود (Talmud) کا مفہوم و تعارف بیان کر سکیں۔

10 غیر مستند اور غیر معتبر کتب اپوکریفہ پر روشنی ڈال سکیں، نیز عہد نامہ قدیم کی کتب کی تعداد بیان کر سکیں۔

11 عہد نامہ قدیم کے دورِ تالیف اور عہد نامہ قدیم کی زبان سے متعلق محققین کی آراء کی وضاحت کر سکیں۔

12 عہد نامہ قدیم کی الہامی و استنادی حیثیت اور محققین کی آراء کا جائزہ لے سکیں۔

13 بائبل کی روشنی میں عہد نامہ قدیم کا جائزہ لے سکیں۔

14 تورات کی حیثیت اور تحریف سے متعلق قرآن کے نقطہ نظر کو بیان کر سکیں۔

توراۃ کا تعارف

توراۃ "عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے "شریعت اور قانون"۔ یہ لفظ خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ بن عمران پر نازل ہونے والی کتاب کے لئے بولا جاتا ہے، نیز بعض اوقات عہد عتیق کی کتب کے مجموعے کے لئے اور کبھی کبھی تورات کے پانچوں اسفار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہودیوں کی کتب کے مجموعے کو عہد عتیق کہتے ہیں، اس میں تورات اور چند دیگر کتب شامل ہیں۔

تورات کے پانچ حصے ہیں جنہیں سفر پیدائش ، سفر خروج، سفر احبار، سفر گنتی اور سفر تثنیہ کہتے ہیں ، اس کے موضوعات یہ ہیں:

(۱) کائنات، انسان اور دیگر مخلوقات کی خلقت،

(۲) حضرت موسیٰ (ع) بن عمران، گذشتہ انبیاء اور بنی اسرائیل کے حالات اور،

(۳) اس دین کے احکام کی تشریح۔

عہد عتیق کی دیگر کتابیں در اصل حضرت موسیٰؑ کے بعد مؤرخین کی تحریر کردہ ہیں، ان میں حضرت موسیٰ بن عمران کے بعد کے نبیوں، حکمرانوں اور قوموں کے حالات بیان کئے ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ تورات کے پانچوں اسفار سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو دیگر کتب میں سے کوئی کتاب بھی آسمانی کتاب نہیں ہے۔ خود یہودی بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ حضرت داؤدؑ سے منسوب زبور جسے وہ مزامیر کہتے ہیں، حضرت داؤد کے مناجات اور پند نصائح کی تشریح ہے۔ رہی بات تورات کے پانچوں سفروں کی تو ان میں ایسے واضح قرائن موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ بھی آسمانی کتابیں نہیں ہیں بلکہ وہ تاریخی کتب ہیں جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بعد لکھی گئی ہیں کیونکہ ان میں حضرت موسیٰؑ کی وفات، ان کے دفن کی کیفیت اور ان کی وفات کے بعد کچھ حالات مذکور ہیں۔ خصوصاً سفر تثنیہ کے آخری حصے میں یہ بات وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی وفات سے کافی مدت بعد لکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ان کتب میں بہت سی خرافات اور ناروا باتیں انبیاء و مرسلین سے منسوب کر دی گئی ہیں، بعض بچگانہ باتیں بھی ہیں جو

ان کے خود ساختہ اور جعلی ہونے پر گواہ ہیں نیز بعض تاریخی شواہد بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ اصلی تورات غائب ہو گئی اور پھر حضرت موسیٰ بن عمران کے پیروکاروں نے یہ کتابیں تحریر کیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں توریت کی کیفیت

زمانہ قدیم میں تحریر قلم و قرطاس سے وجود میں نہیں آتی تھی، بلکہ لوہا، پیتل، پتھر، لکڑی پر نقوش کندہ کر دیے جاتے تھے، وہی تحریر کہلاتی۔ روئی اور ریشم سے وجود میں آنے والا کاغذ آٹھویں صدی عیسوی میں ایجاد ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی توریت پتھر یا لکڑی کے تختوں پر منقوش تھی۔ توریت اسی نقش شدہ کیفیت میں نازل ہوئی تھی یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ان پر نقش فرمائی تھی؟ اس میں دونوں احتمال ہیں، جو مفسرین کرام نے مندرجہ ذیل قرآنی آیت کی تفسیر میں بیان فرمائے ہیں۔

وَكَتَبْنَا لَـهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ [1]

"اور ہم نے ان کو تختیوں پر ہر چیز لکھ دی، نصیحت اور تفصیل ہر چیز سے متعلق"

پتھر اور لکڑی کی یہ تختیاں انتہائی قیمتی ہوتی تھیں، اس لیے آپ نے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا، اسی ایک نسخے کو اس میں محفوظ رکھا، ہر کس و ناکس کو براہ راست اس سے استفادے کی اجازت نہیں تھی۔ توریت کے حفظ کے رواج کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی سرکش طبیعت سے واقف تھے، ان کی طرف سے تحریف توریت کا خدشہ بھی لگا رہتا تھا، چناں چہ موجودہ توریت کی کتاب "استثناء" میں ہے:

> "جب حضرت موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو ایک کتاب میں لکھ چکا اور وہ ختم ہو گئیں تو موسیٰ نے لاویوں سے، جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھایا کرتے تھے، کہا کہ وہ اس شریعت کی کتاب کو لے کر خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے پاس رکھ دو، تاکہ وہ تیرے برخلاف گواہ رہے،

[1] سورة الأعراف ۷:۱۴۵

کیوں کہ میں تیری بغاوت اور گردن کشی کو جانتا ہوں، دیکھو! ابھی تو میرے جیتے جی تم خداوند سے بغاوت کرتے ہو، میرے مرنے کے بعد کتنا زیادہ کرو گے "[2]

یہودیوں کے مطابق ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی پیشگی حفاظت کی خاطر دو وصیتیں فرمائیں۔

(1) ہر سات سال کے آخر میں جب اسرائیلی جمع ہوں توریت پڑھ کر سنائی جائے۔

پہلی وصیت سے متعلق "استثناء" میں لکھا ہے:

"اس صندوق میں توریت رکھ کر اسے بنی لاوی اور اسرائیل کے سب بزرگوں کے سپرد کیا اور انہیں یہ حکم بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ہر سات سال کے آخر میں جب سب اسرائیلی جمع ہوں، تو ان کو توریت پڑھ کر سنانا۔"[3]

(2) ہر اسرائیلی بادشاہ اس کی ایک نقل اتروا کر اپنے پاس رکھے اور اسے پڑھتا رہے۔

دوسری وصیت سے متعلق "استثناء" میں لکھا ہے:

"اور جب وہ تخت پر جلوس کرے تو اس شریعت کی، جو لاوی کاہنوں کے پاس رہے گی، ایک نقل اپنے لیے کتاب میں اتار لے اور وہ اسے اپنے پاس رکھے اور اپنی ساری عمر اسے پڑھا کرے، تاکہ وہ خداوند اپنے خدا کا خوف ماننا اور اس شریعت اور آئین کی سب باتوں پر عمل کرنا سیکھے۔"[4]

یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان دونوں وصیتوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کا اندیشہ اس قوم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہو چکا تھا، چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام نے تو اپنی زندگی میں دوبار اسے پڑھ کر قوم کو سنایا، لیکن اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ

---

[2] استثناء باب ۳۱: ۲۵، ۲۵، ۲۶

[3] استثناء، ۳۱: ۹ تا ۱۳

[4] استثناء، ۱۷: ۱۸، ۱۹

السلام کے عہد تک پڑھ کر سنانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی بادشاہ کے لیے دوسرا نسخہ نقل کرانے کا ثبوت ملتا ہے۔

عہد نامہ قدیم میں 'اسفار خمسہ' کو تورات کہنے کی تردید

یہودیوں کی جانب سے 'اسفار خمسہ' کو تورات کا نام دینے کے نظریہ کی تردید اور حضرت موسیٰؑ کے اس کے مصنف ہونے کی تردید خود عہد نامہ قدیم میں مندرج بیانات سے واضح ہے۔

کتاب استثناء میں لکھا ہے کہ

"میں (موسیٰؑ) پتھر کی تختیوں کو لینے کے لئے پہاڑ کے اُوپر گیا جو معاہدہ خداوند نے تمہارے ساتھ کیا اُن تختیوں میں لکھا تھا۔ میں وہاں پہاڑ پر چالیس دن اور چالیس رات ٹھہرا۔ میں نے نہ روٹی کھائی اور نہ ہی پانی پیا۔ تب خداوند نے مجھے پتھر کی دو تختیاں دیں۔ خداوند نے ان تختیوں پر اپنی اُنگلیوں سے لکھا ہے۔ اس پر اُس نے اُس ہر ایک بات کو لکھا جنہیں اُس نے آگ میں سے کہا تھا جب تم پہاڑ کے چاروں طرف جمع تھے۔ اس لئے چالیس دن اور چالیس رات کے ختم پر خداوند نے مجھے معاہدہ کی پتھر کی دو تختیاں دیں"۔[5]

بائبل کی تفسیر میں لکھا ہے۔

وہی باتیں... عہد کی لوحیں دس حکم... یہ دس حکم خدا اور بنی اسرائیل کے درمیان عہد کی بنیاد تھے۔[6]

کتاب خروج میں الواح کے بارے میں یہ بیان ہے۔

---

[5] استثناء ۹:۹، ۱۱

[6] کتاب مقدس، مطالعاتی اشاعت ،پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور ،ص ۳۳۵

"تب موسیٰ پہاڑ سے نیچے اُترا، موسیٰ کے پاس معاہدے کے دو پتھر (لوحیں) تھے۔ یہ احکام پتھر کے سامنے اور پیچھے دونوں طرف لکھے ہوئے تھے۔ خدا نے یقیناً اُن پتھروں کو بنایا تھا اور خدا نے ہی اُن احکام کو اُن پتھروں پر لکھا تھا"۔[7]

عہد نامہ قدیم کے مطابق حضرت موسیٰؑ کا الواح کو ضائع کرنا

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ ؑ کے پہاڑ پر چلے جانے کے بعد پرستش کے لئے بچھڑا بنا لیا تو عہد نامہ قدیم میں حضرت موسیٰؑ کے بیان کے مطابق یہ الواح انہوں نے خود توڑ ڈالی تھیں۔

"تب خداوند نے مجھ سے کہا "اُٹھو اور جلدی یہاں سے نیچے جاؤ۔ جن لوگوں کو تم مصر سے باہر لائے ہو اُن لوگوں نے خود کو برباد کر لیا ہے وہ اُن باتوں سے بہت جلد ہٹ گئے ہیں جن کے لئے میں نے حکم دیا تھا۔ اُنہوں نے سونے کو پگھلا کر اپنے لئے ایک مورتی بنالی ہے۔" خداوند نے مجھ سے یہ بھی کہا "میں نے ان لوگوں پر اپنی نظر رکھی ہے وہ بہت ضدّی ہیں۔ مجھے اکیلا چھوڑو! میں ان لوگوں کو پوری طرح سے تباہ کر دوں گا۔ کوئی آدمی اُن کا نام کبھی یاد نہیں کرے گا! تب میں تم سے دوسری قوم بناؤں گا جو ان کی قوم سے زیادہ بڑی اور طاقتور ہو گی۔ "تب میں مُڑا اور پہاڑ سے نیچے آیا پہاڑ آگ سے جل رہا تھا۔ معاہدہ کی دونوں تختیاں میرے دو ہاتھ میں تھیں۔ جب میں نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ تم نے خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کیا ہے۔ تم نے اپنے لئے پگھلے سونے سے ایک بچھڑا بنایا ہے خداوند نے جو حکم دیا ہے اُس سے تم بہت جلد دور ہو گئے۔ اِس لئے میں نے دونوں تختیاں لیں اور اُنہیں نیچے پھینک کر تمہاری آنکھوں کے سامنے ٹکڑے کر دیئے 8"

[7] خروج ۳۲:۱۵، ۱۶

[8] استثناء ۹:۱۲، ۱۷

حضرت موسیٰ پر الواح کا دوبارہ نزول

کتاب استثناء میں حضرت موسیٰؑ کا قول مذکور ہے جس کے مطابق انہیں خدا کی جانب سے پتھر کی الواح دوبارہ مل گئیں۔

"اس وقت خداوند نے مجھ سے کہا' تم پہلی تختیوں کی طرح پتھّر کاٹ کر دو تختیاں بناؤ تب تم میرے پاس پہاڑ پر آنا اپنے لئے لکڑی کا ایک صندوق بھی بنانا۔ میں ان پتھر کی تختیوں پر وہی الفاظ لکھوں گا جو ان پہلی تختیوں پر لکھا تھا جنہیں تو نے توڑ دیا۔ تب تو ان تختیوں کو صندوق میں رکھنا۔" اس لئے میں نے ببول کی لکڑی کا ایک صندوق بنایا۔ میں نے پتھّر کاٹ کر پہلی تختیوں کی طرح دو تختیاں بنائیں۔ پھر میں ان دو پتھر کی تختیوں کے ساتھ پہاڑ پر گیا۔ اور خداوند نے وہی الفاظ لکھے جو اس نے اس وقت لکھے تھے۔ وہ دس احکامات جو اس نے پہاڑ پر آگ میں سے تم کو دیے تھے جب تم پہاڑ کے پاس جمع تھے پھر خداوند نے وہ پتھر کی تختیاں مجھے دیں۔ میں مُڑا اور پہاڑ کے نیچے آیا میں نے اپنے بنائے ہوئے صندوق میں تختیوں کو رکھا خداوند نے مجھے اس میں رکھنے کو کہا اور تختیاں اب بھی اسی صندوق میں ہیں"۔[9]

ولیم میکڈونلڈ نے تورات کی تفسیر میں اس عبارت کی وضاحت میں لکھا ہے کہ

"اس عبارت میں دوسری شریعت کے دئے جانے اور عہد کے صندوق میں دو لوحوں کے رکھنے کا ذکر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ موسیٰؑ نے شخصی طور پر عہد کے صندوق کو بنایا بلکہ اس نے بنوایا، جیسے ہم اکثر کسی شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے فلاں کام کیا حالانکہ اس نے وہ کام کرنے کا حکم دیا"[10]

---

[9] استثناء ۱۰:۱، ۵

[10] ولیم میکڈونلڈ، دی لرننگ بائبل، مترجم بشپ سموئیل، مسیحی اشاعت خانہ، اشاعت ۲۰۱۶، ص ۳۰۴

خدا کے ساتھ بنی اسرائیل کا عہد

تورات کے مطابق حضرت موسیٰ نے قوم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آج تم سبھی خداوند اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہو تمہارے قائدین تمہارے عہدیداروں تمہارے بزرگ (قائدین) اور سبھی دوسرے لوگ یہاں ہیں۔ تمہاری بیویاں اور بچے یہاں ہیں اور وہ غیر ملکی بھی یہاں ہیں جو تمہارے درمیان رہتے ہیں تمہاری لکڑیاں کاٹتے اور پانی بھرتے ہیں۔ تم سبھی یہاں خداوند اپنے خدا کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے والے ہو خداوند تم لوگوں کے ساتھ یہ معاہدہ آج کر رہا ہے۔ اس معاہدہ کے ذریعے خداوند تمہیں اپنے خاص لوگ بنا رہا ہے اور وہ تمہارا خدا ہو گا اس نے یہ تم سے کہا ہے۔ اس نے تمہارے آباء و اجداد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب سے وعدہ کیا تھا۔ خداوند اپنا وعدہ کر کے صرف تم لوگوں کے ساتھ ہی معاہدہ نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ وہ معاہدہ ہم سبھی کے ساتھ کر رہا ہے جو یہاں آج خداوند اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہیں لیکن یہ معاہدہ ہماری اُن نسلوں کے لئے بھی ہے جو آج یہاں ہم لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں"۔[11]

"عہد کا صندوق" اور تورات

تورات کے مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہے کہ پہاڑ پر حضرت موسیٰؑ کو خدا نے لوحوں پر کندہ اپنے احکامات کی دستاویز عطا کی تھیں جسے انہوں نے خداوند کے 'عہد کے صندوق' میں تبرکاً رکھ دیا تھا۔

"موسیٰ نے یہ سارے اُصول ایک کتاب میں لکھے جب اس نے اسے پورا کر لیا تو۔ اس نے لاوی نسلوں کو حکم دیا، یہ لوگ خداوند کے معاہدہ کے صندوق کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ موسیٰ نے کہا۔ "اس تعلیمات کی کتاب کو لو اور خداوند اپنے خدا کے معاہدہ کے صندوق کے بازو میں رکھو تب یہ وہاں تمہارے خلاف گواہ ہو گی۔ میں جانتا ہوں تم بہت ضدّی ہو میں جانتا ہوں تم باغی ہو۔ دیکھو

[11] استثناء ۲۹:۱۰،۱۵

تم نے خداوند کی فرمانبرداری کرنے سے انکار کر گئے جبکہ میں ابھی تک تمہارے ساتھ ہوں۔ میں جانتاہوں کہ میری موت کے بعد بھی تم خداوند کے فرمانبرداری سے انکار کروگے"۔[12]

"موسیٰ موآب کی نچلی زمین سے نبو پہاڑ پر گئے جو یریحو کے پار پسگہ کی چوٹی پر تھا۔ خداوند نے اسے جِلعاد سے دان تک کی ساری زمین دکھلائی۔ خداوند نے اسے سارا نفتالی جو افرائیم اور منّسی کا تھا دکھایا۔ اس نے بحیرہ قلزم تک یہوداہ کی سرزمین دکھائی۔ خداوند نے موسیٰ کو کھجور کے درختوں کے شہر ضغر سے یریحو تک پھیلی وادی اور نیگیو دکھایا۔ خداوند نے موسیٰ سے کہا، "یہ وہ ملک ہے جس کا میں نے ابراہیم، اسحاق اور یعقوب سے وعدہ کیا تھا، میں اس ملک کو تمہاری نسلوں کو دوں گا۔ میں نے تمہیں اس ملک کو دکھایا لیکن تم وہاں جانہیں سکتے۔[13]

حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کی وفات

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ بنی اسرائیل نے کسی قدر عزم وہمت کا مظاہرہ کیا اور موآب کے علاقے کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی، تیہہ میں دشت نوردی اور ادوم کے پہاڑوں اور موآب کے میدانوں میں مسلسل تبلیغِ دین کا فریضہ ادا کرتے آئے تھے، نیز تورات نازل ہوچکی تھی۔ اب داعی اجل کو لبیک کہنے کا وقت آپہنچا۔

بائبل کی کتاب استثناء میں لکھاہے :

"موسیٰؑ کوہِ نبو کے اوپر پِسگہ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور خداوند نے جلعاد کا سارا ملک دان تک اور نفتالی کا سارا ملک، اور افرائیم اور منسی کا ملک اور یہوداہ کا سارا ملک پچھلے سمندر (بحیرۂ روم) تک، اور جنوب کا ملک اور وادیٔ یریحو جو کھجوروں کا شہر ہے، میدانِ ضغر تک اسے دکھایا۔ اور خداوند نے اس سے کہا: ''یہی وہ ملک ہے جس کی بابت میں نے ابراہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کر کہا تھا کہ اسے میں تمہاری نسل کو دوں گا۔ سو میں نے ایسا کیا، تو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے، پر تو اس پار وہاں جانے نہ پائے گا پس خداوند کے بندہ موسیٰ (علیہ السلام) نے وہیں موآب کے ملک

---

[12] استثناء ۳۱:۲۴، ۲۷

[13] استثناء ۳۴:۱، ۱۰

میں وفات پائی اوراس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا، پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور موسیٰ علیہ السلام اپنی وفات کے وقت ۱۲۰ برس کا تھا"۔[14]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون کی قیادت میں بنی اسرائیل نے دریائے اردن پار کر کے پہلے اریحا فتح کیا اور پھر بتدریج پورے کنعان (فلسطین) پر قبضہ کر لیا، اگرچہ بنی اسرائیل نے چودھویں صدی قبل مسیح میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں فرعون کی غلامی سے نجات پائی تھی، لیکن ان کا دورِ فتوحات موسیٰ علیہ السلام کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ایک طویل عرصے تک وادیٔ تیہہ نے ان کو اپنے اندر سموئے اور اُلجھائے رکھا، یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد ان کے جانشین حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے دور میں ان پر فتوحات کا دروازہ کھلا اور بنی اسرائیل فلسطین کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں سے بنی اسرائیل ایک زبردست حکومت کا آغاز کرتے ہیں۔ اور تقریباً دو صدیوں تک ان کا ڈنکا بجتا سنائی دیتا ہے۔ بنی اسرائیل کا یہ دوسرا دور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے حضرت سموئیل تک کا ہے، اس دور کو ''دورِ قضاۃ'' یا "The Period of the Judges" کہتے ہیں اور یہ دور ۱۲۰۰ سے ۱۰۲۰ قبل مسیح تک ہے۔[15]

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر اس طرح ہے:

''میں خداوند کے بندے موسیٰ نے خداوند کہنے کے مطابق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت مخفور کے مقابل دفن کیا۔ یہ آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور اس وقت سے لے کر آج تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی جس نے موسیٰ کی مانند خدا کے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔''[16]

---

[14] کتاب استثناء ۳۴: ۴۰

[15] The New Encyclopedia Britannica, vol 14, P. 919

[16] کتاب استثناء، باب نمبر ۳۴: ۵۔۶

یوشع حضرت یوسف علیہ السلام کے فرزند افرائیم کی اولاد سے تھے۔ ان کا اصل نام ہوسیع تھا مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کا نام یشوع یا یوشع رکھا تھا۔ بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اکثر خاطر میں نہ لاتے تھے، آپؑ کے انتقال کے بعد مزید خود سر ہو گئے اور حضرت یوشع علیہ السلام کو ہمیشہ زچ کئے رکھا، ان کی عیش پرستی اور راحت طلبی روزافزوں رہی۔

یہی بات کتاب مقدس میں اس طرح ہے :

"اور ان دنوں بنی اسرائیل میں کوئی بادشاہ نہ تھا، ہر ایک شخص جو کچھ اس کی نظر میں اچھا معلوم ہوتا تھا وہی کرتا تھا"۔[17]

حضرت یوشع بن نون کے بعد عمالقہ کے حملے حد سے بڑھ گئے۔ عمالقہ فلسطین کے اکثر حصوں پر قابض ہو گئے تھے اور بنی اسرائیل "رامہ" کے علاقہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو عمالقہ سے اپنے مقبوضات واپس لینے کیلئے جنگ کرنا پڑی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد زمام خلافت حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ میں آئی۔

تورات کی گمشدگی اور دریافت ہونے کا افسانہ

بنی اسرائیل کے ایک منتظم حضرت شموئیل اسرائیلی نبی تھے، جو اختلاف روایت کے ساتھ بیس برس یا چالیس برس تک بنی اسرائیل کے منتظم رہے انہوں نے اپنے بڑھاپے میں حضرت طالوت کو جنہیں اسرائیلی روایت میں "ساؤل" کہا جاتا ہے، اسرائیلیوں کا بادشاہ مقرر کیا، حضرت طالوت حضرت یوسف کے چھوٹے بھائی بنیامین کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، بیس برس تک بادشاہی کرنے کے بعد دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور زمام اقتدار حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں آگیا، جن کی مدت سلطنت چالیس سال تک رہی، آپ کے بعد آپ کے اقتدار کے وارث حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے اور چالیس سال تک اس شان سے بادشاہی فرمائی کہ تا قیامت ان جیسی بادشاہی کا دعوے دار کوئی نہیں ہو سکتا۔

---

[17] کتاب قضاۃ ۲۱:۲۵

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں پہلی بار اس صندوق کو کھولا گیا، جس میں تورات کے محفوظ رکھے جانے کا دعویٰ تھا، لیکن جب اسے کھولا گیا تو اس میں تورات مفقود تھی.....، چنانچہ یہود کی مزعومہ الہامی کتاب اس حقیقت سے یوں نقاب کشائی کرتی ہے، عہد نامہ قدیم کی کتاب سلاطین میں مذکور ہے:

"اور اس صندوق میں کچھ نہ تھا سوائے پتھر کی ان دو لوحوں کے، جن کو وہاں موسیٰ نے حورب میں رکھ دیا تھا، جس وقت کہ خداوند نے بنی اسرائیل سے، جب وہ ملک مصر سے نکل آئے، عہد باندھا تھا"۔[18]

تورات کی زیارت، تلاوت اور سماعت تو صدیوں سے موقوف تھی، اب گمشدگی کا راز بھی کھل گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل باہمی اختلاف کا شکار ہو گئے، بالآخر سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک گروہ نے یربعام کو بادشاہ بنا کر اس کا نام "اسرائیلی حکومت" رکھ لیا، دوسرے گروہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیٹے رحبعام کو اپنا بادشاہ بنا کر اپنی سلطنت کا نام "یہوداہ کی سلطنت" رکھ لیا، پہلی سلطنت کا حلقہ اثر شمال کا علاقہ بشمول شرق اردن تھا اور پایہ تخت سامریہ تھا، دوسری سلطنت کا حلقہ اثر جنوب کے علاقوں میں تھا اور پایہ تخت یروشلم تھا۔

یہودی مؤرخین کے بیان کے مطابق گمشدہ تورات یوسیاہ بادشاہ کے عہد میں دریافت ہوئی تھی اور یوسیاہ بادشاہ "یہوداہ کی سلطنت" کا بادشاہ تھا۔ یوسیاہ کے عہد تک سلطنت یہوداہ کی مدت ۳۵۷ سال بنتی ہے، جس میں باایمان رہنے کی مجموعی مدت ایک سو بارہ سال ہے، اس کے علاوہ دو سو پینتالیس سال تک پوری قوم کفر و بت پرستی میں مبتلا رہی اس پورے عرصے فقط چار بادشاہ مومن تھے، باقی کافر تھے یا کفر نواز تھے۔ اس کی مکمل تفصیل عہد نامہ قدیم کی کتاب "تواریخ" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ پھر یوسیاہ کے عہد میں تورات کیسے دریافت ہوئی؟ سلاطین میں لکھا ہے۔

"اور سردار کاہن خلقیاہ نے سافن منشی سے کہا کہ مجھے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب ملی ہے اور خلقیاہ نے وہ کتاب سافن کو دی اور اس نے اس کو پڑھا، اور سافن منشی بادشاہ کے پاس آیا اور

---

[18] سلاطین اوّل ۶:۸، ۹

بادشاہ کو خبر دی کہ تیرے خادموں نے وہ نقدی، جو ہیکل میں ملی، لے کر ان کارگزاروں کے ہاتھوں میں سپرد کی جو خداوند کے گھر کی نگرانی رکھتے ہیں، سافن منشی نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ خلقیاہ کاہن نے ایک کتاب میرے حوالے کی ہے اور سافن نے اسے بادشاہ کے حضور پڑھا، جب بادشاہ نے توریت کی کتاب کی باتیں سنی تو اپنے کپڑے پھاڑ دیے اور بادشاہ نے خلقیاہ کاہن اور سافن کے بیٹے "اخی قام" اور میکایاہ کے بیٹے عکبور اور سافن منشی اور عسایاہ کو، جو بادشاہ کا ملازم تھا، یہ حکم دیا کہ یہ کتاب جو ملی ہے اس کی باتوں کے بارے میں تم جا کر میری اور سب لوگوں اور سارے یہوداہ کی طرف سے خداوند سے دریافت کرو، کیوں کہ خداوند کا بڑا غضب ہم پر اسی کے سبب سے بھڑکا ہے کہ ہمارے باپ دادا نے اس کتاب کی باتوں کو نہ سنا۔"[19]

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ کم و بیش ساڑھے تین صدیوں سے گمشدہ کتاب کے متعلق خارجی دلائل کے بغیر کیسے یقین کر لیا جائے کہ یہ حقیقی تورات ہے؟ بالفرض اسے حقیقی تورات فرض کر لیا جائے تو اس کے محفوظ اور غیر متبدل ہونے کا یقین کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

دریافت شدہ تورات کے ساتھ یہودیوں کا سلوک اور بُخت نَصّر کا حملہ

یوسیاہ نے سترہ سال باحالت ایمان حکومت کی اور بالآخر مصری شاہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے، ان کے بعد ان کے بیٹے نے زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لی، اس نے حکومت سنبھالتے ہی کفر اختیار کیا اور بت پرستی کا اعلان کیا، ہارونی کاہن سے تورات لے کر جہاں کہیں اللہ کا نام پایا مٹایا، تین مہینے حکومت کرنے کے بعد شاہ مصر کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی "یہویاقیم" والی ملت ہوا، اس نے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رعایا سمیت کفر کا اعلان کیا، بت خانے تعمیر کرائے، ہارونی کاہن سے کتاب لے کر اسے جلا ڈالا اور اس کا نام و نشان مٹا دیا، گیارہ سال حکومت کر کے یہ مر گیا، اس کے بعد امور مملکت اس کے بیٹے "یہویاکین" نے اپنے ہاتھ میں لیے، وہ بھی کافر اور بت پرست تھا تین مہینے حکومت کی تھی کہ بخت نصر خدائی کوڑا بن کر ان پر برسا اور یہ گرفتار ہو گیا، اس کی جگہ اس کا چچا

[19] سلاطین ۸: ۱۳ تا ۲۲

"متنیابن یوسیاہ" والی ہوا، وہ بھی مرتد اور بت پرستی میں مبتلا تھا رعایا بھی اس کی پیروکار تھی، اس کی سلطنت گیارہ سال رہی، بالآخر یہ بھی بخت نصر کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔

بخت نصر نے ۵۹۸ق م یروشلم پر قبضہ کر لیا تھا، یہودیوں نے کچھ عرصے بعد بغاوت کی، جس کے نتیجے میں بخت نصر نے شہر کو تہس نہس کر دیا، ہیکل کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا ستر ہزار یہودی قتل ہوئے، باقی ماندہ یہودی، مرد، عورتوں، بچوں کو قیدی بنا کر اپنے ہمراہ عراق لے گیا۔ عموماظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ بخت نصر کے حملے میں ہیکل کے ساتھ تورات بھی نذر آتش ہو گئی، حالاں کہ تورات کو تو یہودی خود اس سے پہلے جلا چکے تھے، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

بخت نصر کے حملے کی روئیداد، تواریخ، میں یوں مذکور ہے:

"لیکن خدا کے لوگوں نے خدا کے نبیوں کا مذاق اُڑایا۔ انہوں نے خدا کے نبیوں کی بات سننے سے انکار کیا۔ انہوں نے خدا کے پیغام سے نفرت کی۔ خدا اپنے لوگوں سے ناراض ہو گیا اور ایسا کچھ نہ تھا جو اسے روکنے کے لئے کیا جاس کے۔ اس لئے خدا نے بابل کے بادشاہ کو یروشلم اور یہوداہ کے لوگوں پر حملہ کرنے کے لئے لایا۔ بابل کے بادشاہ نے نوجوانوں کو مار ڈالا جب وہ اپنے ہیکل میں تھے۔ اس نے یہوداہ اور یروشلم کے لوگوں پر رحم نہ کیا۔ بابل کے بادشاہ نے صرف جوان اور بوڑھے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ اس نے سارے مردوں اور عورتوں کو بھی مار ڈالا۔ اس نے بیماروں اور تندرستوں کو بھی مار دیا۔ خدا نے نبوکد نضر کو یہوداہ اور یروشلم کے لوگوں کو سزا دینے کی اجازت دے دی۔ نبوکد نضر نے ہیکل کی تمام چیزوں کو بابل لے گیا۔ اس نے تمام قیمتی چیزوں کو ہیکل سے بادشاہ سے اور بادشاہ کے افسروں سے لے لیا۔ نبوکد نضر اور اس کی فوج نے ہیکل کو جلا دیا۔ انہوں نے یروشلم کی دیوار کو توڑ دیا اور اس نے عہدیداروں کے گھروں کو اور محلوں کو جلا دیا۔ انہوں نے سبھی قیمتی چیزوں کو تباہ کر دیا۔ نبوکد نضر نے ان لوگوں کو جو زندہ بچے تھے انہیں بابل لے گیا اور انہیں زبردستی غلام بنایا۔ وہ لوگ غلاموں کی طرح بابل میں اس وقت تک رہے جب تک فارس کے شہنشاہ نے بابل کی حکومت کو شکست نہ دی"۔[20]

[20] تواریخ دوم باب ۳۶ آیت ۱۶ تا ۲۰

تواریخ میں قید کا یہ زمانہ ستر برس لکھا ہے، عہد غلامی کے اس طویل عرصے میں وہ اپنے طور طریقے، طرز معاشرت، بلکہ اپنی قدیمی زبان عبرانی، جس میں تورات نازل ہوئی تھی، وہ بھی بھلا چکے تھے۔

"اسطرح خداوند نے بنی اسرائیلیوں پر جو یرمیاہ نبی سے کہلوایا تھا ان واقعات کو ہونے دیا۔ خداوند نے یرمیاہ نبی کے ذریعہ کہا تھا" یہ جگہ ۷۰ سال تک ویران خالی رہے گی۔ یہ سرزمین کو اجازت دے گی کہ وہ اپنا سبت کا آرام کرلے جسے کہ لوگوں نے نہیں دیکھے تھے"۔[21]

تورات تو پہلے نذر آتش کر چکے تھے یا بخت نصر کے ہاتھوں کروا چکے تھے، اب تورات کی زبان سے بھی نابلد ہو گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک اکثر و بیشتر یہودی، یونانی یا دوسری مماثل زبانیں بولتے تھے۔ یہاں کئی تاریخی سوالات اٹھتے ہیں، یہ صندوق بنی ہارون کی تولیت میں تھا اور انتہائی بابرکت متصور کیا جاتا تھا، اس سے اس قدر اجتماعی غفلت کیوں کر ممکن ہوئی؟ پھر اسے بازیاب کرانے کے لیے بنی اسرائیل نے کیا سرگرمی دکھائی؟ اجتماعی ارتداد کے ادوار میں اسے خود اسرائیلی کاہنوں نے ضائع تو نہیں کر دیا تھا؟

بنی اسرئیل کی ستر سالہ غلامی سے رہائی اور توریت کی از سر نو کتابت

شاہ بابل اور شاہ ایران کے درمیان جنگ ہوئی، انجام کار ایرانی فاتح سائرس نے ۵۳۹ ق م بابل پر قبضہ کر لیا، جس نے اسرائیلی قوم کی قابل رحم حالت اور مسکنت دیکھ کر انہیں آزاد کر دیا، واپس بیت المقدس جانے کی اجازت دے دی، چناں چہ اسرائیلی ایک بار پھر اپنے وطن بیت المقدس پہنچ گئے، قید غلامی سے آزاد ہونے والے ان افراد میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے، جنہیں اسرائیلی لٹریچر میں عزرا نبی یا عزرا کاہن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس طویل عرصے تک تورات کی معدومی کی بناء پر آپ نے تورات کو اپنے حافظے سے از سر نو لکھنا شروع کیا چنانچہ کتاب عزراہ میں ہے۔

"یہی عزرا بابل سے گیا اور وہ موسی کی شریعت میں جسے خداوند اسرائیل کے خدا نے دیا تھا، ماہر فقیہ تھا۔"[22]

---

[21] تواریخ ۲ باب ۳۶ آیت ۲۱

[22] عزراہ ۷:۶

تورات کے مرتب و مدون ہونے کی بناء پر یہودیوں میں آپ کا نام انتہائی احترام سے لیا جاتا ہے ، بعض فرقوں نے آپ کی تعظیم میں غلو کرتے ہوئے آپ کو "ابن اللہ" قرار دیا۔ جس کتاب کا ستر سال تک کوئی وجود نہ تھا، پھر ستر سال کے بعد بابلیوں کی غلامی سے آزادی پانے والے ضعیف العمر عزرا کاہن نے اپنی یاداشت پر اعتماد کرتے ہوئے مرتب کیا ہو اس پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے ؟

عزرا نبی کی ترتیب و تدوین:

زمانہ اسیری میں سبت کے دن علماء یہود مجلسیں قائم کرتے ہیں۔ پہلے تورات کی عبرانی زبان میں تلاوت کرتے تھے پھر اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ غالباً یہی مواد تھا جس سے عذرا نبی نے بعد کی کتابوں کو مدون کیا۔

جی،ٹی،مینلی (پادری) اپنی کتاب "ہماری کتاب مقدسہ" میں لکھتا ہے۔

"توریت کا سامری نسخہ عہد عتیق کے نسخوں میں اہم ترین اور صحیح ترین نسخہ ہے ،شاید اس کا آغاز آٹھویں صدی قبل از مسیح ایسے ماحول اور اسباب کے باعث ہوا جن کا ذکر دوسرے سلاطین کے سترھویں باب میں ہے، اسے آسانی سے دوسرے تراجم کی صف میں شامل کر سکتے ہیں، ان میں سے کچھ اس نسخہ سے نقل کیے گئے ہیں جو فلسطین میں "نب لوس" میں ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ نسخہ مسیحی صدی کے آغاز میں تیار ہوا تھا، قریباً چھ ہزار جگہوں میں اس کا متن میسوریٹک نسخے سے مختلف ہے ان اختلافات میں سے اکثر ایسے ہیں جو غیر ضروری گرائمر کے اختلافات ہیں، چند ایسے ہی جو جان بوجھ کر عمل میں لائے گئے ہیں۔[23]

پادری صاحب کی تشریح کے مطابق سامری تورات میں چھے ہزار مقامات ایسے ہیں جو یہودی تورات سے مختلف ہیں، اسرائیلی، سامری تورات کی اور سامری، اسرائیلی تورات کی تکذیب کرتے ہیں اور اسے محرف سمجھتے ہیں، ہم ان دونوں کی ایک دوسرے کے متعلق بیان کی تصدیق کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ دونوں محرف ہیں۔

---

[23] جی ،ٹی ،مینلی(پادری) ، ہماری کتب مقدسہ ، مسیحی اشاعت خانہ لاہور،ص:۴۲

پھر یہودی تورات کے دو نسخے ہیں، ایک اسرائیلیوں کے ہاں قابل اعتنا سمجھا جاتا ہے، اسے عبرانی نسخہ کہا جاتا ہے، دوسرا مسیحیوں کے ہاں معتبر گردانا جاتا ہے، اسے یونانی نسخہ اور سبیعینہ کہا جاتا ہے مسیحیوں کے اس معتبر نسخے کی سات کتابیں متنازعہ ہیں، مسیحیوں کا کیتھولک فرقہ اسے درست اور پروٹسنٹ فرقہ اسے جعلی قرار دیتا ہے۔

عصر حاضر میں یہود کی بنیادی کتب

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جو تورات نازل فرمائی تھی، وہ تو صفحۂ ہستی سے ناپید ہو چکی، آج کی یہودیت کے پاس "عہد نامہ عتیق" نامی کتاب موجود ہے جس کے ایک حصے کو تورات قرار دیا جاتا ہے، علماءِ محققین اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہود کی کتاب مقدس کے تین اجزا ہیں۔ ایک قانون کا جو براہ راست اللہ نے موسی علیہ السلام کو عطا کیا تھا جسے تورات (תורה) کہتے ہیں۔ دوسرا نبییم جس میں موسی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ تیسرا کتبییم جس میں زبور اور دیگر انبیاء کے قصص وواقعات مذکور ہیں۔ اور لفظ تنک تورات، نبییم اور کتبییم کے ابتدائی حروف (ت۔ن۔ک) سے مل کر بنا ہے جسے آرامی میں נוֹטָרִיקוֹן کہتے ہیں۔ اس وقت یہودیت کی بنیادی کتابیں دو ہیں۔

1۔ عہد نامہ قدیم (The Old Tesament)

2۔ تالمود (Talmud)

تورات کا مفہوم

تورات جس کا عبرانی مطلب "تعلیم دینا" یا "ہدایت دینا" ہے یہ پیدائش، خروج، احبار، گنتی، استثناء پر مشتمل ہے۔ اور انگریزی میں اسے "Pentateuch" یعنی پانچ کتابیں کہا جاتا ہے۔ تورات یا توریت (/ˈtoʊrə, tɔːrə/; عبرانی: תּוֹרָה، "تدریس، تعلیم") یا اسفار خمسہ یہودیت کی مرکزی کتاب ہے۔

پال ڈی وینگر لکھتا ہے۔

[24]. "Penta, five' and teuchos, "Scrolls or Books"

موجودہ بائبل میں پرانے عہد نامے کی پہلی پانچ کتابوں کے مجموعے کو تورات کہتے ہیں۔

نکولس دی لانگ اپنی کتاب Judaism میں تورات کو الہامی تعلیم سے تعبیر کرتا ہے۔

"The word which is most commonly used to refer to the content of Jewish religious tradition is "Torah". The basic meanings to "Torah" is instruction, teaching and it is usually used in the specific sence of authoritative or divine teaching".[25]

توراۃ یا(Torah) قانون، کتب موسیٰ یا خمیس موسیٰ(Pentateuch) کے ناموں سے موسوم ہے۔ ان کے بعد کچھ انبیاء اور ملوک بنی اسرائیل کے حالات وواقعات اور مواعظ وغیرہ پر مشتمل کوئی ۲۱ کتابوں کو "صحف انبیاء" یا "نبیم" کا نام دیا جاتا ہے۔ تیسرے سلسلے میں ضرب الامثال مواعظ حمد وگیت اور اخبار وتواریخ پر مشتمل کچھ کتابیں ہیں جن کو "کتب" یا "کتبیم" اور تحریریں کہا جاتا ہے۔[26]

ربیائی یہودیت کے مطابق زبانی تورات یا زبانی قانون (عبرانی:תורה שבעל פה) (تلفظ: تورہ شبعل پہ، ترجمہ: تورات جو بولی جاتی ہے) ان قوانین، احکام اور قانونی وشرعی تشریحات کو کہا جاتا ہے جو خمسہ کتب موسوی یعنی مکتوب تورات (عبرانی:תורה שבכתב) (تلفظ: تورہ شب کتب، ترجمہ: تورات جو لکھی جاتی ہے) میں موجود نہیں ہیں، کیونکہ انہیں یہوہ نے موسی علیہ السلام کو طور سینا پر زبانی طور پر عنایت فرمایا تھا۔ یہودی روایت کے مطابق زبانی تورات نسل در نسل بغیر کسی انقطاع کے منتقل ہوتی رہی، انہیں کسی جگہ لکھا نہیں جاتا تھا؛ لیکن 70 عیسوی میں ہیکل ثانی کی تباہی کے بعد جب خود یہودی تہذیب کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا تو اس زبانی تورات کو تحریری شکل دینا پڑا۔[27]

---

[24] Paul D. Wenger, The Journey from text to translation, P.40

[25] Nicholas De Lang, Judaism, P.24

[26] Bratton's History of the Bible, P.92; Encyclopaedia of Americana, 3/614; Dommelow's commentary on the Bible, P.xii

[27] Howard Schwartz, Tree of souls: the mythology of Judaism, Oxford University Press, 2004. p lv

"The antiquity of the five old division is attested by the samaritan pentateuch and the Lxx, which gave the books their traditional name.[28]

تورات کی کتب خمسہ کی قدامت کی تصدیق سامری مخطوطہ اور یونانی نسخہ سے ہوتی ہے جس نے ان کتابوں کو روایتی نام دیا ہے۔

کیتھولک بائبل کمیشن پاکستان کے شائع کردہ کلام مقدس کے عہد عتیق میں صفحہ اول پر اسفار خمسہ کے دیباچے میں لکھا ہے۔

"تواریخی کتابیں ۱۲۵۰ق م سے ۱۵۰ق م تک کے سیاسی مذہبی اور تاریخی واقعات بیان کرتی ہیں۔ قاضیوں کے بعد بادشاہوں کا زمانہ ہے۔ اسرائیل کے آخری قاضی حضرت سموئیل نبی نے ان کے لئے بادشاہ کو مسح کیا ، سلیمان بادشاہ کے بعد سلطنت دو حصون اسرائیل اور یہودہ میں تقسیم ہو گئی، اشوریوں کے اسرائیل کو ۷۲۱ق م میں شکست دی، اور نبو کد بادشاہ نے یہودہ کو ۵۸۷ق م میں فتح کیا اور بابل کی اسیری میں لے گیا۔ شاہ فارس کورش نے ۵۳۹ق م میں یہودیوں کو اپنے ملک واپس جانے کی اجازت دے دی، عزراہ اور نحمیاہ کی کتابیں بحالی کے اس دور کے واقعات کو بیان کرتی ہیں"۔[29]

کتب تورات کے عدد کا اختلاف

توراۃ کے بابت The Catholic Encyclopaedia کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"The contents of the pentateuch furnish the basis for the history the law the worship and the life of the chosen people of God.[30]

Encyclopaedia Biblica کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

---

[28] The Illustrated Bible dictionary, 3/1181

[29] کلام مقدس، عہد نامہ عتیق و جدید، کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان، سن اشاعت ۲۰۱۱، دیباچہ کتاب پیدائش

[30] The Catholic Encyclopaedia, 2/650

The date of division of Torah in to five books cannot be made out, it is probably older than the septuagint translation.[31]

لیکن ان کتب کی تعداد کے صحیح تعین کا فیصلہ آج تک نہ ہو سکا اور ہر محقق کی تحقیق دوسرے سے جدا پائی گئی کچھ محققین کے خیال میں Pentateuch میں پانچ کتابیں نہیں بلکہ یہ چار یا چھ یا آٹھ کتب کا مجموعہ ہے۔ اس لیے جو اس کو چھ کتب کا مجموعہ قرار دیتے ہیں وہ اس کو (Hexateuch) کہتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق "یوشع" کا موضوع اور مضمون "اسفارِ خمسہ" کی پانچ کتابوں کے موضوع و مضمون سے مطابقت رکھتا ہے۔ لہذا وہ اسی میں شامل ہے۔

Bernard W. Anderson بھی Pentateuch کو پانچ نہیں بلکہ چھ کتابوں کا مجموعہ قرار دیتا ہے:

"The hebrew word of these five books is Torah meaning "Law" or better teaching, Scholars also refer to them as the pentateuch, a word based on a Greek compound meaning "five scrolls" and frequently the first six books. of the old testament (Pentateuch Plans Joshua) are considered as a unit called the hexateuch.[32]"

Encyclopaedia Biblica کے مقالہ نگار نے چھ کتب کا تذکرہ کیا ہے اور تورات کو "Hexateuch" کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

The pentatauch and Joshua together have recently been named the hexateuch.[33]

اور کہیں اس کی تعداد چھ یا آٹھ کتب کر دی جاتی ہے۔

"Again it is possible to speak of a hexateuch (six books) or an octateuch (eight books) etc,. Since Jos-kgs are considered

[31] Encyclopaedia Biblica, 2/2015

[32] Bernard. w. Anderson, The living world of old testament, P.7

[33] Encyclopaedia Biblica, 2/2015

by some to continue the traditions found in the preceeding books".[34]

جبکہ بعض کا خیال ہے کہ یہ چار کتب ہیں اور کتاب استثناء اس میں داخل نہیں ہیں:

"On the other hand Engnell has suggested the word "Tetrateuch" to seaprate deuteronomy from the first four books.[35]"

بہر حال ان تمام اختلافات کے ساتھ ساتھ، یہودی، پروٹسٹنٹ اور کیتھولک علماء کے نزدیک تورات پانچ کتابوں پر مشتمل ہے اور یہودی اور مسیحی روایات کے مطابق ان کا مصنف موسیٰ علیہ السلام ہے اور ان کتابوں میں موسوی شریعت درج ہے۔

اسی لیے Cohan. A تورات کی بابت یوں رقم طراز ہیں:

تورات احکامِ الٰہیہ کا مجموعہ ہے جس میں قوانین روایات اور ایسی شاعری موجود ہے جو طویل انسانی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے اور مصنف اپنے الفاظ میں تورات کو "Entire fabric of Judaism" قرار دیتا ہے۔[36]

خمسہ موسوی اور عہد نامہ عتیق کی کتب

عہد نامہ قدیم کے ایک حصے میں پانچ کتابیں ہیں۔ جنہیں خمسہ موسوی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم عہد میں مزید 34 کتابیں ہیں۔ یہاں اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ قدیم اگرچہ یہودیوں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے لیکن اس کی کتابوں کی تعداد میں بڑا واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہود کے ایک گروہ کے نزدیک خمسہ موسوی کے علاوہ اس میں صرف 34 کتابیں شامل ہیں جو کل 39 کتب ہوئیں۔ ان کتابوں کو اپوکویفہ (apocoypha) یعنی خفیہ تحریریں کہتے ہیں۔ رومن کیتھولک کے ہاں یہی نسخہ مقبول ہے۔ پروٹسٹنٹ (Protestent) مکتب فکر کے عیسائیوں کا مقبول نسخہ ساٹھ زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔ بعض

[34] Roymond. e. Brown, The Jerome Bible commentary, P.1

[35] The Illustrated Bible, Dictionary, 3/1181

[36] Cohen. A, contenporary Jewish Religious Thought, P.1000

حضرات غلطی سے عہد نامہ قدیم کو تورات کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے کیونکہ تورات عہد قدیم کا ایک جزو ہے جو عہد قدیم کی پہلی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔

واضح رہے کہ عہد نامہ قدیم کے دو نسخے ہیں۔ ایک عبرانی اور دوسرا یونانی۔ یہودیوں کے ہاں معتبر نسخہ عبرانی ہے اور مسیحیوں کے ہاں یونانی نسخہ معتبر ہے۔

میک جارجر عہد نامہ قدیم کے بارے میں رقمطراز ہے۔

"عہد نامہ قدیم سے مراد بائبل کے وہ حصے ہیں جس میں سابقہ شریعتیں محفوظ کی گئی ہیں، اسے انگریزی میں Old Testament بھی کہا جاتا ہے بائبل کے عہد نامہ قدیم کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے،

(۱) تورات: قانون یا شریعت Law جس میں کتب خمسہ بھی شامل ہیں

(۲) انبیاء (Prophets) جو تورات سے کمتر درجے کی حیثیت رکھتے ہیں،

(۳) تحریریں (Writings) مثلاً ایوب، زبور، یہ عہد مسیحی تک بڑی حد تک مدون و مرتب ہو چکے تھے۔ اگرچہ یہ عیسیٰؑ کے عہد تک معرض وجود میں آ چکے تھے۔ لیکن سرکاری طور پر مقدس ادب نہ قرار دئے گئے تھے"۔[37]

اسحاق وائز نے اپنی کتاب Judaism میں اسی کی وضاحت کی ہے۔

> The Bible is divided in THORAH, NEBEElM, and KETHUBIM. The THORAH, or Pentateuch, comprises the Five Books of Moses: Genesis, Exodus, Leviticus, Numbers, and Deuteronomy. [38]

---

[37] Gedde's Mac Gregor,Bible in the Making, p.6

[38] Isaac Wise, Judaism, Applewood Books, P. 10

بائبل کو تورات، نبئیم اور کتبئیم میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر تورات موسوی پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء پر مشتمل ہے۔

کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان کے شائع کردہ کلام مقدس کے عہد عتیق میں صفحہ اول پر اسفار خمسہ کے دیباچے میں لکھا ہے۔

"کلام مقدس کی پہلی پانچ کتابیں 'تورہ' یا 'تورات' کے نام سے مشہور ہیں ان میں موسوی شریعت درج ہے۔ اور ان میں وہ تمام قوانین درج ہیں، جن پر عمل کرنے سے اسرائیلی قوم خدا کی مہربانیوں کے لائق بن جاتی تھی۔ یہودی اور مسیحی روایات کے مطابق ان پانچ کتابوں کا مصنف حضرت موسیٰؑ ہے جو خروج، عہد اور شریعت کا بنیادی کردار ہے"۔[39]

تورات کی کتابوں کی فہرست اور مختصر تعارف

تورات کی کتابوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

۱: کتاب پیدائش (Genesis)

۲: کتاب خروج (Exodus)

۳: کتاب احبار (Leviticos)

۴: کتاب گنتی (Numbers)

۵: کتاب استثناء (Deuteronomy)

[39] کلام مقدس، عہد نامہ عتیق و جدید، کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان، سن اشاعت ۲۰۱۱، دیباچہ کتاب پیدائش

بعض لوگوں نے یشوع کی کتابوں کو بھی تورات میں شامل کیا ہے۔ لیکن معروف و مقبول تقسیم کے دور سے یہی پانچ کتابیں ہی تورات کہلاتی ہیں۔

پیدائش(Genesis)

تورات کی پانچ کتابوں میں پہلی کتاب پیدائش ہے "خلقت، عالم وجود میں آنا، تکوین، پیدا ہونا، آغاز،" اسے انگلش میں "Genesis" کہتے ہیں۔ پچاس ابواب پر مشتمل اس کتاب میں آسمان وزمین کی تخلیق سے لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات تک کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔ قدیم ترین مسودات کی ورق گردانی کے بعد علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی قبل مسیح میں تحریری شکل میں آئی۔ اس میں ابتدائی تاریخ، اسرائیلیوں کی روایات اور کہانیاں مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ تخلیق کائنات، تخلیق آدم، انبیاء کے حالات کے ضمن میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، ان کے بھائیوں کا قصہ اور ان کی مصر میں وفات تک تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ باب اسے ۱۱ میں دنیا کی تخلیق اور نسل انسانی کی ابتدائی اور قدیم تاریخ ہے، باب ۱۲ سے ۵۰ میں اسرائیلیوں کے آباؤاجداد کی تاریخ ہے۔[40]

خروج(Exodus)

دوسری کتاب کا نام کتاب خروج یا سفر الخروج ہے بر آمد ہونا، باہر نکلنا، روانگی، کوچ۔ اسے انگریزی میں "Exodus" کہتے ہیں۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی باہر نکلنے کے ہیں۔ اس سے مراد اجتماعی خروج ہے۔ اس کتاب کا نام اس کے مشتمل مضمون کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ چالیس ابواب پر مشتمل اس کتاب میں فرعون موسیٰ کی تخت نشینی اور بنی اسرائیل کو ایذا رسانی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنا، فرعون کے سامنے معجزات کا ظہور اور اس کا انکار، فرعون کا لشکریوں سمیت بحر قلزم میں غرق ہونا اور بنی اسرائیل کا صحرائے سینا میں بخیر پہنچ جانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا اور بعض احکام شریعت اس میں مذکور ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ عبرانی لوگ کس طرح مصر سے روانہ ہوئے اور اس کے بعد صحرائے سینا میں دشت نوردی کرتے ہے۔ اس کتاب میں صحرائے سینا میں

[40] کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور، ص ۷

شریعت کے عطا کئے جانے کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔اس میں حضرت موسیٰؑ کے احکام عشرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔پہلے اٹھارہ ابواب میں صحرائے سینا میں قانون موسوی کے عطاء کئے جانے کا تذکرہ ہے اس میں یہود کے خدا"یہوداہ" کا ارتقائی ذکر بھی موجود ہے۔اس کتاب کا مرکزی انسانی کردار موسیٰؑ ہے اور اس کتاب کا سب سے مشہور حصہ باب ۲۰ میں "دس حکم "ہیں۔[41]

احبار(Leviticus)

تیسری کتاب کا نام کتاب الاحبار یا سفر الادیون ہے۔ احبار کا مطلب ہے "یہودیوں کے علماء" اسے کاہنوں کے قوانین، "کاہنوں کا صحیفہ " اور "لاویوں کی کتاب " بھی کہا جاتا ہے۔ستائیس ابواب پر مشتمل اس کتاب میں فقہی احکام مذکور ہیں۔ حضرت یعقوب کے ایک بیٹے کا نام لاوی تھا اور حضرت موسیٰ کا تعلق بھی بنولاوی سے تھا۔ دینی کتب کا پڑھنا پڑھانا اور مذہبی فرائض کی ادائیگی انہی کے ذمہ تھی۔یہ کتاب ان کے فقہی احکامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں تاریخ کا بیان نہیں بلکہ قانون اور احکامات کی تشریح ہے۔ معاشرتی مسائل کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ گناہوں کے کفارے، کھانے پینے ،صفائی، طہارت اور روزمرہ زندگی میں مختلف مواقع پر جن احکامات کو ملحوظ رکھنا چاہئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔ قربانی سے متعلق قوانین اور ضوابط کا تذکرہ بھی اس میں موجود ہے۔ چونکہ پوری کتاب میں مذہبی قوانین کو بیان کیا گیا ہے اس لئے اس مناسبت سے اس کا نام سفر لاویون رکھا گیا۔کتاب کا خاص مضمون خدا کی قدوسیت ہے،اور وہ طریقے ہیں جن کے مطابق لوگوں کو عبادت کرنی اور زندگی بسر کرنی چاہئے۔[42]

شمار، گنتی(Numbers)

چوتھی کتاب گنتی یا سفر العدد ہے۔ جسے انگریزی میں "Numbers" کہتے ہیں۔ چھتیس ابواب پر مشتمل اس کتاب میں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تقسیم اور ان کی مردم شماری، آپ کی بہن مریم کی وفات، حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات، آپ کو آپ کی موت کے قریب ہونے کا علم، حضرت یوشع کو خلیفہ بنانا، بلعم باعوراء کی نافرمانی اور اس کا مقتول ہونا۔ نیز آپ کے بعض غزوات کا بیان ہے۔ گنتی کی کتاب اسرائیلیوں کی ان تقریباً چالیس سالوں کی

---

[41] ایضاًَ، ص ۶۴

[42] ایضاًَ، ، ص ۱۱۱

تاریخ کو بیان کرتی ہے، جس کے دوران وہ "کوہ سینا" سے روانہ ہو کر اس ملک کی مشرقی سرحد تک پہنچے جس کا خدا نے انہیں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ کتاب کا نام تاریخ کی ایک نمایاں خصوصیت کی نشاندہی کرتا ہے یعنی مردم شماری، اسرائیلیوں کی یہ مردم شماری کوہ سینا سے روانہ ہونے سے پہلے موسیٰؑ کے حکم سے ہوئی۔ گنتی میں بنی اسرائیل کے خاندان کے شجرہ ہائے نسب بیان کئے گئے ہیں۔ تاریخ اور حالات کا تذکرہ بھی ہے، لیکن بنی اسرائیل کے اعداد و شمار اور شجرے اس کتاب کا موضوع ہے۔ اس لئے اس کو سفر العدد کا نام دیا گیا ہے۔ تاریخی حالات کے ضمن میں اس موضوع پر تبصرے موجود ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے صحرائے سینا سے نکل کر اردن اور ماورائے اردن کا علاقہ فتح کیا۔[43]

استثناء(Deuteronomy)

پانچویں کتاب استثناء یا سفر التثنیہ ہے۔ اس کا مفہوم ہے: "کسی چیز کو دہرانا یا اس کا اعادہ کرنا۔" استثناء کی کتاب میں موسیٰؑ کے ان خطابات کے سلسلے کو مرتب و مدون کیا گیا ہے جو اس نے ملک موآب میں اپنے لوگوں سے کئے۔ اس کتاب میں دوسری اور تیسری کتاب کے قوانین کی دہرائی یا وضاحت موجود ہے۔ چونتیس ابواب پر مشتمل اس کتاب میں وہ احکام مذکور ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر "موآب" کی سرزمین میں نازل ہوئے۔ آپ کی وفات تک پیش آنے والے واقعات بھی اس میں مذکور ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ بھی دوبارہ بیان کئے گئے ہیں۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطبات بھی شامل ہیں۔ ان پانچوں کتب کو "Pentateuch" یعنی اسفارِ موسیٰ یا کتب خمسہ کہا جاتا ہے۔[44]

انبیاء کی کتب(Prophets)

یہ کتب انبیاء کی تاریخ اور ابتدائی تاریخی کتابوں پر مشتمل ہیں اس میں بارہ انبیاء کی کتب شامل ہیں جو عام طور پر ایک ہی کتاب شمار ہوتی ہیں انبیائے اصاغر کو علیحدہ شمار کیا گیا ہے۔ انہیں دو طرح پر تقسیم کیا گیا ہے۔

---

[43] ایضاً، ، ص ۱۴۵

[44] ایضاً، ، ص ۱۹۲

۱۔انبیائے متقدمین کی کتب۔ ۲۔انبیائے متاخرین کی کتب۔

بنی اسرائیل کے انبیائے متقدمین کی کتب:

انبیاء متقدمین کی کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں۔

۱۔کتابِ یشوع ۲۔کتاب قضاۃ

۳۔کتاب سموئیل ثانی ۴۔کتاب سلاطین اول

۵۔کتاب سلاطین ثانی

انبیائے متاخرین کی کتب:

انبیاء متأخرین کی کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

کتاب یسعیہ (یسعیاہ) کتاب جرمیاہ (یرمیاہ)۔

کتاب حزقیال کتاب ہوشیعہ۔

کتاب یوایل کتاب عموس۔

کتاب عبدیہ کتاب میکاہ نجوم۔

کتاب جبقوق کتاب حجی۔

کتاب ہیہ کون کتاب زکریا۔

کتاب ملاکی۔[45]

صحائفِ مقدسہ / متفرق کتابیں

متفرق کتب کی دو اقسام ہیں:

۱: عظیم کتب (مقدس صحائف)　　۲: پانچ مجلات۔

عظیم کتب کی تقسیم:

۱: زبور۔ ۲: امثال

۳: ایوب مزامیر (Proverbs Psalms)

مجلات کی تقسیم:

پانچ مجلات میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں:

۱: غزل الغزلات (song of Songs)　　۲: روت۔

۳: ہرمیہ کو نوحہ۔ ۴: الجماعہ

۵: آستر (Esther)

کتب:

۱: دانیال ۲: لمحمیاہ ۳: تواریخ الاول ۴: تواریخ الثانی[46]

---

[45] Jerry Stokes, His Word 7 Year Work Biblical Roots by Former Skeptic, Word Books, Dallas, Texas: P 58

[46] Ibid

Harold Coward صحائف انبیاء سے متعلق لکھتا ہے۔

"یہ تورات سے کم درجے کی حیثیت رکھتے ہیں صحفِ انبیا یا نبیم کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف) انبیائے متقدمین (ب) انبیائے متاخرین

یوشع (Joshua) یسعیاہ (Isaiah)

قضاہ (Judges) یرمیاہ (Jeremiah)

سموئیل (Samuel) حزقی ایل (Ezekiel

سلاطین (Kings) انبیائے اصاغر (Minor Prophets)

اس میں بارہ انبیاء کی کتب شامل ہیں جو عام طور پر ایک ہی کتاب شمار ہوتی ہے۔ انبیائے اصاغر کو علیحدہ علیحدہ شمار کیا گیا ہے۔ ہوسیع، یوایل، عاموس، عبدیاہ، یوناہ، میکاہ، ناحوم، حبقوق، صفنیاہ، حجّی، زکریاہ، ملاکی۔[47]

صحائفِ مقدسہ / متفرق کتابیں سے متعلق محققین کی آراء

A.C. Bouquet عہد نامہ قدیم کی "متفرق کتابوں" سے متعلق لکھتا ہے۔

"صحائف مقدسہ کو تحریریں بھی کہا جاتا ہے جو عبرانی زبان کا لفظ "کتاب" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب "لکھنا" ہے یہودی ایوب، مزامیر، اور ضرب الامثال کو صحف اشعار گردانتے ہیں اور ان کو سچائی کی کتابیں کہا جاتا ہے دوسری کتابوں میں نشد الانشاد، غزل الغزلات، روت، نوحہ، واعظ، دانیال، عزرا، نحمیاہ اور اخبار / تواریخ کی کتابیں شامل ہیں"۔[48]

---

[47] Harold Coward, Scriptures in the world religions, P.4

[48] A.C. Bouquet, Sacred Book of the World, P. 184

میک گریگر Bible in the Making میں لکھتا ہے۔

Hagiographa یا محض تحریرات و نوشتے Writings اگرچہ صحائف مقدسہ عیسیٰؑ کے عہد تک معرض وجود میں آ چکے تھے لیکن سرکاری طور پر مقدس ادب نہ قرار دیئے گئے تھے۔[49]

صحائفِ مقدسہ کو تحریریں بھی کہا جاتا ہے جو عبرانی زبان کا لفظ "کتاب" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب لکھنا ہے۔ یہودی اہل علم ایوب، مزامیر اور ضرب الامثال کو صحف اشعار گردانتے ہیں۔ اور ان کو سچائی کی کتابیں کہا جاتا ہے۔ دوسری کتابوں میں نشد الانشاد، غزل الغزلات، رُوت، نوحہ، واعظ، دانیال، عزرا، نحمیاہ اور اخبارہ تواریخ کی کتابیں شامل ہیں۔[50]

انجیل متی میں تورات کے بارے میں مذکور ہے۔

"پس جو کچھ تم چاہتے ہو لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم ان کے ساتھ کرو، کیونکہ تورات اور صحائف انبیاء کا خلاصہ یہی ہے"۔[51]

تورات پوری بائبل کی بنیاد ہے، اس کا بائبل کی کتب کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس کے بغیر بائبل کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس کی وضاحت The International Bible Encyclopedia کا مقالہ نگار یوں بیان کرتا ہے۔

> "The signifance pentateuth for understanding the Bible can hardly too stressed to much, It Sustains the vital relationship to the rest of the old testament and the new testament. Its canonical function of major importance."[52]

بائبل کو سمجھنے کے لئے تورات کی پہلی پانچ کتابوں کی اہمیت بہت زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ یہ عہد نامہ قدیم اور جدید کے بقایا تمام حصوں کو مظبوط تعلق کا سہارا بخشتی ہے۔ اس کا شرعی و قانونی حصہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

---

[49] Geddes Mac Gregor,Bible in the Making, p.6

[50] A.C. Bouquet, sacred book of the world, P.184

[51] متی ۷:۱۲

[52] The International Standard Bible Encyclopedia, 3:742

عہد نامہ قدیم کو Cannon کا نام بھی دیا گیا ہے۔

کینن یونانی لفظ قانون سے لیا گیا ہے جو Smetic (سامی) لفظ بانسری سے ماخوذ ہے۔[53]

موجودہ لغت میں قانونی کتاب وہ ہے جسے چرچ مانتا ہے کہ یہ اس کی مقدس کتابوں کی فہرست میں شامل ہے جو خدا کی طرف سے ہے اور دوسرے الفاظ میں یہ ایک فہرست یا کتابوں کے مجموعے کا نام ہے جسے عقیدے اور عمل کے لیے قبول کیا جاتا ہے۔[54]

پرانے عہد نامے میں شامل کتابوں کی تعداد ہمیشہ یکساں نہیں رہی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے آخر میں ان کی مجموعی تعداد ۲۲ تھی۔ جن میں ۵ کتب موسیٰ، ۱۳ صحفِ انبیاء اور ۴ حمد و امثال کی کتابیں ہیں۔[55]

مگر یہودی روایات کی مشہور کتاب تالمود میں ایک جگہ ان کی تعداد ۲۴ بتائی گئی ہے۔ یعنی ۵ کتبِ موسیٰ، ۸ صحائف اور ۱۱ دیگر کتابیں۔[56]

تالمود (Talmud) کا مفہوم و تعارف

تلمود (عبرانی תַּלְמוּד) عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ لمد (למד) ہے۔ عبرانی میں لمد کے معنی وہی ہوتے ہیں جو عربی میں پڑھنا۔ اسی سے تلمیذ بمعنی شاگرد بھی آتا ہے۔ تلمود یہودیت کا مجموعہ قوانین ہے، جو یہودیوں کی زندگی میں تقدس کا درجہ رکھتا ہے اور اسے یہودی مذہب میں دوسرا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔[57]

تلمود کے دو جزو ہیں:

---

[53] Raymond E. Brown, The New Jerome Biblical commentary, P.1034

[54] Paul D. Wenger, The Journey from Text to translations, P. 99

[55] Encyclopaedia Americana, 3/612

[56] Dummenlow's A Commentary on the Holy Bible, P.xii

[57] پطرس عبد الملك، ڈاکٹر ،قاموس الكتاب المقدس ، ڈاکٹر جون الكزينڈر تهامسن، استاذ ابراہیم مطر۔
http://st-takla.org/Full-Free-Coptic-Books/FreeCopticBooks-002-Holy-Arabic-Bible-Dictionary/03_T/T_080.html
Retrieved on 3 February 2017

۱-مشنی۔(عبرانی משנה) ہالاخا(فقہ یہود)کا سب سے اولین مجموعہ، جو دوسری صدی عیسوی تک زبانی منتقل ہوتا رہا۔

۲-جمارہ۔(آرامی גמרא) یہودی حاخامات نے مشنی کی جو تشریحات لکھی اس کا مجموعہ جمارہ کہلاتا ہے۔ مشنی کے اختتام کے بعد یہودی مدراش میں یہی رائج تھا۔ مشنی اور جمارہ یہ دونوں نام آپس میں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ یہودی ادب میں مشنی کے مماثل ایک اور کتاب موجود ہے، جس کا نام بریثا(آرامی ברייתא) ہے۔ اسے مشنی کی تدوین کے بعد تناییم(عبرانی תנאים) نے مدون کیا تھا۔

ایک یہودی F. Warne تالمود کے بارے میں رقمطراز ہے۔

> "THE "Talmud" is a collection of early Biblical discussions, with the comments of generations of teachers who devoted their lives to the study of the Scriptures. It is an encyclo-paedia of law, civil and penal, human and divine. It is more, however, than a mere book of laws. It records the thoughts, rather than the events, of a thousand years of the national life of the Jewish people ; all their oral traditions, carefully gathered and preserved with a love devout in its trust and simplicity. [58]

تالمود یہود کی ابتدائی مباحث پر مشتمل کتاب ہے اساتذہ کی کئی نسلوں نے الہامی مخطوطات کا مطالعہ کرنے میں اپنی زندگیاں وقف کی ہیں۔ چنانچہ تالمود قانون، شہری، تعزیراتی، انسانی اور الہامی قوانین کا انسائکلو پیڈیا ہے۔ یہ قانون کی کسی کتاب سے بالاتر کتاب ہے، اس کتاب نے یہود کی ہزاروں سال کی تاریخ کے محض واقعات کو نہیں بلکہ خیالات تک کو بیان کیا ہے، یہود کی تمام زبانی روایات کو بڑی احتیاط سے محبت، اخلاص اور امانت کے ساتھ جمع کر کے محفوظ کیا گیا ہے۔

یہود کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے طور سینا پر موسیٰ علیہ السلام پر دو شریعتیں نازل کی:

مکتوب شریعت

[58] F. Warne, The Talmud: Selections from the Contents of that Ancient Book, F. Warne, 1868, P .1

زبانی شریعت

اور یہی زبانی شریعت اصل شریعت ہے، جو اللہ کی مراد اور مکتوب شریعت یعنی تورات کی حقیقی تفسیر ہے۔ چنانچہ یہود کے اندر دہری شریعت کا آغاز ہوا اور 40 نسلوں تک یہ سری شریعت زبانی منتقل ہوتی رہی اور یہودی حاخامات زبانی و سری شریعت کی آڑ میں تورات کی من مانی تفسیر کرتے رہے۔ زبانی شریعت کے مکتوب نہ ہونے کی وجہ سے یہودی قوم متعین عقائد پر متفق نہیں تھی۔ ہر یہودی ربی کی اپنی تشریح و تفسیر ہوتی، جس پر اس کے خاندان اور متبعین یقین رکھتے تھے۔

زبانی تورات کا سب سے بڑا مجموعہ مشنی ہے جسے ۲۰۰-۲۲۰ عیسوی کے درمیان ربی یہوداہانسیا نے مدون کیا، اور دوسرا مجموعہ گمارا ہے جس میں مشنی کے متعلق مباحثات و تشریحات موجود ہیں۔ ان دونوں کا مجموعہ تلمود کہلاتا ہے۔ درحقیقت تلمود کے دو نسخے موجود ہیں: پہلا نسخہ جو یروشلم میں ۳۰۰-۳۵۰ عیسوی کے دوران مدون ہوا، دوسرا جو بابل میں مدون ہوا اور ۴۵۰-۵۰۰ عیسوی کے درمیان شائع ہوا۔

F. Warne اس کی وضاحت میں لکھتا ہے۔

> "The Talmud is divided into two parts, Mishma and Gemarah. They are the continued works of successive Rabbis, chiefs or principals of the colleges in which they devoted their lives to study. Most of the redaeteurs of the atishna were dead, however, long before the Gemarah was commenced". [59]

دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں یہودی اپنے معبد سے محروم درسِ تورات میں مجذوب رہے۔ سلطنتِ روم نے قوم یہود کے لیے یروشلم میں کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی۔ چنانچہ وہ بکھر کر موجودہ اسرائیل اور عراق کے دیگر شہروں میں بس گئے۔ تورات کو پڑھنا اور گزرے علماء کے زبانی کلام کو یاد کر کہ اس پہ غور و فکر کرنا ایک عبادت سی بن گئی۔ اس عبادت کے نتیجہ میں تلمود وجود میں آئی۔

[59] F. Warne, The Talmud: Selections from the Contents of that Ancient Book, F. Warne, 1868, P .2

کنعانی اور بابلی مدن میں مقیم یہودی علماء نے اپنی زندگی کا مقصد موسیٰ کی تورات کو سمجھنا اور اس پہ عمل کرنا بنالیا۔ لہذا انہوں نے مشناہ، یعنی انکے گزرے علماء و اساتذہ (عبرانی: رابی، لغوی: میرے آقا") کی روایات کا مطالعہ اپنا بنیادی موقف بنادیا۔ اس مطالعہ کے نتیجہ میں تفسیر کی دو اقسام ظاہر ہوئیں:

آگادہ- تاریخی اور معرفی روایات

ہالاخاہ- قانونی، اصولی اور اخلاقی روایات[60]

دونوں اقسام تورات اور مشناہ کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ در حقیقت آج دو الگ مجموعے وجود میں ہیں جن کو ہم تلمود کا نام دے سکتے ہیں-ان میں سے ایک پہلے تیار ہوئی جو چوتھی صدی کے اسرائیلی مدن کی پیداوار ہے۔ اس کو یروشلمی تلمود کا نام دیا جاتا ہے۔ دوسری پانچویں صدی میں بابل میں مکمل ہوئی اور اس کو بابلی تلمود کہا جاتا ہے۔[61]

Leo Auerbach تالمود کے بارے میں لکھتا ہے۔

> MOSES received the *Torah* (the Law) at Sinai and passed it on to Joshua, Joshua to the Elders, the Elders to the Prophets, and the Prophets passed it on to the men of the Great Assembly. They said three things: Be patient in rendering decisions; bring forth many disciples; and make a fence around the *Torah*.[62]

موسیٰؑ پر کوہ سینا پر تورات (بمعنیٰ قانون) نازل ہوئی، جو انہوں نے یوشع کو منتقل کی، یوشع نے انبیائے متقدمین کو منتقل کیا، اور انہوں نے اس کلام کو انسانوں کے عظیم گروہ کی طرف منتقل کیا۔ جو تین باتیں کہتے ہیں، فیصلوں کو سرانجام دیتے ہوئے صبر سے کام لو، اور اپنے آگے بہت سے شاگرد لاؤ، اور تورات کے نزدیک ایک باڑ بنادو۔

---

[60] Corrigan et al. Jews, Christians, Muslims: A Comparative Introduction to Monotheistic Religions. Upper Saddle River: Prentice Hall, 1998. P 21

[61] Fishbane, Michael A. Judaism: Revelation and Traditions. San Francisco: HarperCollins, 1987. P. 42.

[62] Leo Auerbach, The Babylonian Talmud In Selection, *P. 11*

عہد نامہ قدیم اور تالمود کو یہودی حکماء "صہیون کے پروٹوکال" یعنی اکابر کی دستاویزات کہتے ہیں اور انہیں یہود اپنی فکری اور ملی تعمیر کے لئے اہم ماخذ خیال کرتے ہیں۔

اسحاق وائز اپنی کتاب Judaism میں تالمود میں تحریف کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

> Biblical laws were changed during the period of history recorded in clap Bible, so afterward the laws, amendments, and changes could be made, which are recorded in the Mishnah and Talmud.[63]

تاریخ میں تورات کے احکام وقت کے ساتھ تبدیل ہوتے رہے جو کہ بائبل میں موجود ہیں، اس کے بعد بھی قوانین میں تبدیلیاں اور تحریف ہوتی رہی ہیں اور مزید ہو سکتی ہیں، جو سب کی سب مشناہ اور تالمود میں محفوظ کی گئی ہیں۔

غیر مستند اور غیر معتبر کتب اپوکریفہ

یہودی روایات کے مطابق تورات کا یونانی ترجمہ تیسری صدی ق۔م میں شاہِ مصر کی فرمائش پر ستر ۷۰ یا بہتر ۷۲ یہودی علماء نے کیا۔ اس لیے اسے نسخہ سبعنیہ یا ہفتادی نسخہ (Septuagint) کہا جاتا ہے۔[64]

اس میں عبرانی نسخہ کی ترجمہ شدہ کتابوں کے علاوہ دوسری مذہبی کتابیں بھی شامل ہوتی گئیں۔ جو فلسطینی یہودیوں کے نزدیک معتبر نہ تھیں۔ یہی کتابیں "اپوکریفہ" کہلائیں۔[65]

یہودی ان کو (Apocrypha) یعنی عام لوگوں سے مستتر اور "پوشیدہ" دستاویزوں کا نام دیتے ہیں۔[66]

---

[63] Isaac Wise, Judaism, Applewood Books, P. 67

[64] J.P. Boyd, Bible Dictionary , P.85

[65] F.G. Bratton , History of the Bible, P.100

[66] E.H Palmer, the Enc of christianity, P. 307

اپوکریفہ اصل میں یونانی لفظ اپاکروفس (Apokryphos)سے مشتق ہے۔ جس کے معنی پوشیدہ یا چھپاہوا ہونے کے ہیں۔ اصل میں ان چودہ کتابوں کو کہتے ہیں۔ جو لاطینی نسخہ میں تو ملتی ہیں۔ لیکن کتب مقدسہ کی عبرانی فہرست مسلمہ میں موجود نہیں۔[67]

اس سلسلے میںEncyclopaedia Americanaکا مقالہ نگار لکھتاہے:

"The books contained in the Greek Bible (Septuagint) but lacking in the Hebrew Bible and 11or 17 Esdras, which is included in the latin Bible (The Vulgate) are recognized as canonical by the roman Catholic Church, but not by the Jews (Even though they were written by Jews) Roman Catholic call these books , deuterocanonical while Protestant call them, the Apocrypha".[68]

اپوکریفہ کی ۱۴ کتب مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ پہلا ایسڈریس(Esdras)

۲۔ دوسرا ایسڈریس(Esdras)

۳۔ توبت(Tobith)

۴۔ جوڈتھ(Judith)

۵۔ آستر کی کتاب کا مزید حصہ(Addition to Easther)

۶۔ سلمان کی حکمت(The wisdom of Solomon)

۷۔ پندونصائح(Ecclesiasties)

---

[67] جی ٹی منیلی،ہماری کتب مقدسہ ،ص،۶۸

[68] Encyclopaedia Americana, 3/ 669

۸۔ باروک، باروخ(Baruch)

۹۔ تین بچوں کا گیت(The song of three children)

۱۰۔ سوسناہ کی داستان(The Story of Susanna)

۱۱۔ بعل اور اژدھا(Bel and the Dragon)

۱۲۔ منسی کی دعا(The Prayer of Manases)

۱۳۔ پہلا مکابین(I Macabees)

۱۴۔ دوسرا مکابین(II Macabees)

ان چودہ کتب میں سے رومن کیتھولک کلیساء گیارہ کتابوں کا تسلیم کرنی ہے۔ جب کہ ان کو پروٹسٹنٹ تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ ان کو انگریزی ترجمے میں الگ تحریر کر دیا گیا ہے جبکہ رومن کیتھولک بائبل میں عہد عتیق کی کتابوں میں درج ہے۔[69]

اپوکریفہ کا معاملہ مختلف عیسائی فرقوں اور بائبل کے پرانے نسخوں میں باہمی تضادات اور کتابوں کی تعداد تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی بعض آیات کے بارے میں بھی بنیادی اختلافات موجود ہیں۔ مثلاً آستر کی کتاب، پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں اپنی اپنی بائبل میں شامل کرتے ہیں۔ مگر کیتھولک بائبل کے مطابق اس کتاب میں پروٹسٹنٹ بائبل کی نسبت ایک سو کے قریب آیات زائد ہیں۔ جبکہ یہ زائد آیات پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے نزدیک اپوکریفہ کا حصہ ہیں۔[70]

اپوکریفہ کے مصنفین کی طرح ان کے زمانہ تالیف پر بھی تاریکی کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے کہا جاتا ہے یہ تمام کتابیں یونانی زبان میں ۲۰۰ تا ۳۰۰ ق۔م کے درمیان لکھی گئیں۔ تاہم یہ مدت بھی حتمی نہیں

---

[69] Ibid, 3/ 97

[70] The Catholic Bible (RSV), P. 448 (1966)

ہے۔Encyclopaedia Americana کے مقالہ نگار نے یہ مدت ۱۰۰ سے ۲۰۰ق۔م تک بتائی ہے۔[71] جبکہ جی ٹی مینلی کے مطابق ان میں سے بعض کتابیں تو دوسری صدی ق۔م میں لکھی گئیں اور باقی پہلی یا دوسری صدی عیسوی میں۔[72]

عہد نامہ قدیم کی کتب کی تعداد:

ان ۳۹ کتابوں پر مشتمل مقبول و معروف مجموعہ عہد نامہ قدیم کہلاتا ہے۔ اور یہ تقسیم پروٹسٹنٹ چرچ (Protestant Church) میں مروج ہے۔ جبکہ رومن کیتھولک چرچ والے اس میں سات کتابیں اور شامل کرتے ہیں۔ اس طرح رومن کیتھولک کے نزدیک کل کتب کی تعداد ۳۹ کی بجائے ۴۲ ہے۔

Encyclopedia of Amerinacana میں اس بارے میں کمی بیشی سے متعلق یہ وضاحت ہے۔

"پرانے عہد نامے میں شامل کتابوں کی تعداد ہمیشہ یکساں نہیں رہی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے آخر میں ان کی مجموعی تعداد ۲۲ تھی جن میں پانچ کتب موسیٰؑ، صحف انبیاء اور ۴ حمد و امثال کی کتابیں ہیں"۔[73]

Dummenlow's اس بارے میں رقمطراز ہے۔

"یہودی روایات کی مشہور کتاب تالمود میں ایک جگہ ان کی تعداد ۲۴ بتائی گئی ہے، یعنی پانچ کتب موسیٰؑ آٹھ صحائف اور گیارہ دیگر کتابیں ہیں"۔[74]

---

[71] Encyclopaedia Americana, 3/669,670

[72] جی ،ٹی ،مینلی(پادری) ، بہماری کتب مقدسہ ، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ص،۶۹

[73] Encyclopedia of Amerinacana, 3/612

[74] Dummenlow's A Commentary of the Holy Bible, P. Xii

عہد نامہ قدیم کا دورِ تالیف

عہد نامہ قدیم کی تالیف کے زمانے کے تعین میں تاریخوں کا اختلاف موجود ہے۔ یہ کتاب کتنے عرصے میں مرتب ہوئی اس کے متعلق ایک مقام پر یہ درج ہے کہ زبانی روایت پہلے سے موجود تھی لیکن اس زبانی روایت کو لکھا بعد میں گیا ہے ملاحظہ ہو۔

> "Modern scholars think it was based on early material but written much later, from the 9th century B.C to 10th century B.C".[75]
>
> جدید دور کے دانش مندوں کا یہ خیال ہے کہ اس کتاب میں جو باتیں درج کی گئی ہیں وہ بہت پرانی ہیں پر اُن باتوں کو اس کتاب میں نویں اور دسویں صدی قبل مسیح میں لکھا گیا ہے۔

جبکہ "Encyclopaedia of Library & Information" کا مقالہ نگار سنِ تالیف ۴۰۰ قبل مسیح بیان کرتا ہے۔

> "The Samaritan Pentateuch which dated as far back as 400 B.C. when the Torah was accepted as inspired Scriptures.[76]"
>
> جب تورات کو الہامی نوشتے کے طور پر مانا گیا تو سامری تورات کی پہلی پانچ کتابوں کا سنِ تالیف چار سو سال قبل مسیح شمار کیا جاتا ہے۔

The World Book Encyclopaedia کے مقالہ نگار کے بقول اس بارے میں بھی شک ہے کہ اسے لکھا کس نے ہے۔

> "But the book themselves do not say Moses was the author, scholars believe that the law began as oral literature and was written down following the reign of king David that is after about 1000 B.C.[77]"

---

[75] Merit Students Encyclopaedia 3/133

[76] Encyclopaedia of Library and Information Science, 2/351

[77] The World Book Encyclopaedia, 2/282

لیکن کتاب خود یہ نہیں بتاتی کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تحریر کیا ہے۔ مفکرین کا ماننا ہے کہ قانون تو زبانی ادب سے شروع ہوا تھا اور اسے لکھا گیا تھا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں جو کہ ایک ہزار سال قبل مسیح تھا۔

Every-man's Encyclopaedia کا مقالہ نگار رقم طراز ہے۔

The law consisted of the pentateuch five Books of Moses, It reached its final form about the time of Ezra or soon after (400.B.C.).[78]

قانون موسوی سامری تورات کی پہلی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔ جو اپنی حتمی شکل میں عزرا کے زمانے پہنچی جو چار سو قبل مسیح ہے۔

بقول یہود تورات کا شمار دنیا کی قدیم ترین کتب میں ہوتا ہے چنانچہ Dancohn Shebook لکھتا ہے۔

The oldest corpus of Pentateuch law is found in book of the covenant, (Exodus, 20:3)[79]

سامری تورات قدیم ترین کتابوں کا مجموعہ ہے یہ اس کی امتیازی خصوصیت ہے کہ تورات میں موجود قانون دنیا کا قدیم ترین قانون ہے۔

عہد نامہ قدیم کی زبان

عہد نامہ قدیم کی زبان کے تعین میں بھی آرامی اور عبرانی زبان کا اختلاف موجود ہے اور اس سلسلے میں جو روایات موجود ہیں ان میں واضح تضاد نظر آتا ہے۔ عہد نامہ قدیم کا زیادہ تر حصہ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا جس میں بعض صحائف مثلاً یرمیاہ، عزرا اور دانیال وغیرہ کے چند باب آرامی زبان میں لکھے گئے تھے۔

انسائکلوپیڈیا امریکانا کے مطابق

---

[78] Every-mans' Encyclopaedia, 2/157

[79] Dancohn Shebook ,The Jewish Heritage, p.8

"The book of the old testament were written in hebrew, with the exception of some isolated word, or expression, ... one verse (Jeremiah 10:11) and a few chapters (Ezra 4:8 to 6:18, 7:12-26), (Danial 2:4 to 7:28) that were written in Aramic.[80]"

عہد نامہ قدیم کی کتاب عبرانی میں لکھی گئی تھی، سوائے کچھ الفاظ اور خیالات کے، یرمیاہ کی ایک آیت اور کچھ اسباق عزراء کے اور دانیال کے آرامی زبان میں لکھے گئے۔

اس سلسلے میں Pictorial Biblical Encyclopaedia کا مقالہ نگار یوں رقم طراز ہے:

"The language of the old Testament is predominately hebrew execpt a few passages in Aramic and some Greek words. Hebrew and Aramic are closely related to each others".[81]

عہد نامہ قدیم کی غالب زبان عبرانی ہے ماسوا چند الفاظ یونانی اور آرامی کے ہیں۔ عبرانی اور آرامی زبانوں کا آپس میں قریبی تعلق ہے۔

Buckner B. Trawick کے مطابق

"Except for five scattered passage in Aramic, the old testament was written first in Hebrew.[82]"

صرف پانچ مختلف پیراگراف آرامی زبان میں تحریر تھے باقی سارا عہد نامہ قدیم عبرانی زبان میں ہی لکھا گیا تھا۔

J.R. Dummelow عبرانی حروف تہجی کے بارے میں لکھتا ہے کہ

Hebrew is written from right to left.[83]

عبرانی خط دائیں سے بائیں جانب لکھا جاتا تھا۔

---

[80] Encyclopaedia Americana, 3/650

[81] Pictorial biblical Encyclopaedia, P. 485

[82] Buckner B. Trawick, The bible as Literature, P.21

[83] J.R. dummelow's , A commentary on the Holy Bible, P.xi

آرامی زبان بھی عہد نامہ قدیم کی کسی حد تک زبان تھی۔ آرامی زبان اہل آرام کی زبان تھی جس کے صحیح علاقے

کا تعین Encyclopaedia Britannica میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے۔

"The Aramic takes its name from the Arameans, or the people of Aram. Aram is the area around damascus and in northern Syria between the Tigris River and the Taurus Mountains.[84]"

عبرانی زبان آرامی زبان سے مشابہ ہے۔ جس کو کنعان کے عبرانی لوگ بولا کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ تھوڑی بہت تبدیلیاں ہوئیں اور آرامی زبان عبرانی کہلانے لگی لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبرانی زبان حقیقت میں آرامی زبان کی دوسری شکل ہے۔

"Every arguments leads to a belief, that the popular dialect of the Hebrews from a very early periods was deeply tinged with Aramic.[85]"

لیکن اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آرامی زبان کب عبرانی کہلانے لگی۔" The Illustrated Bible Dictionary" میں یہ تاریخ ۱۸۰ق۔م لکھی ہے۔

"The designation "Hebrew" first occurs in the prologue to ecelesiasticus (Bensira 180 b.c.).[86]"

یہود کی اپنی زبان قدیم عبرانی تھی جو بابل سے مراجعت کے بعد آرامی میں بدل گئی اس پر مزید یہ کہ عہد نامہ عتیق کا جو پہلا ترجمہ ہوا وہ یونانی زبان میں تھا۔ پھر اس یونانی زبان سے دوبارہ عبرانی زبان میں ترجمہ ہوا جو ظاہر ہے متروک عبرانی زبان سے مختلف ہو گا۔ کیونکہ قدیم عبرانی زبان تو خود یہود بھلا یا ترک کر بیٹھے تھے۔ لہٰذا یہ عقدہ کھلا کہ اصل عبرانی عہد نامہ عتیق موجود نہیں بلکہ عبرانی تورات بھی محض ایک ترجمہ ہی ہے۔

---

[84] Encyclopaedia Britannica, 22/742

[85] Hasting's Dictionary of the bible, 4/2975

[86] The Illustrated Bible Dictionary, 2/874

عہد نامہ قدیم کی الہامی واستنادی حیثیت اور محققین کی آراء

دورِ جدید کے تنقیدی جائزے اور محتاط مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اصل معاملہ وہ نہیں جو یہود کے عقائد سے وابستہ ہے بلکہ عہد نامہ قدیم نہ صرف مختلف زمانوں اور مختلف گروہوں اور لوگوں کی محنت کا ثمر ہے بلکہ ان ہی کے ہاتھوں کیے گئے تغیر و تبدل کا شکار بھی ہے۔

فرانسیسی فاضل Maurice Bucaille کے بقول:

ان تحریروں میں وحی کا امتزاج تو ہے مگر جو کچھ آج ہمارے پاس ہے وہی ہے جو کچھ انسانوں نے ہمارے لیے چھوڑنا مناسب سمجھا اور ان لوگوں نے وحی کے متون کو توڑا مروڑا۔[87]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

ان ہذا الکتاب وقع فیها تبدیل فی بعض الفاظها، وانہ لا یعلم ان الفاظها منزلۃ من عند اللہ، فلا یجوز ان یجتمع بما فیها من الألفاظ في معارضۃ علم نبوۃ وان ہذہ التوراۃ والإنجیل الموجودتان الیوم بین الیہود والنصاری لم تتواتر عن موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام۔[88]

اس کتاب کے بہت سے الفاظ میں تبدیلی واقع ہو چکی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ یہ الفاظ اللہ کی طرف سے نازل کردہ الہامی الفاظ ہیں، تو ان الفاظ کو علوم نبوت سے جوڑنا جائز نہیں ہے۔ اور آج یہود و نصاریٰ کے پاس موجود تورات اور انجیل کا تواتر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ثابت نہیں ہے۔

---

[87] Maurice Bucailles, The Bible, The Quran and Science, P.31

[88] ابن تیمیة، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، ۱:۳٦٤،۳٦٨

حسن موہانی تورات و انجیل کی بابت بیان کرتے ہیں:

(۱) توریت میں بعض روایتیں ایسی ملتی ہیں کہ اس سے ساری شریعت اسرائیلیہ کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) خدا کے کلام میں دوسرے کلام کے ملنے سے کتاب اللہ کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) اناجیل کی روایتوں کے اسناد کا پتہ نہیں لگتا اور روایتوں میں اختلاف بھی ہے۔

(۴) اناجیل کی تالیف ایسی ہے جیسے ہمارے ہاں شواہد النبوۃ ہے جو قرآن کی طرح جمع نہیں ہوتے۔

(۵) توریت کی عزرا نبی کے عہد سے بطلیموس کے عہد تک اور عہد جدید کے حواریوں کے عہد سے قسطنطین کے زمانہ تک کی سندیں کسی عالم کے پاس نہیں۔[89]

ریمنڈ ای براان اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد نامہ قدیم کی کوئی بھی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جسے اس ہستی نے سپرد قلم کیا ہو جس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ بابل کی طرف جلاوطنی سے قبل لکھی گئی۔ بائبل کی کوئی کتاب یا اس کا کوئی حصہ یا کوئی مسودہ ہم تک نہ پہنچ سکا"۔[90]

کتاب استثناء بھی اس بیان کی گواہی دیتی ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا واقعہ خود موسیٰ علیہ السلام کی زبانی مذکور ہے ظاہر ہے اپنی موت اور قبر کے بارے میں انسان خود تو کچھ بیان نہیں کر سکتا۔

پس خداوند کے بندے موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اسے موآب کی وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا گیا۔ آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور موسیٰ علیہ السلام اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا۔[91]

---

[89] حسن موہانی، استفسار، ص ۸

[90] Raymond E. Brown, The New Jerome Biblical Commentary, P. 1080

Robertson Smithاس بارے میں رقمطراز ہے۔

> The idea that Moses is author of the whole pentateuch except the last Chapter of Deuteronomy is derived from the old Jewish theory.[92]

قدیم یہودی لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ استثناء کے آخری باب کے علاوہ باقی تورات موسیٰ نے خود لکھی۔

Adders Gلکھتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ ہی کی تصنیف ہے بلکہ اپنی موت تک کی تفصیل وہ بیان کر چکے تھے ملاحظہ ہے۔

> "The Suggestion of some Jewish scholar that Moses wrote these concluding verses through prophetic ability."[93]

بعض یہودیوں کا یہ نقطہ نظر ہے کہ پوری تورات موسیٰ کی تصنیف ہے انھوں نے حتمی تفصیلات پیغمبرانہ صلاحیت کی بنیاد پر خود لکھیں۔

کتاب استثناء کی ان آیات کے بارے میں "A Commentary on the Holy Bible" کا تبصرہ انتہائی واضح اور حقیقت کے قریب ہے۔

> "For instance, it may be safely granted that Moses did not write the account of his own death in (Dt: 34)."[94]

---

[91] استثناء ۳:۳۴

[92] Robertson, Smith, The Old Testament in the Jewish Church, P. 324

[93] Adders G. A Short Introduction to the Pentateuch, P.105

[94] J.R.Dummelow (Ed), A Commentry on the Holy Bible, P.XXV

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اپنی ہی وفات کی تفصیلات کیسے بیان کر سکتے ہیں اس سے واضح ہوا کہ یہ کسی گمنام مصنف کا عام تاریخی بیان ہے جسے الہام کے نام سے دنیا کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔

خود کتاب یرمیاہ میں نامعلوم مصنفین کے عمل دخل اور الہامی کتاب میں رد وبدل کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

کیونکہ تم نے زندہ رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا۔[95]

جب کہ محققین تو یہاں تک کہہ چکے ہیں:

کتبِ خمسہ کا اکثر حصہ موسیٰ علیہ السلام سے ماخوذ و منقول نہیں ہے اور یہ مختلف ذرائع و منابع سے اکٹھا کیا گیا ہے حتی کہ بعض فاضلین نے تو ان کے دو درجن سے زائد مختلف مصنفین کی نشاندہی کی ہے۔[96]

چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

اما التوراة فإن نقلها انقطع كما خرب بيت المقدس اولاً وراجعى منہ بنو اسرائيل ثم ذكروا ان الذى املاها بعد ذلک شخص واحد يقال لہ عازر وزعموا أنہ نبى۔[97]

تورات کی نقول بیت المقدس کی تباہی کے وقت ضائع ہو گئیں اور ایک واحد شخص عزرا جن کو نبی جانا گیا نے اس کی املاء کروائی۔

کتاب یرمیاہ میں ہے:

باروک نے یرمیاہ کے حکم سے ان پر نازل ہونے والا کلام ایک طومار میں لکھا مگر بادشاہ یہویقیم نے اسے جلا دیا۔ "کتب یرمیاہ نے دوسرا طومار لیا اور باروک بن نیریاہ منشی اور اس نے کتاب کی سب باتیں جسے شاہِ یہوداہ

---

[95] یرمیاہ ۳۶:۲۳

[96] Dr. E. Sellier, Introduction to the old Testament, P.25,26

[97] ابن تيمية، الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح، ۳۶۵:۱

یہویقیم نے آگ میں جلا دیا تھا۔ یرمیاہ کی زبانی اس میں لکھیں اور ان کے سوا ویسی ہی بہت سی باتیں ان میں بڑھا دی گئیں۔[98]

اسی لیے محققین کو بالآخر اعتراف کرنا پڑا کہ بائبل کثیر تعداد میں پیغمبروں، شاعروں اور قانون دانوں کی لمبے عرصے پر محیط قلمی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ بقول Bosworth Smith:

> The Bible is the work of a large number of prophets, poets, statesmen and lawgivers, extending over vast period of time and incorporates with itself other and earlier and often conflicting documents.[99]

بائبل نبیوں، شاعروں، سیاستدانوں اور قانون سازوں کی بڑی تعداد کی طرف سے لکھی گئی ہے۔ وسیع ادوار میں اس کی توسیع ہوتی گئی ہے۔ جس میں بذات خود اکثر پہلے اوقات کی متضاد دستاویزات بھی موجود ہیں۔

A.C. Boquet اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ موجودہ تورات کے متعلق یہ تصور کرنا انتہائی محال ہے کہ یہ عیسیٰؑ کے زمانے میں مکمل مدون ہو چکی تھی بلکہ یہ تو عیسیٰؑ کی وفات کے ایک سو سال بعد تک بھی مکمل نہ ہو سکی۔ ملاحظہ ہو درج ذیل اقتباس:

> It is common error to suppose that the old testament as we now have it was complete and canonical at the time of christ. Although between the time of Ezra and the Roman conquest much of it was put into shape largely by the Priests, it was still incomplete in the first century. A.D.[100]

کتاب سلاطین میں حضرت سلیمان کے جو ہیکل بنایا اس کے عرض اور متعلقات کی بے ہنگم و طویل تفصیلات درج کی گئی ہیں۔[101]

ان کے بارے میں Encyclopaedia Britannica کا تجزیہ و تبصرہ ملاحظہ ہو:

---

[98] یرمیاہ ۳۶:۵ و مابعد ۳۶:۳۱۲

[99] R. Bosworth Smith, Muhammad and Muhammadanism, P.13; A. R. Stedman,The Growth of Hebrew Religion, P.13

[100] A.C. Boquet, Sacred Writings of the World, P. 185

[101] سلاطین ۶:۱۱، ۱۲؛ سلاطین ۶:۳۴

اسے سلیمانی شوکت کی عوامی کہانی یا کسی سرکاری و نیم سرکاری فہرست کی نقل تو کہہ سکتے ہیں مگر الہام اور وحی نہیں۔[102]

عہد نامہ قدیم کے مطالعے سے Dr. Bucaille نے جو عمومی تاثرات مرتب کیے ان کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ عہد نامہ قدیم تمام و کمال الہامی نہیں ہے۔
۲۔ اس میں بہت سارا انسانی کلام شامل ہے۔
۳۔ اس میں متعدد تضادات اور بعید از قیاس بیانات موجود ہیں۔
۴۔ اس کا متن یا حرف قابل قبول نہیں ٹھہرتا۔[103]

تورات میں ایسے نام بھی موجود ہیں جن کا تعلق دور دور تک اس دور سے نہیں بنتا یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اسے مختلف زمانوں میں لوگ مرتب کرتے چلے آئے جس سے تضادات پیدا ہوئے۔ اس سے جدید نقادوں نے تورات پر زبردست تنقید کی اور لکھا کہ یہ نہ صرف پرانے لٹریچر سے مرتب کی گئی ہے بلکہ اسے کسی عام کہانی نویس کا کلام قرار دیتے ہیں جس نے انتہائی سادگی سے سب کچھ لکھ ڈالا۔[104]

اس سلسلے میں Harrington Wilfrid بیان کرتا ہے۔

Aarchaeology and the history of the Near Eastern peoples have shown that many of the laws and institutions of the Pentateuch have extrabiblical Parallels that are much earlier than the date attributed to the documents.[105]

ماہر آثارِ قدیمہ اور مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ بہت سے قوانین اور ادارے جو تورات میں بیان کیے گئے ہیں اضافی ہیں کیونکہ ان واقعات کی تاریخ ان دستاویزات (کتب خمسہ) کے لکھے جانے سے بہت پہلے کی ہے۔

---

[102] Encyclopaedia Britannica, 9/18

[103] Dr. Bucaille, Bible, Science and Quran, P. 70

[104] Rowly. H.H., The Growth of the old Testament, P. 22

[105] Harrington Wilfrid, In the Beginning God.P.10

سلاطین دوم میں مذکور ہے:

"تب یسعیاہ نے حذقیاہ سے یہ کہا: "خداوند کا کلام سن لے۔ دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ سب کچھ جو تیرے گھر میں ہے اور جو کچھ تیرے باپ دادا نے آج کے دن تک جمع کر رکھا ہے، وہ بائبل کو لے کر جائیں گے اور خداوند فرماتا ہے کہ باقی کچھ نہیں رہے گا۔"[106]

عزرا فقیہ نے (جسے تدوین بائبل کا سب سے بڑا محسن قرار دیا جاتا ہے) اپنے متعلق دو کتابوں (عذرا اول اور عذرا دوم) میں یہ لکھا ہے:

"اے خداوند! دنیا میں اندھیرا چھا رہا ہے اور جو لوگ اس میں بستے ہیں سب بغیر روشنی کے ہیں، کیونکہ تیری ہدایت اور قانون جل چکا ہے۔ اس لئے کوئی شخص نہ ان معاملات کا علم رکھتا ہے جو گزر چکے ہیں اور نہ ان کا جو شروع ہو رہے ہیں، لیکن میں نے تیرے حضور عزت پائی ہے۔ اس لئے روح القدس کو مجھ میں داخل کر دے اور میں پھر وہ سب کچھ لکھوں جو دنیا میں ہو چکا ہے۔"[107]

عزرا دوم میں لکھا ہے:

"اور میری روح نے میرے حافظے کو قوی بنا دیا ہے اور پھر جو میری زبان کھلی ہے تو بند نہیں ہوتی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رہے اور صرف رات کے وقت کچھ کھاتے تھے اور میں دن بھر لکھاتا رہتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ ۴۰ دنوں میں انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھ ڈالیں۔"[108]

---

[106] سلاطین دوم: ۲۰:۱۶، ۱۷

[107] عزرا دوم: ۱۴/ ۱۲۔ ۲۰

[108] عزرا دوم ۱۴:۳۸، ۴۰

لحمیاہ میں ہے:

"یہود غلامی کے دور میں اپنی زبان بھی بھول گئے تھے، یہود کی زبان پہلے عبرانی تھی، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ تورات کا نسخہ جو بطلیموس شاہ یونان نے تیار کرایا تھا وہ یونانی زبان میں نہیں تھا۔"[109]

تورات کی حیثیت قرآن کی روشنی میں

ان کتابوں کی اس ناگفتہ بہ حالت دیکھنے کے بعد ادنی عقل رکھنے والا شخص بھی اسے آسمانی نہیں کہہ سکتا اور نہ قرآن کریم کتابوں کی تصدیق کا حکم دیتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں توریت کی تصدیق کی بات آتی ہے وہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کا حضرت موسیٰ پر تورات کا نازل کرنا حق وسچ ہے، قرآن اس نزول کی تصدیق کرتا ہے، مسلمان اس نزول پر ایمان رکھتے ہیں، نہ کہ مجہول الحال لوگوں کی کذب بیانی پر مشتمل نوشتہ کتابوں پر، اگرچہ ان کا نام تورات رکھ لیا جائے۔

قرآن کریم عہد نامہ قدیم کا سرے سے ذکر نہیں کرتا بلکہ صرف تورات کے نزول کا حوالہ دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۔[110]

اُس نے تجھ پر یہ سچی کتاب نازل فرمائی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُسی نے اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل نازل فرمائی۔

اس کے علاوہ بھی قرآن میں متعدد مقامات پر تورات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن حکیم صرف تورات کے نازل ہونے کا تذکرہ کرتا ہے، بائبل یا عہد نامہ قدیم وغیرہ کا نہیں!

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[109] لخمیاہ ۱۳/۲۳۔۲۵

[110] سورۃ آل عمران ۳:۳

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ [111]

اور ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو توڑتا مروڑتا ہے کتاب کو پڑھتے ہوئے ‘تاکہ تم سمجھو کہ (جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں) وہ کتاب میں سے ہے ‘ حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں جانتے بوجھتے ۔

کتابِ موسیٰ:

سورۂ ہود میں اس کو کتابِ موسیٰ کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۚ [112]۔

اور اس سے پہلے موسٰی کی کتاب گواہ تھی جو امام اور رحمت تھی۔

صحیفہ موسیٰ:

قرآن مجید نے تورات کو صحف کا نام بھی دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى۔ [113]

(یعنی) ابراھیم اور موسٰی کے صحیفوں میں۔

تحریف تورات

قرآن مجید میں ہے کہ یہود نے اپنی کتاب کو تبدیل کر لیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ [114]

---

[111] سورة آل عمران ۳:۷۸

[112] سورة هود ۱۱:۱۷

[113] سورة الاعلیٰ ۸۷:۱۹

"انہوں کلام کو اس کی جگہ سے بدل کیا اور جو انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا اکثر حصہ وہ بھول گئے۔ ان کی اس خیانت (تحریف) پر بہت کم لوگ مطلع ہوئے"۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ۔ [115]

سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ خرید لیں تھوڑی سی قیمت، سو بڑی ہلاکت ہے ان کے لیے بوجہ اس کے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے۔ اور بڑی ہلاکت ہے ان کے لیے اس کی وجہ سے جسے وہ کسب کرتے ہیں۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ [116]

کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر اس میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔[117]

---

[114] سورۃ المائدہ ۱۳:۵

[115] سورۃ البقرۃ ۷۹:۲

[116] سورۃ بقرۃ ۷۵:۲

[117] سورۃ المائدہ: ۶۸:۵

''فرمادیجئے کہ اے اہلِ کتاب تمہارا کوئی دین نہیں جب تک تم تورات وانجیل کو قائم نہیں کرتے''۔

اس آیت میں اہلِ کتاب کو یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ اصل تورات اور انجیل پر عمل کریں اور اپنی خواہشات کو بروئے کار لانے کی کوشش نہ کریں۔

مولانا ادریس کاندھلوی اس آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں۔

''مقصود اہل کتاب کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب ہے کہ باطل کو چھوڑ کر حق کا اتباع کریں آپ ان یہود ونصاری سے یہ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم جو اپنے آپ کو دین کے بارہ میں راہ حق اور ہدایت پر سمجھتے ہو خوب جان لو تم کسی راہ پر نہیں ہو چونکہ تم حق سے منحرف ہو چکے ہو اس لی تم بمنزلہ بے راہ کے ہو تمہارا مذہب بالکل ہیچ ہے جس طریقہ پر تم ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کوئی چیز ہے لہذا یہی کہا جائے گا کہ تم کسی چیز پر بھی نہیں جب تک تم توریت اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کتاب کو قائم نہ کرو جو بواسطہ محمد رسول اللہ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف نازل کی گئی ہے یعنی قرآن کریم مطلب یہ ہے کہ جب تک تم توریت اور انجیل اور صحف انبیاء کے مطابق عمل نہ کروگے اور ان کی ہدایت کے مطابق نبی آخر الزمان پر ایمان نہ لاؤگے اور اس کتاب کا اتباع نہ کروگے جو نبی آخر الزمان پر نازل ہوئی تو حقیقت میں تمہارا ایمان کچھ بھی نہیں نہ توریت وانجیل پر ہے اور نہ موسی اور عیسیٰ ہی پر.''[118]

معارف القرآن میں مفتی شفیع نے اس آیت کی وضاحت میں لکھا ہے۔

''یہود ونصاریٰ کو شریعت الہیٰ کے اتباع کی ہدایت اس عنوان سے فرمائی گئی تھی کہ اگر تم نے احکام شرعیہ کی پابندی نہ کی تو تم کچھ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شریعت اسلام کی پابندی کے بغیر تمہارے سارے کمالات اور اعمال سب اکارت ہیں۔ تم کو اللہ تعالیٰ نے ایک کمال فطری یہ عطا فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہو، دوسرے تورات وانجیل کے عملی کمالات بھی تمہیں حاصل ہیں، تم میں سے بہت سے آدمی درویش منش بھی ہیں، مجاہدات و ریاضیات کرتے ہیں، مگر ان سب چیزوں کی قیمت اور وزن اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اس پر موقوف ہے کہ تم

[118] ادریس کاندھلوی، معارف القرآن،مکتبہ المعارف ،شہدادپور سندھ،ج ۲ ص۵۵۴

شریعت الٰہیہ کا اتباع کرو۔ اس کے بغیر نہ کوئی نسبی فضیلت کام آوے گی نہ علمی تحقیقات تمہاری نجات کا سامان بنیں گی نہ تمہارے مجاہدات وریاضیات"۔[119]

اللہ تعالی نے یہودیوں کو تورات کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی، لیکن انہوں نے اسے ضائع کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اس لیے قرآن کریم میں ان کی مثال گدھے سے دی گئی، جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو، لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے، سورۂ جمعہ میں یہود کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے تورات کو اپنانے میں حق ادا نہیں کیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ [120]

"ان لوگوں کی مثال جنہیں تورات اٹھوائی گئی پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (اس) گدھے کی سی مثال ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے، ان لوگوں کی بہت بری مثال ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا"۔

گویا اس آیت کریمہ میں قرآن کریم یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہود کو جو اصل تورات دی گئی تھی یہ لوگ اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے اور انہوں نے اصل تعلیمات کو بھلا دیا ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی "اسلام اور نصرانیت" میں لکھتے ہیں۔

"موجودہ تورات وانجیل وہ تورات نہیں جو اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، اصل تورات وانجیل کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے، جس کا خود علمائے یہود ونصاریٰ کو اعتراف ہے اور اقرار ہے۔"[121]

---

[119] مفتی شفیع، معارف القرآن،، ج ۳ص ۱۹۷

[120] سورۃ الجمعہ ۵:۶۲

[121] ادریس کاندھلوی، مولانا، اسلام اور نصرانیت:ص۴۷

خود آزمائی

1. توراۃ کا تعارف، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں توریت کی کیفیت اور عہد نامہ قدیم میں 'اسفار خمسہ' کو تورات کہنے کی تردید پر روشنی ڈالیں۔
2. عہد نامہ قدیم کے مطابق حضرت موسیٰؑ کا الواح کو ضائع کرنا، الواح کے دوبارہ نزول کی تفصیل بیان کریں۔
3. عہد نامہ قدیم کے مطابق خدا کے ساتھ بنی اسرائیل کے عہد، عہد کا صندوق" اور تورات، حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کی وفات کے واقعات کی وضاحت کریں۔
4. تورات کی گمشدگی اور دریافت ہونے کا افسانہ، دریافت شدہ تورات کے ساتھ یہودیوں کا سلوک اور بُخْتَ نَصَّر کے حملہ سے متعلق واقعات کو بیان کریں۔
5. بنی اسرئیل کی ستر سالہ غلامی سے رہائی اور توریت کی از سر نو کتابت پھر عزرا نبی کی ترتیب و تدوین پر نوٹ لکھیں۔
6. عصر حاضر میں یہود کی بنیادی کتب، تورات کا مفہوم، خمسہ موسوی اور عہد نامہ عتیق کی کتب کی وضاحت کریں۔
7. تورات کی پانچ کتابوں (پیدائش، خروج، احبار، گنتی، استثناء) کا مختصر تعارف لکھیں۔
8. بنی اسرائیل کے انبیائے متقدمین، انبیائے متاخرین، صحائفِ مقدسہ کی کتب کے نام تحریر کر سکیں، اور ان سے متعلق محققین کی آراء نقل کریں۔
9. تالمود (Talmud) کا مفہوم و تعارف مفصل طور پر بیان کریں۔
10. غیر مستند اور غیر معتبر کتب اپوکریفہ پر روشنی ڈالیں، اور عہد نامہ قدیم کی کتب کی تعداد بیان کریں۔
11. عہد نامہ قدیم کے دورِ تالیف اور عہد نامہ قدیم کی زبان سے متعلق محققین کی آراء کی وضاحت کریں۔
12. عہد نامہ قدیم کی الہامی و استنادی حیثیت اور محققین کی آراء کا جائزہ لیں۔
13. بائبل کی روشنی میں عہد نامہ قدیم کا جائزہ تفصیل سے بیان کریں۔
14. تورات کی حیثیت اور تحریف سے متعلق قرآن کے نقطہ نظر کو مفصل بیان کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ

- قرآن مجید
- ابن كثير اسماعيل بن عمر البداية والنهاية معه نهاية البداية والنهاية في الفتن والملائين ص: ۲۵۵ ج ۱ دارالفكر،بيروت
- النجار، عبد الوہاب نقص القرآن، ص: ۱۴۴ دار احياء التراث العربى بيروت الطبعة الاولى: ۱۹۹۴ء
- عفيف عبد الفتاح طيارة ،اليهود في القرآن، دار العلم للملايان بيروت ۱۹۲۴ء
- آلوسى سيد محمود البغدادى روح المعانى، مكتبه ا لرشيد يه لا ہو ر
- خازن علاء الدين محمد بن ابراہيم تفسير خازن،دار الكتب العربية مصر
- عبد الكريم الشهرستانى الملل والنحل ، المطبعه حجازى با القاهره ۱۳۶۷ھ
- الطبرى محمد بن جعفر جريز جامع البيان في تفسير القرآن: دار المعرفة بيروت لبنان
- مولانا عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور
- محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی
- سیوہاروی، حفظ الرحمن، قصص القرآن، حبیب پبلیکیشنز، لاہور
- مودودی، ابو الاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۵
- پادری، خیر اللہ، قاموس الکتاب، مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۹۳ء
- کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور

- رانا احسان الحق یہودیت و مسیحیت، مسلم اکادمی لاہور ۱۹۸۱ء
- یوسف ظفر، یہودیت، نفیس پرنٹرز، لاہور

یونٹ:6

یہودیت کے بنیادی فرقے

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر محمد عبد اللہ

ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 282

یونٹ کے مقاصد 282

سامریہ (Samaritanism) 285

عصر حاضر میں سامری فرقہ 289

حسیدی یا حریدی 290

لیوطہور:۔ انتہائی راسخ العقیدہ اور صہیونی مخالف فرقہ 296

لیوطہور فرقے کا تنازع اور یروشلم سے امریکا بے دخلی 299

فریسیون / ربانی یا فریسی 302

عقیدے کے لحاظ سے فریسیوں کی دو امتیازی خصوصیات 304

صدوقی 306

اسینی 308

زیلوٹ 310

تھرا پیٹی 311

عنانی / قراؤون یا قرائٹ 313

کتبہ 315

مقاربہ یا یوذعانیہ 315

خود آزمائی 316

جوابات 317

ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ 317

یونٹ کا تعارف

دیگر مذاہب اور ادیان کی طرح یہود بھی فرقہ پرستی کا شکار ہوئے اور ان کے مختلف فرقوں میں اختلاف ہوا ہے۔ بعثت نبویؐ کے زمانے میں یہود کا ایک فرقہ مدینے میں آباد تھا جو عزیرؑ کو ابن اللہ مانتا تھا۔ قرآن میں سورۃ توبہ میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس وقت کے یہودیوں نے کبھی اس کی تردید نہیں کی۔ اس فرقے کا ذکر تاریخ میں بھی آتا ہے۔ اسرائیلی زیادہ تر اسرائیل اور مغربی ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ کچھ دیگر ممالک میں بھی آباد ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف یہودی علاقوں میں ہی پناہ گزین ہوں۔ زیادہ تر اسرائیلی یہود عبرانی زبان بولتے ہیں۔ اور ان میں اکثر کچھ نہ کچھ یہودی مذہبی تعلیمات کی پاسداری کرتے ہیں۔ موجودہ وقت میں دنیا میں یہود کی آبادی نصف حصہ ریاست اسرائیل میں آباد ہے۔ اسرائیل میں یہود کے تمام فرقے شامل ہیں۔ جیسے اشکنازی یہود، سفاردی یہودی، مزراحی یہودی، کوچین یہود، قرائی یہود اور ان کے علاوہ بہت سارے یہودی فرقے ہیں جو اسرائیل میں آباد ہیں۔ کثیر تعداد میں فرقوں کا وجود اسرائیل میں وسیع یہودی ثقافت اور تہذیب کا ذمہ دار ہے اور بہت سارے مذہبی رسومات اور عبادات احاطہ کرتے ہیں۔ حریدی یہودیت سے لیکر سیکیولر یہودیت سب کے سب یہودی ثقافت کے احاطے میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔۔ یہودی بہت پہلے زمانے سے ہی مذہبی اور سیاسی طور پر ٹوٹ پھوٹ اور افتراق و تفریق کا شکار ہو کر بہت سے فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ جن کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ ہمارے لیے یہاں پر ان فرقوں کا شمار کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی ان کے درمیان واقع ہونے والے دینی اور سیاسی اختلاف کو ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس یونٹ میں فقط چند مشہور یہودی فرقوں کا مختصر تعارف کروایا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 یہودیت میں فرقہ پر مفصل نوٹ تحریر کر سکیں نیز عصر حاضر میں سامری فرقے کو بیان کر سکیں۔

2 یہودی فرقہ حسیدی یا حریدی پر مفصل بحث کر سکیں۔

3 انتہائی راسخ العقیدہ اور صہیونی مخالف یہودی فرقے "لیو طہور" کی تفصیل بیان کر سکیں۔

4 یہودی فرقے فریسیون / ربانی یا فریسی کا تعارف اور ان کی امتیازی خصوصیات روشنی ڈال سکیں۔

5 یہودی فرقہ "صدوقی" پر مفصل نوٹ تحریر کر سکیں۔

6 راہبوں پر مبنی ایک یہودی گروہ "اسینی" کی تفصیل بیان کر سکیں۔

7 یہودی فرقے "زیلوٹ" اور "تھراپیٹی" کا تعارف بیان کر سکیں۔

8 تالمود کے منکر یہودی فرقہ "عنانی / قراؤون یا قرائٹ" کی وضاحت کر سکیں۔

9 یہودی فرقے "کتبہ" اور "مقاربہ یا یوذعانیہ" کی وضاحت کر سکیں۔

یہودی فرقے

تعارف:

یہودیوں کی تقسیم کئی لحاظ سے کی جاتی ہے، کچھ فرقے تاریخ میں ہونے والے واقعات کی وجہ سے بنے جیسے سامریہ، قاراازم اور ربانی یہودیت۔ کچھ فرقے تحریک کے طور پر نمودار ہوئے، جو حاکم وقت سے بغاوت پر آمادہ تھے جیسے صہونیت۔ بیت المقدس کی تباہی کے بعد یہودی مختلف ممالک میں بھاگنے اور منتشر ہونے پر مجبور ہو گئے۔ وہاں انہوں نے اپنی الگ الگ پہچان بنائی اور یہودیت علاقائی فرقوں میں بھی بٹ گئی۔ ان میں اشکنازی، سفاردی اور مزراحی یہود شامل ہیں۔ تیسری تقسیم وہ ہے جس میں یہود عقائد و وظائف کے لحاظ سے متعدد حصوں میں تقسیم ہوئے جیسے راسخ العقیدہ، اصلاحی اور رجعت پسند یہودی، جو یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد وجود میں آئے۔ یہودیت میں تاریخ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے تاہم جس بے کسی کی زندگی یہودیوں کا مقدر رہی ہے اس سے ان کی تاریخ کا ہر گوشہ متاثر ہوا ہے۔ یہودی فرقوں کی تاریخ کو بھی اس ضمن میں استثنا حاصل نہیں ہے۔ نیز فرقوں کی تقسیم کے بیان کرنے میں بھی یہودی مؤرخین منفرد مزاج کے حامل ہیں، مثلاً پرانے وقتوں میں بارہ یہودی قبائل شمالی اور جنوبی ریاستوں میں بٹ گئے تھے۔ شمالی ریاست میں بتوں کی عبادت کو رواج دیا جانے لگا تھا۔ اول سلاطین میں اس حوالے سے آیا ہے:

۔۔۔یُربعام نے سونے کے دو بچھڑے بنوائے۔ بادشاہ یربعام نے لوگوں سے کہا، تمہیں یروشلم کو عبادت کے لئے نہیں جانا چاہیے اسے اسرائیلیو! یہی سب دیوتا ہیں جو تمہیں مصر سے باہر لائے۔ بادشاہ یربعام نے ایک سونے کا بچھڑا بیت ایل میں رکھا۔ اس نے دوسرا سونے کا بچھڑا شہر دان میں رکھا لیکن یہ گناہ عظیم تھا۔[1]

[1] سلاطین اول، ۱۲:۲۸-۳۱

بنی اسرائیلیوں نے بیت ایل اور دان کے شہروں میں بچھڑوں کی پرستش کرنے کے لئے سفر کیے لیکن یہ بہت بڑا گناہ تھا۔ شمالی ریاست نے نہ صرف ایک خدا پر یقین کے عقیدے کو بدل ڈالا اور دو بچھڑوں کو معبود بنالیا۔ ان واقعات کو ایک نئے فرقے کی شروعات کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے اس کے برعکس یہودی محققین نہ صرف ان عوامل کو بلکہ موسی، داؤد اور سلیمان وغیرہ کے دور میں ہونے والی بت پرستی کو بھی فرقہ واریت میں شمار نہیں کرتے۔ وہ ان واقعات سے صرف نظر برتتے ہوئے بابل کی جلا وطنی کے بعد فرقوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان فرقوں کا بیان یہودیت کے مذہبی ارتقا کا بیان ہے جس سے یہ معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ یہودیت، ربیائی یہودیت اور عصر حاضر کی یہودیت میں کیا فرق ہے۔[2]

سامریہ (Samaritanism)

سامری فلسطین کے شمال میں واقع ایک علاقہ کی طرف منسوب ہیں کیونکہ یہ جماعت یہیں پیدا ہوئی؛ یہیں پروان چڑھی۔ اور ان کی سرگرمیاں بھی یہیں مرکوز رہیں۔[3]

یہ آشوریوں کے ہم نواہیں بلکہ اکثر سامری آشوری قبائل سے تعلق رکھتے ہے۔ یہ لوگ آشور سے نسبت رکھتے ہیں جو کہ سام بن نوح علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا۔ اس کے نام کا اطلاق قبائل آشور اور بلاد آشور پر ہوتا ہے۔ آشور دریائے دجلہ کے انتہائی بالائی حصہ پر واقع ہے۔ اس کا دار الحکومت نینویٰ کا شہر تھا جو کہ دریا کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔[4]

انہیں بابل کے بادشاہ نے یہاں بھیجا تھا کہ وہ فلسطین میں ان یہودیوں کی جگہ سکونت اختیار کریں جنہیں قید کر کے بابل لے جایا گیا تھا۔[5]

---

[2] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص۱۸۹

[3] ''آضواء علی الیہودیۃ من خلال مصادرہا۔''... ''یہودیت پر ایک نظر ان کے مصادر کی روشنی میں۔'' ڈاکٹر محمد احمد دیاب عبد الحافظ ص۱۶۳

[4] القاموس الموجز لکتاب المقدس ص۵۶۔

[5] القاموس الموجز لکتاب المقدس:۱۰۳۔

باہر سے آنے والی آشوری یہاں پر قید سے بچ جانے والے یہود سے گھل مل گئے اور انہوں نے یہودی مذہب اختیار کرلیا۔ اسی لیے سامری فرقہ کی اکثریت بنی اسرائیل کے علاوہ دوسرے قبائل تھے۔یہود ان لوگوں سے ایسامعاملہ کرتے تھے کہ جس سے ظاہر ہو تا کہ یہ ان سے قدر و منزلت میں کم (اچھوت / کم ذات) ہیں۔

جب قیدی یہودی واپس لوٹے تو انھوں نے سامریوں کے اعتقاد اور شعائر کا انکار کیا' اور انہیں یہودیت کے منافی جانا، بلکہ وہ انہیں بت پرستی کی طرف منسوب کرنے لگے۔[6]

سامری فرقہ کا قبلہ ''غریزیم'' نامی ایک پہاڑ ہے، جو بیت المقدس اور نابلس کے درمیان واقع ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ بیت المقدس کو نابلس کے پہاڑ پر تعمیر کریں۔ یہی وہ طور ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔

عام یہودی بیت المقدس کو قبلہ مانتے ہیں جبکہ سامری یہودی ان کے خلاف اس پہاڑ کو قبلہ مانتے ہیں؛ [اور اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ [7]

ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت میں رقمطراز ہیں۔

سامری یعنی "سامریہ کے رہائشی "خود کو اسرائیلی سمجھتے ہوئے اپنا سلسلہ نسب یوسف اور لاوی سے شروع کرتے ہیں۔ ان کے بنیادی عقائد میں توحید، ختنہ، سبت کی پیروی اور زیارتوں کے تہوار منانا شامل ہے۔ صدوقیوں ہی کی طرح یہ لوگ بھی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے عقیدے کے قائل نہیں۔ یہودیوں اور سامریوں کے درمیان زیادہ تر عداوت ہی نے رواج پایا اور دونوں گروہ ایک دوسرے کو " سچا اسرائیلی "ماننے میں تامل برتتے رہے۔ عبرانی بائیبل نے انہیں غیر یہودی قرار نہیں دیا۔ البتہ ربی انہیں نہ صرف بنی اسرائیل میں شمار کرنے سے گریزاں ہیں بلکہ ان کو بت پرست ٹھہراتے ہوئے بطور نو یہودی بھی تسلیم نہیں کرتے۔ زمانہ قدیم میں ان لوگوں کی

---

[6] ''اضواء علی الیہودیۃ من خلال مصادرہا''... ''یہودیت پر ایک نظر ان کے مصادر کی روشنی میں۔''ڈاکٹر محمد احمد دیاب عبد الحافظ ص ۱۶۳

[7] الشہرستانی: الملل والنحل: ۱/۱۷۷

خاصی بڑی آبادیاں موجود تھیں جو بعد میں ختم ہوتی چلی گئیں لیکن یہ مکمل طور پر ناپید نہیں ہوئے۔ مشہور برطانوی خبر رساں ایجنسی بی بی سی کے مطابق 2018 میں 800 سے زائد سامری تل ابیب کے قریب آباد تھے۔ راسخ العقیدہ یہودی اس گروہ کی تاریخ کو بابل کی جلاوطنی کے زمانے سے جوڑتے ہیں۔[8]

سامری فرقہ کی ایک علیحدہ ہی تورات ہے، جو اس تورات سے مختلف ہے جو باقی تمام یہودیوں کے پاس ہے۔[9] وہ صرف ان پانچ اسفار پر ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ وہ سفر یوشع؛ سفر قضاۃ کے علاوہ باقی تمام اسفار، عہد قدیم اور اسفار تلمود کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے ہاں معتمد اسفار کی نصوص دوسرے لوگوں کے ہاں معتمد اسفار کی نصوص سے بہت مختلف ہیں۔[10]

دوم سلاطین میں روایت ہے کہ سامری غیر ملکی تھے جنہیں اشوریوں نے سامریہ کے علاقے میں بسا دیا تھا۔ سامریہ میں بسنے والے اسرائیلی ان دنوں بابل میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ یہ لوگ یہاں مختلف آفات کا شکار ہونے کی وجہ سے پریشان حال تھے۔ ایک اسرائیلی کاہن نے انہیں بتایا کہ یہاں صرف وہی قوم خوش وخرم رہ سکتی ہے جو اسرائیلی شریعت پر عمل کرے۔ سامریوں نے اس کاہن کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے توریت کی پیروی شروع کر دی "لیکن انہوں نے اپنے خداؤں کی بھی خدمت کی۔ ان لوگوں نے اپنے خداؤں کی ویسی ہی خدمت کی جیسا کہ انہوں نے اپنے ملک میں کی تھی جہاں سے وہ لائے گئے تھے۔"[11]

جب بابل سے رہا ہو کر یہودی واپس اپنے وطن لَوٹے تو انہوں نے اُن اسرائیلیوں کو جنہوں نے اشوریوں کے قبضہ کے بعد بھی اس علاقہ کو نہ چھوڑا تھا اور غیر ملکیوں میں رہ کر اُن کے عقائد اور رسومات کی بیشتر باتوں کو اپنا لیا تھا' دھتکار دیا اور اُنہیں اچھوت قرار دیا۔ یہودی تاریخ کے اس موڑ کے بعد سے ساری نام کا یہ یہودی فرقہ وجود میں

---

[8] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۰

[9] ابن حزم: الفصل في الملل والأہواء والنحل ۱/ ۱۷۷

[10] الاسفار المقدسۃ في الأديان السابقۃ لد کتور علی بن عبد الواحد وافی ص ٦٦

[11] سلاطین دوم ۱۷: ۳۲

آیا جو خود کو شریعت موسوی کا سچا پیرو قرار دیتا ہے اور شمالی اسرائیل کے قبائل ابراہیم اور مناسیح کی اولاد ہونے کا مدعی ہے۔ سامریوں کا دعویٰ ہے کہ ان کے جد امجد کا تعلق قبیلہ افرائیم اور قبیلہ منسی (حضرت یوسف کے دو بیٹوں کا قبیلہ) کے ساتھ ساتھ لاوی قوم سے تھا۔ یہ فرقہ جس کے پیروؤں کی تعداد موجودہ اسرائیل میں چھ سو ہے' جن کی آبادی کوہ گیریزیم (Gerizim) (نابلس) اور تل ابیب کے قریب ہیں' یہ کوہ گریزم کو اپنا مقدس مقام سمجھتے ہیں۔ وہ یہاں ہر سال جمع ہو کر عبادت کرتے ہیں اور دنبے کی قربانی دیتے ہیں۔ بر خلاف اس کے عام یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ جب تک ہیکل سلیمانی کی تعمیر نہ ہو اور وہ جس شخصیت کے منتظر ہیں' وہ نہ آجائے' قربانی ان کے ہاں جائز نہیں ہے۔ ان کے عبادت کرنے کا طریقہ کچھ کچھ مسلمانوں سے ملتا جلتا ہے۔ ان کا لباس اور وضع قطع بھی مسلمانوں جیسی نظر آتی ہے۔ ساری ایک عرصہ تک مسلمانوں اور خلافت عثمانیہ کے زیرِ سایہ رہے۔ شاید اسی وجہ سے ان لوگوں نے مقامی مسلمانوں کی ثقافت کا اثر قبول کیا۔ کیونکہ یہودی ہوں یا ساری' یہ جہاں بھی گئے' اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھتے ہوئے وہاں کی تہذیب اور ثقافت کو اپنایا۔

کتاب عزرا بھی سامری مخالفت پر زور دیتی ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ جب ہیکل کی تعمیر نو کا کام شروع ہوا تو سامریوں نے کہا کہ چونکہ وہ بھی خداوند ہی کی عبادت کرتے ہیں اس لیے انہیں بھی ہیکل کی تعمیر میں شامل کیا جائے لیکن عزرا نے ان کی پیشکش ٹھکرا دی جس پر غصے میں آکر انہوں نے ہیکل کی تعمیر میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے ۔[12] سامری درج بالا روایت کو جھٹلاتے ہیں اور خود کو شمالی ریاست کے بچے کھچے قبائل کے طور پر بیان کرتے ہیں جو شروع سے ہی سامریہ میں رہائش پذیر تھے اور اشوریوں کی تباہی سے بچ نکلے تھے۔ یہ لوگ صرف توریت کی پانچ کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے مرکابیوں کے دور سے ہی توریت کا الگ نسخہ مرتب کر لیا تھا جو قدیم عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا۔ اس نسخے کے مطابق یہ احکام عشرہ کا حصہ ہے کہ تمام قربانیاں جبل جرزیم پر ادا کرنی ہیں۔ یہ لوگ جبل جرزیم ہی کو ہیکل کی تعمیر کی جگہ بھی سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں ابراہیم اسی جگہ اسحاق کو قربانی کے لیے

---

[12] عزرا۴

لائے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یشوع نے اسرائیلیوں کو سکم کے مقام پر اکٹھا کر کے عہد خداوندی کی تجدید کی لیکن بعد میں کاہن اعظم عیلی نے دیگر لوگوں کے ساتھ مل کر عبادت گاہ کو سکم سے سیلا منتقل کر دیا جہاں سے یہ عہد داؤدی میں یروشلم منتقل ہو گئی۔[13]

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"سامری" بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ اور یوشع علیہما السلام کے بعد ہر نبوت کو باطل سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ حضرت شمعون و داؤد، سلیمان، واِشیعا اور یسع، اور الیاس عاموص؛ حبقوق؛ زکریا، اِرمیا علیہم السلام اور دوسرے انبیاء کا انکار کرتے ہیں۔ اور بعثت پر مطلق ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ شام کے علاقوں میں رہ رہے ہیں اور وہاں سے نکلنے کو حلال نہیں سمجھتے۔[14]

عصر حاضر میں سامری فرقہ

العربیہ ٹی وی کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق

بہت سے لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہوں گے کہ یہودیوں کا ایک فرقہ ایسا بھی ہے جس کے پیروکاروں کی تعداد صرف 800 افراد ہے۔ یہودیوں کے اس فرقے کا نام 'سامریہ' ہے جس کے پیروکاروں کا ایک حصّہ مغربی کنارے کے شہر نابلس بالخصوص جبلِ جرزیم میں سکونت پذیر ہے۔ اس اقلیت میں شامل لوگوں کے پاس تین پاسپورٹ ہوتے ہیں جن میں فلسطینی، اردنی اور اسرائیلی شامل ہیں۔ یہ لوگ یہودی مذہب کے پیروکاروں کی طرح بیت المقدس کو اپنا قبلہ نہیں مانتے۔

---

[13] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۱

[14] ابن حزم، الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۱/۱۷۷

اس فرقے کے لوگ فلسطینی لہجے میں عربی زبان کے علاوہ عبرانی زبان بھی بولتے ہیں۔ سامریہ فرقے کے نزدیک اُن کی تورات صحیح ہے جب کہ دیگر تورات "تحریف شدہ" ہیں۔ نابلس میں جبلِ جرزیم کے علاوہ اس فرقے کے کچھ لوگ تل ابیب کے قریب رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے فرقے کے باہر شادی نہیں کرتے اور صرف سامریوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھاتے ہیں۔ سامریہ فرقے کے لوگ فلسطینی معاشرے میں انتہائی قدرتی انداز سے ملے جلے رہتے ہیں اور وہ عام اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ فلسطینی سرکاری خبر رساں ایجنسی 'وفا' کے مطابق خود کو تورات کا حقیقی محافظ قرار دینے والے سامریوں کی تعداد تقریباً 790 ہے۔ ان میں کچھ لوگ نابلس میں رہتے ہیں جب کہ دیگر افراد 1948ء میں قبضے میں لی گئی فلسطینی اراضی میں "حولون" کے علاقے میں رہتے ہیں۔ یہ تورات کے تہواروں کو مناتے ہیں جن کی تعداد سات ہے۔ ان کے نام الفسح، الفطیر، الحصاد، عبرانی سال نو، الغفران، العرش اور فرحت التورات ہیں۔ سامری فرقہ اپنی نسبت بنی اسرائیل سے منسوب 12 خاندانوں میں سے 3 خاندانوں کی طرف کرتا ہے۔ یہ خاندان حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے لاوی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹوں منسی اور افرائیم کی نسل سے ہیں۔ سامریوں کے نام کے حوالے سے دو امکانات بیان کیے جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ سامری کا لفظ عبرانی زبان کے لفظ "شامر" کی بگڑی ہوئی صورت ہے جس کا معنی "پہرے دار" یا "محافظ" ہے۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ اس نام کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک شخص سے ہے جس کو سامری پکارا جاتا تھا۔ آج کل سامری فرقے کے لوگ پہلے بیان کو اپنے فرقے کی وجہ تسمیہ قرار دیتے ہیں۔[15]

حسیدی یا حریدی

خبر رساں ادارے یورپین پریس فوٹو ایجنسی (ای پی اے) نے ایک حالیہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ کہ بیت المقدس میں موجود یہودیوں کے اکثریتی علاقے بیت الشمس میں روشن خیالی، جدیدیت، سائنسی ترقی، مذہبی رواداری اور ثقافتی تبدیلیوں کی مخالفت کرنے والا ایک سخت گیر یہودی گروہ 'حریدی' یا 'خریدی' بھی آباد ہے۔ اس گروہ کی

---

[15] https://ara.tv/gcdqn
العربیہ ٹی وی اردو

سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس سے تعلق رکھنے والی خواتین اتنا پردہ کرتی ہیں کہ وہ خود کو کئی کپڑوں سے ڈھانپتی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق حریدی گروہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کی جانب سے کیے جانے والے پردے کے لیے استعمال ہونے والے عبایا کو 'برقع حریدی' کہا جاتا ہے، جس کے تحت ہر خاتون کم سے کم خود کو برقع اور شال جیسے تین کپڑوں سے ڈھانپتی ہے۔[16]

حسیدی یعنی "نیک" بھی یہودیت کے قدیم گروہوں میں شمار کیے جاتے ہیں جو مکابیوں کے دور میں سامنے آئے اور ان کے شانہ بشانہ لڑ کر ہیکل کو یونانیوں کے قبضے سے آزاد کروایا۔ اول مکابین کے مطابق حسیدی اسرائیل کے شہ زور تھے جنہوں نے شریعت کے لیے خود کو پیش کر دیا۔[17]

یہودیوں کے متعدد فرقے اگرچہ اپنے مذہبی عقائد اور نسل کی حفاظت کے لیے فکر مند نظر آتے ہیں، تاہم حالیہ برسوں میں یہودیوں کے ایک سخت گیر فرقے کی جانب سے خواتین کے پردہ کرنے کا بھرپور اہتمام خبروں میں ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ انتہائی پردہ دار اور سخت مذہبی عقائد رکھنے والے اس مذہبی فرقے کی آبادی میں گزشتہ ایک دہائی میں تیزی سے اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

---

[16] https://www.dawnnews.tv/news/1090323
01 نومبر 2018

[17] مکابیین اول، ۲:۴۲



اس فرقے سے تعلق رکھنے والی خواتین تین تہوں پر مبنی پردہ کرتی ہیں۔



سخت پردہ کرنے والی خواتین کو سب سے پہلے 2006 میں بیت المقدس کی گلیوں میں دیکھا گیا۔



اس فرقے سے تعلق رکھنے والے مرد بھی خصوصی لباس میں نظر آتے ہیں۔



کم عمر بچیوں کو بھی خصوصی پردہ کرایا جاتا ہے۔



اس فرقے سے تعلق رکھنے والی خواتین مردوں کے سامنے آنے سے بھی کتراتی ہیں۔

اس گروہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کا ماننا ہے کہ یہودی عورتوں کو عفت و عصمت کے تحت اپنا جسم مکمل طور پر ڈھانپنا چاہیے، تاکہ یہودی نسل کی حفاظت ہو سکے۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کا عقیدہ کہ آج سے 3 ہزار 5 سو (3500) سال قبل بھی یہودی خواتین اسی طرح کا انتہائی سخت پردہ کرتی تھیں۔ برقع حریدی کے تحت پردہ کرنے والی خواتین نہ صرف گھر سے باہر نکلتے وقت خود کو اچھی طرح ڈھانپتی ہیں، بلکہ وہ گھر میں رہتے ہوئے بھی انتہائی سخت پردے کی حالت میں رہتی ہیں۔ اسپین کے خبر رساں ادارے (ای ایف ای) کے مطابق یہودیوں کے حریدی فرقے سے تعلق رکھنے والی خواتین اگرچہ سیکولر پس منظر سے ہوتی ہیں، تاہم وہ اتنی تنگ نظر ہوتی ہیں کہ وہ بیمار پڑنے کے بعد علاج تک نہیں کرواتیں۔ رپورٹ کے مطابق اس گروہ سے تعلق رکھنے والی خواتین اپنے کم سن بچوں کی ویکسینیشن کروانے سمیت ان کا علاج تک نہیں کرواتیں اور انہیں پردے میں رکھتی ہیں۔ برقع حریدی کے تحت جہاں ایک شال سے جسم ڈھانپا جاتا ہے، وہیں چہرے پر نقاب جیسا الگ کپڑا پہنا جاتا ہے، جب کہ شال کے اوپر بھی ایک شال ڈھانپنے کے لیے پہنی جاتی ہے۔[18]

[18] https://www.dawnnews.tv/news/1090323

حریدی فرقے سے تعلق رکھنے والی یہودی خواتین کا ماننا ہے کہ ان کے اس طرح کے پردے سے یہودی مرد گناہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ خواتین یقین رکھتی ہیں کہ اگر وہ اس طرح پردہ نہیں کریں گی تو یہودی مرد ان کے جسم کے خدوخال دیکھیں گے، جس کے بعد گناہ کے مرتکب ہونے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ رپورٹس کے مطابق حریدی فرقے میں پردے کی یہ روایت سخت مذہبی رجحانات رکھنے والی خاتون بروریا کرین نے شروع کی تھی۔ ابتدائی طور پر بروریا کرین واحد یہودی خاتون مانی جاتی تھیں، جنہوں نے حالیہ دور میں اس طرح کا پردہ کیا، بعد ازاں 2008 تک اس طرح کا پردہ کرنے والے افراد کی محض 100 تک بتائی گئی۔ تاہم اب ایک دہائی بعد ان کی تعداد کئی گنا زیادہ بتائی جاتی ہے۔ حریدی گروہ سے تعلق رکھنے والی خواتین اپنی نابالغ اور کم عمر بچیوں کو بھی برقع حریدی کے تحت ہر وقت پردے میں رکھتی ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق اگرچہ دنیا بھر میں حریدی یہودیوں کی آبادی 18 لاکھ سے 20 لاکھ کے درمیان ہے، تاہم ان میں سے انتہائی کم تعداد کے افراد سخت پردہ کرنے سمیت جدیدیت کی مخالفت کرتے ہیں۔ سخت پردہ کرنے اور جدیدیت کی مخالفت کرنے والے ان افراد کو اگرچہ یہودیوں کے بعض فرقے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جبکہ ان کی روایات کو تنگ نظری قرار دے کر یہودیت کا حصہ نہیں مانتے۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے سامنے آنے والی معلومات کے مطابق حریدی فرقے کی آبادی میں تیزی سے اضافہ بھی ہو رہا ہے، ساتھ ہی اس میں دیگر فرقوں کے لوگ بھی شامل ہو رہے ہیں۔ خیال رہے کہ اس فرقے کی خواتین میں سخت پردے کی روایت ڈالنے والی خاتون بروریا کرین کو 2008 میں اسرائیلی پولیس نے گرفتار کیا تھا، جبکہ ان پر بچوں پر تشدد کرنے اور انہیں قید رکھنے کے الزامات

عائد کیے تھے۔ بعد ازاں اسرائیلی عدالت نے بروریا کرین کو جرم ثابت ہونے پر 4 سال جیل قید کی سزا بھی سنائی تھی۔ جیل میں قید کی سزا کے دوران بروریا کرین اپنے عقائد پر قائم رہیں اور انہوں نے مرد اہلکاروں کے سامنے بات کرنے سمیت ان کے آگے آنے سے بھی انکار کیا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق جیل میں قید کے دوران بروریا کرین کی متعدد بار طبعیت بھی خراب ہوئی، تاہم انہوں نے علاج کروانے سے بھی انکار کیا۔ حالیہ دنوں میں بروریا کرین کے حوالے سے کوئی معلومات سامنے نہیں آئیں کہ وہ کہاں اور کن حالات میں ہیں۔[19]

بحر میت کے مخطوطات میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ یہودیت میں حسیدی ایک روحانی جماعت بھی ہے تاہم اس جماعت کا اس قدیم یہودی گروہ سے کوئی تعلق نہیں۔ جس قوت سے مرکابیوں کی حمایت میں یہ گروہ سامنے آیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں ان کو مستحکم ہوئے کچھ عرصہ بیت چکا تھا۔ اس دور کے حسیدی شریعت پر یقین رکھنے والے تھے اور اس ضمن میں کوئی بھی نئی تشریح قبول کرنے کے روادار نہیں تھے۔ اس لیے جب مکابیوں نے سبت کے دن لڑنا جائز کیا تو ان لوگوں نے اس وقت بھی سبت کی پاسداری جاری رکھی اور جنگی معاملات خدا پر چھوڑ دیے۔ اسی لیے ربی انہیں "عمل کے بندے" بھی کہا کرتے تھے۔ و بعض مصنفین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ فریسی اور امینی بھی حسیدیوں ہی کی شاخیں ہیں۔ البتہ اس دعوے کے ثبوت تقریب ناپید ہیں کیونکہ حسیدیوں کے متعلق معلومات بہت کم یاب ہیں۔[20]

لیو طہور:۔ انتہائی راسخ العقیدہ اور صہیونی مخالف فرقہ

عبرانی زبان میں لیو طہور 'پاک دل' کو کہتے ہیں، اور اس فرقے کی بنیاد سنہ 1980 میں یروشلم میں راہب شلوموہلبرانس نے رکھی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق اس کے 250 سے 500 ارکان ہیں۔ یہ فرقے یہودیت کے ایک صوفیانہ سلسلے کی پیروی کرتا ہے اور یہ فرقہ اپنے ماننے والوں پر کڑی مذہبی پابندیاں عائد کرتا ہے۔ اس فرقے کی

---

[19] https://www.dawnnews.tv/news/1090323
01 نومبر 2018

[20] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۱

خواتین ہمیشہ سر سے پاؤں تک کالا لباس پہنتی ہیں اور کبھی اپنا چہرہ نہیں دکھاتیں جبکہ اس فرقے کے مرد بھی ہمیشہ کالے رنگ کا لباس، سروں پر کالی ٹوپیاں پہنتے ہیں اور کبھی اپنی داڑھی نہیں مونڈتے۔ان کی خوراک ایسی غذا پر مبنی ہے جو بائبل کے اصولوں کے مطابق حلال یا جائز ہیں جنھیں یہودیت کے ماننے والے کھا سکتے ہیں۔ تاہم یہ خوراک کے معاملے میں بھی انتہائی سخت ہیں اور زیادہ تر ان کا کھانا گھر کا پکا ہوتا ہے اور اس میں قدرتی اور خالص اجزا شامل ہوتے ہیں۔وہ مرغی کا گوشت یا انڈا نہیں کھاتے کیونکہ ان کے خیال میں اس میں جنیاتی طور پر ردوبدل کیا گیا ہے۔ اس کے جگہ وہ بطخ اور اس کے انڈے کھاتے ہیں۔وہ چاول، ہر اہیاز اور پتوں والی سبزیاں بھی کیڑوں کے ڈر سے نہیں کھاتے۔دیگر پھلوں اور سبزیوں کو استعمال کرتے وقت وہ ہمیشہ کھانے سے پہلے اس کا چھلکا اتار دیتے ہیں حتی کہ ٹماٹر کا چھلکا بھی اتار کر استعمال کرتے ہیں۔ مشروبات میں وہ صرف گائے کا دودھ پیتے ہیں وہ بھی اس گائے کا جس کا دودھ وہ خود دھو سکتے ہیں اور وہ اپنی شراب بھی خود کشید کرتے ہیں۔ان کے بچے دکانوں سے ملنے والی ٹافیاں نہیں کھا سکتے البتہ وہ گھر کی بنی ہوئی مٹھایاں یا چاکلیٹ، پھل یا میوے کھا سکتے ہیں۔وہ ٹیکنالوجی کا انتہائی کم استعمال کرتے ہیں اور وہ ٹی وی اور کمپیوٹر سمیت برقی آلات کے استعمال سے اجتناب کرتے ہیں۔دوسری طرف وہ یہودی فرقہ ہونے کے باوجود ان کے سیاسی نظریات صہیونیوں سے مختلف ہیں اور انھیں یہ خطرہ ہے کہ اسرائیل میں یہودی مذہب کی جگہ ایک سیکولر قومیت اختیار کرے گی۔اپنی انتہائی سخت عقائد اور موقف کے باوجود، اس فرقے کے ارکان کا ماننا ہے کہ وہ مکمل طور پر یہودی مذہبی روایات اور اصولوں کی حدود میں رہتے ہوئے کام کرتے ہیں اور در حقیقت اُن کے کاموں میں کوئی نئی یا مختلف چیز نہیں ہے۔[21]

اسرائیل اخبار 'ہیریٹز' کے صحافی شایے فوگلمین جنھیں سنہ 2012 میں لیو طہور فرقے کے ارکان کے ساتھ پانچ دن گزارنے کا نادر موقع ملا تھا، نے لکھا تھا کہ 'وہ اپنے بارے میں سمجھتے ہیں کہ وہ ہی حق کے راستے پر ہیں، وہ ہی مقدس دیواروں کے محافظ اور یہودی دنیا میں باقی بچنے والی آخری شمع کا دفاع کرنے والے ہیں۔ انھیں یہودی عقیدے ہاشیدازم کے دیگر فرقوں سے شدید اختلاف ہے اور انھیں وہ قابل نفرت قرار دیتے ہیں۔"لیو طہور فرقے

---

[21] https://www.bbc.com/urdu/world-63070881
29 ستمبر 2022
For more details and next report https://www.bbc.com/urdu/articles/c6p04w28j83o

کے ارکان کے بنیادی مطالبات بہت سادہ سے ہیں۔ پورے دل سے ہر وقت خدا کی عبادت اور خدمت کرنا۔ ان کی لائبریریوں میں صرف یہودی مذہب سے متعلق کتابیں موجود ہیں۔ ان کے گھروں میں نہ تو ٹیلی ویژن ہیں، نہ ریڈیو اور نہ ہی کمپیوٹرز۔ ان کے لیے فارغ وقت گزارنے، اپنے سوچ کا دائرہ وسیع کرنے یا اپنے آپ کو بہتر بنانے جیسے مغربی خیالات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔



ن کا مزید کہنا تھا کہ 'ان کے گھروں کی دیواروں پر کچھ بھی آویزاں نہیں ہوتا، نہ کوئی تصاویر، تعویذ یا راہبوں کی تصاویر۔ متعدد مرتبہ سجاوٹ کی اشیا میں موم بتی سٹینڈ یا چاندی کی مذہبی اہمیت کی اشیا موجود ہوتی ہیں جو شیشے کے ڈبے میں رکھی جاتی ہیں۔ ایسی تفصیلات جن سے اس فرقے کا مذہب سے لگاؤ عیاں ہوتا ہے وہیں گذشتہ برسوں کے دوران ایسے الزامات بھی سامنے آئے ہیں جن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس برادری کی جانب سے اپنے اراکین پر پُر تشدد اور شدت پسند اقدامات کا استعمال بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان میں بچوں پر تشدد اور کم عمر لڑکیوں کی عمر رسیدہ مردوں سے زبردستی شادیاں کروانا بھی شامل ہیں۔ یہ الزامات اس فرقے کے سابقہ اراکین اور ان کے خاندانوں کی جانب سے عائد کیے گئے ہیں۔ اوبادیا گزمان نے بی بی سی منڈو کو بتایا کہ 'اس برادری پر کم عمر بچوں کے درمیان شادیوں کو فروغ دینے بھی شامل ہے۔ لیکن ہم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ یہ ایک ذاتی معاملہ ہے۔ اگر کسی کو ایسا

لگتا ہے کہ وہ نئی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے تیار ہے اور مذہبی عقائد کے مطابق گزارنے کے قابل بھی ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی فیصلہ ہے۔ شادی کرنے کے حق سے کسی کو نہیں روکا جا سکتا۔'[22]

لیوطہور فرقے کا تنازع اور یروشلم سے امریکا بے دخلی

سنہ 1990 میں راہب شلوموہیلبر انز نے اس گروہ کو امریکہ منتقل کر دیا جہاں انھوں نے بروکلن میں ایک یہودی سکول قائم کیا۔ کچھ برس بعد لیوطہور کو قانون سے پہلی مرتبہ مشکلات کا سامنا ہونے لگا۔ سنہ 1993 میں ہیلبر انز کو نیویارک میں ایک کم عمر لڑکے کو اغوا کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا جو ان سے تعلیم حاصل کر رہے تھے اور دائرہ مذہب میں داخل ہونے کی تقریب کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ بچے کے والدین نے ہیلبر انز پر الزام عائد کیا کہ انھوں نے لڑکے کو 'برین واش' کیا جب راحب نے ان پر بچے کو تشدد کا نشانہ بنانے الزام لگایا۔ آخر میں عدالت نے ہیلبر انز کو اغوا کرنے کے الزام میں سزا سنائی اور انھوں نے دو سال جیل میں گزارے، اور پھر سنہ 1996 میں انھیں پیرول پر رہا کیا گیا۔ سنہ 2000 میں راحب کو اسرائیل منتقل کر دیا گیا تھا جہاں وہ زیادہ عرصہ نہیں رکے بلکہ جلد ہی اپنی برادری کے ساتھ کیوبیک، کینیڈا چلے گئے۔



[22] https://www.bbc.com/urdu/world-63070881
29 ستمبر 2022
For more details and next report https://www.bbc.com/urdu/articles/c6p04w28j83o

یہ فرقہ پھر سینٹ اگاتھ منتقل ہو گیا۔ سینٹ اگاتھ دراصل 10 ہزار رہائشیوں پر مشتمل چھوٹا سا قصبہ ہے جو مونٹریال سے دو گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے۔ تاہم وہاں بھی گروہ کے خلاف نئے اعتراضات سامنے آئے جس پر سنہ 2013 میں سوشل سروسز کی جانب سے بچوں کو نظر انداز کرنے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ مقامی میڈیا کے مطابق کینڈین حکام کو بچوں کے حفظانِ صحت اور صحت کے بارے میں خدشات تھے۔ اس کے علاوہ ان کی تعلیم کے بارے میں بھی کیونکہ ان بچوں کو گھروں میں تعلیم دی جا رہی تھی اور انھیں ریاضی کے حوالے سے بنیادی مہارت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے کچھ عرصے بعد فرقے کے کچھ اراکین نے ملک چھوڑ کر مائنز کے قصبے گواٹیمالا میں رہائش پذیر ہونے کا اہتمام کیا۔ یہاں بھی انھیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انھیں چند ماہ کی غلط فہمیوں کے بعد قصبے کے بڑوں کی ایک کونسل نے اس گروپ کو نکالنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اس کے اراکین نے مقامی افراد کے ساتھ گھومنے پھرنے اور ان سے بات کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ خبر رساں ادارے روئٹرز سے بات کرتے ہوئے کونسل کے رکن مگویل واسکیز چولٹو یونے کہا کہ 'ہمیں گلیوں میں چلتے پھرتے وقت ان سے خوف آتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارا مذہب اور طور اطوار تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔' ان کی بے دخلی کے بعد مقامی حکام نے انھیں ایک مخصوص وقت دیا اور یہ دھمکی بھی دی کہ اگر وہ فوری طور پر نہ گئے تو ان کی عوامی سروسز تک رسائی کاٹ دی جائے گی۔



اس فرقے کی جانب سے گوئٹے مالا شہر منتقل ہونے کا فیصلہ کیا گیا جہاں اس کے ہیڈ کوارٹر پر بعد میں سرکاری وکلا کی جانب سے چھاپا مارا گیا تھا جو یہ تفتیش کر رہے تھے کہ آیا وہاں پر بچوں کے ساتھ تشدد و ہراسانی کے کیسز

موجود ہیں یا نہیں۔ سنہ 2016 میں انھوں نے ایل اماتیلو نامی قصبے میں منتقل ہونے کا فیصلہ کیا جو گواٹیمالا شہر سے 80 کلو میٹر دور ہے۔ ایک سال بعد اسرائیلی میڈیا نے ہیلبرانز کی موت کی خبر شائع کی، جو مبینہ طور پر میکسیکو کے ایک دریائے پر مذہبی فریضہ ادا کرتے ہوئے پیش آئی۔ اس موقع پر اس فرقے کی جانب سے ایک اور ملک میں منتقل ہونے کے مبینہ منصوبے کے بارے میں بھی پتا چلا۔ تاہم اس فرقے کو قائم کرنے والے ہیلبرانز کی موت اور ان کے نئے سربراہ کو بچوں کو اغوا کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے اس لیے لیو طہور کا مستقبل مزید تاریک دکھائی دے رہا ہے۔[23]

بی بی سی کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق

میکسیکو کے ایک جنگل میں قائم یہودی فرقے لیو طہور کے مرکز پر پولیس کارروائی کے دوران کئی بچوں کو بازیاب کروائے جانے کے بعد اس انتہائی قدامت پسند فرقے کے بارے میں ایک بار پھر سنگین سوالات نے جنم لیا ہے۔ اس یہودی فرقے کے ارکان کو 'یہودی طالبان' کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی عورتیں سر سے پاؤں تک کالے کپڑے پہنتی ہیں۔ تاہم میکسیکو اور گوئٹے مالا جیسے لاطینی امریکی ممالک میں قائم ہونے والے اس مذہبی گروہ کے بارے میں تنازع ان کے انتہائی قدامت پسند لباس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ میکسیکو میں ایک وفاقی جج نے ڈپٹی اٹارنی جنرل کے دفتر کی جانب سے بچوں سے زیادتی میں ملوث ہونے کے شبے میں منظم جرائم میں کی جانے والی تحقیقات کے بعد اس فرقے کے کئی رہنماؤں کی گرفتاری کا حکم دیا ہے۔ اس فرقے کا مرکز تاپاچولا شہر سے 17 کلو میٹر شمال میں واقع ہے۔[24]

---

[23] https://www.bbc.com/urdu/world-63070881
29 ستمبر 2022
For more details and next report https://www.bbc.com/urdu/articles/c6p04w28j83o

[24] https://www.bbc.com/urdu/world-63070881
29 ستمبر 2022
For more details and next report https://www.bbc.com/urdu/articles/c6p04w28j83o

بی بی سی کے صحافی رافی برگ سنہ 2018 میں دو نابالغ بچوں کے اغوا کے ایک مقدمے کو یاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ان بچوں کو ان کی ماں گوئٹے مالا میں آباد اس فرقے کے چنگل سے آزاد کروا کر نیویارک لے گئی تھیں۔ اس واقعے میں ملوث گروہ کے نو ارکان کے خلاف مقدمہ قائم کیا گیا۔ اُن میں سے چار کو سزائیں ہو چکی ہیں جن میں فرقے کے بانی نکمین ہیلبر انز کا بیٹا بھی شامل ہے۔ ان دو کم سن بچوں کو امریکہ سے اغوا کیا گیا تھا اور جنوری 2019 میں انھیں بازیاب کروایا جا سکا تھا۔ نکمین ہیلبر انز بچوں کی ماں کا بھائی یعنی بچوں کا ماموں ہے۔ اس وقت بی بی سی منڈو کو گوئٹے مالا میں اس فرقے تک خصوصی رسائی حاصل ہوئی تھی اور اس کے ایک رکن نے پہلی بار اس اور دیگر مقدمات کے بارے میں بات کی جن میں وہ ملوث رہے ہیں، اور الزام لگایا تھا کہ لیو طہور کو 'اس کے نظریات کی وجہ سے سیاسی ظلم و ستم کا سامنا ہے۔' وسطی امریکی ملک کے جنوب مشرق میں واقع سانتا روزا میں رہنے والے اس فرقے کے 350 افراد کی جانب سے گوئٹے مالا کے ڈاکٹر اوبادیا گزمین کا کہنا ہے کہ 'فرقے پر اغوا کا الزام لگایا گیا ہے، لیکن یہ کبھی بھی ثابت نہیں ہوا۔' تاہم جیسا کہ بی بی سی منڈو کی صحافی اینا گیبریلا روز جاس نے اشارہ کیا ہے کہ اسرائیل میں 1980 کی دہائی میں اس فرقے کے قیام کے بعد سے یہ انتہائی راسخ العقیدہ یہودی فرقہ امریکہ، کینیڈا، میکسیکو اور گوئٹے مالا میں موجود رہا ہے اور ان ممالک میں بچوں کے جنسی استحصال، کم عمری کی شادیاں اور اغوا جیسے واقعات سامنے آتے رہے ہیں۔[25]

فریسیون / ربانی یا فریسی

فریسی یعنی "علیحدگی پسند" یہودیوں کا سب سے بڑا گروہ تھا جو شریعت کے عالموں اور توریت نویسوں پر مبنی تھا۔ ہیکل کی تعمیر نو سے اس کی دوسری تباہی تک کے عرصے میں مختلف یہودی گروہ سامنے آتے رہے۔ بابلی اور فارسی دور نے یہودیوں میں نئی مذہبی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں جن کے نتیجے میں مختلف یہودی گروہوں نے مختلف رد عمل کا اظہار کیا۔ رفتہ رفتہ اسی اظہار نے فرقوں کی شکل اختیار کر لی۔ فریسی بھی اسی دور میں سامنے آنے لگے تھے تاہم

---

[25] https://www.bbc.com/urdu/world-63070881
29 ستمبر 2022
For more details and next report https://www.bbc.com/urdu/articles/c6p04w28j83o

ان کی الگ پہچان دوسری صدی عیسوی کے وسط میں قائم ہوئی۔ 10 ان کو ایک مذہبی گروہ کے علاوہ سیاسی جماعت بھی سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ صدوقیوں کو بیان کیے بغیر انہیں بیان کرنا مشکل ہے۔ اس معاملے کو ایسے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک فریسی اس وقت فریسی کہلاتا تھا جب اسے صدوقی کے رد عمل میں بیان کیا جائے اور یہی معاملہ صدوقیوں کے ساتھ تھا۔ اکثر معاملات جیسے صنھادرین کے اراکین کے چناؤ، ہیلینت کی قبولیت اور ہیکل کے معاملات وغیرہ میں دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کی مخالفت کرتے بھی دیکھا جاسکتا تھا۔[26]

لغت میں فریسیون عبرانی کلمے "فروشیم" سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ "جدا کیے گئے، توڑے گئے۔" اس وجہ سے وہ ایک حد تک مسلمانوں کے فرقہ معتزلہ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان پر اس نام کا اطلاق ان کے دشمنوں نے کیا ہے۔ اس وجہ سے وہ اس نام کو ناپسند کرتے ہیں اور خود کو (الاحبار) علماء اور (اخوۃ فی اللہ)؛ فی سبیل اللہ بھائی اور (ربانیین) اہل اللہ کہتے ہیں۔[27]

ذوہیب احمد رقمطراز ہیں کہ بیشتر مصنفین ابتدائی یہودی فرقوں کی معلومات کے لیے فلاویس یوسیفس (37-100) جو ایک مشہور یہودی مؤرخ گزرا ہے کی آرا کو فوقیت دیتے ہیں۔ یوسفیس کہتا ہے: فریسی جو کہ شریعت کے سب سے مستند شارح سمجھے جاتے ہیں اور قائدین کے گروہ کی مسند پر براجمان ہیں، ہر چیز کو خدا اور قسمت سے منسوب کرتے ہیں؛ وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ انسان کے اچھا یا اس کے برعکس عمل کرنے کا اختیار اس کے پاس ہے لیکن اس کے ہر عمل میں قسمت ساتھ چلتی ہے۔ ہر روح، وہ سمجھتے ہیں کہ دائمی ہے لیکن اچھوں کی روح ہی دوسرے جسم تک پہنچتی ہے جبکہ بروں کی روح ابدی عذاب میں مبتلا ہوتی ہے۔[28]

---

[26] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۲

[27] علی عبد الواحد: الأسفار المقدسۃ ص ۶۳

[28] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۲

عقیدے کے لحاظ سے فریسیوں کی دو امتیازی خصوصیات

فریسین فرقہ یہودیوں کے فرقوں میں سے اہم ترین فرقہ ہے۔ یہ اپنی ماضی کی تاریخ اور دور حاضر میں تعداد کے لحاظ سے کثرت میں ہیں۔ عقیدہ کے لحاظ سے اس فرقہ کی دو امتیازی خصوصیات ہیں:

۱۔ یہ تمام اسفار قدیم کا اعتراف کرتے ہیں اور وہ زبانی احادیث جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں اور تلمود کے اسفار کا اعتراف کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے فقہاء (جن پر ربانیین کا اطلاق کیا جاتا ہے) ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تلمود کے اسفار تالیف کیے ہیں۔

ربانی تورات اور تلمود کی تعلیمات پر بہت سختی سے پابند اور ان کا احترام کرنے والے ہیں۔ تلمود کے متعلق یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ یہ بھی وحی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، مگر لکھی نہیں گئی تھی۔ اور یہ ان تمام لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں جو تلمود کی تعلیمات پر حرفاً اور معناً عمل نہیں کرتے۔

۲۔ یہ لوگ رجعت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ صالحین مردے اس زمین میں دوبارہ اٹھائے جائیں گے تاکہ وہ مسیح منتظر کے ملک میں شریک ہوں۔ جس کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ وہ آئے گا تاکہ لوگوں کو بچائے اور انہیں یہودی دین میں داخل کرے۔[29]

یوسفیس مزید بتاتا ہے کہ فریسی اپنے بڑوں کی تمام آرا سے متفق نہیں تھے لیکن وہ ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ اپنی سادگی اور علم دوستی کی بدولت یہ لوگ عام یہودیوں میں بہت مقبول تھے۔ یہ زیادہ تر درمیانے اور نچلے طبقے کے کسان اور دستکار تھے جو مختلف دیہاتوں اور قصبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے دورِ عروج میں یہ ان لوگوں میں بھی اپنی مذہبی تشریحات کو رواج دینے میں کامیاب رہے جو ان کی برتری کے قائل نہیں تھے۔ یہود ہر قانوس کے دور میں ان کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ یہ حکمرانوں پر تنقید تک کر سکتے تھے۔ ان کی عوامی مقبولیت کی وجہ سے

---

[29] لی عبد الواحد: الأسفار المقدسة ص ۶۳

اس تنقید کا اثر حکمران بھی محسوس کرتے تھے اس لیے سکندر جانوس نے آخری وقت میں اپنی بیوی سکندریہ کو مشورہ دیا کہ وہ فریسیوں سے اتحاد قائم کرے۔ جب رومی دور شروع ہوا تو صدوقیوں کے برعکس فریسیوں نے پومپے کا ساتھ دیا اور یروشلم کے دروازے اس کے لیے کھول دیے۔ وہ غیر ملکیوں کی حکومت کو اس وقت تک برا نہیں سمجھتے تھے جب تک کہ ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ ہونے لگے۔ ان کا خیال تھا چونکہ صدوقی ہیکل کی عبادات کو درست طور پر سرانجام نہیں دے رہے اس لیے رومیوں کا تسلط ایک خدائی امر ہے۔ شروع میں انہیں سیاست سے خاص غرض نہیں تھی لیکن جیسے جیسے رومی دباؤ بڑھتا گیا ان میں بھی علیحدہ یہودی ریاست کے قیام کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ کاہن اعظم اور اس کے نمائندوں کے کاموں کو یہ رسمی اعمال سمجھتے تھے۔ خود ان کی جائے منصب سینا گاگ تھیں جو پہلی صدی عیسوی تک تقریباً ہر بڑے چھوٹے گاؤں میں بن چکی تھیں۔ سینا گاگ میں یہ عام لوگوں کو وعظ کہتے اور ان کو توریت کی تعلیم دیتے۔ مذہبی اعتبار سے یہ ربیائی یہودیت کے بڑے کہلائے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ لکھی ہوئی توریت کے علاوہ زبانی قانون پر بھی یقین رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ قسمت، حیات بعد الموت، قیامت، مسیح موعود اور فرشتوں پر اعتقاد بھی فریسیوں میں عام تھا۔ انہوں نے زبانی قانون کی ترقی کے لیے دلجمعی سے کام کیا کیونکہ وہ خود کو موسیٰ کے سچے جانشین سمجھتے تھے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ کوئی بھی جگہ خدا کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ کسی جگہ بھی اسے پکارا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہ قربانی کے علاوہ دعا اور توریت کے مطالعہ کو بھی رسمی عبادت کا درجہ دیتے تھے۔[30]

فریسیوں کی سرگرمیاں فکری نوعیت کی تھیں؛ ان میں غارت گری اور چڑھائی کی سوچ نہیں تھی۔ انہوں نے کبھی بھی سختی اور عنف کی راہ نہیں اپنائی۔ انہوں نے اپنی تمام تر کوششیں تورات کی تفسیر اور تعلیق میں لگادیں۔ فریسیون بنی اسرائیل سے چاہتے تھے کہ وہ اس پرانے بنی اسرائیلی عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہیں؛ جو سقوط فلسطین سے پہلے ان کے باپ دادا کا عقیدہ تھا۔ یہ ان انبیاء سے برسرپیکار رہتے تھے جو ان کی اسیری کے زمانہ میں یا

---

[30] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۳

اس کے بعد مبعوث ہوئے۔ یہ ان سے پہلے انبیاء کی شریعت پر کاربند رہتے تھے اور اسے نافذ کرنے میں تشدد سے کام لیتے تھے اور وہ عادات و تقالید کے پابند تھے۔[31]

صدوقی

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کے کاہنِ اعظم "صادوق" کی طرف نسبت کی وجہ سے صدوقی کہلاتے ہیں۔ یا انہیں اس نام کے کسی اور کاہن کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کا وجود تین سو برس قبل مسیح تھا۔[32]

ہیکل کے مذہبی معاملات کے ذمہ دار ٹھہرائے جانے کی وجہ سے صدوقی اگرچہ عبد داؤدی سے موجود تھے تاہم بطور فرقہ ان کی شناخت بھی فریسیوں ہی کے زمانے میں سامنے آئی۔ کہا جاتا ہے کہ صدوقی لفظ کی شروعات شاید "ضدوق" سے ہوئی جو داؤد کے زمانہ سے کاہن اعظم تھے اور ہیکل کے امور کے ذمہ دار تھے۔ صدوقیوں کی اپنی لکھی ہوئی کوئی تحریر ہم تک نہیں پہنچ سکی اس لیے زیادہ تر انہیں فریسیوں کے مخالف فرقے کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ ایک لحاظ سے رجعت پسند یہودیوں کا گروہ تھا جو ہیکل کی قربانیوں اور عبادات میں کسی قسم کی تبدیلی کے روادار نہیں تھے۔ چونکہ ان میں سے بیشتر نسلی کاہن یا ان کے رشتہ دار تھے لہذا جو بھی حکومت آتی یہ اس کی حمایت کی کوشش کرتے تاکہ ہیکل میں ان کا اثر درسوخ بنا رہے۔ اس وجہ سے فریسیوں کے برعکس انہیں دنیاوی لوگ سمجھا جاتا تھا۔ یہ زبانی قانون کو نہیں مانتے تھے اور توریت کی عقلی تشریحات کو رواج دیتے رہے۔ اسی لیے ہیلینت نے انہیں زیادہ متاثر کیا۔ عقل پسند ہونے کی وجہ سے ان کے ہاں حیات بعد الموت، قیامت اور فرشتوں جیسے عقائد نے بھی رواج نہیں پایا۔ سامریوں ہی کی طرح یہ لوگ بھی صرف توریت کی پانچ کتابوں ہی پر یقین رکھتے تھے۔ صدوقیوں کو اشرافیہ میں پذیرائی حاصل تھی جبکہ عام عوام میں فریسی مقبول ہوئے۔ یہ لوگ قسمت پر یقین نہیں رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ انسان کو اچھے اور برے پر اختیار حاصل ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ دونوں میں سے جسے بھی

---

[31] أحمد شلبی: الیہودیۃ: ص۲۱۹

[32] ابن حزم: الفصل: ۱/۱۷۸

منتخب کرلے۔ یوسیفیس کے بیان کے متعلق بعض مصنفین نے شک کا اظہار بھی کیا ہے 13 کیونکہ یہ مانا جاتا ہے کہ وہ خود فریسی تھا لہذا ہو سکتا ہے کہ دیگر فرقوں کے متعلق اس کی معلومات یک طرفہ ہوں۔[33]

سب یہودیوں میں سے صرف یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اللہ ان کی ان باتوں سے بہت ہی بلند ہے۔[34]

اونچے طبقوں تک ان کی رسائی ہونے کی وجہ سے یہ لوگ بیشتر مذہبی معاملات کے ذمہ دار تھے۔ بعض مصنفین کے مطابق صہادرین میں ابوالدین کا عہدہ بھی زیادہ تر انہیں ملتا رہا۔ اس کے برعکس فریسیوں کو تعداد کی وجہ سے ان پر فوقیت حاصل رہی ہے۔ عصر حاضر کا کوئی بھی یہودی گروہ اپنی نسبت صدوقیوں کی طرف نہیں جوڑتا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صدوقیوں کا اثر ورسوخ ہیکل سے منسلک تھا۔ جب 70 عیسوی میں ہیکل کو رومیوں نے تباہ کر دیا تو اس کے ساتھ ہی کاہنوں کے مذہبی کردار کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ فریسیوں کی طرح انہوں نے نہ ہی سیناگاگ سے تعلق جوڑا اور نہ ہی عوامی مقبولیت حاصل کر سکے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ اس فرقے کے نام لیوا ختم ہوتے چلے گئے۔ بحر میت کے مخطوطات نے ان کے حوالے سے نئے تضادات کو جنم دیا ہے کیونکہ ان مخطوطات سے لگتا ہے کہ صدوقی بھی قمران کے رہائشی تھے یا کم از کم قمرانیوں کے اجداد کے ان کے سے ساتھ مراسم تھے۔ ان مخطوطات میں بیان کردہ بعض مذہبی رسمیں ربیائی ادب میں موجود صدوقیوں کی عبادات سے مطابقت رکھتی ہیں۔[35]

یہ لوگ آخرت کے دن پر اور دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جنت و جہنم اور حساب کا انکار کرتے ہیں اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ بدکار کی سزا اور نیک وکار کو بھلائی اس دنیا کی زندگی میں ہی مل جاتی ہے۔ صدوقی فرقہ کے لوگ زبانی تعلیمات (تلمود) کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تورات کو بھی نہیں مانتے۔ یہاں پر تورات سے

---

[33] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۴

[34] عبدالواحد وافی: الأسفار المقدسة ص ۶۴۔ والدکتور أحمد شلبی: الیہودیة ص ۲۲۲

[35] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۴

مقصود عہد قدیم کے اسفار کا مجموعہ ہے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام کے پانچ اسفار پر تمام یہودی امتوں کا اجماع ہے۔ صدوقی فرقہ کے لوگ اس بات کا بھی اعتقاد نہیں رکھتے کہ یہ مطلقاً مقدس ہے۔ ایسے ہی ملائکہ اور شیاطین کے وجود کا بھی انکار کرتے ہیں۔ قضاء و قدر پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ اور آزادئ اختیار پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ افعال انسان کی تخلیق ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کی۔ ایسے ہی وہ مسیح منتظر کا بھی انکار کرتے ہیں اور ان کا انتظار نہیں کرتے۔ صدوقی چڑھائی اور انقلاب برپا، کرنے والی تحریکوں میں شرکت کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی ایسی امیدوں کی طرف رجحان رکھتے ہیں جن میں تشدد اور سختی ہو۔ وہ اس وقت تک ہر حال میں موجود قوانین کے احترام کا میلان رکھتے ہیں؛ جن میں یہودیوں کے احترام کا پہلو کسی بھی طرح موجود ہو۔ سوا اپنی یہودیت کے اعتراف اور خاص امتیازات کے ساتھ یہ حاکم قوتوں پر اکتفا کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امر واقعی کو قبول کر لینا ہی حکمت ہے۔[36]

اسینی

اسینی راہبوں پر مبنی ایک یہودی گروہ تھا جسے بعض مصنفین صدوقیوں ہی کی ایک شاخ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ تاہم اپنے مذہبی معاملات میں یہ صدوقیوں سے مختلف تھے۔ یہ تعداد میں بھی فریسیوں اور صدوقیوں سے کم تھے۔ انکے متعلق معلومات نہ صرف یوسیفیس بلکہ فیلو اور ایک رومی مورخ پلینیوس (23-79) کی تصنیفات سے بھی ملتی ہیں۔ فیلو کے مطابق فلسطین اور رشام میں 4000 سے زائد اسینی رہائش پذیر تھے۔ بحر میت کے مخطوطات کی دریافت سے زیادہ تر محققین یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ قمران کے رہائشی اور ان مخطوطات کے مصنفین اسینی ہی تھے۔ اگرچہ ان مخطوطات میں کہیں بھی اسینیوں کا نام نہیں لیا گیا لیکن ان میں درج شدہ معلومات اور یوسفیس،

[36] الدکتور أحمد شلبی: الیہودیۃ ص ۲۲۲

پلینیوس اور فیلو کی آرا میں بہت مماثلت ہے۔ ان کی ابتدا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ گروہ ہیروڈ کے دور میں موجود تھا اور مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔[37]

دیگر فرقوں کی طرح اسینی بھی یہی سمجھتے تھے کہ صرف وہی موسیٰ کے جانشین ہیں۔ مذہبی معاملات میں یہ لوگ خصوصی طور پر صدوقیوں اور کاہنوں کے طرزِ عمل کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ ان کے حلقوں میں عورتیں بہت کم پائی جاتی تھیں۔ بعض مصنفین کے مطابق یوسیفس نے اسینیوں کے صرف ایک ایسے گروہ کی نشاندہی کی ہے جس میں عورتیں بھی شامل تھیں جبکہ پلینیوس کے مطابق ان میں عورتوں کا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یوسیفس خیال کرتا ہے ان کے گروہ کے کچھ لوگ تین سالہ تربیت کے بعد شادی کی اجازت دے دیتے تھے۔ مجموعی طور پر یہ مجرد زندگی گزارنا پسند کرتے اور عام لوگوں کو جلدی اپنے گروہ میں شامل نہیں کرتے تھے۔ ان کی کچھ خاص شرائط تھیں جن پر عمل پیرا ہونے کے بعد لوگ اس گروہ کی رکنیت حاصل کر سکتے تھے، مثلاً ان کے گروہ میں شامل ہونے کے لیے ضروری تھا کہ متعلقہ فرد اپنی تمام جائیداد سے انفرادی ملکیت کا حق اٹھا کر اسے ان کے مشترکہ خزانے میں جمع کروادے۔ زیادہ تر یہ لوگ زراعت اور دستکاری کے شعبوں سے منسلک تھے۔ غلام رکھنے کی بجائے ایک دوسرے کی مدد کرنے کو فوقیت دیتے تھے۔ صدوقیوں کے خلاف ہونے اور الگ تھلگ زندگی گزارنے کے باوجود یہ ہیکل میں قربانیوں کی ادائیگی کو ضروری سمجھتے تھے۔ جانوروں کی قربانی کی ان کے ہاں ممانعت تھی اس لیے یہ ہیکل میں قربانی کے لیے زیادہ تر آٹا اور تیل وغیرہ ہی لے کر جاتے تھے۔[38]

ان کے ہاں مشترکہ کھانے کو خصوصی اہمیت حاصل تھی جس میں اسینیوں کے علاوہ کسی اور گروہ کو شریک نہ کیا جاتا۔ یہ حسب مراتبت کا بھی خصوصی خیال رکھتے۔ بڑوں کے اختیارات پر سوالات کا حق چھوٹوں کو حاصل نہ تھا۔ اگر کوئی ایسا معاملہ ہوتا تو ایسے فرد کو اپنے کھانوں میں اس وقت تک شامل نہ کرتے جب تک وہ اپنی فرمانبرداری

---

[37] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۵

[38] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۵

ثابت نہ کر دیتا۔ رسمی طہارت میں یہ فریسیوں پر بھی سبقت لے گئے تھے۔ دن میں دو دو مرتبہ مک دے یعنی مقدس غسل کرنا ضروری سمجھتے۔ اسی طرح کھانے سے پہلے بھی طہارت ان میں لازمی امر تھا۔ مذہبی معاملات میں ان کے ہاں عبادت اور تلاوت نے زیادہ رواج پایا۔ قربانی کی بجائے ذاتی عبادت پر زیادہ توجہ دیتے تھے لیکن ساتھ ساتھ ایسے نئے زمانے کے لیے بھی دعا کرتے تھے جہاں کاہنوں کا بہتر نظام رائج ہو تا کہ عبادات بہتر طور پر ادا ہوتی رہیں۔ یہ حیات ابدی کے قائل ضرور تھے لیکن جسمانی طور پر مردوں کے دوبارہ جی اٹھنے کے عقیدے کو نہیں مانتے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر کوئی قابو نہیں پا سکتا۔ قسمت انسان کے معاملات طے کرتی ہے۔ فرشتوں پر یقین رکھتے، خیرات دیتے اور غصے پر قابو رکھنے کو بالخصوص اہمیت دیتے تھے۔ یہ اس بات کو بھی مانتے تھے کہ معاملات میں ثنویت پائی جاتی ہے؟ جیسے برائی کے ساتھ اچھائی، روح کے ساتھ جسم یا دنیا میں روشنی اور اندھیرے کی قوتوں کا موجود اور آپس میں صف آرا ہونا۔[39]

زیلوٹ

زیلوٹ یہودیوں کا ایک متشدد فرقہ تھا جو ہیروڈ کے دور سے سرگرم تھا۔ اس کا بنیادی مقصد رومیوں کے تسلط سے آزادی حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ یہ اپنی نوعیت میں مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھا۔ یوسیفس نے انہیں چوتھے گروہ کے طور پر بیان کیا ہے۔ ان کا نعرہ تھا کہ خدا خو کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ ان لوگوں نے تشدد کی راہ اپنائی اور رومیوں کے خلاف دوسروں کو بھی بغاوت پر قائل کیا۔ اس بغاوت کے لیے یہ لوگ ہر قسم کا حربہ اختیار کرنا جائز سمجھتے تھے، مثلاً بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ شہر کی رسد گاہ کو اس لیے تباہ کر دیا تا کہ لوگ بھوک سے بے حال ہو کر رومیوں کے خلاف ان کا ساتھ دیں۔ انہیں کا ایک ذیلی گروہ سیکاری بھی تھا جو تشدد کے حوالے سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ اپنے لمبے لمبے چوغوں میں سیکار یعنی چھوٹی سی تلوار چھپا لیتے اور لوگوں کی بھیڑ میں شامل ہو جاتے۔ جہاں کہیں انہیں کوئی رومی یا رومیوں کا حالی چاہے وہ یہودی ہی کیوں نہ ہو مل جاتا یہ اس کو قتل کر کے

---

[39] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۶

خود رفو چکر ہو جاتے۔ سیکاری اغوا برائے تاوان کی وارداتیں بھی کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ ان کی عبارت کی پیش نظر کاہن اعظم اور رومی حکمران بھی انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہتے تھے۔[40]

زیلوٹ کی بغاوتوں نے رومیوں کو مشتعل کر دیا جس کا نتیجہ ہیکل کی تباہی کی صورت میں نکلا جو یہودی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ زیلوٹ نے اس تباہی کے بعد بھی اپنی جدوجہد جاری رکھی اور یہودیہ کے ایک صوبہ مسعدہ میں اکٹھے ہو کر رومیوں کے خلاف کاروائیاں کرنے لگے۔ 73 عیسوی کے قریب رومیوں نے مسعدہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب رومی قلعے کی فصیلیں توڑ کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ان کے ہاتھوں مرنے سے بچنے کے لیے شہر کے باسیوں نے خودکشی کر لی تھی۔ اس واقعے کی صداقت کے متعلق شبہات ہو سکتے ہیں تاہم یہودی تاریخ میں یہ واقعہ بہادری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔۔ بعد ازاں بھی زیلوٹ فرقے کے حامی چھوٹے موٹے تشدد کے واقعات میں ملوث پائے جاتے رہے لیکن رومیوں کے لیے یہ کوئی خاص مسائل نہ پیدا کر سکے۔ آخر کار برکوخبا بغاوت یعنی تیسری اور آخری بغاوت کے بعد رومیوں نے اس فرقے کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔[41]

تھراپیٹی

تھراپیٹی یعنی "شفا بخش" یا "عبادت پسند" یہودیوں کا ایک فلسفی فرقہ تھا جس کے حامی پہلی صدی عیسوی میں زیادہ تر اسکندریہ میں پائے جاتے تھے۔ یہ لوگ اپنا زیادہ تر وقت تلاوت اور غور و فکر میں گزارتے۔ ان کے متعلق معلومات کا ماخذ زیادہ تر فیلو ہے۔ ان کو اسینیوں کا ہی ایک گروہ بھی سمجھا جاتا ہے کیونکہ انہیں کی طرح ان میں بھی کھانے کو خصوصی اہمیت حاصل تھی، مجرد رہنے کو ترجیح دی جاتی، غلام رکھنے کی ممانعت ہوتی، خود کام کرنے کو اچھا سمجھا جاتا اور گروہ میں شامل ہونے کے لیے جائیداد سے دستبرداری کا اعلان بھی کرنا ہوتا لیکن اسینیوں کے بر

---

[40] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۶

[41] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۷

عکس ان کے ہاں مشترکہ جائیداد کا کوئی رواج نہ تھا۔ یہ اپنی جائیداد اپنے خاندان کے کسی فرد یا دوست کے نام کر دینا پسند کرتے تھے۔[42]

اپنی علمی روایت میں یہ لوگ دیگر یہودی گروہوں سے منفرد تھے۔ عام طور پر ایک دوسرے سے بھی الگ تھلگ رہتے اور کھانوں اور نمازوں کے دوران ہی اکٹھے ہوتے۔ کھانے کی میز پر کتب مقدسہ سے کوئی نقطہ اٹھایا جاتا اور اس کی علامتی وضاحت کرنے کی کوشش کی جاتی۔ 22 سینیوں کے برعکس اس فرقے میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان کے درمیان بھی بڑے کی بات کو بہت قدر و منزلت حاصل تھی۔ بڑے کا چناؤ اس بات پر ہوتا کہ گروہ میں شمولیت کیے اسے کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔ سبت کی عبادت پر خصوصی توجہ دی جاتی اور رہنما بھی کسی بڑے کو ہی مقرر کیا جاتا۔[43]

ان کے عام دنوں کا بیشتر حصہ بھی عبادت میں گزرتا جو سورج طلوع ہونے سے شروع ہو جاتیں اور سورج غروب ہونے تک جاری رہتیں۔ توریت کے مطالعے کو خصوصی اہمیت دی جاتی اور سارا دن غور و فکر کے ذریعے عبارتوں کے علامتی معنی تلاش کیے جاتے۔ علامتی معنی کی تلاش کا ایک خاص علم ان میں رواج پایا جو ان تک ان کے بڑوں کے ذریعے پہنچا۔ سادہ کھانے کو ترجیح دی جاتی اور اتنا ہی کھایا جاتا جتنا زندہ رہنے کے لیے ضروری ہوتا۔ ان کے کھانوں میں گوشت اور شراب سے مکمل اجتناب برتا جاتا۔ دن میں صرف ایک کھانا سورج غروب ہونے کے بعد کھایا جاتا۔ روزے کو خصوصی اہمیت دی جاتی اور کبھی کبھی تو تین یا چھ دن لمبا روزہ رکھا جاتا۔ سال گزارنے کے لیے ان کے پاس کپڑوں کے دو جوڑے ہوتے۔ ایک گرمیوں کا اور ایک سردیوں کا۔ عصر حاضر کے بعض مصنفین نے یہ

---

[42] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۷

[43] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص ۱۹۸

بھی تجویز کیا ہے کہ یہ یہودی نہیں بلکہ بدھ مت کے پیروکار تھے۔ ہو سکتا ہے لفظ تھرا پیٹی بدھ مت کے مشہور فرقے تھیرا وادا ہی کی کوئی شکل ہو۔[44]

عنانی / قراؤون یا قرائٹ

عنانی / قراؤون یا قرائٹ ایک آدمی کی طرف منسوب ہیں، جسے: عنان بن داؤد کہا جاتا ہے۔ جو آٹھویں میلادی صدی میں یہود بغداد کے ایک بڑے عالم تھے۔ یہ لوگ عہد قدیم کے علاوہ کسی کتاب کو مقدس نہیں مانتے، اور نہ ہی وہ زبانی روایات قائل ہیں اور تالمود کو بھی نہیں مانتے۔[45]

قرائٹ کا خیال ہے کہ زندگی گزارنے کے تمام عناصر توریت نے فراہم کر دیے ہیں۔ اس کے معنی پر غور و فکر کر کے کسی بھی دور کے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ربیوں کے برعکس انہوں نے توریت کی لفظی تشریح کو رواج دیا، مثلاً کتاب خروج میں ذکر ہے: "بکری کے بچہ کو اس کی ماں کے دودھ میں نہ ابالو۔[46]

دسویں صدی کے مشرق وسطی میں قرائٹ کی کافی آبادیاں تھیں۔ خاص طور پر مصر اور فلسطین میں انہوں نے رہیوں کے مقابلے میں اپنی سینا گاگ تعمیر کر لی تھیں۔ صلیبی جنگوں کے دوران ان میں سے زیادہ تر باز نطینی علاقوں میں چلے گئے اور کچھ اس سے آگے پالینڈ اور لیتھونیا میں رہائش پذیر ہوئے۔ باز نطینی علاقوں میں توبیاس بن موسی کو ان کا امیر سمجھا جاتا تھا جس نے قرائت فرقے کی کتب کا عربی سے عبرانی میں ترجمہ کیا۔ چونکہ مسلمانوں کے دور میں قرائٹ اچھی خاصی تعداد میں موجود تھے تو انہوں نے ربیائی یہودیت کے خلاف کافی کچھ تحریر کیا جس کے جواب میں ربیوں میں بھی تلمود کے دفاع کی نئی تشریحات نے فروغ پایا۔[47]

---

[44] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص۱۹۸

[45] الشہرستاني في الملل والنحل ۱/ ۲۱۵

[46] خروج ۲۳:۱۹

[47] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص۱۹۹

قرائٹ یعنی "پڑھنے والے" یہودیوں کا ایک ایسا فرقہ ہے جو سامریوں اور صدوقیوں کی طرح صرف لکھی ہوئی توریت پر ہی یقین کرتا ہے۔ ربیائی یہودیت جس کا تفصیلاً ذکر دوسرے اور تیسرے باب میں گزر چکا ہے، میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ موسیٰ نے یہودیوں کو زبانی قانون بھی دیا تھا جو سینہ بہ سینہ ان کی نسلوں میں منتقل ہوتا رہا۔ قرائت ربیائی یہودیت کے اس فلسفے کو تسلیم نہیں کرتے۔ چونکہ زبانی قانون کا تصور یہودیوں میں دوسری صدی قبل مسیح میں مستحکم ہونا شروع ہوا تھا لہذا بعض مصنفین یہ خیال کرتے ہیں کہ قرائت فرقے کی شروعات بھی اسی دور میں ہو چکی تھی۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ قرائٹ کی شروعات دو عناصر کی مرہون منت ہے جن میں سے ایک شاخ تو راس جالوت میں سے ہے اور دوسری شاخ مسلم دور میں متحرک تھی۔ اول الذکر کے لحاظ سے مشہور یہودی عالم عنان ابن داؤد کو قرائٹ فرقے کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن داؤد کے پیروکاروں اور قرائٹ فرقے کے ماننے والوں کی تعلیمات میں خاصی مماثلت تھی جس نے آٹھویں صدی میں دونوں گروہوں کو متحد کر دیا۔ اسی لیے اس کے دور کو قرائٹ کے عروج کا آغاز کہا جاتا ہے۔[48]

یہ ہفتہ کے دن اور عید کے بارے میں تمام یہود سے اختلاف کرتے ہیں۔ پرندے؛ ہرن، مچھلی، ٹڈی دل کھانے سے منع کرتے ہیں، اور جانور کو گدی سے ذبح کرتے ہیں۔ جناب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان کے مواعظ و ارشادات میں تصدیق کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں:

"انہوں نے تورات کی مخالفت ہر گز نہیں کی، بلکہ اس کا اعتراف کیا ہے، اور اسے برقرار رکھا ہے اور لوگوں کو اس کی دعوت دی ہے۔ اور وہ ان بنی اسرائیل میں سے ہیں جو تورات سے عبادت کرتے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔" [49]

---

[48] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص۱۹۹

[49] "اَضواء علی الیہودیۃ من خلال مصادرہا"... "یہودیت پر ایک نظر ان کے مصادر کی روشنی میں۔" ڈاکٹر محمد احمد دیاب عبد الحافظ ص۱۶۷

ربیائی یہودیت میں اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ کسی بھی قسم کے دودھ اور گوشت کو اکٹھا نہیں کرنا چاہیے۔ قرائٹ کے ہاں ربیوں کا نقطہ نظر قابل قبول نہیں۔ وہ دودھ اور گوشت کو اکٹھا کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس سے مراد صرف یہ ہے کہ بکری کے بچے کو اس کی ماں کے دودھ میں نہیں ابالنا چاہیے۔ سبت کے دن کے حوالے سے بھی ان کی تشریحات ربیائی یہودیت کے ماننے والوں سے مختلف تھیں، مثلا قرائٹ نہ تو سبت کی شمعیں جلاتے ہیں اور نہ ہی اس دن ازدواجی تعلقات رکھنے کے روادار ہیں۔ یہ کیلنڈر کے حوالے سے بھی عام یہودیوں سے مختلف ہیں اس لیے ان کے بعض تہواروں کے دنوں میں فرق بھی آجاتا ہے۔ ان کی اچھی خاصی تعداد آج بھی اسرائیل سمیت دنیا کے مختلف علاقوں میں رہائش پذیر ہے۔[50]

کتبہ

کتبہ یا نساخ)لکھنے والے یا نقل کرنے والے (اور بعض اوقات ان پر حکماء اور سرداروں کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بلاتے وقت ''اب)باپ '' (کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہ یہودیوں کا ایک گروہ جن کی بنیادی ذمہ داری شریعت کو لکھنا ہے۔ اور ان کی ڈیوٹی وعظ و نصیحت کرنا ہے۔ یہ بھی فریسیوں میں سے ہیں۔ اسفار تلمود کا اعتراف کرتے ہیں، اور عبادات و معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ صدوقیوں کے برعکس جو صرف پانچ اسفار پر ایمان لاتے ہیں۔ [51]

مقاربہ یا یوذعانیہ

ن کی نسبت یوذعان بن ہمدان سے ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے اس کا نام ''یہوذا'' تھا۔ یہ زہد اور کثرت سے نماز پڑھنے کی ترغیب دیتا تھا، گوشت اور اٹھائی ہوئی چیز سے منع کرتا تھا۔

---

[50] ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ زبان پبلشرز ص۱۹۸-۱۹۹

[51] '' أضواء علی الیہودیۃ من خلال مصادرہا'' ... ''یہودیت پر ایک نظر ان کے مصادر کی روشنی میں۔ ''ڈاکٹر محمد احمد دیاب عبد الحافظ ص۱۶۷

اس سے منقول تعلیمات میں "داعی" کی تعظیم بھی ہے۔ اس کا گمان یہ تھا کہ تورات کے لیے ظاہر اور باطن ہے۔ اس میں تنزیل بھی ہے اور تاویل بھی۔ اس نے اپنی تاویلات سے عام یہود کی مخالفت کی۔ ایسے ہی تشبیہ دینے میں بھی مخالفت کی۔ یہ عقیدہ قدر [تقدیر] کی طرف مائل تھا، اور اس نے یہ بات ثابت کی کہ انسانی افعال حقیقت میں انسان کی اپنی تخلیق ہیں۔ ثواب و سزا اس نے خود ہی مقرر کیے؛ اور ان میں تشدد سے کام لیا۔" [52]

یہودی فرقے - جنہیں بعض اوقات تحریکیں یا شاخیں بھی کہا جاتا ہے - یہودیوں میں مذہبی وابستگی کے بنیادی زمرے ہیں۔ فرقوں کو بنیادی طور پر یہودی روایت کے بارے میں ان کے فلسفیانہ نقطہ نظر، اور روایتی یہودی قانون، یا حلاچہ سے ان کی وفاداری اور تشریح کی بنیاد پر ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاتا ہے۔

خود آزمائی

1. یہودیت میں فرقہ پر مفصل نوٹ تحریر کر سکیں نیز عصر حاضر میں سامری فرقے کی تفصیل بیان کریں-
2. یہودی فرقہ حسیدی یا حریدی پر مفصل بحث کریں۔
3. انتہائی راسخ العقیدہ اور صہیونی مخالف یہودی فرقے "لیوطہور" کی تفصیل بیان کریں۔
4. یہودی فرقے فریسیون / ربانی یا فریسی کا تعارف اور ان کی امتیازی خصوصیات روشنی ڈالیں۔
5. یہودی فرقہ "صدوقی" پر مفصل نوٹ تحریر کریں۔
6. راہبوں پر مبنی ایک یہودی گروہ "اسینی" کی تفصیل بیان کریں۔
7. یہودی فرقے "زیلوٹ" اور "تھراپیٹی" کا تعارف بیان کریں۔

---

[52] الشہرستاني في الملل والنحل ۱/۲۱۵

8. تالمود کے منکر یہودی فرقہ "عنانی / قراؤون یا قرائٹ" کی وضاحت کریں۔
9. یہودی فرقے "کتبہ" اور "مقاربہ یا یوذعانیہ" کی وضاحت کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے ماخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

ماخذ و مصادر / مزید مطالعہ

- قرآن مجید
- ابن كثير اسماعيل بن عمر البداية والنهاية معه نهاية البداية والنهاية في الفتن والملائين ص: ۲۵۵ ج ۱ دارالفكر، بيروت
- النجار، عبد الوہاب نقص القرآن، ص: ۱۴۴ دار احياء التراث العربی بيروت الطبعة الاولى: ۱۹۹۴ء
- عفيف عبد الفتاح طيارة ،اليهود في القرآن، دار العلم للملايان بيروت ۱۹۲۴ء
- آلوسی سيد محمود البغدادی روح المعانی، مكتبه ا لرشيد يه لا ہو ر
- خازن علاء الدين محمد بن ابراہيم تفسير خازن،دار الكتب العربية مصر
- عبد الكريم الشهرستانی الملل والنحل ، المطبعه حجازی با القاهره ۱۳۶۷ھ
- الطبری محمد بن جعفر جريز جامع البيان في تفسير القرآن: دار المعرفة بيروت لبنان
- مولانا عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور
- محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی
- سیوہاروی، حفظ الرحمن، قصص القرآن، حبیب پبلیکیشنز، لاہور
- مودودی، ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۵
- پادری، خیر اللہ، قاموس الکتاب، مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۹۳ء

- کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور
- رانا احسان الحق یہودیت و مسیحیت، مسلم اکادمی لاہور ۱۹۸۱ء
- یوسف ظفر، یہودیت، نفیس پرنٹرز، لاہور
- ذوہیب احمد، مطالعہ یہودیت، فروغ پبلشرز
- رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ، کراچی

یونٹ:7

تحریک صہیونیت

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر
محمد عبد اللہ، ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 322

یونٹ کے مقاصد 322

اسرائیلی 324

یہودی 324

صہیونی 324

صہیونیت کا تاریخی پس منظر 326

صہیونیت کا تعارف اور نصب العین (Introduction of Zionism) 328

"تھیوڈر ہرٹزل" صہیونیت کا پہلا پرجوش داعی 330

باسل کانفرنس کا انعقاد 330

باسل کانفرنس کا چار نکاتی پروگرام 331

موجودہ صہیونیت کی عثمانی بادشاہ سلطان عبدالحمید کو فلسطین کے حصول کے لئے مالی پیش کش 331

تھیوڈر ہرٹزل کی جرمنی کے قیصر ولیم سے فلسطین کے حصول کے لئے پیش کش 331

سلطان عبدالحمید کا جواب 332

ترکی میں قوم پرستی کا احیاء 332

قرارداد بالفور (1917) Balfour Declaration 333

خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا آغاز اور خلافت کا سقوط 334

مجلس اقوام (League of Nations) لیگ آف نیشنز 336

صہیونیت کا پیدا کردہ معاشی بحران 338

ہولوکاسٹ Holocaust (1941-1945) 338

صہیونی مراکز 339

صہیونی افکار و عقائد کے بنیادی مصادر 339

توریت: 340

تالمود: 341
صہیونی بزرگوں کی دستاویزات(Protocals of the Learned Elders of Zion) 350
صہیونیت کے عقائد(Beliefs of Zionism) 353
صہیونی افکار حیات 354
عصر حاضر میں صہیونیت کی مختلف شکلیں و نظریات(Forms and Ideas of Zionism) 357
عملی صہیونیت(Practical Zionism): 357
سیاسی صہیونیت(Political Zionism): 358
مصنوعی صہیونیت(Synthetic Zionism): 358
عمالی صہیونیت(Labour Zionism): 359
تصحیحی صہیونیت(Correct Zionism): 359
انقلابی صہیونیت(Revolutionary Zionism): 359
مذہبی صہیونیت(Religious Zionism): 360
ثقافتی صہیونیت(Cultural Zionism): 360
اصلاحی صہیونیت(Reform Zionism): 360
عصر حاضر میں صہیونی اصطلاحات اور نشانات 360
۱۔ ایجنٹر (AGENTUR) اور پولیٹیکل۔ 360
۲۔ سانپ۔ صہیونیت کا علامتی نشان۔ 361
۳۔ گویم(GOYIM)/ گولم(غلام)Golems کی اصطلاح 363
بین الاقوامی صہیونی تنظیم "فری میسن"(International Zionism & Free Mason
(Org 363
مشرق وسطیٰ کی تقسیم میں "ٹی ای لارنس" لارنس آف عریبیہ کا کردار 365
لارنس آف عریبیہ کا سیکڑوں میل کا سفر 368
جاسوسی کا آغاز 369

شریفِ مکہ کی سلطنتِ عثمانیہ سے بغاوت 370
گوریلا جنگ 371
لارنس آف عریبیہ کے صہیونی ہونے کی تصدیق 372
صہیونیت کے حقیقی مقاصد و عزائم (The true aims and ambitions) 374
یہودیوں کے عملی اقدامات اور "عالمی صہیونی تنظیم" کے اثرات 375
خود آزمائی 378
جوابات 379

یونٹ کا تعارف

عالمی فتنہ سازوں کا لشکر جو اس کی 'ورک فورس' (work force) کے طور پر کام کر رہا ہے، وہ صہیونی یہودیوں پر مشتمل ہے۔ یہودیوں کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو مذہب یہودیت کو مانتے ہیں۔ دوسرے وہ جو صہیونیت (زائن ازم) کے پیروکار ہیں اور یہودیوں کی کل آبادی کی بھاری اکثریت صہیونیوں کی ہے۔ سود خوری' سفاکی' جاسوسی' فریب کاری' فتنہ انگیزی وغیرہ خصوصی طور پر صہیونی یہودیوں کے خصائل ہیں۔ یہ باتیں یہودیوں کی تاریخ میں ملتی ہیں لیکن ہمارے لئے ان کی اصل سند قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے مطابق یہودیوں میں ایک چھوٹی سی اقلیت دیندار اور ایماندار افراد پر مشتمل ہے اور بھاری اکثریت دوسری قسم کے افراد کی پیروکار ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم کہیں بھی لفظ صہیونی استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں اللہ کے باغی اور منکر یہود' ربانی کتابوں، پیغمبروں اور صالح افراد کے دشمن' جھوٹ بولنے اور عہد شکنی کرنے والے' دنیا میں فتنہ و فساد برپا کرنے والے' بے حد حرص و تکبر رکھنے والے' لوگوں کو فریب دینے اور گمراہ کرنے والے' اللہ کے نظام کو درہم برہم کرنے والے اور طاغوت کے چیلے وغیرہ وغیرہ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان سے خبردار رہنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی ہدایات بار بار دی ہے۔ یہ تمام خصائل آج کے صہیونیوں میں پہلے سے بھی بڑھ کر ہیں اور صہیونیت کا نظام زندگی۔۔۔۔۔ اس کے نظریات۔۔۔۔ اقدار اور عزائم۔۔۔۔ انہیں خصائل پر مبنی ہیں۔ 'ہم جنسی شہوانیت'،۔۔۔ 'مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے شادی'۔۔۔ کھلی برہنگی اور فحاشیت'۔۔۔ بدکاری کے افعال کی قانونی اجازت'۔۔۔ اپنی نسلوں پہ کنٹرول سے والدین کی قانونی محرومی'۔۔۔ تعلیمی اداروں میں اللہ کی حاکمیت اور دین کی ضرورت کے متعلق سبق دینے کی شدید ممانعت اور دیگر کئی عصر حاضر کی قباحتیں جو مغربی اقوام میں موجود ہیں' یہ تمام خصائل یہودیت کی اقدار اور رسوم نہیں' بلکہ صہیونیت کے ہتھیار ہیں۔ اور اب انہیں باقی دنیا میں بھی تیزی سے پھیلایا جا رہا ہے۔ **اس یونٹ میں تحریک صہیونیت کا جائزہ لیا جائے گا۔**

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 چند اہم یہودی اصطلاحات، اسرائیلی، یہودی اور صہیونی کے فرق کو اجاگر کر سکیں۔

2 صہیونیت کے تاریخی پس منظر پر بحث کر سکیں۔

3 صہیونیت کا تعارف اور نصب العین واضح کر سکیں۔

4 صہیونیت کے پہلے پر جوش داعی "تھیوڈر ہرٹزل" کا تعارف اور باسل کانفرنس کے نکات بیان کر سکیں۔

5 تھیوڈر ہرٹزل کی جرمنی کے قیصر ولیم سے فلسطین کے حصول کے لئے پیش کش، اور سلطان عبدالحمید کو کی گئی پیش کش اور رد عمل پر روشنی ڈال سکیں۔ نیز ترکی میں قوم پرستی کے احیاء کی وضاحت کر سکیں۔

6 قرار داد بالفور (1917) کا مفہوم، خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا آغاز اور خلافت کا سقوط، اور "لیگ آف نیشنز" کے قیام پر روشنی ڈال سکیں۔

7 صہیونیت کا پیدا کردہ معاشی بحران، اور ہولوکاسٹ کی وجہ اور صہیونی مراکز کی تفصیل بیان کر سکیں۔

8 صہیونی افکار وعقائد کے بنیادی مصادر توریت اور تالمود کی وضاحت کر سکیں۔

9 غیر یہود سے متعلق تالمودی تعلیمات کے نمونے بیان کر سکیں۔

10 صہیونی بزرگوں کی دستاویزات (Protocals of the Learned Elders of Zion) کی تفصیل بیان کر سکیں۔

11 صہیونیت کے عقائد اور صہیونی افکار حیات پر روشنی ڈال سکیں۔

12 عصر حاضر میں صہیونیت کی مختلف شکلیں و نظریات کی وضاحت کر سکیں۔

13 عصر حاضر میں صہیونی اصطلاحات اور نشانات کی وضاحت کر سکیں۔

14 بین الاقوامی صہیونی تنظیم "فری میسن" پر روشنی ڈال سکیں۔

15 اسرائیل کے قیام اور مشرق وسطیٰ کی تقسیم میں "لارنس آف عریبیہ" کے صہیونی کردار وحیات پر مفصل نوٹ لکھ سکیں۔

16 صہیونیت کے حقیقی مقاصد و عزائم، یہودیوں کے عملی اقدامات اور "عالمی صہیونی تنظیم" کے اثرات بیان کر سکیں۔

صہیونیت کا تعارف جاننے سے پہلے ہمیں چند اہم یہودی اصطلاحات و نسبتوں کو ذہن نشین کر لینا ہو گا جس سے صہیونیت واضح انداز میں سمجھ آجائیگی۔

اسرائیلی:

اسرائیلی نسبت کی حقیقت۔۔۔۔۔ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا لقب ''اسرائیل'' تھا، اور پھر ان کی جتنی بھی اولادیں ہیں وہ ''بنی اسرائیل'' کہلاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''اسرائیلی'' نسبت ایک ''خاندانی'' نسبت ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سرزمین فلسطین پر غاصبانہ طور پر ظلم و بربریت اور احسان فراموشی کر کے قائم کی گئی ریاست بنام ''اسرائیل'' کی nationality اور قومیت رکھنے والے ''اسرائیلی'' اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد والے ''اسرائیلی'' میں بہت فرق ہے۔

یہودی:

یہودی حضرت یعقوبؑ کے ایک بیٹے کی طرف نسبت ہے، جن کا نام ''یہوداہ'' تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ کو نبوت و رسالت ملی اور انہیں بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے تورات بھی عطاء کی گئی تو اس وقت حضرت موسیٰؑ کے پیروکاروں کا مذہبی لقب ''یہودی'' بن گیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ''یہودی'' ایک ''مذہبی'' نسبت ہے۔

صہیونی:

یہ ایک ''سیاسی، قوم پرستانہ اور متشدد تنظیم و تحریک'' کی طرف نسبت ایک تحریک ہے اور اسی تحریک کو ''صہیونیت'' سے جانا جاتا ہے۔ اس یونٹ میں اسی صہیونیت کا تعارف، مقاصد اور سازشیں پیش کرنا یہاں مقصود ہے۔

مندرجہ بالا اصطلاحات کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ اسرائیلی، یہودی اور صہیونی یہ تینوں نسبتیں ایک ہی مفہوم نہیں رکھتیں، بلکہ الگ الگ مفہوم رکھتی ہیں۔ اس میں سب سے پہلے ''یہودیت (Judaism)'' اور ''صہیونیت (Zionism)'' کا فرق سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ یہودیت ایک مذہب اور صہیونیت ایک انتہا پسند

سیاسی اور ریاستی ایجنڈہ ہے (جس طرح ہمارے پاس برہمنیت اور آر ایس ایس ہے)۔ مختصر اور آسان الفاظ میں اگر اسے سمجھیں تو بنی اسرائیل کے افراد جو یہودیت پر یقین رکھتے ہیں اور تورات کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں وہ ''یہودی'' ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ان پر جو مشکلات و مصائب آتے ہیں وہ خدا کی جانب سے امتحان ہے اور یہ کہ مذہب کی بنیاد پر کوئی ریاستی یا سیاسی ایجنڈا اختیار کرنا تورات کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسی لئے وہ یروشلم پر قبضہ یا اسرائیل کے زبردستی قیام کے بھی مخالف ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تورات کی تعلیمات کے مطابق ان کے ''مسیحا'' کے آنے اور Messianic Era کے آغاز سے قبل یہودیوں کے لئے اپنی الگ ریاست (اسرائیل) کا قیام ان کی اصل مذہبی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسی لئے خود یہودیوں میں Zionism کے خلاف بھی کچھ تحریک چل رہی ہیں۔

ہمارے پاس اکثر رسائل و اخبارات اور عام بول چال میں صہیونی کو صہیونی لکھا جاتا ہے جو عربی لغت کے لحاظ سے غلط ہے – لفظ صہیونیت (Zionism) 1980ء میں پہلی مرتبہ ناتھان برن بوم (Nathan Birnbaum) نام کے یہودی نے ایجاد کیا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ صہیون (Zion) قدیم یروشلم کی ایک پہاڑی کا نام ہے – صہیونی ٹولی 70 عیسوی میں فلسطین سے یہودیوں کے انخلاء سے بہت پہلے قائم اور منظم ہو چکی تھی۔ مشرق وسطیٰ، ایشیائے کوچک، مغربی ایشیا، شمالی افریقہ، جنوبی یورپ جہاں بھی یہودی بستیاں قائم ہوئیں یا پہلے سے موجود تھیں، ہر بستی میں صہیونی ٹولی کے نمائندوں کی ایک ٹیم ہوتی تھی۔ مصر شام، ترکی عراق، ایران، جزیرہ نمائے عرب، یمن میں صہیونی یہودیوں کے گڑھ تھے۔

صہیونی یہود، کفار مکہ سے بھی بڑھ کر رسول کریم ﷺ اور دین اسلام اور قرآن کے دشمن تھے۔ اس بات سے تقریباً سبھی مسلمان واقف ہیں کہ مدینہ کے گرد و نواح اور خیبر کے یہودی جو دشمنانہ کارروائیاں کر رہے تھے، ان کے پیچھے صہیونی ٹولی کی مدد، منصوبہ سازی اور راہنمائی بھی تھی۔ اپنے زمانے کا مہا فتنہ گر اور دہشت گرد عبداللہ بن سبا اس وقت کی یہودی صہیونی ٹولی کا گماشتہ تھا، جس طرح تقریباً 1300 سال بعد لارنس آف عربیہ کہلانے والا کرنل ٹی ایس لارنس تھا۔

صہیونیت کا تاریخی پس منظر

صہیونیت کی تاریخی، فکری اور سیاسی جڑیں بہت گہری ہیں، یہ ہرٹزل سے پہلے مختلف مراسل سے گزری ہے.

1. روم میں گرفتاری کے بعد یہودی 70 عیسوی میں مقام عریش (مصر) میں جمع ہوئے اور پانچ بنیادی مقاصد پر اتفاق کیا جن میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کسی بھی ممکن طریقے سے فلسطین واپس لے کر وہاں اپنا وطن بسانا ہے. اس سے پہلے ۵۳۸- قبل مسیحی میں بابل کی گرفتاری سے واپس آنے کے بعد مکابی تحریک شروع ہوئی تھی جس کے مقاصد میں مقام صہیون کی واپسی اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر تھے. 576 ق م میں بخت نصر کلدانی نے یہودیوں کو تین مرتبہ جلاوطن کیا اور ان کا قتل عام کیا، اس عرصہ میں یہودیوں نے توریت میں تحریف کی، اس کے بعد شہنشاہ روم ٹائیٹس نے 70ء میں یہودیوں کا قتل عام کیا او فلسطین سے نکال دیا، قدس کی تباہی کے بعد یہودی عراق، ایران، ہندوستان، چین اور حبشہ ہجرت کر گئے اور ہر جگہ اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔
2. تحریک بار کوخبا-138,118ء)Bar Kokhba اس یہودی نے یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے اور وہاں حکومت قائم کرنے پر ابھارا، اس کے بعد موزس کریٹیMoses نے اس تحریک کو اور آگے بڑھایا۔
3. یہودیوں پر عیسائیوں کے مظالم اور خانماں بربادی کے زمانہ میں اس تحریک کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں لیکن اس کے باوجود یہودیوں میں قومی شعور و احساس برتری برابر شدت اختیار کرتا رہا۔ ۸۰ء سے اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کے مختلف ملکوں، فرانس، جرنی روس اور انگلینڈ میں یہود مارے مارے پھرتے رہے لیکن ان کو کہیں بھی جائے قرار نہیں ملی۔
4. سالومان مولوخ Solomon Moloch (1532-1501ء) نے فلسطین میں ایک اسرائیلی مملکت قائم کرنے کی تحریک شروع کی۔

5. اس کے بعد منشہ بن اسرائیل (1604-1657ء) Murshey haraon نے تحریک شروع کی، یہ پہلا شخص تھا جس نے صہیونیت کی منصوبہ بندی کی اور صہیونی مقاصد کے حصول کے لیے برطانیہ کو آلہ کار بنانے پر زور دیا۔
6. اس کے بعد شبتائی زوی (۱۹۷۹-۱۹۲۶ء) sabbatai Zewi نے صہیونیت کی باگ ڈور سنبھالی ، اس نے یہ دعوی کیا تھا کہ وہ یہودیوں کا نجات دہندہ ہے ۔ چنانچہ اس کی قیادت میں پوری دنیامیں بکھرے یہودیوں نے فلسطین واپس آنے کی تیاری شروع کر دی لیکن جلدی ہی شبتائی کی موت ہوگئی اور 1650ء میں یورپ نے یہودیوں سے چھٹکارہ حاصل کر لیا جب کہ یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو پھانسی دیدی گئی۔
7. اس کے بعد روٹ شیلڈ Rotschlied ساہوکار نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک تحریک شروع کی جس کا مقصد فلسطین میں یہودی بستیاں اور کالونیاں بنانا تھا تاکہ اس طرح فلسطین میں یہودی سلطنت کا قیام عمل میں آسکے ، اس کے بعد انیسویں صدی کے آغاز میں برطانوی سامراج نے فلسطین میں یہودی سلطنت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ 1831ء سے یہودی برطانوی مقبوضات پر قابض ہوگئے تھے ، مصر پر قبضہ کرنے اور نہر سوئز بنانے میں ان کا اہم رول رہا ہے۔
8. 1882ء میں روس میں یہودیوں کے قتل عام کے بعد صہیونیت نے اور شدت اختیار کر لی اسی زمانہ میں ہیکلر جرمانی Haikler Germani نے " إرجاع اليهود إلى فلسطين حسب أقوال الأنبياء" کے نام سے کتاب شائع کی۔

موجودہ دور میں جب مجلسِ اقوام کے زیر سایہ ایک موت کار قص رچایا گیا جو کہیں تھمتا نظر نہیں آتا- مجلسِ اقوام کے ذریعہ اسرائیل کی غاصب ریاست کو وجود عطاء کیا گیا۔ سب سے پہلے ان کے ہاں ایک تحریک شروع ہوئی کہ مختلف علاقوں سے یہودی ہجرت کر کے فلسطین میں جا کر آباد ہوں اور وہاں زمینیں خریدنی شروع کر دیں- چنانچہ 1880ء سے اس ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا اور زیادہ تر مشرقی یورپ سے یہودی خاندان منتقل ہونے لگے -اس سلسلے میں اہم کردار ایک آسٹریلوی یہودی صحافی ' تھیوڈور ہرٹزل (Theodor Herzl) نے ادا کیا- جو نسل سے تو یہودی تھا لیکن سیکولر یعنی لادین تھا، اس نے صہیونیت کے نظریہ پر باقاعدہ عملی کام کا آغاز کیا۔ اس نے پہلے یورپ کے یہودیوں پر مظالم کو اپنی تحریک کی بنیاد بنایا۔ اس نے اپنی قوم کی حالت زار دیکھتے ہوئے ایک علیحدہ وطن کی

تحریک کا آغاز کیا' وہ اس وقت سوئیٹزرلینڈ میں رہائش پذیر تھا– صہیونی تحریک کا پہلا اجتماع روس میں 1882ء میں ہوا اوراس وقت وہ لوگ "حب صہیون" کے نام سے جمع ہوئے۔

ابتداء میں اسے کوئی خاطر خواہ پذیرائی نہیں مل سکی۔ اس کے بعد یہودیوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے لئے ان کی عبرانی کتب میں موجود نظریے "The Return to Zion" کو بنیاد بنایا۔ اس نظریہ کو اتنی کامیابی ملی کہ اگلے ہی برس یعنی 1897ء میں بہت سے انتہا پسند یہودی اس کے ساتھ مل گئے اوران صہیونی یہودیوں نے باقاعدہ Zionist Movement کا آغاز کیا۔ 1897ء میں سوئیٹزرلینڈ میں "باسل" کے مقام پر ایک پہلی صہیونی کانگریس (First Zionist Congress) منعقد ہوئی جہاں باقاعدہ صہیونی تحریک (Zionist Movement) کا باقاعدہ آغاز ہوا–

صہیونیت کا تعارف اور نصب العین (Introduction of Zionism)

صہیونیت سے مراد وہ تحریک جس کا مقصد یہودیوں کی منتشر قوم کے لئے فلسطین میں ایک وطن کا قیام تھا– جدید صہیونیت انیسویں صدی کے اواخر میں وسطی اور مشرقی یورپ میں ایک یہودی قومی احیاء کی تحریک کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ تقریباً دوہزار سال تک بغیر ریاست اور دوسرے ممالک کے غیر یہودی علاقوں میں رہنے کے بعد صہیونی تحریک کا قیام انیسوی صدی کے اواخر میں پیش کیا گیا۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ غاصب ریاست اسرائیل میں یہودی آبادی کا تناسب اس تحریک کے ابھرنے کے بعد سے مسلسل بڑھ رہا ہے۔ صہیونیت کے اس کال کے بعد سے اکیسویں صدی کے آغاز سے تمام دنیا کے 40٪ سے زیادہ یہود اسرائیل میں رہ رہے ہیں۔ جو کسی بھی ملک میں بسنے والے یہودیوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ صہیونیت تحریک کے افکار و نظریات کے نتائج سے صہیونی تحریک کی کامیابی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جس کی مثال پچھلے دوہزار سال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

صہیونیت کا تعارف یہ ہے کہ صہیونیت اس سیاسی، قوم پرستانہ اور متشدد تنظیم و تحریک کو کہتے ہیں جو یہودیت کے لئے ایک خود مختار اور آزاد مملکت کے قیام کی جدوجہد کرے اور جب ایسی مملکت عالم وجود میں آجائے تو اس کے تحفّظ، بقاء اور پھیلاؤ کی کوشش کرے۔ صہیونیت ایک جامع اصطلاح ہے جس میں جارحانہ قسم کی تمام کارروائیاں آجاتی ہیں' جیسا کہ یہودیوں کے پروٹوکولز سے ظاہر ہوتا ہے۔ صہیونیت ایک قسم کی فوجی تحریک ہے جو

غاصب ریاست اسرائیل کو روز بروز قوی و مستحکم بنانے کے لئے دہشت گردی ' تشدد اور ظلم وجبر کے تمام حربے جائز سمجھتی ہے-

صہیونیت کے نزدیک صہیونی یہود، کسی بھی ملک کا باشندہ ہو' دوسری تمام تر وفاداریاں اسی کے تحت آتی ہیں -یہ ایک نہایت خطرناک فلسفہ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے یہودی اپنے اپنے ملکوں کے غدار ہیں -جس کا ثبوت صہیونی رہنماؤں کے کھلے الفاظ ہیں- مثلاً 25، اپریل 1950ء کو یروشلم میں " صہیونیت کا مستقبل" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے بن گورین نے یہودیوں کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے کہا:"صہیونیت کی بنیاد نہ تو دوستی ہے اور نہ محض ہمدردی بلکہ اس کی بنیاد اسرائیلی ریاست کے لئے جذبہ محبت ہے اور یہ محبت بالکل غیر مشروط ہو گی-اسرائیل اور اس کے عوام کے ساتھ آپ کا مکمل اتحاد اور بھائی چارہ ہونا چاہئے-"

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صہیونیت کا نصب العین یہودیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اسرائیل میں جمع کرنا ہے۔ اسرائیل کی ریاست قائم ہو جانے سے صہیونی تحریک کا مقصد پورا نہیں ہو جاتا بلکہ دنیا بھر کے صہیونیوں سے مزید یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ اب وہ اسرائیل کی تعمیر اور استحکام کے لئے ضروری وسائل مہیا کریں- صہیونی یہودیوں کے پاس سرمائے کی کوئی کمی نہیں ہے اس وجہ سے وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مسلم ممالک کو فتح کرنے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں- صہیونی یہود "عظیم تر اسرائیل" کے منصوبے میں تمام شام' لبنان' اردن' جنوبی ترکی' عراق' صحرائے سینا' مصر میں دریائے نیل کے ڈیلٹا کے تمام علاقے اور مدینہ سمیت حجاز اور نجد کے شمالی خطہ کو شامل کرتے ہیں- یہ ہے صہیونیت کا مختصر سا تعارف جو انسانیت کے لئے بالعموم اور اسلام اور دنیائے اسلام کے لئے بالخصوص ایک عظیم خطرہ ہے-

صہیونیت ایک سیاسی نسل پرست اور انتہا پسند تحریک ہے جس کا اولین مقصد فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم کرنا ہے جس کے ذریعہ پوری دنیا پر حکمرانی کی جا سکے اور اقوام عالم پر تسلط وقبضہ حاصل ہو جائے، لفظ صہیونیت جبل 'صہیون" سے مشتق ہے جو شہر قدس اور یروشلم کے درمیان واقع ہے جہاں بین الاقوامی صہیونیت ہیکل سلیمانی قائم کرنا چاہتی ہے. یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اس صہیون نامی پہاڑی پر ایک معبد خانہ، عبادت گاہ جسے آج کے یہودی 'کنیسہ' کہتے ہیں اس کی بنیاد رکھی 'اسی لئے اس پہاڑی کو مقدس سمجھا جانے لگا-

یہودیوں نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پہاڑی کو اپنے ادنیٰ مقاصد کے حصول کے لئے علامت بنالیا' اسی سے لفظ ''صہیونیت'' بنا ہے. واضح رہے کہ یہ لفظ صہیون ہے نہ کے صیہون جیسا کہ عام ہو گیا ہے۔

"تھیوڈر ہرٹزل" صہیونیت کا پہلا پرجوش داعی

تھیوڈر ہرٹزل (۱۸۲۰ء-۱۹۰۴ء) Theodor Hetzle صہیونیت کا پہلا وہ پرجوش داعی ہے جس کے افکار و نظریات پر آج صہیونیت گامزن ہے۔ اس وقت عالمی سیاست میں سب سے زیادہ منظم، سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ فعال یہودی ہیں، ان کی جڑیں اتنی گہری ہیں جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، سابق سپر پاور (روس) اور موجودہ سپر پاور امریکہ دونوں عالمی بساط سیاست پر صہیونی طاقت کے مہرے ہیں، روس ہو یا امریکہ، برطانیہ ہو یا فرانس، جرمنی ہو یا اٹلی مشرقی یورپ ہو یا مغربی یورپ سب وہی کرتے ہیں جو صہیونی کروانا چاہتے ہیں۔

باسل کانفرنس کا انعقاد

1897ء میں سوئٹزرلینڈ Switzerland کے شہر "باسل Basel میں ہرٹزل نے ایک عالمی کانفرنس منعقد کی، جس میں تین سو یہودی دانشوروں, مفکروں, فلسفیوں, اور یہودی مدبرین نے ہرٹزل کی قیادت میں جمع ہو کر پوری دنیا پر حکمرانی کا منصوبہ بنایا، یہ منصوبہ چوبیس پروٹوکول کی صورت میں منظر عام پر آچکا ہے، اس منصوبہ کو یہودی دانشوروں کی دستاویز بھی کہتے ہیں، اس پلان کی تیاری میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ریس یہودی تنظیموں کے ذہین ترین ارکان نے حصہ لیا تھا، اس کانفرنس کے بعد یہودیوں نے اپنی انجمنوں کو اور مستحکم کیا اور انتہائی چالاکی، عیاری اور رازدارانہ خفیہ طریقہ پر اپنے تخریبی مقاصد کی تکمیل کے لیے کارروائیاں شروع کر دیں، غیر معمولی ذہانت سے مختلف خانوں میں رنگ بھرنا شروع کر دیا، سب سے پہلے انہوں نے ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر تمام دنیا کی نظروں میں اپنی خصوصیات، ذلت وخواری، بدطینتی، حرص ولالچ، قساوت قلبی، شر پسندی، انسانیت دشمنی کو بدلنے، اپنے کو مظلوم ثابت کرنے اور اپنی تمام قومی خصوصیات کو عربوں کے سر منڈھنے کی بھرپور کوشش کی، اور اقتصادی میدانوں میں ان کی زبردست کامیابیوں نے انہیں اپنی منزل سے قریب کر دیا، اور ان کا وطن عالم عربی کے قلب فلسطین میں قائم ہو گیا۔

باسل کانفرنس کا چار نکاتی پروگرام

باسل کانفرنس میں اس یہودی منصوبے کی تکمیل کے لیے چار نکاتی پروگرام بنایا گیا۔

1. فلسطین میں ہر ممکن طریقہ سے یہودی کسانوں، کاشتکاروں مزدوروں اور تاجروں کو بسایا جائے۔
2. مختلف ملکوں میں عالمی اور مقامی انجمنوں کے ذریعہ تمام دنیا کے یہودیوں کو متحد و منظم کیا جائے۔
3. اگر ضرورت پڑے تو گفتگو کے ذریعہ حکومتوں کو صہیونی مقاصد سے مطمئن کرنے کے لیے جمہوری اقدامات کیے جائیں او فلسطین میں اسرائیلی وجود تسلیم کرانے کے لیے کوششیں کی جائیں

-

4. یہودیوں میں قومی شعور کو بڑھایا جائے۔

موجودہ صہیونیت کی عثمانی بادشاہ سلطان عبد الحمید کو فلسطین کے حصول کے لئے مالی پیش کش

موجودہ بین الاقوامی صہیونیت یہودی صحافی تھیوڈر ہرٹزل کی طرف منسوب ہے اس کا واضح بنیادی مقصد فلسطین میں اسرائیلی حکومت کے ذریعہ پوری دنیا کی قیادت یہودیوں کو سونپنا ہے، ہرٹزل کی ہدایت پر ایک یہودی وفد نے اس سلسلے میں عثمانی بادشاہ سلطان عبد الحمید سے دوبار گفتگو کی اور کہا:۔ اگر آپ بیت المقدس اور فلسطین ہمیں دیدیں گے تو ہم خلافت عثمانیہ کا سارا قرضہ اتار دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا بھی دیں گے۔ (اس وقت ترکی کی مالی حالت خستہ ہو چکی تھی اور حکومت بھی مقروض تھی)۔

تھیوڈر ہرٹزل کی جرمنی کے قیصر ولیم سے فلسطین کے حصول کے لئے پیش کش

1898ء میں ہرٹزل نے جرمنی کے قیصر ولیم کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ ترکی ' شام اور فلسطین کے دورے کے دوران سلطان عبد الحمید سے یہودیوں کو فلسطین میں زمین خریدنے اور وہاں آباد ہونے کی اجازت لے

کر دے- اس کے عوض اس نے قیصر ولیم سے وعدہ کیا کہ دنیا بھر کے یہودی سلطنت عثمانیہ میں جرمنی کلچر کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائیں گے- اس کے علاوہ جرمنی کی تجارت کو فروغ دیں گے اور فلسطین کو برطانیہ کے لئے ایک مستقل دردسر بنادیں گے لیکن جب قیصر ولیم نے سلطان سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہی تو سلطان ٹال گیا اور قیصر نے بھی اس خوف سے خاموشی اختیار کر لی کہ کہیں برلن کو بغداد سے ملانے والی ریلوے لائن جرمنی کے ہاتھ سے نہ جاتی رہے-

سلطان عبدالحمید کا جواب

1901ء میں ہرٹزل نے سلطان عبدالحمید کو باقاعدہ یہ پیغام بھجوایا کہ یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں ' آپ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دیں۔ غیرت مند سلطان عبدالحمید نے یہودیوں کو ایک بالشت بھی زمین دینے سے انکار کر دیا، اور ایسا جواب دیا ہے جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، غیور خلیفہ نے پاؤں کی انگلی سے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

"اگر اپنی ساری دولت دیگر تم لوگ بیت المقدس کی ذرا سی مٹی بھی مانگو گے تو ہم نہیں دیں گے۔ جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک ترکی سلطنت موجود ہے- اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں میں تمہاری دولت پر تھوکتا ہوں-"

اس وفد کا سربراہ ایک ترکی یہودی قرہ صوہ آفندی تھا۔ اس کے بعد یہودیوں نے سلطان عبدالحمید کو اقتدار سے بے دخل کرنے اور خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ مصطفی کمال پاشا کی طرف سے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا پروانہ لے کر خلیفہ عبدالحمید کے پاس جانے والا یہی یہودی قرہ صوہ آفندی ہی تھا۔

ترکی میں قوم پرستی کا احیاء

اسی زمانے میں ایک دوسری سازش بھی زور شور سے چل رہی تھی جس کا مقصد ترکی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا اور اس سازش میں بھی مغربی سیاست کاروں کے ساتھ ساتھ یہودی دماغ شروع ہی سے کار فرما تھا- ایک طرف ترکوں میں یہ تحریک اٹھائی گئی کہ وہ سلطنت کی بنا، اسلامی اخوت کی بجائے ترکی قوم پرستی پر رکھیں-

حالانکہ ترکی میں صرف ترک ہی آباد نہیں تھے بلکہ عرب اور کرد اور دوسری نسلوں کے مسلمان بھی تھے ایسی سلطنت کو صرف ترکی قوم کی سلطنت قرار دینے کے صاف معنی یہ تھے کہ تمام غیر ترک مسلمانوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ختم ہو جائیں۔دوسری طرف عربوں کو عربی قومیت کا سبق پڑھایا گیا اور ان کے دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی جدوجہد کریں۔عربوں میں عرب قوم پرستی کا فتنہ اٹھانے والے عیسائی عرب تھے۔بیروت اس کا مرکز تھا اور بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کے فروغ کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔اس طرح ترکوں اور عربوں میں بیک وقت دو متضاد قسم کی قوم پرستیاں ابھاری گئیں اور ان کو یہاں تک بھڑکایا گیا کہ 1914ء میں جب پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو ترک اور عرب ایک دوسرے کے دوست ہونے کی بجائے دشمن اور خون کے پیاسے بن کر سامنے آئے۔اس کی واضح مثال مصر میں شاہ فاروق کی حکومت ختم کر کے ناصر کو برسر اقتدار لایا گیا جس نے نہ صرف نہ صرف مصر بلکہ پورے خطے کو بے دین کی سمت دھکیلنے میں اہم رول ادا کیا۔ناصر بھی فری میسنری تھا اسے بات پر ناز تھا کہ وہ فرعون کی اولاد ہے۔

قرارداد بالفور Balfour Declaration(1917)

یہودیوں نے ایک طرف مسلمانوں میں قوم پرستی کا بیج بویا اور دوسری طرف جنگ عظیم اول کے اتحادی ملکوں بالخصوص برطانیہ اور امریکہ پر زور دینا شروع کیا کہ ان کے لئے فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائے۔اس جنگ کے شروع میں تو یہودیوں نے جرمنی سے معاملہ کرنا چاہا لیکن قیصر ولیم پر اعتماد نہ ہونے کے باعث' یہودی قومی وطن کی تحریک کے علمبردار ڈاکٹر وزائزمین نے برطانیہ اور فرانس کو تمام دنیا کے یہودیوں کی مکمل حمایت دلا کر لارڈ بالفور سے وہ پروانہ حاصل کیا جو تاریخ میں اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے۔یہ اعلان انگریزوں کی بددیانتی کا شاہکار ہے' ایک طرف انہوں نے عربوں کے لئے خود مختار ریاست کا یقین دلایا اور اسی وعدے کی بنیاد پر عربوں نے اپنے ترک مسلمان بھائیوں سے بغاوت کر کے فلسطین' عراق اور شام پر برطانیہ کا قبضہ کروایا۔اور دوسری طرف وہی انگریز یہودیوں کو باقاعدہ تحریر دے رہے ہیں کہ ہم فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنائیں گے۔یہ اتنی بڑی بے ایمانی تھی کہ انگریز قوم تا زندگی اپنی تاریخ پر سے اس کلنک کے ٹیکے کو نہ مٹا سکے گی پھر ذرا غور کیجئے کیا فلسطین کوئی خالی پڑی زمین تھی جس پر کسی قوم کو آباد کر دینے کا وعدہ کیا جا رہا تھا؟...اعلان بالفور کے وقت وہاں یہودیوں کی آبادی 5٪ فیصد بھی نہ تھی اور برطانیہ کا وزیر خارجہ تحریری وعدہ دے رہا تھا کہ ایک قوم کے وطن میں دوسری قوم کا وطن

بنایا جائے گا-یہ ایک ایسا ظلم ہے جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی-اس زخم پر مزید نمک پاشی لارڈ بالفور کے یہ الفاظ تھے-

"ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے-صہیونیت ہمارے لئے ان سات لاکھ عربوں کی خواہشات اور تعصبات سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جو اس قدیم سرزمین میں اس وقت آباد ہیں-"لارڈ بالفور کی ڈائری کے یہ الفاظ آج بھی برطانوی پالیسی کی دستاویزات کی جلد سوم میں ثبت ہیں۔

صہیونیوں نے ترکی، جرمنی اور برطانیہ سے یہودیوں کے لیے الگ وطن بنانے کی متعدد بار گفتگو کی لیکن انہیں کامیابی نہیں ملی، یہاں تک کہ وہ 1917ء میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگئے، جب 2 نومبر 1917 میں بالفور معاہدہ Balfour Declaration ہوا, اس معاہدہ میں برطانوی وزیر خارجہ آرتھر بالفور Anther Balfouer اور مارکس سایکس Marks Sykes نے اہم رول ادا کیا اور مارکس سایکس نے وزارت خارجہ کو صہیونیت کا ہم خیال بنالیا۔[1]

خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا آغاز اور خلافت کا سقوط

ہرٹزل کی موت کے بعد صہیونی آلہ کاروں نے ترکی مجلس اتحاد و ترقی (Turkish Society of Union Progress) میں اثر و نفوذ پیدا کرلیا-یہ جماعت خفیہ طور پر سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کررہی تھی-ان میں فری میسن' دونمہ (ایک یہودی جس نے ظاہری اسلام قبول کررکھا تھا) اور وہ مسلمان نوجوان شریک تھے جو مغربی تعلیم کے زیر اثر آکر "ترکی قوم پرستی" کے علمبردار بن گئے تھے-ان لوگوں نے ترکی فوج میں اپنے اثرات پھیلانے اور سات سال کے اندر ان کی سازشیں پختہ ہو کر اپنی منزل کو پہنچ گئیں اور مصطفی کمال پاشا نے فوج کی مدد سے سلطان کی حکومت کا خاتمہ کردیا اور سلطان کو معزول کردیا گیا-اس موقع پر جو انتہائی "دردناک واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ جو تین آدمی سلطان عبدالحمید کی معزولی کا پروانہ لے کر ان کے پاس گئے تھے ان میں دو ترک تھے اور تیسرا وہی حاخام قرہ صوہ آفندی تھا جس کے ہاتھ ہرٹزل نے فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ سلطان

---

[1] بحوالہ : Encyclopaedia Britannica

کے پاس بھیجا تھا- ذرا تصور کیجئے کہ سلطان کے دل پر کیا گزری ہو گی جب وہی یہودی ان کی معزولی کا پروانہ لئے ان کے سامنے کھڑا تھا اور بھیجا بھی اسے مسلمانوں نے تھا-

ترکی میں 1913ءمیں بننے والی وزارت میں تین یہودی نژاد وزیر شامل کر لئے گئے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں-

1-احبار یہ آفندی... رومانیہ کا باشندہ اور ایک یہودی اخبار کا ایڈیٹر تھا- تعمیراتِ عامہ کا محکمہ اس کے سپرد کیا گیا

2-نسیم مزلک... تجارت وزراعت کا محکمہ اس کے پاس تھا-3-جاوید... محکمہ مالیات کا وزیر بنایا گیا-

مندرجہ بالا حالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فلسطین میں عمل دخل حاصل کرنے کے لئے صہیونیوں کی یہ پہلی کامیابی تھی- اب ان یہودی وزراء نے اپنا رنگ روپ دکھانا شروع کیا-1914ءمیں انہوں نے ایک قانون پاس کروایا کہ یہودیوں کو فلسطین میں جائیداد بنانے کی اجازت دی جائے- اس طرح تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودیوں کو فلسطین میں اپنی تنظیمیں اور ادارے قائم کرنے کا موقع ملا- ان وزیروں نے یہودیوں کے ہاتھ سلطان کی فلسطینی جاگیریں بیچنا شروع کر دیں- جو کہ فلسطین میں سب سے زیادہ زرخیز تھیں- یہ زمینیں یہودی تنظیموں نے مشترکہ طور پر خرید لیں-

آخر کار یہودی سازشوں کی وجہ سے 1924ء میں خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا اور ترک عثمانیوں کا اقتدار ختم ہو گیا اور نوجوان ترکوں کا زمانہ شروع ہو گیا۔ بین الاقوامی صہیونی لیڈر سلیمان منصور نے اپنے ایک خفیہ مراسلے میں لکھا کہ:۔ ہم نے فلسطین میں (جو ترکوں کی عملداری میں ہے) تھوڑی سی زمین خریدنے کے لیے سلطان عبد الحمید کو منہ مانگی قیمت کی پیش کش کی تھی لیکن وہ نہیں مانے اور ہمارے آدمیوں کو بے عزت کر کے اپنے دربار سے نکال دیا، لیکن آپ یقین رکھئے ہم اس سرکش حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور ترکوں کو ایسی سزا دیں گے کہ ان کا حال اس سے بدتر ہو گا جو ریڈ انڈین لوگوں کا امریکہ میں ہوا ہے۔ صہیونیوں کی جانب سے ترکی میں اتحاد و ترقی انجمن Committee Of Union & Progress قائم ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت الاقوامی صہیونیت نے پس پردہ رہ کر اپنی خفیہ تنظیم فری میسن کے ذریعے سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا اور یونینسٹ پارٹی جو نوجوان ترک (Young

Turks) کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ مصطفی کمال اتاترک کی قیادت میں اسلام پسندوں پر جو مظالم ڈھائے وہ تاریخ میں ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔

مجلس اقوام (League of Nations) لیگ آف نیشنز

برطانیہ کے یہودی، صہیونیت کو مضبوط و مستحکم کرنے اور یہودی تہذیب و تمدن کے احیاء کے لئے پورے جوش و خروش سے سرگرم عمل رہے۔ اس سے یہودیوں کو فلسطین میں اپنی بستیاں بسانے کا موقع مل گیا، جن کا مقصد ارض مقدسہ میں یہودیوں کے مفادات کو آگے بڑھانا تھا۔ برطانوی سرمایہ داروں نے برطانوی یہودیوں کی عملی مدد کی۔ لارڈ ایشلے (Ashley)، لارڈ شافٹسبری (Shaftesbury)، والٹر کرسبورن، جیمس فن اور لارنس اولی فنٹ جیسے برطانوی رہنماؤں نے صہیونیت اور یہودیوں کے قومی دعوؤں کی حمایت و وکالت کی۔ بڑے بڑے کاروباری اداروں نے صحافیوں کی خدمات حاصل کیں تاکہ فلسطین میں ایک یہودی وطن کے قیام کے لئے رائے عامہ کو ہموار کریں۔

میکس نوردو (MAX NORDAU) نامی ایک یہودی نے باسل (BASLE) میں صہیونی کانگریس میں یہ حیرت انگیز پیش گوئی کی تھی:

"مجھے یہ الفاظ کہنے کی اجازت دیجئے کہ میں آپ کو وہ زینہ دکھاؤں جس کی سیڑھیاں صرف اوپر کی طرف اٹھتی چلی جارہی ہیں۔ ہرٹزل صہیونی کانگریس منعقد ہو چکی ہے۔ اب برطانوی پروگنڈا کی تجویز پیش کی جائے گی، پھر جنگ عظیم ہو گی۔ اس کے بعد امن کانفرنس ہو گی جس میں انگلستان کی مدد سے فلسطین میں ایک آزاد یہودی ریاست وجود میں آئے گی"۔

بعد ازاں اقوام متحدہ کے ذریعہ اسرائیل کی غاصب ریاست کو وجود عطاء کیا گیا۔ سب سے پہلے ان کے ہاں ایک تحریک شروع ہوئی کہ مختلف علاقوں سے یہودی ہجرت کر کے فلسطین میں جا کر آباد ہوں اور وہاں زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ چنانچہ 1880ء سے اس ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا اور زیادہ تر مشرقی یورپ سے یہودی خاندان منتقل ہونے لگے۔

خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد فلسطین کا علاقہ (بشمول یروشلم) برطانیہ کے تسلط میں چلا گیا۔ جس میں مجلس اقوام (League of Nation) اور بڑی طاقتیں' برطانیہ اور فرانس نے اس طرح کام کیا گویا وہ آزاد ریاستیں نہیں بلکہ صہیونی ایجنٹ ہیں-اب انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ فلسطین، برطانیہ کے انتظام میں دے دیا جائے- جس کا مطلب یہ ہے کہ مجلس اقوام کی طرف سے اس کے سپرد ہر کام کیا گیا ہے کہ وہ وہاں خاص شرائط کے تحت فرمانروائی کرے- مجلس اقوام نے برطانیہ کو انتظام کا پروانہ دیتے ہوئے ہدایت کی کہ اس کی ذمہ داری ہو گی کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لئے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کرے' صہیونی تنظیم کو سرکاری طور پر باقاعدہ تسلیم کرکے نظم و نسق میں شریک کرے- اب فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہو گیا-پہلا برطانوی ہائی کمشنر سر ہربرٹ سیمویل خود ایک یہودی تھا- صہیونی تنظیم کو عملاً حکومت کے نظم و نسق میں شریک کیا گیا اور اس کے سپرد نہ صرف تعلیم اور زراعت کے محکمے کئے گئے بلکہ بیرونی ممالک سے لوگوں کے داخلے' سفر اور قومیت کے معاملات بھی اس کے حوالے کر دیئے گئے-ایسے قوانین بنائے گئے کہ یہودیوں کو فلسطین میں زمینیں حاصل کرنے میں سہولت ہو- عربوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے اور ہر بہانے سے ان کی زمینیں ضبط کی گئیں اور وہ یہودیوں کے ہاتھ فروخت کی گئیں- سرکاری زمینوں کے بڑے بڑے رقبے انہیں کہیں مفت اور کہیں برائے نام قیمت پر دے دی گئیں-ایک علاقے سے 8 ہزار عرب کاشتکاروں اور زراعتی کارکنوں کو 50 ہزار ایکٹر زمین سے حکماً بے دخل کر دیا گیا-

ان تدبیروں سے 17 سال کے اندر اندر یہودی آبادی چند ہزار سے ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ گئی-اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگریز فلسطین میں صرف صہیونیت کی خدمت سرانجام دیتے رہے' ان کے ضمیر نے ایک دن بھی ان کو یہ احساس نہ دلایا کہ کسی ملک پر اس کے اصل باشندوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں-جن کی نگہداشت کرنا ان کی اخلاقی ذمہ داری ہے- جنگ عظیم دوم کے زمانے میں ہٹلر کے preplanned مظالم سے بھاگنے والے یہودی ہر قانونی اور غیر قانونی طریقے سے بے تحاشا فلسطین میں داخل ہونے لگے- صہیونی ایجنسی نے ان کو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ملک کے اندر گھسانا شروع کیا اور مسلح تنظیمیں قائم کیں- جنہوں نے ہر طرف مار دھاڑ کرکے عربوں کو بھگانے اور یہودیوں کو بسانے میں سفاکی کی حد کر دی-انگریزی حکومت کی سرپرستی کے زریعے یہودیوں کو ہر طرح کے ہتھیار پہنچ رہے تھے اور عربوں کو ہتھیار رکھنے اور ظلم کا جواب دینے سے روکنے کیلئے قانون موجود تھا- البتہ برطانوی حکومت جان بچا کر بھاگنے والے عربوں کو نقل مکانی کی سہولتیں فراہم کرنے میں بڑی فراخ دل تھی

۔1917ء سے 1947ء تک تیس سال کے اندر یہودی منصوبے کا دوسرا مرحلہ مکمل ہوا جس میں وہ اس قابل ہو گئے کہ فلسطین کو یہودیوں کا ''قومی وطن'' بنانے کی بجائے ان کی ''قومی ریاست'' قائم کر دیں۔

صہیونیت کا پیدا کردہ معاشی بحران

صہیونی یہودیوں نے وطن کے نعرہ کو سیاسی ایشو بنایا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ دنیا بھر میں موجود یہودی ہجرت کر کے فلسطین آنے کو راضی نہیں ہو رہے تھے اور اسی مقصد کے لئے صہیونیوں نے خود یہودیوں کا قتل عام شروع کروایا۔ صہیونیوں کا اصل پلان یہ تھا کہ پہلے پوری دنیا میں معاشی بحران پیدا کیا جائے جس کے نتیجے میں عام جنگ کروائی جائے اور جنگ کے اختتام پر ایک آزاد یہودی ریاست (اسرائیل) کا اعلان کیا جائے۔ ساتھ ساتھ دنیا بھر سے یہودیوں کو فلسطین منتقل کیا جائے۔ اس کے لئے چاہے شدید تشدد کے ذریعے یہودیوں کی ہی نسل کشی یا قتل کیوں نہ کرنا پڑے۔

یاد رہے دوسری عالمی جنگ سے پہلے صہیونی پلان کردہ عالمی معاشی بحران 1929ء میں پیدا کیا گیا جس کے نتیجے میں کئی ممالک ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے اور وہ جنگ صہیونیوں کے عین منصوبے کے مطابق ایک عالمی جنگ کی شکل پیدا کر گیا۔ 1929ء کے عالمی معاشی بحران کے ٹھیک 10 سال بعد 1939ء میں عالمی جنگ شروع کروادی گئی، جو 1945 تک جاری رہی۔ اس کے ٹھیک 3 سال بعد 14 مئی 1948ء کو امریکی اور برطانوی صہیونیوں کی مدد سے فلسطین پر قبضہ کر کے ''اسرائیل'' کا ناپاک وجود قائم کیا گیا۔

ہولوکاسٹ Holocaust (1941-1945)

1929ء میں عالمی معاشی بحران پیدا ہوتا ہے اس کے چند سال بعد جرمنی میں جہاں دنیا میں سب سے بڑی تعداد یہودیوں کی بستی تھی، وہاں 1933ء میں ہٹلر کی نازی پارٹی اقتدار میں آتی ہے۔ ہٹلر خود بھی صہیونی صفت سفاک قاتل اور ظالم صفت انسان تھا، اس نے صہیونیوں کی ہی مدد کی، ایک طرف اپنے ملک سے یہودیوں کو نکالنا چاہا تو دوسری طرف ان یہودیوں کو جرمنی چھوڑ کر فلسطین جانے کو کہا۔ بظاہر جرمنی سے نکالنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ فلسطین جا کر آباد ہوں اور پھر وہاں ایک غاصب ریاست اسرائیل قائم کر دیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے ہٹلر کی نازی پارٹی کے صہیونیوں سے خفیہ یارانے تھے۔ آگوگل پر نازی پارٹی کو سرچ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نازی پارٹی کا لوگو ہی صہیونی فری میسن والا ہے۔ ہٹلر خود بھی اندر سے صہیونیوں سے ملا ہوا تھا۔ جو ہمیں اس نتیجہ پر لے جاتا ہے کہ یورپ میں 1941ء سے 1945ء تک عام یہودیوں کی نسل کشی (genocide) کروانے کے پیچھے بھی انہیں صہیونیوں کا اپنا ہاتھ تھا۔ اس ظلم و بربریت سے پُر نسل کشی کو آج ہم "ہالوکاسٹ" کے نام سے جانتے ہیں۔ ہولوکاسٹ کو 'شوہ Shoah' کے نام بھی جانا جاتا ہے تو ایک عبرانی یہودی اصطلاح ہے۔ ہولوکاسٹ دراصل یونانی لفظ سے بنا ہے، جس کے معنی "مکمل جلا دینے" کے ہیں جسے اردو میں مرگ انبوہ بھی کہا جاتا ہے۔

صہیونی مراکز

صہیونیوں نے پوری دنیا میں دینی تطہیر، نفسیاتی تربیت اور جسمانی ورزش کے مراکز قائم کیے ہیں، جو حاخاسرا HARKHASRA کہلاتے ہیں، جو یہودی ایک بار اس میں داخل ہو جائے اس کا اپنے اوپر اختیار ختم ہو جاتا ہے، اور وہ اس تنظیم کی ملکیت بن جاتا ہے۔ اور اسرائیل کا وفادار ہونا پڑتا ہے، اور اس کے بعد وہ اپنا سب کچھ قربان کر کے اس گروہ میں شامل ہو جاتا ہے، جو عرف عام میں ہالٹزیم Halutzeems کہلاتا ہے۔ یہ گروہ اسرائیل کے لیے جاسوسی اور تخریب کاری کرتا ہے، اور مسلم ملکوں میں بدامنی پھیلاتا ہے، دعوت اسلام کی تمام کوششوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ناکام بنانے کی کوشش کرتا ہے تعلیمی اداروں میں کام کرنے کے علاوہ یہ گروہ اسلامی ممالک کے حفاظتی نظام میں بھی نقب لگاتا ہے۔

صہیونی افکار و عقائد کے بنیادی مصادر

صہیونی افکار و عقائد کے بنیادی مصادر تین ہیں:

1. توریت
2. تالمود
3. صہیونی دانشوروں کے دستاویز۔

توریت:

یہ آسمانی کتاب حضرت موسی علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی, مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہودی اس میں تحریف و تبدیلی کرتے رہے، آج جو توریت موجود ہے وہ اصل توریت سے بالکل مختلف ہے، ایک یہودی عالم سیلفر نے اپنی کتاب "موسی والتوراۃ الأصلیۃ" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ موجودہ توریت حضرت موسی علیہ السلام کی اصل توریت سے کسی بھی پہلو سے نہیں ملتی، بلکہ سیلفر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ دس وصیتیں جن کے توریت سے ماخوز ہونے پر تقریبا تمام محققین کا اتفاق ہے وہ بھی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں ہیں، ڈاکٹر وصی اپنی کتاب " الارتباط الزمنی میں رقمطراز ہیں کہ اصل توریت اسی وقت نذر آتش ہوگئی تھی جب بخت نصر نے یروشلم کو خاکستر کرنے اور یہودیوں کو بابل جلاوطن کرنے کے بعد ہیکل سلیمانی میں آگ لگادی تھی۔

مختصر یہ کہ موجودہ توریت میں یہودی اپنی خواہشات اور مقاصد کی موافقت میں اس میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔ عبد اللہ التل نے اپنی کتاب "بذور البلاء میں توریت کے ان بنیادی نقاط کی طرف اجمالا اشارہ کیا ہے جن کی بناپر پوری دنیا پریشانی اور تباہی میں مبتلا ہے اور پوری انسانیت صدیوں سے محرومی، بدبختی اور لاعلاج سماجی، اخلاقی، تہذیبی اور اقتصادی امراض کا شکار چلی آرہی ہے، یہود کی جانب سے تحریف کرکے توریت میں مندرجہ ذیل باتوں کی علانیہ تلقین کی گئی ہے۔

- جھوٹے وعدے
- رب العالمین کی ناشکری
- نسل پرستی تعصب اور علاحدگی پسندی
- سنگدلی اور بربریت
- فسق وفجور، فحاشی وزناکاری، بدکاری وبداخلاقی
- ظلم وسرکشی
- خیانت وچوری اور مادی حرص ولالچ
- دوسروں کو غلام بنانا
- مقصد براری

- بزدلی اور نفاق
- احسان فراموشی اور ہٹ دھری
- استحصال اور ناجائز قبضہ
- کذب بیانی

تالمود:

یہودیوں کی انتہائی مقدس کتاب تالمود، جو کوئی یہودی اس کتاب کو کسی غیر یہودی تک پہنچانے کا ذمہ دار ھوتا ہے اس کی سزا موت ھے۔ دنیا کی تمام مذھبی کتابیں، قران حکیم، بائبل، گیتا وغیرہ آپ کو آسانی سے ھر جگہ مل سکتی ھے لیکن تالمود تک آپ کی رسائی ناممکن ھے۔ آیئے دیکھتے ھیں اس کتاب میں کیا ھے۔۔۔۔۔ اس میں عیسائی مذھب اور دین اسلام اور غیر یہودی انسانوں کے بارے کیسا زھر بھرا ھوا ھے اور یہودی کس طرح اپنے آپ کو ھر انسان سے افضل سمجھتے ھیں۔ یہودی ''خاخاموں (علماء)'' نے برسوں توریت پر مختلف خود ساختہ شرحیں اور تفسیریں لکھیں ہیں۔ ان تمام شرحوں اور تفسیروں کو خاخام '' یوخاس'' نے 1500ء میں جمع بندی کر کے اس میں کچھ دوسری کتابوں کا جو 230ء اور 500ء میں لکھی گئی تھیں اضافہ کر دیا۔ اس مجموعہ کا ''تلمود'' یعنی تعلیم دیانت و آداب یہود کے نام سے موسوم کیا گیا۔

یہ کتاب یہودیوں کے نزدیک بہت تقدس کی حامل ہے اور توریت و عہد عتیق کے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔ (بلکہ توریت سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے جیسا کہ ایک یہودی گرافٹ نے کہا: جان لو کہ خاخام کے اقوال پیغمبروں سے زیادہ بیش قیمت ہیں۔

تلمود کے دو حصے ہیں:

(1) مشنہ

(2) گیمارا۔

رومی بادشاہ ہیڈریان (دور حکومت 117-138 عیسوی) کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد سے یہودی علما نے مختلف اجتہادات کیے۔ یہودیوں نے شریعت موسوی کے متعلق ہونے والے ان اجتہادات کو ایک جگہ جمع کر کے ایک فقہی مجموعہ مشناہ مرتب کیا۔ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ موسٰی نے توریت تحریری اور زبانی طور پر بنی اسرائیل کو دی۔ ان زبانی ارشادات کو تحریر کر کے مشنا کی شکل دے دی گئی۔ یہ مشناہ موسٰی اور بعد کے انبیا کی احادیث اور یہودی علما کے اجتہادات کا مجموعہ ہے۔ مشنہ اصل متن ہے، یہودیوں نے توریت کے بعد بطور قانون کے اس کو وضع کیا تھا، بعد میں یہودی علماء نے ۱۹۰ء۲۰۰ء کے درمیان اس کو مدون کیا تھا۔

گیمارا مشنہ کی شرح ہے۔ اس کے دو جز ہیں۔

1. گیمارا یروشلم
2. گیمارا بابل

گیمارا فلسطین ان بحثوں اور مناقشوں پر مشتمل ہے جو فلسطین کے یہودی عالموں خصوصاً طبریہ کے یہود کے درمیان مشنہ کی شرح وتوضیح کے دوران ہوئے، یہ کتاب تقریبا 400ء میں مدون ہوئی۔ گیمارا بابل ان متناقشوں پر مشتمل ہے جو مشنہ کی بدایات و تعلیمات کے متعلق ہوئے, اب مشنہ کو اس کی شرح گیمارا یروشلم کے ساتھ تلمود یروشلم کہا جاتا ہے اور گیمارا بابل کو تلمود بابل کہا جاتا ہے۔

تلمود کے شروع کے ایڈیشنوں میں عیسائیت اور عیسائیوں کے خلاف شدید نفرت اور "صلوتیں ملتی ہیں لیکن عیسائیوں کے شدید احتجاج پر یہودیوں نے توریت میں عیسائیوں کے خلاف استعمال کی جانے والی نازیبا باتیں حذف کر دیں, توریت میں مختلف جگہیں خالی اور سفید ہیں لیکن وہ باتیں آج بھی پورے شد و مد کے ساتھ یہودی تعلیمی اداروں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ تلمود کے مطالعہ اور جائزہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تلمود کا بنیادی فلسفہ پوری نوع انسانی کو یہودیوں کی خدمت کے لئے مسخر کرنا, تمام تہذیبوں وثقافتوں کا خاتمہ اور دیگر صحف آسمانی کو منسوخ قرار دینا ہے، تاکہ انسانیت دشمن فلسفے کو پوری زمین پر رائج کیا جاسکے اور مملکت اسرائیل کو بقاو تحفظ حاصل ہو سکے۔

۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے فلسطین اور اسرائیل کے درمیان جنگ جاری ہے، اس جنگ میں اسرائیل کی جانب سے جس ظلم وسفاکیت کا مظاہرہ کیا جارہا ہے اس نے دنیا کے ہر انسان کو بے چین و بے قرار کر دیا ہے، اقوام متحدہ نے

جنگ کے بھی کچھ اصول متعین کیے ہیں مگر اسرائیل ان اصولوں کی خلاف ورزی کر کے جنگی جرائم کا ارتکاب کر رہا ہے، اہل غزہ پر کھانا، پانی، بجلی، دواسب کی فراہمی روک کر اسرائیل جس سنگ دلی کا ثبوت دے رہا ہے اس پر دنیا حیرت و استعجاب میں مبتلا ہے کہ آخر انسان ہو کر انسانوں کے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک کیوں کیا جارہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں کی مقدس کتاب "تالمود" میں ں یہودیوں کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ یہودیوں کے علاوہ دنیا کے تمام انسان ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، بدھست سب کے سب انسان نہیں جانور ہیں اور یہودیوں کے سوا کسی انسان کو دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں اور غیر یہودیوں پر ظلم و ستم ڈھانا باعث اجر و ثواب ہے۔

غیر یہود سے متعلق تالمودی تعلیمات کے نمونے

یہودیوں کی مقدس کتاب "تالمود" سے ان کی تعلیمات کے چند نمونے پیش کئے جارہے ہیں جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اس کتاب میں یہودیوں کو دہشت گردی کی کیسی خطرناک تعلیم دی گئی ہے اسی کے نتیجہ میں غزہ پر آگ برسائی جارہی ہے انسانوں کو خاک و خون میں تڑپایا جارہا ہے، ننھے ننھے بچوں کو بھوکا، پیاسا مارا جارہا ہے، ہسپتالوں پر بھی بم باری کی جارہی ہے اور اقوام عالم کی اپیل پر بھی اسرائیل جنگ بندی پر آمادہ نہیں ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ تالمود یہودیوں کی فقہ کی بہت ہی معتمد و مستند کتاب ہے جسے "یوخاس" نے مرتب کیا ہے اور یہودی اسے توریت سے بھی زیادہ معتبر سمجھتے ہیں اور اپنے مذہبی امور کو اسی کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ آج یورپ اور امریکہ جس کے باشندے مذہباً عیسائی ہیں اور اسرائیل کی حمایت و پشت پناہی کر رہے ہیں وہ تالمود کی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور اندازہ کریں کہ یہودیوں کی نظر میں عیسائیوں اور دوسری اقوام کی کیا حیثیت ہے.

یہودیوں کی خود پرستی اور انسانیت مخالف یہودی عقائد سے آشنائی کے لیے اس کتاب کے چند جملے نقل کئے جارہے ہیں۔ ایسے کلمات نقل نہیں کئے گئے جن میں اللہ تعالیٰ، حضرت آدم و حوا علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ و حضرت مریم علیہ السلام کی شان میں شدید گستاخی کے حامل تھے۔ اسے پڑھ کر بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ یہودی علماء، کا خود ساختہ کلام ہے۔

غیر یہود سے متعلق تالمودی تعلیمات کے نمونوں کی بھیانک تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

- ✓ جب خدا نے ہیکل کو برباد کرنے کا حکم دیا، تو غلطی پر تھا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے رو پڑا اور کہنے لگا: "مجھ پر وائے ہو کہ میں نے اپنے گھر کو برباد کرنے کا حکم دیا اور ہیکل کو جلوا دیا اور اپنے فرزندوں کو تباہ کر دیا"۔ خدا یہود کو اس حالت میں مبتلا کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ پشیمان ہے اور ہر روز اپنے چہرے پر تھپڑ مارتا ہے اور گریہ وزاری کرتا ہے کبھی کبھی اس کی آنکھوں سے آنسو کے دو قطرے سمندر میں گر جاتے ہیں اور اتنی زور دار آواز ہوتی ہے کہ ساری دنیا اس کے گریہ کی آواز سنتی ہے۔ سمندر کا پانی متلاطم ہو جاتا ہے اور زمین لرز اٹھتی ہے۔
- ✓ یہودیوں کی روحیں غیروں کی روحوں سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ یہودیوں کی روح خداوند عالم کا جزء ہیں اسی طرح جس طرح بیٹا باپ کا جزء ہوتا ہے۔ یہودیوں کی روحیں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں اس لیے کہ غیروں کی روحیں شیطانی اور حیوانات کی ارواح کے مانند ہیں۔ غیر یہودی کا نطفہ بقیہ حیوانات کے نطفہ کی طرح ہے۔
- ✓ بہشت یہودیوں سے مخصوص ہے اور ان کے علاوہ کوئی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں کا ٹھکانہ جہنم ہے گریہ وزاری کے علاوہ ان لوگوں کے نصیب میں کچھ بھی نہیں ہے اس لیے کہ اس کی زمین بہت زیادہ تاریک اور بدبودار مٹی کی ہے۔ کوئی پیغمبر مسیح کے نام سے مبعوث نہیں ہوا ہے اور جب تک اشرار (غیر یہودی) کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک مسیح ظہور نہیں کرے گا جب وہ آئے گا تو زمین سے روٹی کا خمیر اور ریشمی لباس اگیں گے یہ وہ موقع ہو گا جب یہودیوں کا تسلط اور بادشاہی ان کو واپس ملے گی اور تمام اقوام و ملل مسیح کی خدمت کریں گی اس وقت ہر یہودی کے پاس دو ہزار آٹھ سو غلام ہوں گے۔[2]
- ✓ یہودیوں پر لازم ہے کہ دوسروں کی زمینوں کو خریدیں تاکہ کوئی اور کسی چیز کا مالک نہ ہو اور اقتصادی طور پر یہودی تمام غیروں پر مسلط ہو سکیں۔ اور اگر غیر یہودی پر غلبہ حاصل کر لے تو یہودیوں کو چاہیے کہ اپنے آپ پر گریہ کریں اور کہیں ہم پر ملامت ہو یہ کیا عار و ننگ ہے کہ ہم

---

[2] ماخوذ از عبد الله التل، خطر اليهودية العالمية على الإسلام والمسيحية، دار القام، ص ٦٩-١٠٥

دوسروں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہیں۔اس سے پہلے کہ یہودی اپنی عالمی حکومت اور بین الاقومی غلبے کو حاصل کر لیں ضروری ہے عالمی جنگ برپا ہو جائے اور دو تہائی انسان نابود ہو جائیں۔سات سال کی مدت میں یہودی جنگی اسلحوں کو جلاڈالیں گے اور بنی اسرائیل کے دشمنوں کے دانت بائیس بالشت (جو عام طور پر دانتوں کی مقدار سے ایک ہزار تین سو بیس گنا زیادہ ہے) ان کے منہ سے باہر نکل آئیں گے۔جس وقت حقیقی مسیح دنیا میں قدم رکھے گا یہودیوں کی دولت اپنی ہو جائے گی کہ اس کے صندوقوں کی چابیاں تین سو گدھوں سے کم پر نہیں ڈھوئی جا سکیں گی۔

- ✓ عیسائیوں کو قتل کرنا ہمارے مذہبی واجبات میں سے ہے اور اگر یہودی ان کے ساتھ کوئی پیمان باندھیں تو اس کو وفا کرنا ضروری نہیں ہے، نصرانی مذہب کے روساء پر جو یہودیوں کے دشمنوں ہیں ہر روز تین مرتبہ لعنت کرنا ضروری ہے۔
- ✓ اسرائیلی خدا کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ محبوب اور متعبر ہیں۔اگر غیر یہودی، یہودی کو مارے تو ایسے ہے جیسے اس نے عزت الہیہ کے ساتھ جسارت کی ہو اور ایسے شخص کی سزا موت کے علاوہ کچھ بھی اور نہیں ہو سکتی لہذا اس کو قتل کر دینا چاہیے۔
- ✓ اگر یہودی نہ ہوتے تو زمین سے برکتیں اٹھالی جاتیں سورج نہ نکلتا اور نہ آسمان سے پانی برستا۔جس طرح انسان حیوانوں پر فضیلت رکھتا ہے یہودی دوسری اقوام پر فضیلت رکھتا ہے۔غیر یہودی کا نطفہ گھوڑے کے نقطہ کی طرح ہے۔
- ✓ اجنبی (غیر یہودی) کتوں کی طرح ہیں ان کے لیے کوئی عید نہیں ہے اس لیے کہ عید کتوں اور اجنبیوں کے لیے خلق ہی نہیں ہوئی ہے۔[3]
- ✓ کتا غیر یہودیوں سے زیادہ بافضیلت ہے اس لیے کہ عید کے موقعوں پر کتے کو روٹی اور گوشت دیا جانا چاہیے لیکن اجنبیوں کو روٹی دینا حرام ہے۔

[3] ماخوذ از عبد الله التل،خطر اليهودية العالمية على الإسلام والمسيحية،دار القام،ص ٦٩-١٠٥

- ✓ اجنبیوں کے درمیان کسی طرح کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ کیا گدھوں کے خاندان اور نسل میں کسی طرح کی قرابت اور رشتہ داری کا وجود ہے؟
- ✓ اجنبی (غیر یہودی) خدا کے دشمن ہیں اور سور کی طرح ان کو قتل کر ڈالنا مباح ہے۔
- ✓ اجنبی یہودیوں کی خدمت کرنے کے لیے انسان کی صورت میں خلق ہوئے ہیں۔ یسوع مسیح کافر ہے اس لیے کہ دین سے مرتد اور بتوں کی پرستش میں مبتلا ہو گیا تھا ہر عیسائی جو یہودی مذہب نہ اختیار کرے دشمن خدا، بت پرست اور عدالت سے خارج ہے اور ہر انسان جو غیر یہودی کے ساتھ ذرا سی بھی مہربانی کرے عادل نہیں ہے۔
- ✓ غیر یہودیوں کو دھوکا دینا اور ان کے ساتھ فریب دہی کرنا منع نہیں ہے۔
- ✓ کفار (غیر یہودیوں) کو سلام کرنا برا نہیں ہے اس شرط کے ساتھ کہ در پردہ اس کا مضحکہ اڑائے۔
- ✓ چونکہ یہودی عزت الہیہ کے ساتھ برتری رکھتے ہیں لہذا دنیا اور مافیہا ان کی ملکیت ہے اور ان کو حق ہے کہ وہ جس چیز پر چاہیں تصرف کریں۔
- ✓ یہودی کے اموال کی چوری حرام ہے لیکن غیر یہودی کی کوئی بھی چیز چرائی جا سکتی ہے اس لیے کہ دوسروں کا مال سمندر کی ریت کی طرح ہے جو پہلے اس پر ہاتھ رکھ دے وہی اس کا مالک ہے۔
- ✓ یہودی شوہر دار عورتوں کی طرح ہیں جس طرح عورت گھر میں آرام کرتی ہے اور گھر کے باہر کے امور میں شوہر کے ساتھ شریک ہوئے بغیر اس کے اخراجات برداشت کرتا ہے اسی طرح یہودی بھی آرام کرتا ہے دوسروں کو چاہیے کہ اس کو روزی فراہم کریں۔
- ✓ اگر یہودی اور اجنبی شکایت کریں تو یہودی کے حق میں فیصلہ کیا جانا چاہیے چاہے وہ باطل پر ہی کیوں نہ ہو۔[4]
- ✓ تمہارے لیے جائز ہے کہ کسٹم کے عہدیداروں کو دھوکا دو اور ان کے سامنے جھوٹی قسم کھاؤ، خاخام (صموئیل) سے سبق لو کہ صموئیل نے ایک اجنبی سے ایک سونے کا پیالہ چار درہم میں

---

[4] ماخوذ از عبد الله التل، خطر اليهودية العالمية على الإسلام والمسيحية، دار القام، ص ٦٩-١٠٥

خرید اگر بیچنے والا اس کے سونا ہونے کے بارے میں نہیں جانتا تھا اس کے باوجود اس نے اس کا ایک درہم بھی چرالیا۔

- ✓ سود کے ذریعہ دوسروں کا مال ہڑپ جانا کوئی عیب نہیں ہے اس لیے کہ خداوند غیر یہودیوں سے سود خوری کا تم کو حکم دیتا ہے۔
- ✓ جو یہودی نہ ہو اس کو قرض نہ دو سوائے اس کے کہ اس سے سود لو۔ اس صورت کے علاوہ غیر یہودیوں کو قرض دینا جائز نہیں ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ غیر یہودیوں کو نقصان پہنچائیں۔ دوسروں کی زندگی وحیات تک یہودیوں کی ملکیت ہے ان کے اموال کسی شمار و قطار میں نہیں ہیں جب بھی کسی غیر یہودی کو پیسے کی ضرورت ہو تو اس سے اتنا زیادہ سود لینا چاہیے کہ وہ اپنی تمام دولت کو کھو بیٹھے۔
- ✓ غیر یہودی کتنا بھی نیک اور اچھے کردار کا مالک ہو اس کو مار ڈالنا چاہیے۔
- ✓ غیر یہودی کو نجات دینا حرام ہے یہاں تک کہ اگر وہ کنویں میں گر جائے تو فوراً اس کنویں کو پتھر سے پر کر دو۔
- ✓ اگر کسی اجنبی (غیر یہودی) کو مار ڈالیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے راہ خدا میں قربانی کی ہو اور اگر ایک یہودی غیر یہودی کی مدد کرے تو اس نے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے کہ جو ناقابل عفو و بخشش ہے۔
- ✓ اگر غیر یہودی دریا میں ڈوب رہا ہو تو اسے نجات نہ دو اس لیے کہ وہ سات قومیں جو سرزمین کنعان میں تھیں اور یہودی ان کو مار ڈالنے پر مامور ہوئے تھے سب کے سب قتل نہیں کئے جا سکے تھے ممکن ہے کہ یہ ڈوبنے والا شخص انہیں میں سے ایک ہو۔[5]
- ✓ جہاں تک تمہارے امکان میں ہو غیر یہودیوں کو قتل کرو اور اگر تم نے کسی غیر یہودی کو قتل کرنے پر قدرت حاصل کرنے کے بعد اس کو قتل نہ کیا تو گناہ انجام دیا ہے۔

---

[5] ماخوذ از عبد الله التل، خطر اليهودية العالمية على الإسلام والمسيحية، دار القام، ص ٦٩-١٠٥

- ✓ عیسائی کو ہلاک کرنا ثواب ہے اور اگر کوئی اس کے قتل پر قادر نہ ہو تو کم از کم اسے اس کی ہلاکت کے اسباب ضرور فراہم کرنا چاہئیں۔
- ✓ جو لوگ مرتد ہوں (یعنی جو یہودی آئین کی خلاف ورزی کریں) اجنبی ہیں اور ان کو پھانسی دینا لازم ہے سوائے اس کے کہ دوسروں کو دھوکہ دینے کے لیے مرتد ہوئے ہوں۔
- ✓ غیر یہودیوں کی ناموس پر تصرف اور ان کی آبروریزی میں کوئی قباحت نہیں ہے اس لیے کہ کفار حیوانوں کے مانند ہیں اور حیوانات کے درمیان کوئی شادی بیاہ کا رواج نہیں ہوتا ہے۔
- ✓ یہودیوں کو حق ہے کہ غیر مومن (غیر یہودی) عورتوں کو بالجبر حاصل کریں اور غیر یہودی کے ساتھ زنا اور لواطت کی کوئی سزا نہیں ہے۔
- ✓ یہودی کے لیے کوئی قباحت نہیں ہے کہ وہ اپنے مال و اور نفسانی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔
- ✓ قسم کھانا جائز خصوصاً غیر یہودی کے ساتھ معاملے کی صورت میں۔ قسم کھانے کا اصول جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے یہودی شریعت نے بیان کیا ہے لیکن یہ اصول کفار (غیر یہودیوں) کے لیے نہیں ہیں کیونکہ وہ انسان نہیں ہیں۔ جھوٹی گواہی بھی دینا جائز ہے (باوجود اس کی کہ جانتا ہو کہ حق یہودی کے ساتھ ہے مگر جھوٹی گواہی دے سکتا ہے) چنانچہ لازم ہے کہ اگر بیس جھوٹی قسمیں بھی کھانا پڑیں تو بھی اپنے یہودی بھائی کو خطرہ میں نہ ڈالو یہودیوں پر لازم ہے۔
- ✓ کہ ہر روز تین مرتبہ عیسائیوں پر لعنت کریں اور ان کی نابودی کے لیے خدا سے دعا کریں۔
- ✓ ہم پر لازم ہے کہ نصاریٰ کے ساتھ حیوانات جیسا سلوک روا رکھیں۔
- ✓ نصرانیوں کے کلیسا گمراہیوں کا مسکن ہیں اور ان کو ڈھانا واجب و لازم ہے۔[6]
- ✓ ہم خدا کی منتخب کردہ قوم ہیں لہذا ہمارے لیے انسانوں کی شکل میں حیوانات خلق ہوئے ہیں اس لیے کہ خدا جانتا ہے کہ ہم کو دو طرح کے حیوانوں کی ضرورت ہے ایک بے زبان اور بے شعور حیوانات مثلاً چوپائے اور دوسرے باشعور اور زبان رکھنے والے حیوانات مثلاً عیسائی، مسلمان اور

---

[6] ماخوذ از عبد الله التل، خطر اليهودية العالمية على الإسلام والمسيحية، دار القام، ص ٦٩-١٠٥

بودھ مذہب کے پیروکار، ان تمام حیوانات پر سواری کرنے کے لیے خداوند عالم نے ہم کو تمام دنیامیں متفرق کر دیاہے تاکہ اپنی خوبصورت اور حسین و جمیل بیٹیوں کو غیر یہودی بادشاہوں اور سلاطین کو دیکر دنیاپر حکومت کر سکیں۔

- ✓)عیسائیوں کو ہلاک کرنا باعث اجر و ثواب ہے اور اگر قتل پر قادر نہ ہو تو کم سے کم ہلاکت کے اسباب ضرور پیدا کر دیناچاہیے۔
- ✓ کسی غیر یہودی کو کسی مصیبت و پریشانی سے نجات دینا حرام ہے یہاں تک کہ اگر وہ کنویں میں گر جائے تو فوراًاس کنویں کو پتھر سے پر کر دیناچاہیے۔
- ✓ جہاں تک ممکن ہو غیر یہودیوں کو قتل کر دو اور اگر قتل کی قدرت ہونے کے باوجود تم نے اسے قتل نہ کیاتو تم گنہگار ہو گے۔
- ✓ یہودیوں پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کی زمینوں کو خرید لیں تاکہ غیر یہودی کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور یہودی تمام غیر یہودیوں پر مسلط ہو سکے۔
- ✓ یہودیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ غیر یہودیوں کی عورتوں کو بالجبر حاصل کریں۔
- ✓ اس سے پہلے کہ یہودی عالمی حکومت قائم کریں اور بین الاقوامی غلبہ حاصل کریں عالمی جنگ برپا کی جائے اور دو تہائی انسانوں کو ہلاک کر دیا جائے۔[7]

اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتاہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ یہودی علماء، کاخود ساختہ کلام ہے-ان تمام چیزوں سے معلوم ہوتاہے کہ یہودیت ایک ایساخطرناک گروہ ہے جو عوام کو دھوکادے کر دنیاپر حکوت کرنے کا خواب دیکھ رہاہے جس نے آج خود کو ایک مذہب کی صورت میں دنیاکے سامنے پیش کیاہے۔

---

[7] ماخوذ از عبد الله التل،خطر اليهودية العالمية على الإسلام والمسيحية،دار القام،١٩٦٤ءص ٦٩-١٠٥

مذکورہ بالا تلمودی تعلیمات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہودیوں نے اپنی منشا اور نفس کے مطابق کس طرح توریت میں تحریف کی ہے، ذرہ برابر بھی عقل رکھنے والے کو یہ ماننے میں ذرا بھی تردد نہیں ہوگا کہ دنیا میں ہر طرح کے اخلاقی، ساسی، اقتصادی، اور سماجی فساد اور بگاڑ کا سبب ہی تلمودی تعلیمات ہیں۔

صہیونی بزرگوں کی دستاویزات(Protocals of the Learned Elders of Zion)

یہ وہ دستاویز ہیں جو باسل کانفرنس کی مخفی قراردادوں پر مشتمل ہیں، عرصہ دراز تک یہ خطرناک دستاویز پردہ خفا میں رہی ہیں، ایک خاص گروہ کے علاوہ یہودیوں کے بڑے عالم بھی اس سے واقف نہ تھے لیکن ایک فرانسیسی خاتون نے فری میسن کلب میں کام کر کے اس کو حاصل کر لیا، پھر یہ دستاویز مشرقی روس کے ایک بڑے صاحب اثر ورسوخ ایکس نیقولا نیوی Alex Nikola Navtech کے ہاتھ لگ گئیں جس نے 1901ء میں ایک روسی محقق سرجی نائلس Sergei A.nilus کے سپرد کر دی، سرجی نائلس نے 1902ء میں روسی زبان میں محدود تعداد میں شائع کر دیا،[8] اس دستاویز کے منظر عام پر آتے ہی یہودیوں کا مجرمانہ چہرہ پوری دنیا کے سامنے آگیا اور یہودی حیران وششدر ہو گئے کہ یہ مخفی دستاویزات کیسے منظر عام پر آئیں، دوسری طرف روس کے مختلف حصوں میں یہودیوں کا قتل عام شروع ہو گیا، اس کے بعد اس دستاویز کے مختلف زبانوں میں ترجمے شائع ہوئے۔ اس دستاویز میں 24 پروٹوکول ہیں، اس کا بنیادی مقصد یہودیوں کی ایک عالمی حکومت قائم کرنا ہے کہ پوری دنیا اس کے اشارہ پر چلے، اس کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں وہ تدابیر ولائحہ عمل بیان کیا گیا ہے جس کے ذریعہ یہودی ملکت قائم کی جائے گی۔ دوسرے حصہ میں وہ طریقہ بیان کیا گیا ہے جس کو یہودی مملکت قائم ہو جانے کے بعد اختیار کریں گے۔[9]

پروٹوکولز سے مراد وہ خفیہ دستاویزات ہیں، جس میں صہیونی رہنماؤں نے دنیا کو فتح کرنے اور اس پر حکومت کرنے کا پروگرام پیش کیا ہے اور جس پر ان رہنماؤں کے دستخط موجود ہیں- اب تک اس دستاویز کے 85 سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن یہ صہیونی یہودیوں کی تنظیم اور دنیا بھر میں پھیلی ہوئی خفیہ سرگرمیوں کا ایک اہم کارنامہ ہے کہ یہ کتاب ہمیشہ نایاب رہی ہے اور اس کی ایک جلد کا حصول بھی آسان نہیں-اس میں بتایا گیا ہے کہ

---

[8] Sergieĭ Nilus, The Jewish Peril : Protocols of the Learned Elders of Zion,Publisher Martino Pub., Mansfield Centre, CT, USA

[9] عجاج نويهض، بروتوكولات حكماء صهيون،دار الجليل للنشر والدراسات والأبحاث الفلسطينية،٢٠١٦، ١٨٣-٢٩٤

یہودیوں کو پوری دنیا پر قبضہ کرنے کے لئے کیا کیا کرنا ہے اور کون کون سے ہتھکنڈے اپنانے ہیں- صہیونیوں کا ایک بڑا اعزم ون ورلڈ گورنمنٹ یعنی ''حکومت دنیائے واحدہ'' قائم کرنے کا ہے جس میں ہر جگہ صہیونیت کا نظام زندگی نافذ ہو گا اور جس کی اصل قیادت صہیونی ٹولی کے ہاتھ میں ہو گی۔ اس کا مکمل بلیو پرنٹ اسی ''زائنسٹ پروٹوکولز'' یعنی صہیونی اکابرین کے عزائم کی دستاویزات میں' جن کا انکشاف 1904ء میں ہوا تھا' موجود ہے۔[10]

''پروٹوکولز'' میں عالمی صہیونیت اور اب صہیونی غاصب ریاست 'اسرائیل' کے وسیع عزائم اور منصوبوں کے ساتھ ساتھ ان کی تکمیل کے لئے وسائل و ذرائع اور فتنہ گری کے طریقوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ پچھلی چند صدیوں میں صہیونی ٹولی نے اپنے منصوبے کے مطابق جو واقعات برپا کئے' ان کے حقائق کینیڈین کمانڈر گائی کار کی 1954ء کی لاجواب کتاب ''پونزان دی گیم'' میں اسناد کے ساتھ درج ہیں۔ نپولین کو اوپر اٹھانے والے بھی صہیونی یہود تھے اور نیچے گرانے والے بھی۔ انقلاب فرانس ان کا شاہکار تھا۔

صہیونی دانا بزرگوں کی دستاویزات کو مختصراً ساری دنیا پر ایک خفیہ برادری کے تسلط کا خاکہ کہا جا سکتا ہے۔ ان کی تالیف کی حقیقت خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو، ان کے شائع ہونے کے بعد ان دستاویزات پر شدید بحثوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اس میں بہر حال کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ عالمی معاشرہ جس کا قیام ان دستاویزات کا نصب العین ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ساری دنیا کو ایک پولیس اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا جائے۔ ان دستاویزات میں جگہ جگہ ایک ''سپر گورنمنٹ'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چھٹی دستاویز میں کہا گیا ہے کہ: ''ہمیں ہر ممکنہ ذریعہ سے ایک ایسی ''سپر گورنمنٹ'' کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے جو رضاکارانہ طور پر اطاعت قبول کرنے والوں کو مکمل تحفظ کی ضمانت دے سکے''۔

اس منصوبے کو بروئے کار لاتے ہوئے اول پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر ''لیگ آف نیشنز'' 1920ء میں قائم کی گئی اور بعد ازاں دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر 1945ء میں ''اقوام متحدہ'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اقوام متحدہ پر ہمیشہ یہودیوں کا تسلط رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کا قیام بعینہ اسی رضاکارنہ اطاعت کے اصول کے تحت عمل میں لایا گیا۔ پچھلے چند سالوں میں ایک اور بین الاقوامی تنظیم جو خود کو پارلیمانی تنظیم برائے عالمی

[10] Sergiĕĭ Nilus, The Jewish Peril : Protocols of the Learned Elders of Zion,Publisher Martino Pub., Mansfield Centre, CT, USA

حکومت کہلواتی ہے قائم کی گئی ہے۔ یہ ادارہ برملا اعلان کرتا ہے کہ اقوام متحدہ کے منشور میں معمولی ردوبدل کے بعد اسے فوری طور پر ایک عالمی حکومت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

کافی عرصے سے ایک عالمی پولیس فورس قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اگر یہ قائم ہوگئی تو اقوام متحدہ کی سپر گورنمنٹ انتہائی طاقتور پولیس فورس کے ذریعہ ساری دنیا پر اقتدار قائم کرسکے گی۔1950ء کے عشرے کے آخری سالوں میں یہ پولیس فورس تقریباً قائم ہوتے ہوتے رہ گئی۔ 1956ء کے نہر سوئز[11] کے بحران کے بعد اقوام متحدہ کی ایمرجنسی فورس کا قیام دراصل ایک تجرباتی منصوبہ تھا۔ اگر اقوام متحدہ کے منشور میں معمولی ردوبدل کے بعد اسے ایک سپر گورنمنٹ بنادیا جائے تو اس کے ذیلی ادارے خودبخود وزارتِ تعلیم، وزارتِ محنت، وزارتِ صحت، وزارتِ انصاف اور وزارتِ خوراک بن جائیں گے۔

کیا یہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے کہ ان تمام امور کی ان صہیونی دستاویزات میں منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ اس وقت صرف ایک مکمل عالمی سپر گورنمنٹ کا ہی خطرہ یا فوری خطرہ نہیں ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مشرقی یوروپ کے ممالک کو روس کے تسلط میں لایا جارہا ہے لیکن ساتھ ہی مغربی یوروپ کے حالات بھی مختلف نہیں ہیں۔ مغربی ممالک کو سیاسی، عسکری اور معاشی سطح پر بین الاقوامی تسلط میں لایا جارہا ہے اور اسی طرح سماجی معاملات میں بھی انہیں تیزی کے ساتھ بین الاقوامیت کے زیر اثر لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ اپنی قومی خود مختاری قربان کرکے ہی وہ زندہ رہ سکتے ہیں۔ قومی اسمبلیوں کی جگہ یوروپین اسمبلی کو یا اٹلانٹک کونسل کو لے لینی چاہئے۔ ملکوں کی عسکری قوت کو ناٹو، بغداد پیکٹ یا سیٹو جیسے اداروں میں ضم ہوجانا چاہئے۔ یہ اس لئے کیا جارہا ہے تاکہ کسی ملک کا بھی اپنی دفاعی قوت پر اقتدار باقی نہ رہ سکے۔ اسی طرح قومی معیشتیں بھی آرگنائزیشن آف یوروپین کمیونٹی (OEEC) یوروپین پیمنٹس یونین (EPU) اور ورلڈ بینک جیسے اداروں کی دست نگر کردی جائیں تاکہ کوئی ملک بھی معاشی طور پر خود مختار نہ رہ سکی۔ ثقافتی سطح پر بھی قوموں کی تہذیبی انفرادیت کا خاتمہ ضروری سمجھا گیا۔ مثال کے طور پر کامن

---

[11] نہر سوئز مصر کی ایک سمندری گذرگاہ ہے جو بحیرہ روم کو بحیرہ قلزم سے ملاتی ہے۔ اس کے بحیرہ روم کے کنارے پر پورٹ سعید اور بحیرہ قلزم کے کنارے پر سوئز شہر موجود ہے۔ یہ نہر 163 کلومیٹر (101 میل) طویل اور کم از کم 300 میٹر چوڑی ہے۔ س نہر کی بدولت بحری جہاز افریقا کے گرد چکر لگائے بغیر یورپ اور ایشیا کے درمیان آمدورفت کرسکتے ہیں۔ 1869ء میں نہر کی تعمیر سے قبل اس علاقے سے بحری جہاز ایک جانب سامان اتارتے تھے اور بحیرہ قلزم تک اسے بذریعہ سڑک لے جایا جاتا تھا۔ 1869ء میں اس نہر کے کھل جانے سے انگلینڈ سے ہندوستان کا بحری فاصلہ نہ صرف 4000 میل کم ہوگیا بلکہ مون سون پر انحصار بھی کم ہوگیا۔ پہلے اس نہر پر برطانیہ، امریکا اور فرانس کا قبضہ تھا مگر جمال عبدالناصر نے اس نہر کو قومی ملکیت میں لے لیا جس پر برطانیہ، امریکا اور اسرائیل نے مصر سے جنگ چھیڑ دی۔

مارکٹ کے تحت وہ معاہدہ جو یوروپ کے چھ ملکوں کو معاشی طور پر منسلک کرتا ہے، اس میں ایک شق یہ بھی ہے کہ یہ ممالک ثقافتی ہم آہنگی کی پالیسی پر عمل کریں گے۔ یوروپ کے دوسرے ممالک کو بھی بشمول برطانیہ، فری ٹریڈ ایریا میں شامل کرنے کی سرتوڑ کوششیں ہو رہی ہیں۔

آج ساری دنیا۔ فیڈریشن، اتحاد، علاقائیت اور باہمی انحصار کی طرف جا رہی ہے۔ ان تمام منصوبوں کے بارے میں صہیونی دستاویزات پیشن گوئی کی شکل میں موجود ہے۔ ان دستاویزات کی بڑھتی ہوئی شہرت کی وجہ سے انہیں جعلی ثابت کرنے کی بیشمار کوششیں کی گئیں لیکن 1933ء میں جب تک یہودیوں نے قانونی چارہ جوئی نہیں کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ آج انہیں دستاویزات کے متعلق ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ جعلی ہیں۔ کیا یہ سب اتفاقی حادثات ہو سکتے ہیں؟ کیا کسی جعلساز کے لئے اتنی بیش بینی ممکن تھی؟ یا ایسا ہے کہ یہ دستاویزات اس سازش کا خاکہ ہیں جو اسلامی تہذیب کو تباہ و برباد کر کے ساری دنیا پر ایک چھوٹے سے مخصوص ٹولے کی حکمرانی اور تسلط قائم کرنے کے لئے تیار کی گئی ہیں۔

صہیونیت کے عقائد (Beliefs of Zionism)

صہیونیوں کا عقیدہ تھا جب تک ان کا مسیحا یعنی دجّال نہیں آئے گا ان کے لئے اس دنیا میں الگ وطن حاصل کرنا ناممکن ہے۔ ہولوکاسٹ سے پہلے تک صہیونیوں کا یہی عقیدہ رہا لیکن بعد میں صہیونیوں کے دانا بزرگوں نے اس عقیدہ کی تھوڑی سی مختلف تشریح کی جس کے مطابق اپنے مسیحا کے انتظار سے پہلے ہمیں اپنی معاشی برتری حاصل کرنی چاہئے اور اس معاشی طاقت کے بل بوتے پر یہودیوں کو الگ وطن حاصل کر لینا چاہئے اور اس وطن میں اپنے مسیحا یعنی دجال کا تخت بنانا ہوگا جب ہی ہمارا مسیحا (دجال) آئے گا۔

صہیونیوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام یہودی ایک نسل اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ دنیا پر حکمرانی صرف یہودیوں کا حق ہے، اس مقصد کا حصول اس طرح ممکن ہے کہ دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات تک کے علاقوں پر یہودی سلطنت قائم کی جائے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہودی اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں اور پوری نسل انسانیت ان کی خادم ہیں۔ صہیونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا پر کنٹرول اور غلبہ حاصل کرنے کے لئے تشدد اور دہشت گردی اور

ظلم کو روا رکھنا چاہیے۔ سیاست میں اخلاقی قدروں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ سیاست میں مکر و فریب، خیانت و جھوٹ کو اختیار کرنا چاہئے۔

صہیونیت یہ عقیدہ بھی ہے کہ مقصد کے حصول کے لئے رشوت اور غداری کو بلا جھجک اختیار کرنا چاہئے۔ صہیونی پروٹوکول میں ذرائع ابلاغ کے بارے میں لکھا ہے ہم یہودی پوری دنیا پر کنٹرول پانے کے لئے سونے کا ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لئے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے۔ ہم میڈیا کو اپنے کنٹرول میں رکھیں گے۔

صہیونیت کا ایک منشاء یہ بھی ہے کہ دنیا کی تمام طاقتوں کے درمیان عداوت و عناد کو پیدا کریں اور ان کے درمیان کشمکش اور جنگ بھڑکائیں، تاکہ آپس میں لڑ کر ساری طاقتیں کمزور ہو جائیں اور حکومتیں بے بس ہو جائیں، کمزور قوموں اور ملکوں کو آمادہ کیا جائیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہو جائیں۔ ان کی ضروریات کو پورا کر کے ان کی ہمدردی حاصل کی جائے اور پھر ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

صہیونیت کے پیروکاروں کی تحریک کی بنیاد یہ ہے کہ تمام دنیا نے ان پر بے شمار ظلم کیے ہیں اور اب ان کا حق ہے کہ وہ تمام دنیا سے اپنے اوپر کئے جانے والے مبینہ مظالم کا بدلہ لیں۔ اس کے لئے تورات کی تعلیمات کے برخلاف ان کا نظریہ ہے کہ اپنی ریاست (Greater Israel) کے قیام کے لئے کسی بھی علاقے پر زبردستی قبضہ اور قتل وغارت کرنا ان کا حق ہے کیونکہ وہ تمام مذاہب اور تمام نسلوں سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔[12]

صہیونی افکار حیات

ذیل میں ہم صہیونیت کے اہم افکار و عقائد ذکر کرتے ہیں صہیونی عقائد و افکار کا دار و مدار خود یہودیوں کی تحریف کردہ کتابیں اور دانشوران صہیون کی دستاویزات ہیں جن میں ان کے طریق عمل نظریات، مقاصد کی تکمیل کے لیے وسائل وذرائع کی تفصیل موجود ہے, یہ دستاویز صہیونی فکر, صہیونی تصور حیات کی آئینہ دار ہے۔

1- صہیونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام یہودی ایک نسل اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔

---

[12] حسني، عبد الكريم، الصهيونية الغرب والمقدس والسياسة، شمس للنشر والتوزيع، ٢٠١٠ء

2- صہیونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا پر حکمرانی صرف یہودیوں کا حق ہے، اس مقصد کا حصول اس طور پر ممکن ہے کہ دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات تک کے علاقہ پر سلطنت قائم کی جائے تا کہ پوری دنیا پر قبضہ و کنٹرول حاصل ہو جائے۔

3- صہیونیوں کا عقیدہ ہے کہ یہود اللہ کی پسندیدہ قوم ہے اور پوری نسل انسانیت انکی خادم ہے, 4- صہیونیوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا پر کنٹرول وغلبہ حاصل کرنے کا سب سے صحیح راستہ غنڈہ گردی، دہشت گردی، اور تشدد کا راستہ ہے آج صہیونیت اسی راستے پر گامزن ہے فلسطین خصوصا غزہ میں وحشیانہ اور ظالمانہ کارروائیاں اس کا بین ثبوت ہیں۔

5- صہیونی کہتے ہیں کہ اب دین کے غلبہ اور اثر ونفوذ کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ یہ مال وزر اور دولت وثروت کا زمانہ ہے، چنانچہ پوری دنیا پر حکومت کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

6- صہیونی کہتے ہیں کہ سیاست میں اخلاقی قدروں کے لئے کوئی گنجائش نہیں، بلکہ سیاست کی اصطلاح میں ان کو گھٹیا عادات سے تعبیر کرتے ہیں، وہ سیاست میں مکر و فریب، غداری و خیانت، اور جھوٹ و مکاری جیسی کمینہ خصلتوں کے اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں، عالمی سیاست ان کے اس نظریہ کی عکاسی کر رہی ہے۔

7- صہیونی اس کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ عربوں اور مسلمانوں کو برائیوں میں غرق کر دیا جائے اس مقصد کے لیے مسلم ملکوں میں فحاشی کے اڈے قائم کیے جاتے ہیں عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، اور مسلم آبادیوں میں ایسے معلمین اور معلمات بھیجے جاتے ہیں جو اخلاق سوز حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں۔ جن کے ذہن فاسد ہوتے ہیں ،طلبہ کو بے راہ روی، اخلاقی و جنسی انارکی، بے حیائی خیانت وغداری پر ابھارتے ہیں۔[13]

8- صہیونی خوشنما عنوانات اور پر کشش نعروں کے ذریعے پوری دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں مثلاً کبھی آزادئ رائے کی بات کرتے ہیں تو کبھی مساوات وبھائی چارگی کی بات کرتے ہیں اس طرح وہ لوگوں کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لیتے ہیں۔

---

[13] أحمد بهاء الدين شعبان، فلسطين و العالم العربي، مكتبة مدبولي الصغير، ٢٠٠١، ص ١٩٤

9- صہیونی کہتے ہیں کہ ہم کو علم اور مال دونوں میدانوں میں تفوق اور اجارہ داری حاصل کرنی چاہئے تھا تاکہ پوری دنیا ہماری محتاج رہے۔

10- صہیونی عالمی قائدین کو اپنے قبضہ کنٹرول میں رکھتے ہیں، اور اپنی مرضی وخواہش کے مطابق حکمران تبدیل کرتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو اقتدار کی کرسیوں پر بٹھاتے ہیں جو نااہل ناتجربہ کار او انتہائی بداخلاق وبدکردار ہوتے ہیں، ملک وقوم کے غدار ہوتے ہیں۔

11- صہیونیوں نے ساری دنیا پر حکومت کرنے کے لئے جس طرح سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری قرار دیا ہے اسی طرح ذرائع ابلاغ کو بھی بڑی اہمیت دی ہے.

12- صہیونی کہتے ہیں ہماری کوشش ہوگی کہ عالم اسلام کی دولت وثروت اور تیل اور سونے کے معدنیات و ذخائر ہمارے قبضے میں رہیں۔

13۔ دنیا کی بڑی طاقتوں اور عالمی اداروں پر ہمارا قبضہ ہوگا، عالمی سیاست کی باگ ڈور ہمارے وظیفہ خواروں کے ہاتھوں میں ہوگی۔

14- سپر پاور کے ذریعے دنیا کے مختلف نظام ہائے حکومت پر کنٹرول رکھیں گے، قرض کے طریقہ آسان کرکے تمام قوموں کو قرض کے بوجھ میں دبادیں گے اس طرح وہ ہمارے غلام بن جائیں گے۔

15- انقلابات اور بغاوتوں کے ذریعہ اپنے مقاصد کی تکمیل کریں گے۔

16- دنیا کے نشرواشاعت کے اداروں پر قبضہ کریں گے، جو بھی ہماری مخالفت کرے گا اس کے ادارہ کو بند کردیں گے۔[14]

17- دنیا پر اقتدار اور حکمرانی حاصل ہونے کے بعد ادیان و مذاہب کا نام مٹادیں گے صرف ہمارا مذھب رائج ہوگا۔

---

[14] أحمد بهاء الدين شعبان، فلسطين و العالم العربي، مكتبة مدبولي الصغير، ٢٠٠١، ص ١٩٤

آج دنیا کی حکومتوں میں صہیونیت کا اثر ورسوخ صاف نظر آرہا ہے کہ وہ سب صہیونی مفادات و مقاصد کی معاون و محافظ ہیں, صہیونیت ہی اسرائیل کی قیادت کر رہی ہے فری میسن کلب صہیونی رہنمائی میں کام کر رہے ہیں، عالمی قائدین اور دانشور صہیونیت کے شکنجہ میں ہیں، وہ وہی سوچتے ہیں جو صہیونیت چاہتی ہے، یورپ اور امریکہ میں سیکڑوں صہیونی تنظیمیں کام کر رہی ہیں، جو ظاہرا تو انسانی ہمدردی کے نام پر کام کر رہی ہیں لیکن حقیقتاً وہ سب یہودی مفادات کی محافظ ہیں۔

عصر حاضر میں صہیونیت کی مختلف شکلیں و نظریات(Forms and Ideas of Zionism)

صہیونیت کوئی خاص یک ریخت و یک صورت نظریہ نہیں، بلکہ یہ بہت سے نظریات کے مباحثوں سے مرتب ہوا مثلاً عملی صہیونیت، سیاسی صہیونیت، مذہبی صہیونیت، عمالی صہیونیت، تصحیحی صہیونیت، ماحولیاتی صہیونیت، مصنوعی صہیونیت، ثقافتی صہیونیت، انقلابی صہیونیت اور اصلاحی صہیونیت وغیرہ۔

عملی صہیونیت(Practical Zionism):

صہیونیت کا پہلا اجتماع روس میں 1882ء میں ہوااور اس وقت وہ لوگ ''حب صہیون'' کے نام سے جمع ہوئے۔ جس میں ایک جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جماعت نے اپنا یہ ہدف بنایا کہ یہودیوں کو دوبارہ یہودی وطن یعنی ملک اسرائیل (جو کنعان، ارض مقدس اور فلسطین پر مشتمل ہے) کی طرف ہجرت کرنے پر ابھارا جائے اور اپنی مذہبی زبان ''عبرانی'' کو زندہ کیا جائے۔ حالانکہ اسی دور میں فلسطین واپسی کا نظریہ ربیوں کی شوریٰ نے شدت سے مخالفت کرتے ہوے ردّ کیا۔ یہودی ربیوں نے فرینکفرٹ میں منعقد مجلس میں ایسی تمام دعائیں اپنی کتابوں سے حذف کر دیں جو صہیون واپسی اور یہودی ریاست کی بحالی سے متعلق تھیں۔[15]

[15] د. عبد الوهاب المسيري، موسوعة اليهود واليهودية و الصهيونية (المجلد السادس)، الجامعہ الاسکندریہ

سیاسی صہیونیت(Political Zionism):

سیاسی صہیونیت کا بانی اولاً ہرتزل نے عالمی صہیونی اجتماع 1897ء میں منعقد کیا اور اس میں اعتراف کیا کہ میں نے یہودی ریاست کے قیام کی بنیاد ڈال دی ہے۔ فلسطین پر ہرتزل کی توجہ صہیونی منشور جو اس نے خود تحریر کیا، اپنی کتاب دیر جود نستات (Der Judenstaat) یعنی یہودی ریاست(The Jewish State) کی اشاعت کے بعد مرکوز ہوئی۔ مفکر صہیونیت اپنی کتاب میں تحریر فرماہے کہ

''میرا ایمان ہے کہ ایک حیرت انگیز یہودی نسل وجود میں آئے گی۔ مکابیین پھر سے عروج حاصل کریں گے۔ میں اپنے الفاظ پھر سے دہراتا ہوں: وہ یہود جو ریاست کی آرزو کرتے ہیں، انہیں وہ ملے گی۔ آخر کار ہم اپنی زمین پر بسیں گے اور ہم امن سے اپنے گھروں میں فوت ہو سکیں گے۔ ہماری آزادی دنیا کی آزادی ہو گی، ہماری دولت دنیا کی دولت ہو گی، ہماری بڑائی سے ان کی عزت ہو گی۔ اور وہاں ہم اپنی فلاح کے لئے جو بھی کوشش کرنا چاہیں گے، انسانیت کے لئے سود مند، مقوی اور طاقت بخش ہو گا۔''[16]

مکابیین شفیلہ میں مودین کے ایک یہودی خاندان کا نام تھا۔ مکابیین نسل نے باری باری تحریک کی راہنمائی کی اور ان سب نے یہودی تاریخ کو نہایت گہرے انداز سے متاثر کیا۔ اسی تحریک کہ نتیجے میں یہودیوں کے بڑے بڑے لوگ اس ہدف کے لئے جمع ہوئے اور انہوں نے اپنے اہداف کے حصول کے لئے خفیہ طور پر کئی منصوبے شروع کئے، انہی منصوبوں میں ایک منصوبہ یہودی پروٹوکولز کا بھی ہے جس میں انہوں نے مقدّس کتابوں میں جو تحریفات کی تھیں انہیں مزید کئی تحریفات کے ساتھ جمع کر کے اپنی قوم کے لئے ایک اہم دستاویز بنا کر مرتب کر دیا۔

مصنوعی صہیونیت(Synthetic Zionism):

اس کا طرز عمل پہلے دو صہیونیت کے اقسام کے مرکب کی حمایت کرنا ہے۔

---

[16] تھیوڈور ہرتزل، 'یہودی ریاست' کے اختتامی الفاظ،1896ء

عمالی صہیونیت(Labour Zionism):

مختلف نظریاتی اختلافات کے ساتھ تحریک صہیونیت میں ایک اور فکر پیدا ہوتی ہے جس کا صہیونیت کے ساتھ کوئی ضروری واسطہ نہیں، بلکہ مستقبل کی یہودی ریاست کے کردار کے بارے ان یہودی گروہ کے لوگوں کا جامع عالمی نقطۂ نظر ہے۔ عملی اور سیاسی صہیونیت کے بر خلاف، عمالی صہیونیت کا مقصد ایک زراعت پسند یہودی نجی درمیانی طبقے کی اخلاقی مساوات کی بنیاد پر معاشرہ کا قیام تھا۔

تصحیحی صہیونیت(Correct Zionism):

تصحیحی صہیونیت کا مقصد یہودی قومیت کے رومانوی عناصر اور صہیونی قومی سوچ اور یہودی ریاست کی تشکیل میں ارض مقدسہ کے یہودی لوگوں کے تاریخی ورثے کے بنیادی جزو کے طور پر اہمیت اجاگر کرنا تھا۔[17]

انقلابی صہیونیت(Revolutionary Zionism):

انقلابی صہیونیت نے صہیونیت کو یہودی جلاوطنوں کو جمع کرنے، عبرانی زبان کو بطور گفتاری زبان، احیاء اور یہودی مملکت دوبارہ بحالی کے لئے انقلابی جدوجہد کی حیثیت سے دیکھا۔ انقلابی صہیونیوں پر اکثر تصحیحی صہیونیوں کے ساتھ مغالطہ ہو جایا کرتا ہے در حقیقت یہ دونوں اقسام کئی پہلوؤں میں نظریاتی طور پر مختلف ہیں۔ حالانکہ تصحیحی زیادہ تر سیکولر (غیر مذہب) قوم پرست تھے، جن کی توقع تھی کہ برطانوی مملکت میں ہی ایک یہودی ریاست دولت مشترکہ کے طور پر حاصل کرلی جائے، انقلابی صہیونیوں نے قومی مسیحیت کی ایک شکل کی توثیق کی جو ایک وسیع یہودی بادشاہت اور بیت المقدس میں ہیکل کی تعمیر کے متمنی تھے۔ انقلابی صہیونیت عام طور پر سامراج مخالف نظریات کو اختیار کرتا ہے اور اس کے پیروؤں میں دونوں دائیں اور بائیں بازو کے قوم پرست عناصر شامل ہیں۔

---

[17] د. عبد الوهاب المسيري، موسوعة اليهود واليهودية و الصهيونية (المجلد السادس)، الجامعہ الاسکندریہ

مذہبی صہیونیت(Religious Zionism):

مذہبی صہیونیت نے اپنی یہ رائے برقرار رکھیں کہ یہودی قومیت اور قیام ریاستِ اسرائیل، تورات کی رو سے مذہبی فرض ہے۔ ان کا نعرہ ہے "سرزمین اسرائیل، بنی اسرائیل کے لئے بمطابق شریعت اسرائیل"۔

ثقافتی صہیونیت(Cultural Zionism):

ثقافتی صہیونیت کی رائے تھی کہ کیا یہود کی قومی احیاء کی تکمیل کو اسرائیل میں ایک ثقافتی مرکز اور دیارِ غیر میں یہودی تعلیمی مرکز بنا کر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جس کے offer وہ بابر بار خلافتِ عثمانیہ کو دیتے رہے۔

اصلاحی صہیونیت(Reform Zionism):

اصلاحی صہیونیت، جسے ترقی یافتہ صہیونیت بھی کہا جاتا ہے، یہودیت کی اصلاح یا ترقی پسند شاخ کے صہیونی بازو کا نظریہ ہے۔ یہ تحریک امریکہ میں بہت زیادہ سرگرم ہے۔[18]

عصر حاضر میں صہیونی اصطلاحات اور نشانات

ہم جب بھی ان صہیونی دستاویزات کا مطالعہ کریں گے اس وقت کچھ اصطلاحات اور نشانات نظروں سے گذریں گی، صہیونیت کو سمجھنے کے لئے انہیں سمجھنا ضروری ہو گا۔

ا۔ ایجنٹر (AGENTUR) اور پولیٹیکل۔

صہیونی دستاویزات کے انگریزی ترجمے میں دو ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کے معنی غیر معروف ہیں۔ ایجنتر اور پولیٹیکل کے الفاظ دراصل اسم ذات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ ایجنٹر غالباً اصل مسودہ سے لیا گیا ہے اور اس سے مراد گماشتوں کی وہ پوری تنظیم ہے جو صہیونی دانا بزرگوں کے لئے کام کرتی ہے خواہ وہ اس گروہ کی

[18] د. عبد الوهاب المسيري، موسوعة اليهود واليهودية و الصهيونية (المجلد السادس)، الجامعہ الاسکندریہ

رکن ہوں یا اس کے سربراہ ہوں۔ پولیٹیکل کے معنی مسٹر مارسڈن (صہیونی دستاویز کے انگریزی مترجم) کے خیال میں سیاسی ادارہ نہیں بلکہ سیاست کی پوری مشینری ہے۔

۲۔ سانپ۔ صہیونیت کا علامتی نشان۔

تیسری دستاویز صہیونیت کے علامتی نشان کے حوالے سے شروع ہوتی ہے۔ نائلس نے ان دستاویزات کی 1905ء کی اشاعت کی آخری صفحات میں اس علامتی نشان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

''صہیونیت کے خفیہ تاریخی شواہد کے مطابق حضرت سلیمان اور دوسرے یہودی بزرگوں نے ۹۲۹ قبل مسیح میں ہی تسخیر عالم کا ایک تصوراتی خاکہ مرتب کر لیا تھا۔ جوں جوں تاریخ کے اوراق پلٹتے گئے، اس منصوبے کی جزئیات واضح ہوتی گئیں اور آئندہ آنے والی نسلوں میں سے ان لوگوں نے جنہیں، ان رازوں میں شریک کیا گیا تھا اس منصوبے کے خدوخال واضح کر کے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ان داناؤں نے سانپ کی روایتی عیاری اور مکاری کے ساتھ پرامن ذرائع استعمال کرتے ہوئے ساری دنیا پر صہیونی تسلط کا منصوبہ بنایا۔ اس روایتی سانپ کا سر وہ افراد ہیں جو صہیونی تنظیم کے باقاعدہ رکن ہیں اور اس کا جسم پوری یہودی قوم ہے۔ اس تنظیم کو ہمیشہ سے خفیہ رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ عام یہودیوں کو بھی اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جاتی۔ جب یہ سانپ کسی قوم کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس ملک کی تمام غیر یہودی قوتوں کو اپنی گرفت میں لے کر نگل جاتا ہے۔ پیش گوئی یہ ہے کہ سانپ اس منصوبے کی جزئیات کے عین مطابق اپنا کام اس وقت تک جاری رکھے گا جب تک اس کا سر اس کی دم سے نہ مل جائے''۔

اس طرح تمام ممکنہ ذرائع استعمال کرتے ہوئے، سانپ پورے یوروپ کے گرد اپنا حلقہ مکمل کرے گا اور اس طرح پورے یوروپ کو پابہ زنجیر کرنے کے بعد یوروپ کے توسط سے ساری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرے گا۔ ساری دنیا پر معاشی تسلط قائم کرنے کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائے گا۔

سانپ کے سر کی صہیونیوں کو واپسی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ معاشی بحران پیدا کئے جائیں، بڑے پیمانے پر تباہ کاری کی جائے اور اس کے لئے مذہب بیزاری اور اخلاقی بدکرداری کی فضا قائم کی جائے۔ اس کام کے لئے خصوصیت سے یہودی عورتیں استعمال کی جائیں گی جو فرانسیسی اور اطالوی لڑکیوں کے روپ میں یہ کام کریں

گی۔ یہ لڑکیاں ان ممالک کے اعلیٰ طبقوں میں بے لگام شہوت پرستی کی ہمت افزائی کر کے قابل تقلید مثالیں قائم کریں گی۔

اس سانپ کے راستے کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

پہلا مرحلہ: یوروپ میں ۴۲۹ قبل مسیح کا یونان جہاں پریکلس کے زمانے میں سانپ نے سا ملک کی طاقت کو ہڑپ کرنا شروع کیا۔

دوسرا مرحلہ: آگسٹس کے زمانے میں رومی سلطنت ۶۹ قبل مسیح۔

تیسرا مرحلہ: چارلس پنجم ے زمانے کا میڈرڈ 1552ء۔

چوتھا مرحلہ: پیرس 1790ء لوئی شش دہم کا زمانہ۔ پانچواں مرحلہ: لندن 1841ء ے بعد کا زمانہ۔ (نپولین کی شکست کے بعد)۔

چھٹا مرحلہ: برلن 1871ء فرانس اور پریشیا سے جنگ کے بعد کا زمانہ۔

ساتواں مرحلہ: سینٹ پیٹرزبرگ جس کے اوپر سانپ کا منہ بنا ہوا ہے اور اس پر 1881ء کی تاریخ درج ہے۔

یہ تمام ممالک جن سے یہ سانپ گزرا ان ممالک کے دساتیر کی بنیادیں ہلاتا چلا گیا۔ جرمنی بھی باوجود اپنی عظیم الشان طاقت کے اس سے مستثنیٰ نہیں رہ سکا۔ حالانکہ انگلستان اور جرمنی بدحالی کا شکار نہیں ہوئے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ سانپ کا روس پر تسلط ہونے کے بعد کیا ہوتا ہے جس پر اس کی اس وقت 1905ء تمام توانائیاں مرکوز ہیں۔ سانپ کا اگلا راستہ نہیں دکھایا گیا ہے لیکن تیر کے نشانوں سے اس کا رخ ماسکو، کیف اور اوڈیسہ کی طرف معلوم ہوتا ہے یہ بت سب کو معلوم ہے کہ مذکورہ شہر بنیاد پرست یہودیوں کے گڑھ ہیں۔

۳۔ گویم(GOYIM)/ گولم(غلام)Golems کی اصطلاح

گویم کی اصطلاح جس کی معنی غیر یہودی کے ہیں دستاویزوں میں عام طور پر استعمال کی گئی ہے اور مسٹر مارسڈن نے اپنے ترجمے میں اسے جوں کا توں استعمال کیا ہے۔ اردو ترجمے میں گویم کے لئے غیر یہودی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یہودیوں میں دو طبقے ہیں ایک بنی داؤد اور بنی اسحاق جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں اور دوسرے وہ یہودی جو نسلی اعتبار سے 'بنی اسرائیل' نہیں ہیں۔ یہودی Hirarchy میں یہ دوسرا گروہ کم تر درجے کا حامل ہے۔ اب ان بنی اسرائیل کے علاوہ دنیا میں جتنی انسانی نسلیں آباد ہیں وہ ان کے نزدیک عملاً غلام Golem ہیں جنہیں یہودی Gollum بھی کہتے ہیں۔ ہٹلر کے ذریعے یا 11، ستمبر 2001ء کو جن یہودیوں کا قتل عام ہوا وہ سب 'ادنیٰ درجے کے یہودی' تھے جنہیں ایک 'عظیم مقصد' یعنی قیام اسرائیل کی راہ ہموار کرنے کے لئے گولم (غلام) کی طرح قربان کر دیا گیا۔

بین الاقوامی صہیونی تنظیم "فری میسن" (International Zionism & Free Mason Org)

فری میسن ایک بین الاقوامی صہیونی یہودی تنظیم ہے۔ ہر ملک میں اس کے مراکز ہیں۔ جو لاج کہلاتے ہیں۔ اس کی رکنیت کے کئی مدارج ہیں جو ڈگری کہلاتے ہیں۔ ہر ڈگری کی رکنیت کے لئے کچھ شرائط ہیں اور ہر ڈگری کا رکن صرف اپنے برابر کی ڈگری والوں سے ربط ضبط رکھ سکتا ہے۔ اس درجہ بندی پر اس قدر سختی سے عمل کیا جاتا ہے کہ ایک ڈگری کا رکن دوسری ڈگری کے رکن کے مقاصد اور خفیہ منصوبوں سے کسی طرح آگاہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اونچے درجے کے اراکین کے مقاصد دوسرے اراکین سے، خواہ ان کی پوری زندگی فری میسن تنظیم کے رکن کی حیثیت میں گزری ہو انتہائی خفیہ اور رازداری میں رکھے جاتے ہیں۔ اس تنظیم کا طریقہ کار اتنا خفیہ ہے کہ اس کے بارے میں معلوم کر لینا تقریباً ناممکن ہے۔ لاجوں کی روئدادیں غیر معمولی طور پر خفیہ اور انتہائی رازداری میں رکھی جاتی ہیں اور ان کے ارکین کے علاوہ کسی اور کو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جاتی۔

بہت چھان بین کرنے کے بعد مختلف ذرائع سے جو معلومات حاصل کر کے یکجا کی جا سکی ہیں ان کے مطابق لاج کے اراکین ایک دوسرے سے خفیہ کوڈ میں بات چیت کرتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو اپنے خفیہ اشاروں اور

الفاظ کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ اپنی برادری کے اراکین کے دروازوں پر دقل باب کرنے کا بھی ان کا ایک مخصوص انداز ہے اور یہ دنیا کے کسی حصے میں بھی چلے جائیں ایک دوسرے کو بہ آسانی شناخت کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی فری میسن بیرون ملک سفر کرے تو اسے اپنے آدمی پہچاننے کے لئے کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سوشل اجتماعات جلسوں یا تقریبات میں، مختلف ملکوں میں بھی یہ لوگ ایک دوسرے کو بغیر کسی دشواری اور بغیر کوئی لفظ منہ سے نکالے صرف اپنے ہاتھ یا جسم کے خفیہ اشاروں کی زبان سے پہچان جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا ایک عام اشارہ مثلث کا نشان ہے جسے آنکھ کہا جاتا ہے۔ اگر کسی اجنبی ماحول میں، کوئی فری میسن یہ معلوم کرنا چاہے کہ وہاں اس کی برادری کے اور کتنے افراد وہاں موج ہیں تو وہ صرف اپنے کوٹ یا واسکٹ کے بٹنوں کے درمیان رکھ کر ایک طرف اپنی انگلیوں سے ثلث بنائے اور دوسری طرف اپنے کوٹ کے دامن پر ایسا ہی مثلث بنائے تو برادری کے تمام اراکین جو اس جگہ موجود ہوں گے اسے فوراً شناخت کر لیں گے اور انہیں کوئی لفظ منہ سے نکالنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

فری میسن عام طور پر ملک کے افسران کو اپنا رکن بناتے ہیں یا غیر ملکی بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکان اور عہدیداروں کو۔ رکن بننے کے لئے کسی خاص رنگ، مذہب، نسل یا قومیت کی قید نہیں ہے بلکہ اس ملک کے شہریوں کو رکن بنانے کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور اس کے بعد منصوبے کے مطابق انہیں اپنے ڈھب پر لایا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ انہیں یہ پتا بھی نہیں چلتا کہ انہیں کس مقصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ برادری کے اراکین کی درمیان زبردست جذبہ محبت اور ہمدردی پیدا کر دیا جاتا ہے۔ محض لاج کی رکنیت کسی سرکاری افسر کے لئے اس کا حقدار بنا دیتی ہے کہ اسے دوسرے افسران کی مقابلے میں جلدی ترقی ملے۔ یہ عین ممکن ہے کہ لاج کے اراکین میں صرف ایک آدھ صہیونی یہودی ہو یا ممکن ہے کہ اس میں ایک بھی یہودی نہ ہو لیکن اس کی تنظیم اس طرز پر کی گئی ہے کہ یہ بالآخر عالمی صہیونیت کے مقاصد کی خدمت کرتی ہیں۔ یہودیوں کی اس تنظیم کا اصل مقصد مختلف ممالک میں سازش اور جاسوسی کرانا ہے۔ اور مشہور یہ کیا جاتا ہے کہ یہ سماجی اور تفریحی کلب ہیں اور اس کے ممبر آپس میں ایک دوسرے کی بے انتہاء مدد اور خیال کرتے ہیں۔ اور یہ بات کسی کے اس تنظیم کا ممبر بننے کے لئے اپنے اندر بہت بڑی کشش رکھتی ہے۔

مشرق وسطیٰ کی تقسیم میں "ٹی ای لارنس" لارنس آف عریبیہ کا کردار

تھامس ایڈورڈ لارنس (صہیونی) کا شمار 20ویں صدی کی ایسی شخصیات میں ہوتا ہے جنہیں بعد از موت ایک افسانوی کردار جیسی شہرت ملی اور دنیا انہیں 'لارنس آف عریبیہ' کے نام سے جانتی ہے۔ اپنی فوجی مہمات سے برطانیہ میں ممتاز مقام حاصل کرنے والے ٹی ای لارنس کے بارے میں مصنف ڈیوڈ مرفی نے اپنی کتاب 'لارنس آف عریبیہ' میں لکھا ہے کہ انہوں نے باقاعدہ فوجی تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ البتہ پہلی عالمی جنگ میں ان کی مہمات نے دور رس اثرات مرتب کیے اور اس غیر تربیت یافتہ فوجی نے جدید مشرقِ وسطیٰ کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ٹی ای لارنس کے تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ان کی ابتدائی زندگی سے اس بات کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کوئی کامیاب عسکری تدبیر کار (اسٹر ٹیجسٹ) یا مہم جو بن سکتے ہیں۔ البتہ اس کے ابتدائی رجحان سے لگتا تھا کہ وہ ایک آرکیالوجسٹ یا ماہرِ آثار قدیمہ ضرور بنے گے۔ خود لارنس کو بھی تصنیف اور طباعت کے کام میں زیادہ دلچسپی تھی۔ دورِ طالبِ علمی میں لارنس کی تاریخ سے دلچسپی کی وجہ ہی سے وہ ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت منظم کرنے میں ایک اہم کردار ثابت ہوئے۔ تھامس ایڈورڈ لارنس 16 اگست 1888 کو برطانیہ کے علاقے شمالی ویلز میں پیدا ہوا۔ اس کے والد سر تھامس چیپمین آئرلینڈ کے ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جب کہ والدہ سارا لارنس تھامس چیپمین کے بچوں کی آیا تھیں۔ آج مشرقِ وسطیٰ کا جو نقشہ ہم دیکھتے ہیں تو اس پر کئی ممالک نظر آتے ہیں۔ عراق، شام، اُردن اور سعودی عرب سمیت دیگر ملکوں میں تقسیم یہ خطہ ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران اتحادی قوتوں نے اپنے مدِ مقابل سلطنتِ عثمانیہ اور جرمنی کو پسپا کرنے کے لیے جو فیصلے کیے وہ اس خطے میں نقشوں پر نئے ممالک کی شکل میں سامنے آئے۔[19] مؤرخین کے نزدیک برطانیہ کے سابق وزیرِ اعظم اور پہلی عالمی جنگ کے بعد ایک سیاسی مدبر کے طور پر سامنے آنے والے ونسٹن چرچل، اس وقت کے برطانوی وزیرِ اعظم ہربریٹ اسکوئتھ اور ان کی کابینہ میں شامل خزانے کے چانسلر ڈیوڈ لائیڈ اور وزیرِ جنگ لارڈ کچنر نے جدید مشرقِ وسطیٰ

[19] David Murphy, Lawrence of Arabia, Bloomsbury Publishing, P. 5,6

کی صورت گری کی۔ لیکن ان تاریخی تبدیلیوں کے اہم کردار کے طور پر سب سے زیادہ شہرت ٹی ای لارنس کو حاصل ہوئی۔ وہ ایک صہیونی تھا، جس نے عثمانی سلطنت کی تقسیم میں بہت اہم کردار ادا کیا۔[20]



[20] BENJAMIN WEINTHAL, The National Review, May 21, 2015, 'Lawrence of Arabia' Was a Zionist https://www.fdd.org/analysis/2015/05/21/lawrence-of-arabia-was-a-zionist/

دوسری جانب عظیم سلطنت عثمانیہ نااہل بادشاہوں کی غلط طرز حکمرانی کی بھینٹ چڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ وزیروں مشیروں کے غلط مشورے، محلاتی سازشیں، اقتدار کی ہوس، یہ وہ عوامل واسباب تھے جس کے باعث سلطنت عثمانیہ دن بدن کمزور ہوتی چلی جارہی تھی۔

لارنس نے 1896 میں سٹی آف اوکسفرڈ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور 1907 تک تعلیم مکمل کی۔ بچپن میں وہ سب سے الگ تھلگ رہنے والا لڑکا تھا۔ لیکن اس میں بلا کا تحمل تھا۔ دورِ نوجوانی میں لارنس نے کبھی فوجی کریئر کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اسے تاریخی مقامات میں بہت دلچسپی تھی۔ 1906 سے 1907 کے دوران لارنس نے فرانس میں قلعوں کی طرزِ تعمیر کا مطالعہ کیا اور بعد ازاں اوکسفرڈ یونیورسٹی میں بھی اس نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ 1908 میں لارنس نے شام میں صلیبی دور کے قلعوں کا مطالعاتی دورہ بھی کیا۔

برطانیہ کی نظریں سلطنت عثمانیہ کے زیر نگیں علاقوں پر مرکوز تھیں۔ برطانیہ سائنس و ٹیکنالوجی پر بھرپور توجہ و سرمایہ کاری کررہا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو جدید ترین بحری جنگی جہازوں اور اسلحے سے لیس کرنا شروع کردیا تھا۔ ترک جدید اسلحہ سازی اور دیگر سائنسی ایجادات میں برطانیہ سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اتنی بڑی سلطنت میں انٹیلی جنس کا محکمہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ بادشاہ تک درست معلومات اس وقت پر پہنچتی تھی جب پانی سر کے اوپر سے گزر چکا ہوتا۔ بیسوی صدی کے دور میں یورپ بھر میں صنعتی انقلاب برپا تھا، یورپی ممالک آپس میں الجھتے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اس چپقلش حسد کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوگیا۔ روس، فرانس، امریکہ، برطانیہ، اٹلی اتحاد ایک جانب تو دوسری طرف آسٹریا، ہنگری، جرمنی اور سلطنت عثمانیہ اتحاد ان کے مدمقابل کھڑا تھا۔ پہلی جنگ عظیم 1914 میں شروع ہوئی، یہ جنگ چار برس تک جاری رہی، لاکھوں لوگ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، کروڑوں لوگ اس جنگ سے متاثر ہوئے۔ بالآخر یہ جنگ 1918 کو جرمنی سلطنت عثمانیہ اتحاد کی شکست پر اختتام پذیر ہوئی۔ برطانیہ نے سلطنت عثمانیہ کے زیر نگیں علاقوں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ پہلے ہی شروع کردیا تھا۔ ابتدا میں اسے کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ملی۔ تاج برطانیہ کی فوج کے انتہائی چالاک افسر لیفٹیننٹ کرنل تھامس ایڈواڈ لارنس کو ایک ناممکن مشن کی تکمیل کے سلسلے میں عرب علاقوں میں بھیجا گیا۔ لارنس وہ واحد شخص تھا جس نے اپنی شاطرانہ چالوں سے عربوں کے دلوں میں ترکوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکادی۔

لارنس آف عربیہ کا سیکڑوں میل کا سفر

لارنس نے شام اور فلسطین کے علاقوں میں 1770 کلو میٹر کا سفر کیا جو اس دور میں ایک بڑا خطرہ مول لینے کے مترادف تھا۔ اس سفر میں لارنس کو ایک مرتبہ گولی بھی لگی اور اس کی موت کی خبر بھی حلب کے اخباروں میں شائع ہوئی تھی۔ اس سفر کے دوران کی گئی تحقیق کی بنیاد پر لارنس نے صلیبی جنگوں کے یورپی فوجی تعمیرات پر اثرات کے موضوع پر بی اے کا مقالہ لکھا۔ 1910 میں لارنس نے اوکسفرڈ سے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد لارنس نے دوبارہ مشرقِ وسطیٰ کا سفر کیا اور موجودہ لبنان میں شامل شہر 'جبیل' میں عربی زبان سیکھی۔ اپنے اس تعلیمی سفر کی وجہ سے مشرقِ وسطیٰ لارنس کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا اور پھر نومبر 1910 میں اسے شام میں 'کار کمیش' کے قدیم آثار کی کھدائی کی ملازمت مل گئی۔ اسی سلسلے میں لارنس نے 1911 میں شام کا سفر کیا اور اگلے چار برس تک مشرقِ وسطیٰ میں آثار قدیمہ پر کام کیا۔ اس پورے عرصے میں لارنس مسلسل ان علاقوں میں کام کرتا رہا جو سلطنتِ عثمانیہ کی حدود میں شامل تھے۔ کار کمیش میں کام کرتے ہوئے لارنس نے آرکیالوجی اور عربی میں اپنی مہارت بڑھائی۔ یہاں کام کے دوران لارنس کو عرب روایات کے بارے میں گہری معلومات حاصل ہوئیں اور اگلے ہی برس اس نے موجودہ عراق میں شامل علاقوں کا سفر بھی کیا۔ مؤرخین کے مطابق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ لارنس نے اسی دوران برطانیہ کے لیے جاسوسی شروع کر دی تھی۔ اس تاثر کے لیے یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ لارنس نے شام میں کار کمیش کے علاقے سے گزرنے والی برلن تا بغداد ریلوے لائن کی تفصیلات جمع کرنا شروع کر دی تھیں جسے جرمن انجینئرز نے تعمیر کیا تھا۔

لارنس نے 1911ء میں بصرہ کے ایک ہوٹل میں اپنا خفیہ ادارہ قائم کیا، وہ مسلسل اہم معلومات راز برطانیہ منتقل کرتا۔ لارنس عربی زبان بولنے میں بھی مہارت رکھتا تھا، اس نے اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی غرض سے ڈرامہ کیا، وہ بصرہ کی مسجد میں گیا اور قبول اسلام کا جعلی اعلان کر دیا۔ اب وہ عربوں میں ایک نیک شخصیت کے طور پر مشہور ہو گیا۔ لارنس نے عربوں میں غدار سرداروں اور دیگر باغی لوگوں کو تلاش کر کے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جو ساتھ شامل نہیں ہونا چاہتے تھے ان کو قوم پرستی کے جذبات میں الجھا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

جاسوسی کا آغاز

تاہم لارنس آف عریبیہ نے باقاعدہ طور پر 1914 میں ملٹری انٹیلی جنس کے لیے کام کا آغاز کیا۔ انہیں کالج کے ایک ساتھی لیونارڈ وولی نے جزیرہ نما سینائی میں ہونے والے ایک سروے میں شریک ہونے کی دعوت ارسال کی تھی۔ اسکاٹ اینڈریسن کی کتاب 'لارنس اِن عریبیہ'[21] میں اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ بظاہر اس سروے کا مقصد قدیم آثار کا کھوج لگانا تھا۔ جب کہ دراصل برطانیہ کے ڈائریکٹر ملٹری آپریشن کی ہدایت پر سینائی کے علاقے سے سوئز کی جانب عثمانی افواج کے حملے کے امکانات اور برطانوی فوج کو پیش آنے والی ممکنہ مشکلات کا جائزہ لینے کے لیے یہ سروے کرایا جارہا تھا۔ لارنس اور اس کا دوست وولی سویلین کے طور پر اس سروے میں شریک ہوئے اور اسی دوران لارنس کی ملاقاتیں کئی انٹیلی جنس افسران سے ہوئیں۔ سن 1914 میں جب عالمی جنگ کا آغاز ہوا تو لارنس نے برطانیہ کے جنرل اسٹاف انٹیلی جنس کے جیوگرافکل سیکشن میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی۔ لارنس نے سویلین کی حیثیت سے کام کا آغاز کیا۔ تاہم 26 اکتوبر 1914 کو انہیں باقاعدہ فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ بنادیا گیا۔ یہ تقرری ایسے افسران کی 'اسپیشل لسٹ' کے تحت ہوئی جو باقاعدہ فوجی تربیت کے بغیر کسی خاص مشن کے لیے بھرتی کیے جاتے ہیں۔ کچھ ہی دنوں بعد پہلی عالمی جنگ کا آغاز ہوگیا۔ جس میں اس وقت کی بڑی عالمی قوتوں کے دو بڑے گروہ آمنے سامنے تھے۔ مرکزی طاقتوں کے گروہ میں جرمنی کے ساتھ سلطنتِ عثمانیہ، ہنگری اور آسٹریا شامل تھے جب کہ برطانیہ، فرانس اور روس اتحادی گروپ کی سرکردہ قوتیں تھیں۔ اسی دوران دسمبر 1914 میں لارنس قاہرہ میں انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ میں شامل ہوگئے۔

ڈیوڈ مرفی کے مطابق لارنس اس علاقے میں آثار قدیمہ کی کھدائی کے کام کا تجربہ رکھتے تھے لیکن کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ ان کی مقامی زبان، قبائل اور جغرافیے سے واقفیت خطے کے مستقبل سے متعلق انتہائی اہم مہمات میں کام آنے والی تھی۔ انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ میں لارنس کو عثمانی فوجی اور سیاسی قائدین سے متعلق معلومات جمع کرنے کی ذمے داری دی گئی۔ موصول ہونے والی معلومات کی بنیاد پر لارنس ان کے تفصیلی شخصی خاکے لکھے جن میں انسانی نفسیات سے متعلق ان کی گہری معلومات اور تجزیے کی صلاحیت جھلکتی تھی۔ اس دوران سوئز کینال پر ترکوں کا حملہ ناکام ہونے کے بعد قاہرہ میں ترک جنگی قیدیوں کی بڑی تعداد لائی گئی اور لارنس کو ان قیدیوں سے انٹرویو کرنے

[21] Scot Anderson, Lawrence in Arabia,

کی ذمے داری دی گئی۔ لارنس چوں کہ پہلے ہی سلطنتِ عثمانیہ میں شامل فلسطین اور شام کے علاقوں کے بارے میں وسیع معلومات رکھتا تھا۔ اس لیے ترکی کے فوجیوں سے بہت جلد بے تکلف ہو کر ان سے فوج کے متعلق بہت سے باتیں معلوم کر لیا کرتا تھا۔ قیدیوں سے ہونے والی گفتگو سے لارنس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ترک فوج میں شامل عربوں کو تنخواہوں، طبی سہولتوں اور ترک فوجی افسران کی ناقص کارکردگی اور ان پر بڑھتے جرمنی کے اثر ورسوخ سے متعلق شکایات پیدا ہو گئی ہیں۔ مختلف مبصرین کا کہنا ہے کہ لارنس ان معلومات کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ عثمانی افواج میں شامل عربوں کو بغاوت پر آسانی سے اکسایا جا سکتا ہے۔ جنگ کے دوران ہی 1915 کے وسط میں لارنس کے دو بھائی ول اور فرینگ فرانس میں ایک کارروائی میں مارے گئے۔ اس سے لارنس کو مغربی محاذ پر جنگ کی شدت کا احساس ہوا۔ مصر اس وقت مشرقِ وسطیٰ میں فوجی کارروائیوں کا محور تھا۔ لارنس کو اپنے مشاہدے کی بنیاد پر اندازہ ہو چکا تھا کہ مشرقی محاذ پر جرمنی کو روکنے کے لیے اس کے اتحادی ترکی کو کمزور کرنا ہو گا۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کے مطابق 1916ء میں لارنس برطانوی سفارت کار سر رونلڈ اسٹورس کے ساتھ ایک مشن پر عرب گیا، جہاں ان کی ملاقات شریفِ مکہ حسین بن علی سے ہوئی۔ سلطنتِ عثمانیہ میں حجاز پر، جہاں مسلمانوں کے دو مقدس ترین شہر مکہ اور مدینہ ہیں، نبی کریم ﷺ کے قبیلے بنو ہاشم سے تعلق رکھنے والے خاندان کا حکمران بنایا جاتا تھا اور یہ 'شریفِ مکہ' کہلاتے تھے۔

شریفِ مکہ کی سلطنتِ عثمانیہ سے بغاوت

ترکی میں نوجوانانِ ترک کے نام سے شہرت پانے والا اصلاح پسند جماعتوں کا اتحاد قدم جما چکا تھا اور ان کی جانب سے نظامِ سلطنت میں کئی تبدیلیوں کا مطالبہ بھی کیا جا رہا تھا۔ اسی لیے شریفِ مکہ کو اپنی معزولی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر شریفِ مکہ حسین بن علی نے جون 1915 میں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت شروع کر دی تھی۔ جس کے لیے ایک اندازے کے مطابق مختلف عرب قبائل سے تعلق رکھنے والے 30 ہزار افراد کی فوج تیار کی گئی تھی۔ اس فوج کو شریفِ مکہ کے بیٹے علی، عبداللہ، فیصل اور زید کمانڈ کر رہے تھے۔ اس بغاوت میں حصہ لینے والوں کا تعلق جزیرہ نما عرب کے مغربی کنارے پر بسنے والے قبائل سے تھا۔ اسٹارس اور لارنس نے حسین کے بیٹے عبداللہ سے مشاورت کی اور لارنس کو مزید بات چیت کے لیے شریفِ مکہ کے دوسرے بیٹے فیصل سے تبادلۂ خیال کی اجازت دے دی گئی۔ فیصل مدینہ کے جنوب مغرب میں عرب فوجوں کی قیادت کر رہے تھے۔ اسی برس نومبر میں واپس

قاہرہ آکر لارنس نے اپنے اعلیٰ افسران پر عربوں کی بغاوت کے لیے اسلحہ اور مالی وسائل فراہم کرنے کے لیے زور دیا۔ اس دوران برطانیہ سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف عربوں کی بغاوت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس لیے لارنس کو شریفِ مکہ کے بیٹے فیصل کی زیرِ قیادت فوج میں بطور رابطہ کار افسر شامل کرا دیا گیا۔

لارنس کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ ترک کسی زمانے میں عربوں کے غلام تھے لہٰذا عربوں کو اپنے غلاموں کے ماتحت کام ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ وہ عربوں کو گارنٹی دیتا تھا کہ ترکوں کے خلاف بغاوت کرو تاکہ تم لوگ اپنے اپنے عرب علاقوں کے اکیلے حکمران بن جاؤ۔ اقتدار کا لالچ دے کر اس نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ سلطنت عثمانیہ تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی، سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ارطغرل غازی کے بیٹے عثمان نے 1517 میں رکھی تھی، بعد ازاں آنے والے بادشاہوں نے اس سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ اس کا رقبہ مشرقی یورپ شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ تک پھیل گیا۔

گوریلا جنگ

ڈیوڈ مرفی کے مطابق لارنس کو اس کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف کھڑی ہونے والی عرب بغاوت میں خاصا رسوخ حاصل ہو گیا۔ بلکہ لارنس نے خود یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس تحریک کے دماغ بن گیا۔ اس کے لیے دوسرا اہم ہدف ترکوں کے خلاف گوریلا کارروائیاں منظم کرنا تھا جس میں خاص طور پر سامان رسد کی ترسیل میں خلل ڈالنے کے لیے پل اور پٹریاں تباہ کرنے کی کارروائیاں کی گئیں۔ ان کارروائیوں سے دمشق سے مدینہ تک ریل کی آمد و رفت کو محال کر دیا گیا جس سے ترکوں کی رسد کے ساتھ ساتھ مزید فوجی کمک کا راستہ روک دیا گیا۔ اس کی وجہ سے وہ عرب باغیوں کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے۔ مرفی لکھتے ہیں کہ ریل کی پٹریاں اور پل تباہ کرنے میں لارنس نے اس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ اسے پسند کرنے والے بعض بدوؤں نے اسے 'امیر ڈائنامائٹ' کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کارروائیوں میں اپنی مہارت اور دلیری سے قائل کرنے کے بعد لارنس نے عرب شیوخ سے ترکوں کی شکست کے بعد حاصل ہونے والے مال اور برطانیہ کی جانب سے سونے کے سکے دلانے کے وعدے کیے۔ ساتھ ہی عربوں کو مکمل آزادی دلانے کے عہد و پیمان بھی باندھے۔ بحیرۂ احمر کے شمالی کنارے میں عقبہ پر عرب گوریلا جنگجوؤں کو پہلی بڑی کامیابی ملی اور دو ماہ کی کوششوں کے بعد عرب جنگجوؤں نے جولائی 1917 میں اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد

لارنس نے برطانوی جنرل سر ایڈمنڈ ایلنبائی کی سربراہی میں یروشلم کی جانب پیش قدمی سے عرب تحریک کو جوڑنے کی کوشش کی لیکن اس میں زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

لارنس آف عریبیہ کے صہیونی ہونے کی تصدیق

لارنس نے فلسطین کی تقسیم کی پیشین گوئی 1909ء ہی میں کر دی تھی۔ 1909ء کے اوائل میں، لارنس نے اس وقت کے غیر متعینہ فلسطین کے بارے میں لکھا:

"The sooner the Jews farm it the better: their colonies are bright spots in a desert[22]".

"یہودی جتنی جلدی کھیتی باڑی کریں گے اتنا ہی بہتر ہے: ان کی کالونیاں صحرا میں روشن مقامات ہیں۔"

اس سلسلے میں لارنس کی وکالت پہلی جنگ عظیم کے بعد کی ان کانفرنسوں تک پھیلی، جنہوں نے مشرق وسطیٰ میں قومی ریاستوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

اسرائیل کے قیام کے بعد اس کے پہلے صدر (Chaim Weizmann) کے بقول لارنس کا مقصد

Lawrence's goal, was to secure "the lines of Arab and Zionist policy converging in the not distant future[23]".

"عرب اور صہیونی پالیسی کے خطوط کو مستقبل میں ایک دوسرے کے ساتھ ملانا" تھا۔

لارنس نے 1920 کے ایک مضمون جس کا عنوان تھا "بدلتا ہوا مشرق،" میں اسرائیل سے یہودیوں کے بائبلی تعلق کے بارے میں لکھا۔

---

[22] Nur Masalha, The Zionist Bible Biblical Precedent, Colonialism and the Erasure of Memory, Taylor & Francis, P.61

[23] D. Edward Knox, (The Making of a New Eastern Question British Palestine Policy and the Origins of Israel, 1917-1925), Catholic University of America Press, the University of Michigan, USA, P. 77

"The Jewish experiment" to create a homeland was "a conscious effort, on the part of the least European people in Europe, to make head against the drift of the ages, and return once more to the Orient from which they came". [24]

ایک وطن بنانے کا "یہودی تجربہ" "یورپ کے کم سے کم یورپی لوگوں (یہود) کی طرف سے، زمانوں کے بہاؤ کے خلاف سر اٹھانے کے لیے، اور ایک بار پھر اُس مشرق کی طرف لوٹنے کی ایک شعوری کوشش تھی جہاں سے وہ (یہودی) آئے تھے۔"

واضح رہے کہ 2017ء میں ایک اسرائیلی اخبار " دی یروشلم پوسٹ "کی رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں لارنس آف عریبیہ سے منسوب جوتوں کی نیلامی چار ہزار ڈالرز میں کی گئی، ان جوتوں کے بارے میں کچھ لوگ شک میں مبتلاء تھے لیکن اسرائیل کے سابقہ سفیر "جیکب روزن" نے تصدیق کی کہ یہ واقعی ہی لارنس آف عریبیہ ہی کے جوتے ہیں۔ اس رپورٹ کے یہودی مصنف "بنجامین وینتھال" نے اس کے صہیونی ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

The British officer – a pan-Arabist nationalist and a Zionist – played a key role in the Arab revolt against the Ottoman Empire's army in the Middle East war theater. [25]

کہ لارنس آف عریبیہ ایک عرب نیشنلسٹ اور صہیونی تھا جس نے مشرق وسطیٰ میں عثمانی سلطنت کی افواج کے خلاف عربوں کی بغاوت میں اہم ترین کردار ادا کیا۔

لارنس کے مشوروں اور چالوں میں آکر عربوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت برپا کر دی اور یوں بادشاہت کے خواب دیکھنے والے عرب لوگ تاج برطانیہ کے غلام بن گئے۔ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا، لارنس اپنا مشن مکمل

[24] BENJAMIN WEINTHAL, The Jerusalem Post, DECEMBER 18, 2017
https://www.jpost.com/diaspora/lawrence-of-arabias-century-old-sandals-to-be-auctioned-for-over-4000-518427
[25] BENJAMIN WEINTHAL, The Jerusalem Post, DECEMBER 18, 2017

کر کے برطانیہ واپس چلا گیا۔ وہ لارنس آف عربیہ کے نام سے مشہور ہوا، 1935ء میں ایک ٹریفک حادثے میں لارنس کی موت ہوئی، اسے خراج تحسین پیش کرنے کی غرض سے متعدد فلمیں ڈرامے اس کی زندگی پر بنائے گئے۔

صہیونیت کے حقیقی مقاصد و عزائم (The true aims and ambitions)

اگست 1897ء باسل (basle) کے مقام پر جو پہلی صہیونی کانگریس ہوئی وہ صہیونیت کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے' اس میں مندرجہ ذیل مقاصد و عزائم طے کئے گئے۔

-1 فلسطین میں یہودی کسانوں' مزدوروں اور کاریگروں کی آبادکاری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

-2 مقامی قوانین اور حالات کے تحت تمام ملکوں میں یہودیوں کی تنظیمیں قائم کی جائیں جو ایک عالمی تنظیم کے تحت ہوں گی۔

-3 یہودیوں میں نسلی تفاخر کا احساس اور شعور بیدار کیا جائے۔

-4 ان مقاصد کے حصول کے لئے سرکاری منظوری حاصل کرنے کے سلسلے میں ابتدائی اقدامات کئے جائیں۔

اس کے بعد 28 ویں صہیونی کانگریس نے 1968ء میں یروشلم میں ہونے والے اجلاس میں "یروشلم پروگرام" کے پانچ نکات کو صہیونیت کے مقاصد کے طور پر اپنایا وہ یہ ہیں:

1۔ یہودی عوام میں اتحاد اور یہودی زندگی میں اسرائیل کا مرکزیت۔

2۔ تمام ممالک سے تعلق رکھنے والے عالیہ کے ذریعہ یہودی عوام کو اپنے تاریخی آبائی وطن اریز اسرائیل میں جمع کرنا۔

3۔ عدل و امن کے پیشن گوئی والے نظریہ پر مبنی ریاست اسرائیل کی مضبوطی۔

4۔ ہر جگہ پر یہودیوں کے حقوق کا تحفّظ۔

5–یہودی اور عبرانی تعلیم کو فروغ دینے اور یہودی روحانی اور ثقافتی اقدار کے ذریعہ یہودی لوگوں کی شناخت کا تحفّظ۔

یہودیوں کے عملی اقدامات اور "عالمی صہیونی تنظیم" کے اثرات

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے یہودیوں نے جو اقدامات کئے اگر ان کا جائزہ لیا جائے تو ان کے جارحانہ عزائم بے نقاب ہوتے ہیں اور عربوں کو صہیونیت سے جو خطرہ درپیش ہے اس کا اظہار بھی ہوتا ہے–صہیونی منصوبہ سازوں میں ہر قسم کے ماہرین اور مفکرین شامل ہیں۔ ایک طرف وہ اپنی سکیموں کے مطابق نت نئے واقعات اور حالات خود پیدا کرتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف جو حالات اور کیفیات کسی معاشرہ میں پہلے سے مروج ہیں یا فطری تقاضوں کی بنا پر وجود میں آتی ہیں' وہ انہیں اپنے منصوبوں کی طرف موڑتے جاتے ہیں۔ صہیونی ٹولی نے 1897ء میں اپنے مستقل فرنٹ کے طور پر ورلڈ زائنسٹ آرگنائزیشن WZO (World Zionist Organization) یعنی عالمی صہیونی تنظیم قائم کی۔ اس کی ہزاروں شاخیں ہیں اور دنیا میں مختلف ناموں سے کام کر رہی ہیں۔ اس کی اپنی سالانہ رپورٹ کے مطابق صرف امریکہ میں دو ہزار سے زائد شاخیں ہیں۔ ان میں ایک بڑی شاخ ''امریکن۔ اسرائیل پبلک افیئرز کمیٹی'' ہے۔ اِس تحریک کا خلاصہ یہ ہے کہ دُنیا کے یہودیوں کو مجتمع کر کے ایک یہودی حکومت قائم کی جائے۔ ہرزل یہودی نے فرانسیسی افسر "ڈریوس" کی خیانت کے واقعہ سے جس نے فرانسیسی فوج کے راز جرمنی منتقل کیے تھے۔ اور نتیجاً یہودیوں سے سخت نفرت کی ایک لہر چل پڑی تھی، پورا فائدہ اُٹھایا اور یہ دعوی کیا کہ ڈریوس بے گناہ ہے اور اُس کے خلاف مقدمہ صرف (ANTISEMETIC) "سامی مخالف" جذبات کا نتیجہ ہے جو یہودیوں پر ظلم کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔ ہرزل کو متعدد یہودی مصنفین "ماکس نوردو" "اسرائیل زانجویل" اور دیگر افراد نے بڑی مدد بہم پہنچائی۔ ہرزل نے اِسلامی رَواداری اور مسلمانوں کے منصفانہ اور عادلانہ رویہ سے جس کے سایہ تلے وہ مختلف مسلم ممالک میں زندگی گزار رہے تھے، فائدہ اُٹھانا چاہا اور اُس وقت کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت سلطان عبدالحمید عثمانی کے مراحمِ خسروانہ اور کریمانہ رویہ کا استحصال کرنے کی کوشش کی، لہٰذا مئی ۱۹۰۱ء میں ہرزل نے سلطان عبدالحمید سے ملاقات کر کے کرم کی درخواست بھی کی اور زبردست مالی اعانت کی پیش کش بھی، لیکن ہرزل کی تمام کوششیں فلسطین میں آبادکاری کے وعدۂ سلطانی اور فرمانِ سلطانی کے حصول کی ناکام ہو گئیں۔ سلطان نے صہیونیوں کے عزائم کو بھانپ لیا اور فلسطین کو یہودیانے کی ہر کوشش کو ناکام بنادیا۔ ہرزل

نے واپس آکر پھر یہودیوں کے زر خرید غلام انگریزوں پر اپنی ساری کوششیں مرکوز کر دیں جن کے نتیجہ میں یہ نقطۂ نظر اُبھر کر آیا کہ یہودیوں کو جزیرہ نمائے سینا میں اپنی حکومت قائم کرنے کا ایک موقع دیا جائے لیکن سینا کے علاقہ میں پانی کی قلت نے اِس منصوبہ پر عمل نہ ہونے دیا۔ انگریزوں نے اِس کے بعد ہرزل کے سامنے یہ منصوبہ رکھا کہ یہودیوں کی ریاست یوگنڈا میں قائم کر دی جائے، اُس نے اِس پیش کش کو قبول کر لیا لیکن ۱۹۰۳ء میں یہودیوں کی چھٹی کانفرنس نے اِس منصوبہ کو مسترد کر دیا اور اِس پر اِصرار کیا کہ فلسطین کو ہی یہودیوں کا قومی وطن بنایا جائے گا۔ ۱۹۰٤ء میں ہرزل کی موت ہوگئی۔ ہرزل کی صہیونی تحریک نے جو سب سے خطرناک عمل شروع کیا وہ یہودیوں کی سالانہ کانفرنسیں تھیں جو دُنیا کے کسی نہ کسی ملک میں سال بہ سال پابندی سے منعقد ہونے لگیں، جن میں بڑے بڑے یہودی لیڈران جو "حکماء" (بزرگ) کہلاتے ہیں، کی شرکت ہوتی تھی۔ ۱۸۹۷ء میں ہرزل نے اِن کانفرنسوں کا سلسلہ سویزرلینڈ کے شہر "بال" کی پہلی کانفرنس سے شروع کیا تھا، اُس کانفرنس میں بہت سی قراردادیں رازدارانہ طریقہ پر اور کچھ اعلان کے ساتھ پاس کی گئی تھیں جن قراردادوں کا اعلان کیا گیا وہ مختصراً یہ تھیں:

۱۔ فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام، جس کے لیے فلسطین کی اَراضی خریدی جائیں گی۔

۲۔ یہودیوں کے مالی و معاشی وسائل کو ترقی دینا۔

۳۔ عبرانی ثقافت کا اِحیاء

بال کی کانفرنس میں ہرزل اور دیگر لیڈروں نے سرمایہ داروں سے پُرزور اپیلیں اِن مقاصد کی تکمیل کے لیے کیں۔ یہودی سرمایہ دَاروں نے جن میں سرفہرست روٹ شیلڈ اینڈ کمپنی اور امریکن یہودی مالدار آتے ہیں، اِس صہیونی تحریک کی زبردست مالی اِمداد کی۔ رازدارانہ قراردادیں جو اِس کانفرنس میں پاس کی گئیں وہ صہیونی بزرگوں کے اُصول و ضوابط (Protocols of Elders of Zion) کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ قراردادیں مخفی نہ رہ سکیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صہیونی یہودی جس ملک میں بھی گئے وہاں انہوں نے اپنی قومی خصوصیات کا مظاہرہ کیا۔ دینی بے راہ روی، اخلاقی انحراف اور انسانیت سوز بیماریوں کو عام کیا اور ملک میں بغاوتیں اور سوشیں برپا کیں، اسی وجہ سے ہر جگہ سے نکالے گئے، روم اور روس کا زوال یہودیوں کی سازشوں سے ہوا, فرانسیسی انقلاب کے بعد یورپی ممالک میں جہاں بھی انقلاب اور بغاوت ہوئی اس میں صہیونیت کا پورا پورا ہاتھ رہا, علی امام علطیہ نے الصهيونية وارض المعاد میں لکھا

ہے کہ رومن امپائر کا سقوط وزوال ملک کے کاروبار اور انتظام وانصرام میں صہیونیوں کی مداخلت کی وجہ سے ہوا، رومن امپائر کے سقوط کے بعد یہودی پورے یورپ خصوصا برطانیہ فرانس اور جرمنی میں پھیل گئے انہوں نے ہر جگہ اپنا اثر ونفوز قائم کرنے کی کوشش کی۔

خود آزمائی

1 چند اہم یہودی اصطلاحات، اسرائیلی، یہودی اور صہیونی کے فرق کو اجاگر کریں۔

2 صہیونیت کے تاریخی پس منظر پر بحث کریں۔

3 صہیونیت کا تعارف اور نصب العین واضح کریں۔

4 صہیونیت کے پہلے پر جوش داعی "تھیوڈر ہرٹزل" کا تعارف اور باسل کانفرنس کے نکات بیان کریں۔

5 تھیوڈر ہرٹزل کی جرمنی کے قیصر ولیم سے فلسطین کے حصول کے لئے پیش کش، اور سلطان عبدالحمید کو کی گئی پیش کش اور رد عمل پر روشنی ڈالیں۔ نیز ترکی میں قوم پرستی کے احیاء کی وضاحت کریں۔

6 قرارداد بالفور (1917) کا مفہوم، خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا آغاز اور خلافت کا سقوط، اور مجلس اقوام "لیگ آف نیشنز" کے قیام پر روشنی ڈالیں۔

7 صہیونیت کا پیدا کردہ معاشی بحران، اور ہولوکاسٹ کی وجہ اور صہیونی مراکز کی تفصیل بیان کریں۔

8 صہیونی افکار وعقائد کے بنیادی مصادر توریت اور تالمود کی وضاحت کریں۔

9 غیر یہود سے متعلق تالمودی تعلیمات کے نمونے بیان کریں۔

10 صہیونی بزرگوں کی دستاویزات (Protocals of the Learned Elders of Zion) کی تفصیل بیان کریں۔

11 صہیونیت کے عقائد اور صہیونی افکار حیات پر روشنی ڈالیں۔

12 عصر حاضر میں صہیونیت کی مختلف شکلیں و نظریات کی وضاحت کریں۔

13 عصر حاضر میں صہیونی اصطلاحات اور نشانات کی وضاحت کریں۔

14 بین الاقوامی صہیونی تنظیم "فری میسن" پر روشنی ڈالیں۔

15 اسرائیل کے قیام اور مشرق وسطیٰ کی تقسیم میں "لارنس آف عریبیہ" کے صہیونی کردار وحیات پر مفصل نوٹ لکھیں۔

16 صہیونیت کے حقیقی مقاصد و عزائم، یہودیوں کے عملی اقدامات اور "عالمی صہیونی تنظیم" کے اثرات بیان کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مزید تفصیل کے لئے حواشی میں بیان کردہ مآخذ و مصادر، کتب، حوالہ جات اور ویب سائٹس سے رجوع فرمائیں۔

یونٹ:8

تاریخ بنی اسرائیل: عہد قدیم سے جدید

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

ڈاکٹر محمد عبد اللہ

فہرست

یونٹ کا تعارف 383

یونٹ کے مقاصد 384

قرآنِ کریم اور سرزمینِ فلسطین 385

مبارک سرزمین: 386

مقدس سرزمین: 388

سرزمینِ محشر: 389

سرزمین فلسطین کا بغیر کسی صفت کے تذکرہ: 390

قرآن میں فلسطین کے علاقوں کا تذکرہ: 392

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ 396

حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات طیبہ 403

حضرت موسیٰ کی ولادت کے وقت کے حالات: 417

غریب خانے سے فرعون کے محل تک: 418

مدین کی طرف ہجرت: 421

وادی مقدس میں نبوت ملنا: 428

فرعون کو دعوت حق: 432

داخلۂ مصر: 434

جادوگروں کا ایمان لانا: 439

مصریوں پر آنے والے پانچ عذاب: 441

قرآن مجید میں پانچوں عذابوں کی منظر کشی 445

حضرت موسیٰؑ کی مصر سے ہجرت 447
بنی اسرائیل وادی سینا میں: 450
سامری اور اس کے بچھڑے کا فریب: 452
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات 456
بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار: 461
حضرت داؤد علیہ السلام (David) اور حضرت سلیمان علیہ السلام (Solomen) 462
بنی اسرائیل کا عہد غلامی 464
مکابی تحریک (Maccabean Revolt) 468
عیسائیت کا عروج اور یہود کی دوسری جلاوطنی 469
ربانی دور (Rabbinistic Period) 470
ظہور اسلام کے بعد یہود کا طرز عمل 472
یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور یہود 475
یہود کی آزاد ریاست اسرائیل کے قیام کی کوششیں 476
خود آزمائی 477
جوابات 478

یونٹ کا تعارف

چودھویں صدی قبل مسیح کے اواخر میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں مصریوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اپنی حکومت بنانے میں ناکام رہی۔ اس کے بعد یوشع علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل فلسطین فتح کرنے میں کامیاب ہوئے اور ایک زبردست حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے خصوصا پہلے تین بادشاہوں، صالح، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں اسرائیلیوں کا ڈنکا بجتا رہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں یروشلم کا مشہور ہیکل تیار ہوا۔ ان کے اتحاد کے بعد بنی اسرائیل کے اتحاد کا خاتمہ ہوا اور حکومت دو حصوں میں بٹ گئی۔ شمالی حکومت جو اسرائیلی کہلائی اس کا دارالسلطنت سماریہ تھا۔ یہ حکومت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی اور آشوریوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔ دوسری حکومت کا پایہ تخت یروشلم بنا یہودا کے نام سے معرض وجود میں آئی۔ یہ ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ چلی۔ اس کو بابلی حکومت نے تباہ کیا۔ یہاں کے یہودی بابل میں جا کر آباد ہوئے۔ کچھ عرصے بعد بابل ایرانیوں کے زیر اثر آ گیا۔ اور اسرائیلیوں کو یروشلم جانے کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد اسرائیلی یونانی حکومت کے زیر نگیں رہے۔ انہوں نے یہودی دین کو ختم کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں علم بغاوت نے زور پکڑا۔ جس کے نتیجے میں یہود اپنی حکومت بنانے میں کامیاب ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد ہی رومیوں نے حملہ کر کے فلسطین پر اپنا قبضہ جمایا۔ 70ء میں رومیوں کے حکمران ٹائٹس نے یروشلم پر تباہ کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کی غلامی کا طویل عرصہ شروع ہوا۔ پندرھویں صدی میں یہودی یورپی عیسائیوں کے ظلم کا نشانہ بنے۔ بے شمار یہودیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ اسپین میں یہودیوں کو زبردستی عیسائی ہونے پر مجبور کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد یہودی پھر ظلم کا نشانہ بنے اور بالخصوص جرمنی کی وجہ سے ان کو جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔ 1948ء میں مشرق وسطیٰ کے عرب پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے یورپی طاقتوں نے سازش کے ذریعے فلسطین پر اسرائیلی حکومت قائم کر دی۔ **اس یونٹ میں یہودیت کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا جائے گا۔ نیز بنی اسرائیل میں آنے والے انبیاء علیہ السلام کے حالات زندگی اور یہود کی اپنی ریاست کے قیام کی کوششوں کا جائزہ لیا جائے گا۔**

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 قرآنِ کریم میں سرزمینِ فلسطین کے مبارک، مقدس اور سرزمین محشر ہونے کے اعتبار سے جائزہ لے سکیں۔

2 قرآن میں فلسطین کے علاقوں کا تذکرہ اور قرآن مجید میں سرزمین فلسطین کا بغیر کسی صفت کے تذکرہ بیان کر سکیں۔

3 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا جائزہ لے سکیں۔

4 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کو واضح کر سکیں۔

5 حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل یہودیوں کے مذہبی عقائد، حضرت موسیٰؑ کی حیات، فرعون کو دعوت حق سے جادوگروں کے ایمان لانے تک کے واقعات بیان کر سکیں۔

6 مصریوں پر آنے والے پانچ عذاب، اور قرآن مجید میں بیان کردہ پانچوں عذابوں کی منظر کشی کر سکیں۔

7 حضرت موسیٰؑ کی مصر سے ہجرت، وادی سینا میں بنی اسرائیل، سامری کا بچھڑے کا فریب اور بنی اسرائیل کے جہاد سے انکار کے واقعات پر روشنی ڈال سکیں۔

8 بنی اسرائیل کی طرف حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بعثت اور عہد غلامی تک کے واقعات کی وضاحت کر سکیں۔

9 مکابی تحریک اور اس کے بعد عیسائیت کا عروج اور یہود کی دوسری جلاوطنی کے واقعات پر روشنی ڈال سکیں۔

10 بنی اسرائیل کے ربانی دور اور بعد ازاں ظہور اسلام کے بعد یہود کے طرز عمل کی وضاحت کر سکیں۔

11 یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے یہود پر اثرات اور یہود کی آزاد ریاست اسرائیل کے قیام کی کوششوں کی وضاحت کر سکیں۔

یہودیت توحیدی اور ابراہیمی ادیان میں سے ایک دین ہے جس کے تابعین اسلام میں قومِ نبی موسیٰ یا بنی اسرائیل کہلاتے ہیں مگر تاریخی مطالعہ میں یہ دونوں نام اس عصر اور اس قوم کے لیے منتخب ہیں جس کا تورات کے جز خروج (Exodus) میں ذکر ہے۔ اس کے مطابق بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نبی موسٰی نے آزاد کیا اور بحیرہ احمر پار کر کے جزیرہ نمائے سینا لے آئے۔ مذاہب کی تاریخ میں یہودیت اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہی وہ قدیم ترین زندہ مذہب ہے جس کے ذریعے دنیا خدائے واحد سے آشنا ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی دین توحید اور دین حنیف کی تبلیغ دی۔ اکثر تاریخ دان یہودیت کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لکھتے ہیں۔ یہودیوں کے جد امجد عراق کے مقام 'ار' سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ یہ لوگ عراق سے دوسرے شہروں مثلاً شام اور فلسطین کے علاقوں میں آبسے تھے۔ اس کے بعد وہ مصر بھی پہنچ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر اثر مصر میں اسرائیلی باقاعدہ طور پر آباد ہو گئے۔ اٹھارویں صدی عیسوی قبل مسیح میں مصری حکومت یہودیوں کے پاس آگئی۔ سولہویں صدی کے وسط تک عنان حکومت بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہی، اس کے بعد وہ مصریوں کے غلام بن گئے۔

قرآنِ کریم اور سرزمینِ فلسطین

سرزمین فلسطین نہایت مبارک اور محترم جگہ ہے۔ اس سرزمین پر اکثر انبیا اور رسل آئے ہیں۔ یہی وہ سرزمین رہی ہے جہاں سے معراج کی ابتدا اور انتہا ہوئی۔ یہ آسمان کا دروازہ ہے۔ یہ سرزمین محشر بھی ہے۔

مبارک سرزمین:

اللہ عزوجل نے سرزمینِ فلسطین کو خیر وبرکت والی زمین فرمایا ہے۔ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ: ''یہاں دائمی اور ابدی طور پر خیر وبرکت قائم ودائم رہے گی''۔ علامہ شوکانی نے 'برکت' کے معنی یہاں کی زراعت اور پھل لیے ہیں۔ اس کی پیداوار بہت زیادہ ہوگی۔ دیگر لوگوں نے برکت سے نہریں، پھل، انبیا اور صلحا مراد لیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس سرزمین کے تعلق سے اللہ عزوجل نے یوں فرمایا ہے:

بَارَكْنَا حَوْلَهُ. [1]

''جس کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں''۔ اس سے مراد ملک شام ہے۔ سریانی زبان میں 'شام' کے معنی پاک اور سرسبز زمین کے آتے ہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ملک شام کو مبارک اس لیے کہا گیا کہ یہ انبیا کا مستقر، ان کا قبلہ اور نزول ملائکہ اور وحی کا مقام رہا ہے۔ یہیں لوگ روزِ محشر میں جمع کیے جائیں گے۔ حضرت حسن اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ اس مبارک سرزمین سے مراد ملک شام ہے۔ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ اس سے مراد ملک شام کے گائوں ہیں۔ عبداللہ بن شوذب کہتے ہیں: اس سے مراد سرزمینِ فلسطین ہے۔

سرزمین فلسطین کو قرآنِ کریم میں پانچ مواقع پر بابرکت زمین سے مخاطب کیا گیا ہے:

---

[1] بنی اسرائیل ۱:۱۷

1 - سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۱ ۔[2]

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے"۔

2 - وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۔[3]

"اور جن لوگوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ہم نے انھیں اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا، جس پر ہم نے برکتیں نازل کی تھیں اور بنی اسرائیل کے حق میں تمھارے ربّ کا کلمۂ خیر پورا ہوا، کیونکہ انھوں نے صبر سے کام لیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم جو کچھ بناتی چڑھاتی رہی تھی، ان سب کو ہم نے ملیامیٹ کر دیا"۔

3 - وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۔[4]

---

[2] بنی اسرائیل ۱۷:۱

[3] اعراف ۷:۱۳۷

[4] الانبیاء ۲۱:۷۱

"اور ہم نے نجات دی اسے اور لوطؑ کو اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اس میں تمام جہان والوں کے لیے"۔

4 - وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ۔[5]

"اور ہم نے تیز چلتی ہوئی ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، اور ہمیں ہر ہر بات کا پورا پورا علم ہے"۔

5 - وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ۔[6]

"اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، ایسی بستیاں بسا رکھی تھیں جو دُور سے نظر آتی تھیں، اور ان میں سفر کو نپے تلے مرحلوں میں بانٹ دیا تھا اور کہا تھا کہ ان (بستیوں) کے درمیان راتیں ہوں یا دن، امن و امان کے ساتھ سفر کرو"۔

مقدس سرزمین:

ارضِ مقدس سے مراد 'ارضِ مطہر' (پاک و صاف سرزمین) ہے۔ راغب کہتے ہیں: بیت المقدس، یعنی یہ شرک و کفر کی نجاست سے پاک ہے۔ زجاج کہتے ہیں: ارضِ مقدس سے مراد دمشق، فلسطین اور اُردن کے بعض حصے

---

[5] الانبیاء ۲۱:۸۱

[6] السبا ۳۴:۱۸

ہیں۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے: اس سے ملک شام مراد ہے۔ ابن عساکر نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ارضِ مقدس عریش سے فرات تک کی سرزمین کو کہتے ہیں۔ سرزمین فلسطین کو 'ارضِ مقدس' صرف قرآنِ مجید میں ایک جگہ پر کہا گیا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ۔[7]

اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جا جو اللہ نے تمھارے واسطے لکھ دی ہے، اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد ہو جائو گے۔

سرزمینِ محشر:

اللہ عزوجل نے سرزمین فلسطین کو 'سرزمینِ محشر' بھی فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ہُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔[8]

وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کافروں کو پہلے ہی ہلّے میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ یہاں 'اوّل حشر' سے مراد، یعنی ان یہودیوں کا ملک شام میں اکٹھا ہونا ہے، جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو سرزمین مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا۔ زہری سے مروی ہے: اوّل حشر کے طور پر ان کی دنیا میں جلاوطنی سرزمین شام میں ہوئی تھی۔ ابن زید کہتے ہیں: 'اوّل حشر' سے مراد سرزمین شام ہے۔ ابن عباس سے بکثرت روایات

---

[7] المائدہ ۵:۲۱

[8] الحشر ۵۹:۲

میں منقول ہے کہ: ''جس کو اس بات میں شک ہو کہ ارضِ محشر سے مراد سرزمین شام ہے، وہ اس آیت کو پڑھے۔ پھر اس آیت کا آپؐ نے تذکرہ فرمایا۔

سرزمین فلسطین کا بغیر کسی صفت کے تذکرہ:

قرآنِ کریم میں کئی جگہوں پر بغیر کسی صفت کے تذکرے کے سرزمین فلسطین کا ذکر موجود ہے:

1 - وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔[9]

''اور ہم نے فیصلہ سنا دیا بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ بلاشبہ ضرور تم فساد کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور بالضرور تم چڑھائی کرو گے بہت بڑی چڑھائی''۔ شوکانی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں اس آیت میں سرزمینِ شام اور بیت المقدس مراد ہے۔

2 - وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔[10]

''اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہاں ارضِ مقدسہ سے سرزمینِ شام اور فلسطین مراد ہے۔ شوکانی

---

[9] بنی اسرائیل ۱۷:۴

[10] الانبیاء ۲۱:۱۰۵

نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ مجید الدین حنبلی کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سرزمینِ بیت المقدس ہے جس کے مسلمانانِ اُمت محمدیہؐ وارث ہوں گے۔

3 - وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔[11]

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو ایسی جگہ بسایا جو صحیح معنی میں بسنے کے لائق جگہ تھی، اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق بخشا۔ پھر انھوں نے (دین حق کے بارے میں) اس وقت تک اختلاف نہیں کیا جب تک ان کے پاس علم نہ آگیا۔ یقین رکھو کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے، ان کا فیصلہ تمھارا پروردگار قیامت کے دن کرے گا"۔ یہاں مبوا سے ملک شام کا جنوبی علاقہ فلسطین مراد ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ۔[12]

"قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طورِ سینا کی"۔

اکثر مفسرین کے یہاں انجیر اور زیتون سے مراد وہ شہر ہیں جہاں ان کی بکثرت زراعت اور پیداوار ہوتی ہے۔ حضرت کعبؓ سے مروی ہے: 'التین' سے دمشق اور 'زیتون' بیت المقدس مراد ہے۔ شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ 'الزیتون' سے ملک شام مراد ہے۔

---

[11] یونس ۱۰:۹۳

[12] سورۃ التین ۹۵:۱-۲

قرآن میں فلسطین کے علاقوں کا تذکرہ:

قرآنِ کریم نے سرزمینِ فلسطین کے بعض علاقوں کا بھی تذکرہ کیا ہے:

1 - وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُۥٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ[13]

''اور مریمؑ کے بیٹے کو اور ان کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا، اور دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پُر سکون جگہ تھی اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا''۔ ابن جریر اور مرہ نہزی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں 'الربوۃ' سے مراد 'الرملۃ' ہے۔ ابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں: 'ربوۃ' سے فلسطین کا علاقہ مراد ہے۔ قتادہ، کعب اور ابو العالیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد بیت المقدس ہے۔

2 - فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا[14]

''تو وہ حاملہ ہو گئی اس سے پھر وہ الگ ہو گئی اس کے ساتھ ایک دُور جگہ (یعنی جنگل) میں''۔ مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ حضرت مریمؑ حالتِ حمل میں دُور چلی گئیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''وادیِ اقصیٰ تک گئیں، اور یہی بیت اللحم ہے۔ اس کے اور 'ایلیا' کے درمیان چار میل کا فاصلہ ہے اور 'ایلیا' بیت المقدس کا ہی ایک نام ہے۔

---

[13] المومنون ۲۳:۵۰

[14] مریم ۱۹:۲۲

3 - وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ۔[15]

''اور توجہ سے سنیے جس دن پکارنے والا پکارے گا قریب جگہ سے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے اس قول کے بارے میں ارشاد ہے: مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ سے 'صخرہ' بیت المقدس مراد ہے۔ قتادہ کہتے ہیں: ہم کہتے تھے کہ منادی صخرہ بیت المقدس سے آواز لگائے گا اور کلبی اور کعب فرماتے ہیں: یہ آسمان سے زمین کا قریبی حصہ ہے۔

4 - وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۔[16]

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہو جائو اور جہاں سے چاہو جی بھر کر کھائو اور (بستی کے) دروازے میں جھکے سروں سے داخل ہونا اور یہ کہتے جانا کہ (یااللہ) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں۔ (اس طرح) ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے''۔

علما کے مابین اس گائوں کے تعیین میں اختلاف ہے۔ جمہور علما کا کہنا ہے یہاں 'قریۃ' گائوں سے مراد بیت المقدس ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: یہاں 'باب' دروازے سے مراد بیت المقدس کا 'باب الحطة' ہے۔

5 - اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ[17]

---

[15] قٓ ۵۰:۴۱

[16] البقرۃ ۲:۵۸

"یا (تم نے) اس جیسے شخص (کے واقعے) پر (غور کیا) جس کا ایک بستی پر ایسے وقت گزر ہوا جب وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی؟" قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد وہب بن منبہ اور قتادہ وغیرہ کے قول کے مطابق بیت المقدس ہے۔ جس وقت اللہ عزوجل نے بخت نصر کے ذریعے بیت المقدس سے ان کا تخلیہ کرایا تھا۔ یہ عراق کا والی تھا۔ شوکانی اور جمہور بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

6 - فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۔[18]

"چنانچہ جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے (لشکر والوں سے) کہا کہ اللہ ایک دریا کے ذریعے تمھارا امتحان لینے والا ہے"۔ قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ یہاں نہر سے مراد اُردن اور فلسطین کے درمیان کی نہر ہے۔ شوکانی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ نہر اُردن ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد نہرِ فلسطین ہے۔

7 - حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔[19]

---

[17] البقرۃ۲:۲۵۹

[18] البقرۃ۲:۲۴۹

"یہاں تک کہ جب وہ آئے چیونٹیوں کی وادی پر، کہا ایک چیونٹی نے، اے چیونٹیو! تم داخل ہو جائو اپنے گھروں (بلوں) میں (کہیں) ہرگز کچل نہ دیں تمھیں سلیمان اور اس کا لشکر اس حال میں کہ وہ شعور نہ رکھتے ہوں"۔ امام رازی کہتے ہیں: اس وادی النمل سے مراد 'وادی شام' ہے، جہاں چیونٹیوں کی کثرت ہوتی ہے۔ یہ وادی 'عسقلانی' کے پڑوس میں واقع ہے۔

یہ سرزمین جس کے تقدس اور تبرک کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بار بار آیا ہے، جس کے مسلمانوں کے بطور وارث ہونے کا تذکرہ قرآنِ مجید نے کیا ہے۔ یہ سرزمین مسلمانوں کے یہاں نہایت متبرک اور مقدس گردانی جاتی ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ اس مقدس اور پاک سرزمین پر یہودی اپنے قدم جما کر اور اس کو ملک غاصب اسرائیل کا دارالحکومت بنا چکے ہیں۔ مسلمانوں کو اس کے تقدس کو سمجھنا اور اس بیت المقدس کی بازیابی کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

یہودیت چونکہ ایک نسلی مذہب کا نام ہے لہٰذا اس مذہب کی تاریخ اس ایک خاص نسل کی تاریخ سے جدا نہیں کی جاسکتی۔ اسلام کے علاوہ دنیا بھر کے مذاہب میں سے یہودیت کی تاریخ میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ یہودیوں کے لٹریچر کے علاوہ ان کی تاریخ کا بڑا حصہ قرآن مجید میں بھی محفوظ ہے۔ تاریخ کا جو حصہ قرآن میں موجود ہے اس کا تو ہم موازنہ کر سکتے ہیں

---

[19] النمل ۲۷:۱۸

لیکن جو حصہ اس میں شامل نہیں ہے اس کے لیے ہمیں زیادہ تر یہودی روایات بائبل اور تالمود پر اکتفاء کرنا پڑتا ہے۔ قرآن کی رو سے اور تاریخ کی تصدیق و تائید سے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مشہور و معروف عالمی و آفاقی پیغمبر تھے۔ یہودی چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جد امجد سمجھتے ہیں۔ اور اپنے دین کی شروعات انہی کے ذکر سے کرتے ہیں اسی لیے یہاں بھی یہودی تاریخ کی ابتداء انہی کے حالات زندگی بیان کرکے کی جائے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ

تورات کی تفاصیل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام 2200 ق۔م میں قصبہ 'اور' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا آپ کی قوم بت پرست تھی تارخ بت تراش تھا اور بت پرستی میں زیادہ ذوق وشوق دکھانے کی وجہ سے اس کا لقب آذر پڑ گیا تھا۔ عبرانی زبان میں آزر کے معنی ہیں بتوں سے محبت کرنے والا۔ کتاب پیدائش میں ہے کہ "حضرت ابراہیم کا باپ خود اپنے بیٹوں، پوتوں، بہوؤں کو لے کر ماران میں جا بسا۔[20] پھر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو ماران چھوڑ کر کنعان چلے جانے کی ترغیب دی اور کہا "میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤنگا تیرا نام سرفراز کرونگا سو تو باعثِ برکت ہو جو تجھے مبارک کہیں ان کو میں برکت دونگا جو تجھ پر لعنت کرے اس پر لعنت کرونگا اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلے سے برکت پائیں گے"۔[21]

---

[20] کتاب پیدائش باب ۱۱

[21] کتاب پیدائش باب ۲۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام، جو اللہ کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر ہیں، جن کو خلیل اللہ (اللہ کا دوست) کہا جاتا ہے، تین بڑے مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) کے عظیم پیغمبروں میں سے ایک ہیں۔ یہودی اور عیسائی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ مذہب اسلام میں ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی چودھویں سورت ''سورۃ ابراہیم'' ان ہی سے موسوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احوال واوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں ''امت'' اور ''امام الناس'' کے لقب سے پکارا ہے۔ اور انہیں متعدد مرتبہ ''حنیف'' بھی کہا ہے۔ قرآن کریم میں انہیں ''مسلم'' بھی کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سارے ایسے انبیاء کرام کا تذکرہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے ہی قلب سلیم عطا کیا گیا تھا، چنانچہ انہوں نے ابتدا ہی سے بت پرستی کی مخالفت کی۔ اللہ کی مخلوقات میں غور وفکر کے بعد انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے والا ایک معبود حقیقی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ۔ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۖ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۖ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۖ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ اِنِّىْ

بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ۔ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا ۖ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡ[22]

اور (یاد کر) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو خدا جانتا ہے، میں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھائے اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر جب رات نے اس پر اندھیرا کیا تو اس نے ایک ستارہ دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرے گا تو میں ضرور گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہی میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا اے میری قوم! میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو۔ سب سے یکسو ہو کر میں نے اپنے منہ کو اسی کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی بابت جب سمجھنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی مثال کے ذریعہ اُن کو یہ راز سمجھایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے:

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَیۡکَ ثُمَّ

---

[22] سورہ الانعام: ۷۴ ۔ ۷۹

اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ[23]

اور یاد کر جب ابراھیم نے کہا اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردے کو کس طرح زندہ کرے گا، فرمایا کہ کیا تم یقین نہیں لاتے؟ کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے، فرمایا تو چار جانور اڑنے والے پکڑ پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لے پھر (انہیں ذبح کرنے کے بعد) ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر ان کو بلا تیرے پاس جلدی سے آئیں گے، اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر پچاس برس ہوئی تو وہ حضرت نوحؑ کا گھر چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر آ گئے انکی قوم بارہ مہینوں سے منسوب بارہ بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ باپ بت ساز بھی تھا اور مہا پجاری بھی۔ پہلے تو حضرت ابراہیمؑ والد کو سمجھاتے رہے لیکن وہ باز نہ آیا تو بتوں کو توڑ دیا۔ تارخ نے اپنی مذہبی عقیدت سے مجبور ہو کر بیٹے کی شکایت نمرود سے کی اور اسے سارا واقعہ بتایا کہ کس طرح اس نے یہ بچہ چھپا دیا تھا اور نمرود کے حوالے غلام کا بچہ کیا تھا نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر ان سے پوچھ گچھ کی انہوں نے سخت جواب دیئے نمرود نے انہیں جلِ بھیج دیا اور معاملہ کونسل میں پیش کیا کونسل کے ارکان نے مشورہ دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیا جائے ساتھ ہی انکے خسر ماران کو بھی آگ میں پھینک دیا گیا کیونکہ تارخ نے بتایا کہ اپنے بچے کو بچا کر غلام کا بچہ دے دینے کا مشورہ حاران ہی کا تھا حاران تو جل کر راکھ ہو گیا لیکن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں لیاقیت چل رہے ہیں نمرود نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا تو پکار اٹھا "اے آسمانی خدا

---

[23] سورۃ البقرہ:۲۶۰

کے بندے آگ سے نکل آ اور میرے سامنے کھڑا ہو جا" پھر نمرود آپ کا مقلد ہو گیا حضرت ابراہیمؑ دو سال تک وہاں رہے پھر نمرود نے نہایت ڈراؤنا خواب دیکھا۔ نجومیوں نے نمرود کو مشورہ دیا کہ ابراہیمؑ سلطنت کی تباہی کا موجب بننے والا ہے اسے قتل کرو۔ آپ نے بھاگ کر حضرت نوحؑ کے ہاں پناہ لی اس دوران آپ کا باپ تارخ چھپ کر آپ سے ملنے آیا کرتا تھا ۔ آخر باپ بیٹے کی یہ صلاح ٹھہری کہ ملک چھوڑ دیا جائے۔ حضرت نوحؑ نے اور سامہ بن نوح نے بھی اس تجویز کو پسند کیا چنانچہ تارخ اپنے بیٹے ابراہیمؑ اپنے پوتے اور ابراہیمؑ کے بھتیجے لوط اور بہو سارہ کو لے کر ماران چھوڑ دیا۔[24] اس خاندان نے فلسطین کے مغربی اطراف میں کنعانیوں کے زیرِ اقتدار علاقوں میں شکیم کے مقام پر رہائش اختیار کر لی۔

تورات کے بیان کے مطابق وہاں سے ابراہیمؑ اپنی بیوی سارہ کے ساتھ مصر جا پہنچے۔ مصریوں نے اور فرعون کے رؤساء نے سارہ کے دیکھا تو اس کے حسن سے متاثر ہوئے۔ ابراہیمؑ نے کہ دیا کہ وہ عورت انکی بہن ہے اس پر فرعون نے سارہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور ابراہیمؑ کو بہت سے مویشی دیئے۔ فرعون کے اس فعل پر خداوند نے اس پر اور اسکے اہل خاندان پر سختیاں نازل کیں اور فرعون نے ابراہیمؑ کو بلا کر کہا تم نے اپنی بیوی کو بہن بتا کر ٹھیک نہیں کیا میں تو اسے بیوی بنا لینے پر آمادہ ہو گیا تھا اب اپنی بیوی کو لے اور چلا جا۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر اسی سال اور حضرت سارہ کی عمر ستر سال تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس وقت دوسری بیوی کو پہلی بیوی کا فرمانبردار ہو کر رہنا پڑتا تھا اس لئے شاہِ مصر نے کہا "میری بیٹی کا اس گھر میں لونڈی بن کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے"۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی برس تھی جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ تورات میں ہے کہ حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہؑ کو معلوم جگر گوشہ اسمٰعیل کے ساتھ خانہ بدری کا حکم دیا اور حضرت ابراہیمؑ انہیں وادیِ مقدس میں چھوڑ آئے۔ جب ابراہیمؑ سو برس کے

---

[24] منتخبات تالمود از اچ پولاز۔ لندن 30 تا 40

ہوئے تو خدا نے آپ کو حضرت سارہ کے بطن سے دوسرا فرزند عطا کیا جس کا نام اسحاقؑ رکھا گیا۔ یہودی مورخین کی روایت کے مطابق ابراہیمؑ اپنی بیوی سارہ اور بیٹے اسحاقؑ کو لے کر فلسطین میں اس مقام پر آباد ہوئے جس میں ایک کا نام عیسور کھا گیا اور دوسرے کا نام یعقوب حضرت اسحاقؑ عیسو سے محبت کرتے تھے اور آپ کی بیوی رفقہ کو ہی عبرانی میں اسرائیل کہا جاتا تھا ۔ اسرا کے معنی بندہ اور ایل کے معنی اللہ اس لئے اسرائیل کے معنی ہوئے اللہ کا بندہ بارہ بیٹے ہوئے جن سے آگے بارہ قبیلے ہوئے جنہیں بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ "زبور" کی روایت کے مطابق حضرت یعقوبؑ نے تلوار اور کمان کی مدد سے کنعان کا علاقہ فتح کیا۔

اسلامی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اللہ نے ان کو نبوت سے نوازا اور آپ نے اپنے دین کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ آپ نے اس وقت کے بادشاہ نمرود کے سامنے بت پرستی کی مخالفت کی اور موقعہ غنیمت جان کر ایک رات سارے بت توڑ ڈالے۔۔ اس فعل کی پاداش میں نمرود نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈلوا دیا جو اللہ تعالی کے حکم سے ٹھنڈی ہو کے آپ کے لیے گلزار بن گئی۔ اس واقع کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین ہجرت کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹوں سے نوازا، بڑے بیٹے اسمائیل علیہ السلام اور چھوٹے بیٹے اسحاق علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے ہر ایثار، ہر قربانی کو ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔

1۔ جب حضرت ابرہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمائیل کو مکہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوڑ کر چلے گئے تب وہاں کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ نہ پانی، نہ کھانے کی کوئی چیز۔ حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی دوڑتیں تا کہ کہیں سے کچھ پینے کو مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دوڑنے کو امر کر دیا اور اسلامی رکن کا حصہ بنا دیا۔ اب جو آدمی عمرہ یا حج کرنے جاتا ہے وہ کوہ صفا و مروہ کے درمیان اسی طرح دوڑتا ہے۔

2۔ حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام جب مکہ کے ریگستان میں بھوک وپیاس سے بلک رہے تھے اور ان کی ماں اِدھر اُدھر پانی کی تلاش میں تھیں تبھی حضرت اسماعیلؑ کی ایڑیاں رگڑنے سے اللہ کے حکم سے چشمہ پھوٹا۔ جو آج بھی آب زم زم کے نام سے مکہ میں جاری ہے۔

3۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دو۔ یہ حکم ملتے ہی آپ اپنے بیٹے اسمائیل علیہ السلام[25] کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر اللہ نے بیٹے کی جگہ دنبہ رکھ کر اس کی قربانی کروائی۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ قربانی اتنی پسند آئی کہ رہتی دنیا تک اس کو یاد کر کے عید الاضحیٰ منائی جائے گی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھیں، جن کی اولاد عرب میں پھیلی۔ قریش اور عرب کے دوسرے بعض قبائل انہی کے نسل سے تھے۔ آخری نبی الزمان ﷺ کا سلسلہ نسب بھی حضرت اسمائیل سے ہی ملتا ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، جن میں بڑے کا نام عیسو اور چھوٹے کا نام یعقوب علیہ السلام تھا۔ ان کی نسل میں بنی اسرائیل کے بہت سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل بنی اسرائیل کہلائی جو فلسطین میں پھیلی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں جن سے بارہ بیٹے ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور بن یامین ایک بیوی راخیل سے پیدا ہوئے۔

---

[25] عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت اسحاق تھے۔ (بائبل، کتاب پیدائش، باب 22۔ آیت 5)

حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو اور بیٹوں کو بنی اسرائیل کی تاریخ میں اہمیت حاصل ہے۔ ان میں ایک لوی یا لاوی ہے، جس کی نسل سے یہودیوں کا ایک خاص مذہبی طبقہ سامنے آیا، جس نے پجاریوں کی جگہ لی۔ دوسرا بیٹا یہودا ہے، جس کی طرف منسوب ہو کر بنی اسرائیل یہود کہلائے۔ بعد میں یہ لفظ مذہبی اصطلاح بن گیا اور اس سے مراد وہ تمام لوگ لیے جانے لگے جنہوں نے بنی اسرائیل میں آنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی پیروی کا دعویٰ کیا سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات طیبہ

نورِ نبوّت کی چمک اوائلِ عمر سے آپ کی پیشانی سے جھلک رہی تھی۔ آپ کا حسن و جمال اسی نورِ نبوّت کا پرتَو تھا۔ آپ کی دماغی اور فطری اِستعداد دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں نمایاں اور ممتاز تھی۔ حسن و جمال اور خداداد صلاحیتوں کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ والدین کی توجہ کا مرکز ہونے کی بناء پر آپ کے سوتیلے بھائی آپ سے حسد کرتے تھے۔

قرآنِ حکیم میں ایک مکمل سورۃ حضرت یوسف علیہ السّلام کے نامِ گرامی سے منسوب ہے۔ جس میں آپ کے حالات زندگی کا تذکرہ ہوا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کے قصّہ کو قرآنِ حکیم میں ''اَحسنُ القِصّص'' کہا گیا ہے۔

آپ نے 12 سال کی عمر میں خواب میں دیکھا کہ آپ ایک سونے کے تخت پر بیٹھے ہیں اور سورج، چاند اور دس ستارے آپ کو سجدہ کر رہے ہیں آپ نے یہ خواب اپنے والد محترم یعقوب علیہ السلام کو سنایا خواب سننے کے بعد یعقوب علیہ السلام نے آپ کو یہ خواب اپنے بھائیوں اور ہر کسی کو سنانے سے منع کیا۔

ضرت یعقوب علیہ السّلام کی حضرت یوسف علیہ السّلام سے الفت و محبت، حضرت یوسف علیہ السّلام کے سوتیلے بھائیوں کو ناگوار گزرتی تھی۔ ایک روز حضرت یوسف علیہ السّلام کے سوتیلے بھائیوں نے پروگرام بنایا کہ انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے اس مقصد کے لئے سب بھائیوں نے مل کر باپ سے اجازت طلب کی کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں۔

حضرت یعقوب علیہ السّلام حضرت یوسف علیہ السّلام سے ان کے بھائیوں کی مخاصمت سے باخبر تھے، بھائیوں کے بے انتہا اصرار کے بعد انہوں نے نیم دلی سے اجازت دے دی۔ سوتیلے بھائی سیر کے بہانے حضرت یوسف علیہ السّلام کو ساتھ لے گئے اور واپس آتے ہوئے انہیں ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا اور مکر و فریب سے روتے ہوئے گھر لَوٹ آئے۔ باپ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السّلام کی عدم موجودگی کا یہ عُذر پیش کیا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے اور ثبوت کے طور پر بکری کے خون میں رنگے ہوئے حضرت یوسف علیہ السّلام کے کپڑے باپ کو دکھائے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام گو کہ ان کا حیلہ سمجھ گئے تھے لیکن رضائے الٰہی سمجھ کر خاموش ہو رہے اور بشری تقاضے کے تحت اپنے لختِ جگر کی جدائی میں اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں۔

جس اندھے کنوئیں میں حضرت یوسف علیہ السّلام کو ڈالا گیا تھا اس کے قریب سے اِسمٰعیلی عربوں کا مصر جانے والا قافلہ گزرا۔ قافلے والوں نے پانی کے لئے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السّلام اسے پکڑ کر کنوئیں سے باہر نکل آئے۔ قافلہ والے آپ کو مصر ساتھ لے گئے اور مصر کے بازار میں نیلام کر دیا۔ مصری فوج کے سپہ سالار ''فوطیفار'' نے آپ کو خریدا۔ فوطیفار فرعون کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور لوگ اسے ''عزیزِ مصر'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ دَور حضرت یوسف علیہ السّلام کی جوانی کا دَور تھا۔ حسن و خوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا، جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔ عزیزِ مصر کی بیوی ''زلیخا'' دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسف علیہ السّلام پر پروانہ وار نثار ہو گئی۔

عصمت وحیا کے پیکر حضرت یوسف علیہ السّلام نے ایک لمحہ کے لئے بھی عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کی حوصلہ افزائی نہ کی، بلکہ اسے بے قراری کی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر جانے لگے، عزیز مصر کی بیوی نے انہیں روکنا چاہا۔ جس سے آپ کی قمیض پھٹ گئی۔ دروازہ کھلا تو عزیزِ مصر کی بیوی کا چچازاد بھائی سامنے کھڑا تھا۔ عزیز مصر کی بیوی نے مکر سے کام لیا اور حضرت یوسف علیہ السّلام پر الزام لگا دیا کہ آپ نے اس کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شخص ذکی، فطین، ہوشیار اور معاملہ فہم تھا۔ اس نے کہا کہ یوسف علیہ السّلام کا پیراہن دیکھنا چاہئے اگر سامنے سے چاک ہے تو عزیز مصر کی بیوی سچ بولتی ہے۔ اگر پیچھے سے چاک ہے تو یوسف علیہ السّلام بے گناہ ہیں۔ دیکھا کہ پیراہن پیچھے سے چاک تھا۔ عزیزِ مصر کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے معاملہ رفع دفع کر دیا مگر خاندان میں یہ بات کسی نہ کسی طرح پھیل ہی گئی۔ عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی پر لعن طعن کرنا شروع کر دیا۔ عزیز مصر کی بیوی نے حقیقت حال ان پر آشکارا کرنے کے لئے ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ تواضع کے لئے پھل رکھے گئے۔ عزیز مصر کی بیوی نے مہمانوں کو پھل کاٹنے کو کہا اور عین اسی وقت حضرت یوسف علیہ السّلام کو قریب سے گزارا گیا۔ حسن و جمال کے مجسمہ اور مردانہ وجاہت کے پیکر یوسف علیہ السّلام پر جب عورتوں کی نگاہ پڑی تو ان کے حواس معطل ہو گئے اور انہوں نے پھلوں کے ساتھ اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ عزیز مصر کی بیوی نے مقصد براری کے لئے حضرت یوسف علیہ السّلام کو تنگ کرنا جاری رکھا اور بالآخر آپ پر طرح طرح کے الزامات لگا کر جیل بھجوا دیا۔

حضرت یوسف علیہ السّلام سات برس جیل میں قید رہے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام خدائے بزرگ و برتر کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ دینِ ابراہیمی کی دعوت و تبلیغ منصبِ نبوّت کا تقاضہ تھا چنانچہ قید کے دوران آپ قیدیوں کو توحید کی راہ اختیار کرنے کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ نیک عمل کی تلقین اور برائیوں سے دامن بچانے کی نصیحت کرتے تھے۔ دوران قید آپ کے وعظ و تلقین کا تذکرہ قرآن میں ان الفاظ میں ہوا ہے۔

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن

سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[26]

ترجمہ: ”اے رفیقو بندی خانے کے! بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر؟ یا اللہ اکیلا زبردست۔ کچھ نہیں پوجتے ہو سوا اُس کے مگر نام ہیں کہ رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے، نہیں اتاری اللہ نے اُن کی کوئی سند، حکومت نہیں ہے کسی کی سوا اللہ کے، اس نے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اُس کو یہی ہے راہ سیدھی پر بہت لوگ نہیں جانتے۔“

جیل خانہ کے دوسرے قیدی حضرت یوسف علیہ السّلام کی پرہیز گاری، عبادت اور نیک اعمال کی بدولت ان کا ادب و احترام کرتے تھے اور ان کو برگزیدہ شخصیت مانتے تھے۔ ان میں سے دو قیدیوں نے خواب دیکھے۔ قیدیوں نے جن میں سے ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا باورچی تھا اور وہ بادشاہ کو زہر سے ہلاک کرنے کی سازش میں پکڑے گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کو اپنے اپنے خواب سنائے۔ ایک نے بتایا:

”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔“

دوسرے نے کہا: ”میں نے دیکھا کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اسے کھا رہے ہیں۔“

حضرت یوسف علیہ السّلام نے تعبیر میں فرمایا کہ انگور نچوڑنے والا بَری ہو جائے گا اور اسے پھر ساقی گری سونپ دی جائے گی۔ اور دوسرا سُولی پر چڑھایا جائے گا اور اس کا گوشت مردار جانور کھائیں گے۔[27]

---

[26] سورۃ یوسف: 39-40

[27] حوالہ: سورۃ یوسف- آیت نمبر 41

حضرت یوسف علیہ السّلام کے قصّہ میں بیان کردہ چوتھا خواب بادشاہ مصر "ملِک الرّیان" کا ہے۔ بادشاہ نے تمام درباریوں کو جمع کر کے کہا:

"میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں انہیں سات دبلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات دوسری سوکھی۔"[28]

بادشاہ کے دربار میں ماہرین خواب نے اس خواب کو بادشاہ کی پریشان خیالی کا مظہر قرار دیا۔ اس خواب سے بادشاہِ مصر "فرعون" ہر وقت پریشان رہنے لگا۔ بادشاہ کو پریشان دیکھ کر ساقی کو اپنا خواب اور اس کی تعبیر یاد آگئی۔ اس نے جیل میں قید حضرت یوسف علیہ السّلام کے علم و حکمت سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔ بادشاہ نے ساقی کو خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السّلام کے پاس بھیجا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات برس تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہو گے۔ ان سات برسوں میں غلے کی فراوانی خوب ہو گی اور اس کے بعد سات برس بہت سخت مصیبت کے آئیں گے اور سخت قحط پڑ جائے گا۔ ایک دانہ بھی باہر سے نہیں آئے گا۔ ان سات سالوں میں وہی غلہ کام آئے گا جو پہلے سات سالوں میں ذخیرہ رکھا کیا ہو گا۔[29]

حضرت یوسف علیہ السّلام کے اس پورے قصے میں اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ خواب مستقبل کی نشاندہی کا ذریعہ ہیں۔ خواب میں حضرت یوسف علیہ السّلام کی بیان کردہ تعبیر کے مطابق چَودہ سال کا مستقبل سامنے آگیا۔ غور و فکر کے

---

[28] حوالہ: سورۃ یوسف- آیت نمبر 43

[29] حوالہ: سورۃ یوسف- آیت 43 تا 47

بعد دوسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ عام آدمی بھی مستقبل کے آئینہ دار خواب دیکھتا ہے۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ علمِ تعبیرِ خواب پیغمبروں کا معجزہ ہے۔

''اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السّلام کو اس ملک میں سلطنت عطا فرمائی اور اس کو خواب کی تعبیر کا علم سکھایا۔''

خواب میں پوشیدہ حکمت اور حضرت یوسف علیہ السّلام کی بیان کردہ تعبیر سے بادشاہِ مصر بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایسے صاحب علم آدمی کو رہا کر کے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا لیکن حضرت یوسف علیہ السّلام نے رہا ہونے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اس الزام کی تحقیق کی جائے جس کے تحت وہ قید کئے گئے تھے۔ بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ قیدی صاحبِ حکمت اور بزرگ ہے اور یہ صاحبِ علم برگزیدہ شخص یقیناً بے گناہ ہے ورنہ الزام کی تحقیق کا مطالبہ نہ کرتا اور بخوشی جیل سے باہر آ جاتا۔ شاہِ مصر نے تحقیقات کا حکم دیا اور نتیجہ میں حضرت یوسف علیہ السّلام بے قصور ثابت ہوئے۔

خواب کی تعبیر معلوم ہونے کے بعد بادشاہ نے دربار میں موجود ماہرین کو اس صورتِ حال سے نمٹنے کی ہدایت کی۔ یہ خواب جس طرح انوکھا تھا اسی طرح تعبیر بھی عجیب تھی اور سارے دربار میں ایک بھی فرد ایسا نہ تھا جو اس کام سے عہدہ برآ ہو سکتا۔ تب حضرت یوسف علیہ السّلام نے اس قحط سالی سے بچنے کی تدابیر بھی بتا دیں۔ بادشاہ ان کے علم و حکمت اور بزرگی کا پہلے ہی معترف تھا۔ اب اس کے دل میں حضرت یوسف علیہ السّلام کی عزت و عظمت گھر کر گئی۔ اس نے ان تدابیر کو نہ صرف قبول کر لیا بلکہ حضرت یوسف علیہ السّلام کو ان پر عمل کرنے کا اختیار بھی دے دیا اور کہا:

آج سے تو میرا نائب ہے۔ آج سے تیرا حکم میری رعایا پر چلے گا۔ آج سے میں نے تجھے ساری سلطنت کا مختار بنایا۔ آج سے تو اپنی مرضی کا مالک ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام نے سلطنتِ مصر کی باگ ڈور سنبھال لی اور چَودہ سال کی غذائی پلاننگ کر دی۔ زرعی زمینوں کے قریب غلہ ذخیرہ کرنے کے لئے گودام تیار کرائے گئے۔ یہ گودام اہرام مصر کے طرز پر بنائے گئے تھے۔ جن

کے اندر رکھی ہوئی اشیاء پر موسمی اثرات اثر انداز نہیں ہوتے۔ سات سال بارشیں خوب ہوئیں اور بہترین فصل حاصل ہوئی۔ پھر کھیتیاں سوکھنے لگیں۔ جوہڑوں اور تالابوں میں جمع شدہ پانی ختم ہو گیا۔ لوگوں کے پاس جمع شدہ غذائی اجناس کی قلت ہو گئی۔ مصر کی ساری زمین سوکھ گئی اور قرب وجوار میں شدید قحط پڑا۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السّلام کے حسنِ انتظام کی بدولت غلہ وافر مقدار میں موجود رہا۔

کنعان کے باشندے مصر آکر سرکاری گوداموں سے غلہ لے کر گئے تو حضرت یعقوب علیہ السّلام نے بھی اپنے بیٹوں کو مصر سے غلہ لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام ان گوداموں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً تقسیمِ اجناس کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ایک بار جائزہ لینے پہنچے تو ایک جیسے لباس اور ایک جیسی شکل وصورت کے حامل دس کنعانیوں کو قطار میں انتظار کرتے دیکھا۔

حضرت یوسف علیہ السّلام نے ان کو پہچان لیا۔ اِستفسار پر انہوں نے بتایا کہ ہم سب آپس میں بھائی ہیں اور کنعان سے آئے ہیں۔ ہم دس بھائیوں کے علاوہ ایک اور بھائی اور باپ کنعان میں ہیں۔ گیارہواں بھائی غلہ لینے اس لئے نہ آسکا کہ ہمارے والد آنکھوں سے معذور ہیں۔ باپ کی معذوری کی وجہ یہ بتائی کہ ہمارے ایک اور بھائی یوسف کو بچپن میں بھیڑیا اٹھا کرلے گیا تھا۔ باپ کو اس سے بے انتہا محبت تھی وہ اس کے غم میں روتے روتے بینائی سے محروم ہو گئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کو یہ سن کر صدمہ پہنچا کہ ان کے باپ ان کی جدائی کے غم میں بینائی کھو چکے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے چھوٹے بھائی کی فکر بھی لاحق ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ ”تم لوگ کنعان سے آئے ہو ممکن ہے تمہیں یہاں کے قانون کا علم نہ ہو، غلہ صرف انہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو یہاں موجود ہوتے ہیں۔ اس بار تم کو معذور باپ اور بھائی کے حصّے کا غلہ دے دیا جاتا ہے۔ لیکن آئندہ جب غلہ لینے آؤ تو اپنے باپ اور بھائی کو بھی ساتھ لے کر آنا۔“ بھائیوں نے کہا کہ ہمارے والد تو بیٹے کے غم میں گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ آنکھوں سے بھی معذور ہیں۔ ان کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ چھوٹا بھائی باپ کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور وہ بھی اسے خود سے دور کرنا گوارا نہیں کرتے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام نے باپ کی معذوری کا عذر قبول کر لیا لیکن بھائی کے نہ آنے کی وجہ کو قبول نہ کیا اور کہا کہ تمہارے بھائی کو اپنے حصّے کا غلہ لینے یہاں آنا پڑے گا اگر وہ نہیں آیا تو تم کو بھی غلہ نہیں دیا جائے گا۔ مصر سے واپسی پر تمام بھائی اپنے نابینا باپ کے پاس پہنچے اور انہیں والیِ مصر کے حکم سے آگاہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے ان کی بات سن کر کہا:

''کیا تم پر اس طرح اعتماد کروں جس طرح اس کے بھائی یوسف کے معاملے میں کر چکا ہوں۔''

حضرت یوسف علیہ السّلام کی جدائی کے بعد حضرت یعقوب علیہ السّلام کے دل کا سکون ''بن یامین'' تھا۔ آنکھوں کی روشنی سے محروم ہونے کے بعد بن یامین ہی باپ کی ضرورت کا خیال رکھتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کے سوتیلے بھائی باپ کا جواب سن کر شرمندہ ہوئے اور بڑے بھائی نے نہایت عاجزی سے کہا۔ ''آپ کو ہم پر اعتماد نہیں رہا لیکن ہم مجبور ہیں۔ اگر آپ نے بن یامین کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجا تو کسی کو بھی غلہ نہیں ملے گا۔'' حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اپنے بیٹوں سے اس بات کا وعدہ لیا کہ وہ بن یامین کو صحیح سلامت باپ کے پاس لے آئیں گے۔

دوسری مرتبہ برادرانِ یوسف کا قافلہ جب مصر کو روانہ ہونے لگا تو حضرت یعقوب علیہ السّلام نے بیٹوں کو نصیحت کی کہ دیکھو ایک ساتھ جَتھا بنا کر شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے ایک ایک دو دو داخل ہونا۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی بیٹوں کو یہ نصیحت اس وجہ سے تھی کہ جب وہ پہلی بار مصر داخل ہوئے تھے تو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے تھے اور بعد ازاں الزام ثابت نہ ہونے پر رہا ہوئے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام جانتے تھے کہ ان کے بھائی جو غلہ لے گئے ہیں وہ زیادہ دن نہیں چلے گا۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اتنی مدت کے بعد بھائیوں کو دوبارہ غلہ لینے کے لئے آنا چاہیئے۔ بھائی کے انتظار میں وہ شہر کے باہر چکر بھی لگایا کرتے تھے۔ بالآخر برادرانِ یوسف پہنچ گئے اور باپ کی نصیحت کے مطابق الگ الگ دروازوں سے داخل ہوئے اور پھر

ایک جگہ جمع ہو گئے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے انہیں شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا اور اپنے سگے بھائی بن یامین کو تنہائی میں طلب کر کے اسے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا۔ باپ کی خیر خبر معلوم کی، اپنی ساری روئداد سنائی۔ باپ سے جدائی سے لے کر اب تک کا سارا قصّہ بھائی کو سنایا اور تاکید کی کہ دوسرے بھائیوں پر اس راز کو آشکار نہ کیا جائے کہ میں ہی ان کا وہ بھائی ہوں جس کو اپنی دانست میں وہ ختم کر چکے ہیں۔

اب کی بار حضرت یوسف علیہ السّلام نے تمام بھائیوں کو پہلے سے زیادہ غلہ دیا اور اپنے بھائی بن یامین کو اپنے پاس رکھنے کی یہ ترکیب کی کہ غلہ ناپنے کا شاہی پیالہ اس کے سامان میں رکھ دیا۔

کنعانی جوانوں کا یہ قافلہ ابھی روانہ ہی ہوا تھا کہ چاندی سے بنے شاہی پیمانے کی تلاش شروع ہو گئی۔ جب پیمانہ نہ ملا تو قافلہ والوں پر چوری کا شبہ ظاہر کیا گیا کیونکہ صرف اس قافلہ کو تقسیم کیا گیا تھا۔ قافلہ رکوایا گیا۔ برادران یوسف نے اس پر احتجاج کیا کہ چوری کا الزام بے بنیاد ہے۔ بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ قافلہ والے واپس چل کر تلاشی دیں گے اگر الزام ثابت نہ ہوا تو انہیں اس غلط شبہ کے نتیجے میں پہنچنے والی تکلیف کے بدلے میں مزید غلہ دیا جائے گا اور اگر الزام ثابت ہوا تو مجرم کو قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔۔۔۔۔اور قانون میں اس کی سزا یہ تھی کہ مجرم کو اس شخص کے حوالہ کر دیتے تھے جس کی چیز چوری ہوتی تھی۔

شاہی دروغہ نے تمام بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینا شروع کر دی آخیر میں سب سے چھوٹے بھائی بن یامین کی خورجی میں سے شاہی پیمانہ بر آمد ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تمام بھائی پریشان ہو گئے۔

شاہی پہرہ دار بن یامین کو گرفتار کر کے لے جانے لگے تو ان سب کو باپ سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا انہوں نے دروغہ کی منت سماجت شروع کر دی کہ بن یامین کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی جگہ جس بھائی کو چاہیں وہ گرفتار کر لیں۔ معاملہ حضرت

یوسف علیہ السّلام والیِٔ مصر کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے اس امر سے معذوری ظاہر کی اور کہا۔ ''اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو گا کہ اصلی مجرم کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیا جائے۔''

ناکام و نامراد برادران یوسف وطن واپس ہوئے۔ لیکن اس سفر میں ان کا بڑا بھائی ان کے ساتھ نہیں گیا کیونکہ اس نے خاص طور پر بن یامین کی بحفاظت واپسی کا ذمہ اپنے سر لیا تھا اور بارِ ندامت سے باپ کا سامنا کرنے کی ہمت اس کے اندر موجود نہ تھی۔ وہ شہر مصر کے باہر ہی رہ گیا۔ باقی بھائیوں نے کنعان پہنچ کر اپنے باپ کو صورتحال سے آگاہ کیا تو حضرت یعقوب علیہ السّلام نے فرطِ غم سے ایک آہ کھینچی اور غمزدہ آواز سے بولے۔ ''میں جانتا ہوں کہ بات یہ نہیں ہے کہ تم جو کچھ کہتے ہو مان لیتا ہوں۔ اب سوائے صبر کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔''[30]

حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بیٹے جو غلہ لائے تھے، ختم ہو گیا۔ وہ پھر مصر جانے کے بارے میں سوچنے لگے لیکن بن یامین کی حرکت سے جو شرمندگی انہیں ہوئی تھی اس کی وجہ سے دوبارہ جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السّلام نے انہیں تسلی دی اور مصر جانے پر آمادہ کیا تاکہ غلہ کے حصول کے ساتھ ساتھ بن یامین کی قید سے رہائی کے بارے میں والیِٔ مصر سے معافی کی التجا کی جا سکے۔ باپ کے ہمت دلانے پر بیٹے دربارِ شاہی میں حاضر ہوئے اور کہا ''ہم کو قحط سالی نے پریشان کر دیا ہے۔ اب معاملہ خرید و فروخت کا نہیں ہے، ذرائع آمدنی ختم ہو گئے ہیں۔ ہم غلہ پوری قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے حاضر ہے اگر تو ہمیں غلہ نہیں دے گا تو ہمارے گھروں میں فاقے شروع ہو جائیں گے۔''

---

[30] سورۃ یوسف– آیت 83

حضرت یوسف علیہ السّلام نے یہ سنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور آبدیدہ ہو کر کہا۔ ''نہیں نہیں میں تمہیں اور اپنے باپ کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا۔''

برادرانِ یوسف اس بات پر کہ عزیزِ مصر ہمارے باپ کو اپنا باپ کہہ رہا ہے، حیرت زدہ ہو رہے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام نے مزید کہا:

''تم لوگوں نے یوسف اور اس کے بھائی بن یامین کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟''

یہ جملہ سن کر ان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عزیزِ مصر کو یوسف اور بن یامین سے کیا واسطہ ہے۔

''میرے بھائیو! میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں جسے تم نے حسد کی بناء پر کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔''

حضرت یوسف علیہ السّلام کے اس انکشاف سے ان کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ خوف، شرمساری اور ندامت کے احساس سے ان کی گردنیں جھک گئیں۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے پیغمبرانہ طرزِ فکر سے درگزر سے کام لیا۔ فرمایا:

''میں تمہارا بھائی ہوں۔ ہم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔ تم سے کوئی سرزنش نہیں، کوئی شکوہ نہیں، کوئی شکایت نہیں۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے گناہ بخش دے کیونکہ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔''

فرعونِ مصر کو حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں کی آمد کا پتہ چلا اور یہ کہ ان کے والد اللہ کے برگزیدہ بندے حضرت یعقوب علیہ السّلام ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کنعان میں اسرائیل کے نام سے پکارے جاتے تھے اور آپ سے

کئی معجزے منسوب تھے۔ جن سے فرعون بھی واقف تھا۔ فرعون کو جب یہ پتہ چلا کہ یوسف علیہ السّلام اس برگزیدہ ہستی کے بیٹے ہیں تو اس نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کو ان کے پورے خاندان سمیت مصر میں آباد ہونے کی دعوت دی اور سہولت کے لئے فوج کا ایک دستہ برادران یوسف علیہ السّلام کے ہمراہ کنعان بھیجا۔ جس میں مال برداری کے جانور بھی شامل تھے۔

قافلے کی کنعان روانگی سے قبل حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنا پیراہن بھائیوں کو دیتے ہوئے کہا کہ اسے میرے محترم و مقدس باپ کی آنکھوں سے لگانا۔ خداوندِ قدوس اپنا فضل کرے گا۔

قافلہ ابھی کنعان میں داخل نہیں ہوا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اہلِ خاندان سے کہا کہ مجھے اپنے گمشدہ بیٹے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ اہلِ خاندان نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کی اس بات کو پیرانہ سالی کی وجہ سے ضعفِ دماغ پر محمول کیا اور کہا کہ برسوں کا گمشدہ بیٹا جس کو بھیڑیا لے گیا تھا۔ بھلا اس کی خوشبو کیسے آنے لگی؟ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے کہا:

"تم لوگ وہ بات نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔" (سورۃ یوسف–96)

شاہی دستہ کے ہمراہ قافلہ شہر میں جب داخل ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السّلام اپنے گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بیٹے سر جھکائے ان کے پاس پہنچے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے خوشی اور بے قراری سے کہا۔

"تم سب آ گئے۔ مجھے یوسف کی مہک محسوس ہو رہی ہے۔"

''یوسف ہمارے ساتھ نہیں آیا ہے۔'' ایک بھائی نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ جواب دیا اور پیراہن نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یوسف نے یہ بھیجا ہے۔'' حضرت یعقوب علیہ السّلام نے پیراہن ہاتھ میں لیا اور یہ کہتے ہوئے چومنا اور آنکھوں سے لگانا شروع کر دیا۔ ''میرا یوسف زندہ ہے۔ میں نہ کہتا تھا کہ میرا یوسف زندہ ہے، مجھے اس کی مہک آ رہی ہے۔'' پیراہن آنکھوں سے مس ہو رہا تھا اور رفتہ رفتہ بینائی لوٹ رہی تھی۔

بھائیوں نے اول تا آخر سارا قصّہ کہہ سنایا۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام تمام خاندان والوں کے ہمراہ جن کی تعداد ستر بتائی جاتی ہے، مصر روانہ ہو گئے۔ توریت کی تصریح کے مطابق والد سے بچھڑتے وقت حضرت یوسف علیہ السّلام کی عمر 17 سال تھی اور حضرت یعقوب علیہ السّلام نوے سال کے تھے۔ جس وقت حضرت یعقوب علیہ السّلام مصر تشریف لائے اس وقت ان کی عمر 130 سال تھی گویا باپ بیٹا چالیس سال ایک دوسرے سے جدا رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے تقریباً اسّی سال مصر پر حکومت کی۔ بائبل کی ایک روایت کے مطابق ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل کو مصر میں بہت عروج حاصل ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے انتقال کے کافی عرصے بعد ان کا عروج مصر سے ختم ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف کو وزیر اعظم کے عہدے پر فائز کرنے والا بادشاہ، عرب نسل کا تھا۔ اور یہ خاندان "ہکوس بادشاہ" کہلاتے تھے۔ ان کی حکومت ختم ہوئی تو ایک سخت متعصب قبطی النسل برسر اقتدار آیا۔ اب مصر کے نئے حکمران فرعون کہلانے لگے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا اور ان پر بڑے مظالم ڈھائے۔ کافی طویل عرصے تک بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی میں جکڑے رہے، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی آزادی کا ذریعہ بنایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل یہودیوں کے مذہبی عقائد:

فرعون نے بنی اسرائیل پر نہایت بے دردی سے محنت و مشقت کے دشوار کام لازم کیے تھے پتھروں کی چٹانیں کاٹ کر ڈھوتے ڈھوتے ان کی کمریں گردنیں زخمی ہو گئیں تھیں۔ غریبوں پر ٹیکس مقرر کیے تھے جو غروب آفتاب سے قبل بجبر وصول کیے جاتے تھے۔ جو نادار کسی دن ٹیکس ادا نہ کر سکا اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ ملا کر باندھ دیئے جاتے تھے اور مہینہ بھر تک اسی مصیبت میں رکھا جاتا تھا اور طرح طرح کی بے رحمانہ سختیاں تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل یہودی عبادات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ خاندانی دیوتاؤں کی عبادت

2۔ پتھروں کی عبادت

3۔ قومی دیوتاؤں (بادشاہوں) کی عبادت

چنانچہ بنی اسرائیل میں مورتیوں کی شکل میں ہر خاندان کا الگ الگ دیوتا تھا۔ خاندانی دیوتاؤں کی یہ مورتیاں چھوٹی جسامت میں ہوتی تھیں۔ جن کو تراخیم کہا جاتا تھا۔ اسی طرح پتھروں کی پوجا اور ان پتھروں سے بت تراشی بھی عام تھی۔ بعض قربان گاہوں میں یہ بھی ہوتا تھا کہ صرف ایک پتھر کھڑا کر دیا جاتا تھا جس پر تیل ڈالا جاتا تھا اور اس کے سامنے قربانی کی جاتی، اس جگہ کا نام ان لوگوں کے یہاں بیت اہل تھا۔

جب یہودیوں نے کنعان پر غلبہ حاصل کیا تو وہ اس وقت کے دو مقامی بادشاہوں "بعل" اور "مولک" کی روحوں سے فیض حاصل کرتے تھے۔ خاص طور پر مولک کی پرستش دنیا کی بہت سی اقوام میں رائج تھی۔ بنی اسرائیل نے جب اس کی پوجا شروع کی تو وہ اس حد تک بڑھے کہ اپنے بچوں کی قربانیاں بھی انہی کے نام پر کرنے لگے۔ اسی بت کو 'یہوداہ' کا نام دے دیا گیا۔ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ یہی قومی دیوتا ہمیں دشمنوں پر فتح دیتا ہے اور ہماری حفاظت کرتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام تک یہودیوں کا عقیدہ سلامت رہا۔ جونہی وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے یہ پھر اپنی پرانی روش پر چلنے لگے اور دوبارہ قومی دیوتاؤں کی پرستش شروع کر کے ان کو اپنا سب کچھ ماننے لگے۔ جناب مظہر الدین صدیقی نے آمد موسیٰ علیہ السلام سے قبل کے حالات پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس ماحول میں پرورش پائی، اس میں مشرکانہ رسوم اور بت پرستانہ عقائد کی گرم بازاری تھی۔ دوسری اقوام کی عبادات اور پرستش کو قبول کرنے میں مصری بہت فراخ دل تھے۔ چنانچہ کنعانی دیوتاؤں بعل اور ہرون کی پرستش، مصری دیوتاؤں مثلاً سیت، ہورس اور ایسس کے ساتھ ساتھ جاری تھی۔ اسی طرح کنعان میں کئی مصری دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی۔ عام مذہبی حالت بہت پست تھی، کنعان مین حرام کاری کو مذہبی تقدس حاصل تھا۔ سانپوں کی پرستش بھی عام تھی اور انسانی قربانی ان کی ایک معمولی عادت تھی۔"[31]

حضرت موسیٰ کی ولادت کے وقت کے حالات:

فرعون نے خواب دیکھا کہ بَیْتُ الْمَقْدِسْ کی طرف سے آگ آئی اس نے مصر کو گھیر کر تمام قبطیوں کو جلا ڈالا بنی اسرائیل کو کچھ ضرر نہ پہنچایا۔ اس سے اس کو بہت وحشت ہوئی کاہنوں نے تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو تیرے ہلاک اور زوال سلطنت کا باعث ہو گا۔ یہ سن کر فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے

[31] مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم، ص 58

۔ دائیاں تفتیش کے لئے مقرر ہوئیں۔ بارہ ہزار یا ایک روایت کے مطابق ستر ہزار لڑکے قتل کر ڈالے گئے اور نوّے ہزار حمل گرا دیئے گئے اور مشیتِ الٰہی سے اس قوم کے بوڑھے جلد جلد مرنے لگے۔ جیسا کہ قرآن میں کہا گیا:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ[32]

بے شک فرعون زمین پر سرکش ہو گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر دیے تھے ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا، بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔

قوم قبط کے رؤسا نے گھبرا کر فرعون سے شکایت کی کہ بنی اسرائیل میں موت کی گرم بازاری ہے اس پر ان کے بچے بھی قتل کیے جاتے ہیں تو ہمیں خدمت گار کہاں سے میسر آئیں گے۔ فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال بچے قتل کیے جائیں اور ایک سال چھوڑے جائیں۔ تو جو سال چھوڑنے کا تھا اس میں حضرت ہارون پیدا ہوئے اور قتل کے سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

غریب خانے سے فرعون کے محل تک:

ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوئی اور انہوں نے فرعون کے خوف سے ان کو ایک صندوق میں رکھ کر صندوق کو مضبوطی سے بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

---

[32] سورة القصص: 4

وَاَوْحَيْنَـآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۖ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَـمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۖ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ[33]

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تجھے اس کا خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر، بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔

دریا سے نکل کر ایک نہر فرعون کے محل کے نیچے بہتی تھی۔ یہ صندوق دریائے نیل سے بہتے ہوئے نہر میں چلا گیا۔ اتفاق سے فرعون اور اس کی بیوی "آسیہ" دونوں محل میں بیٹھے ہوئے نہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ جب ان دونوں نے صندوق کو دیکھا تو خدام کو حکم دیا کہ اس صندوق کو نکال کر محل میں لائیں۔ جب صندوق کھولا گیا تو اس میں سے ایک نہایت خوبصورت بچہ نکلا جس کے چہرہ پر حسن و جمال کے ساتھ ساتھ انوارِ نبوت کی تجلیات چمک رہی تھیں۔ فرعون اور آسیہ دونوں اس بچے کو دیکھ کر دل و جان سے اس پر قربان ہونے لگے اور آسیہ نے فرعون سے کہا کہ:

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّـىْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَـآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ[34]

یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے۔

چونکہ ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام شیر خوار بچے تھے۔ اس لئے ان کو دودھ پلانے والی کسی عورت کی تلاش ہوئی مگر آپ

---

[33] سورة القصص: 7
[34] القصص: 9

کسی عورت کا دودھ پیتے ہی نہیں تھے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بے حد پریشان تھیں کہ نامعلوم میرا بچہ کہاں اور کس حال میں ہو گا؟ پریشان ہو کر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن "مریم" کو جستجوئے حال کے لئے فرعون کے محل میں بھیجا۔ اور مریم نے جب یہ حال دیکھا کہ بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ میں ایک عورت کو لاتی ہوں شاید کہ یہ اُس کا دودھ پینے لگیں۔ چنانچہ "مریم" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فرعون کے محل میں لے کر گئیں اور انہوں نے جیسے ہی جوش محبت میں سینے سے چمٹا کر دودھ پلایا تو آپ دودھ پینے لگے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اُن کا بچھڑا ہوا لال مل گیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ قرآن مجید کی سورہ قصص میں موجود ہے:

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فَارِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤی اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ[35]

اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال کھول دیتی اگر ہم نہ ڈھارس بندھاتے اس کے دل پر کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے۔ اور (اس کی ماں نے) اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کر دی تھیں تو بولی کیا میں تمہیں بتا دوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچہ کو پال دیں اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کھائے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

---

[35] سورة القصص: 10- 13

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام "یوحانذ" اور باپ کا نام "عمران" تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام "مریم" ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ وہ مریم نہیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ "مریم" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے سینکڑوں برس بعد ہوئی ہیں۔

حضرت موسی علیہ السلام ابھی تین سال کے بچے ہی تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ بچپن میں آپ ایک روز فرعون کی گود میں تھے آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ اس پر اسے غصہ آیا اور اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ حضرت آسیہ نے کہا کہ اے بادشاہ یہ نادان بچہ ہے کیا سمجھے ؟ تو چاہے تو تجربہ کر لے اس تجربہ کے لئے ایک طشت میں آگ اور ایک طشت میں یاقوت سرخ آپ کے سامنے پیش کئے گئے آپ نے یاقوت لینا چاہا مگر فرشتہ نے آپ کا ہاتھ انگارہ پر رکھ دیا اور وہ انگارہ آپ کے منہ میں دے دیا اس سے زبانِ مبارک جل گئی اور لکنت پیدا ہو گئی۔

مدین کی طرف ہجرت:

حضرت موسی علیہ السلام نے چونکہ شاہی محل میں پرورش پائی تھی اس لیے قدو قامت اور جسامت کے لحاظ سے کافی طاقتور تھے۔ آپ کے دل میں شروع سے ہی بنی اسرائیلیوں کے لیے درد تھا۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مصری کو دیکھا جو ایک بنی اسرائیلی کو مار رہا تھا۔ آپؑ اسے بچانے گئے اور دونوں کو چھڑاتے ہوئے مصری کو ایسا ہاتھ پڑا کہ وہ وہیں مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر ندامت ہوئی۔ اگلے روز دیکھا وہی اسرائیلی دوبارہ فریاد کرتا اور مدد مانگتا ہوا آرہا ہے۔ آپؑ کو مصری پر غصہ آیا اور ساتھ ہی ساتھ اسرائیلی کے لیے بی ڈانٹ ڈپٹ کے یہ الفاظ نکلے:

"انک لغوی مبین" (تم تو کھلے گمراہ ہو)

اسرائیلی نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام کہیں مجھے بھی سزا نہ دے دیں تو وہ فوری طور پر بول اٹھا: "تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا؟" قرآن میں یہ واقعہ کچھ اس طرح بیان ہوا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۖ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ[36]

اور جب موسٰی (علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور (سنِّ) اعتدال پر آ گئے تو ہم نے انہیں حکم (نبوّت) اور علم و دانش سے نوازا، اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور موسٰی (علیہ السلام) شہر (مصر) میں داخل ہوئے اس حال میں کہ شہر کے باشندے (نیند میں) غافل پڑے تھے، تو انہوں نے اس میں دو مَردوں کو باہم لڑتے ہوئے پایا یہ (ایک) تو ان کے (اپنے) گروہ (بنی اسرائیل) میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان کے دشمنوں (قومِ فرعون) میں سے تھا، پس اس شخص نے جو انہی کے گروہ میں سے تھا آپ سے اس شخص کے خلاف مدد طلب کی جو آپ کے دشمنوں میں سے تھا پس موسٰی (علیہ السلام) نے اسے مکّا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا، (پھر) فرمانے لگے: یہ شیطان کا کام ہے (جو مجھ سے سرزَد ہوا ہے)، بیشک وہ صریح بہکانے والا دشمن ہے۔

مزید ارشاد ہوا:

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ۔ فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۚ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ۔ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يَا مُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ

[36] سورة القصص: 14-15

نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ37

"(موسٰی علیہ السلام) عرض کرنے لگے: اے میرے رب! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو مجھے معاف فرما دے پس اس نے انہیں معاف فرما دیا، بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (مزید) عرض کرنے لگے: اے میرے رب! اس سبب سے کہ تو نے مجھ پر (اپنی مغفرت کے ذریعہ) احسان فرمایا ہے اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ پس موسٰی (علیہ السلام) نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی اس انتظار میں (کہ اب کیا ہو گا؟) تو دفعتًہ وہی شخص جس نے آپ سے گزشتہ روز مدد طلب کی تھی آپ کو (دوبارہ) امداد کے لئے پکار رہا ہے تو موسٰی (علیہ السلام) نے اس سے کہا: بیشک تو صریح گمراہ ہے۔ سو جب انہوں نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن ہے تو وہ بول اٹھا: اے موسٰی! کیا تم مجھے (بھی) قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ تم نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا۔ تم صرف یہی چاہتے ہو کہ ملک میں بڑے جابر بن جاؤ اور تم یہ نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے بنو۔"

اس بنی اسرائیلی شخص کے اس طرح بولنے سے اس واقعے کی فرعون اور اس کے اہل دربار کو اطلاع پہنچ گئی انھوں نے حضرت موسی سے اس عمل کے مکرر سرزد ہونے کو اپنی شان سلطنت کے لئے ایک تہدید سمجھا۔ وہ باہم مشورے کے لئے جمع ہوئے اور حضرت موسی کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ اور شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا:

قَالَ يَا مُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النَّاصِحِيْنَ۔[38]

---

[37] سورة القصص: 16- 19

"اے موسٰی! (قومِ فرعون کے) سردار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ وہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (یہاں سے) نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اضطراب کی حالت میں مصر سے نکلے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور مدد طلب کی، تاکہ وہ اس مشکل وقت سے اپنے آپ کو نکال سکیں۔ قرآن میں ارشاد ہے:

فَخَرَجَ مِنْـهَا خَآئِفًا يَّتَـرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔[39]

"سو موسٰی (علیہ السلام) وہاں سے خوف زدہ ہو کر (مددِ الٰہی کا) انتظار کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے، عرض کیا: اے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ شہر مدین کو چلے جائیں گے۔ مدیَن وہ مقام ہے جہاں حضرت شعیب علیہ الصلٰوۃ والسلام تشریف رکھتے تھے اس کو مدیَن ابنِ ابراہیم کہتے ہیں مصر سے یہاں تک آٹھ روز کی مسافت ہے یہ شہر فرعون کے حدودِ قلمرو سے باہر تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا رستہ بھی نہ دیکھا تھا، نہ کوئی سواری ساتھ تھی، نہ توشہ، نہ کوئی ہمراہی، راہ میں درختوں کے پتوں اور زمین کے سبزے کے سوا خوراک کی اور کوئی چیز نہ ملتی تھی۔

---

[38] القصص: 20
[39] سورة القصص: 21

چنانچہ اللہ تعالٰی نے ایک فرشتہ بھیجا جو آپ کو مدیَن تک لے گیا۔ اور جب وہ مَدیَنَ ُ کے پانی (کے کنویں) پر پہنچے تو انہوں نے اس پر لوگوں کا ایک ہجوم پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان سے الگ ایک جانب دو عورتیں دیکھیں جو (اپنی بکریوں کو) روکے ہوئے تھیں (موسٰی علیہ السلام نے) فرمایا: تم دونوں اس حال میں کیوں (کھڑی) ہو؟ دونوں بولیں کہ ہم (اپنی بکریوں کو) پانی نہیں پلا سکتیں یہاں تک کہ چرواہے (اپنے مویشیوں کو) واپس لے جائیں، اور ہمارے والد عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔[40]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ باتیں سن کر بہت کوفت ہوئی اور دل میں کہا کہ یہ کیسے بے انصاف لوگ ہیں کہ انہیں صرف اپنی فکر ہے اور کسی مظلوم کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ آگے آئے، بھاری ڈول اٹھایا اور اسے کنوئیں میں ڈالا، کہتے ہیں کہ وہ ڈول اتنا بڑا تھا کہ چند آدمی مل کر اسے کھینچ سکتے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوی بازوؤں سے اسے اکیلے ہی کھینچ لیا اور ان دونوں عورتوں کی بھیڑوں کو پانی پلا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تھکے ہوئے اور بھوکے تھے اس شہر میں اجنبی اور تنہا تھے اور ان کے لیے کوئی سر چھپانے کی جگہ بھی نہ تھی مگر پھر بھی وہ بے قرار نہ تھے آپ کا نفس ایسا مطمئن تھا کہ دعا کے وقت بھی یہ نہیں کہا کہ "خدایا تو میرے لیے ایسا یا ویسا کر" بلکہ یہ کہا کہ:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ[41]

اے میرے رب! تو جو خیر بھی مجھے بخشے میں اس کا محتاج ہوں"۔

---

[40] بحالہ القصص: 23
[41] سورۃ القصص: 24

اس واقعہ کے بعد ان لڑکیوں نے اپنے والد کو یہ قصہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ اس نوجوان کو میرے پاس لے کر آؤ۔ دونوں بہنوں میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آئی اور کہا: "میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ جو آپ نے ہماری بکریوں کے لیے پانی کھینچا تھا، اس کا معاوضہ دیں"۔ اس کے بعد حضرت موسی علیہ السلام اس لڑکی کے ساتھ چل دیئے۔ ان خواتین کے والد کا نام حضرت شعیب علیہ السلام تھا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ سے حضرت شعیب کے مکان کی طرف روانہ ھوئے ۔ اس کے بعد حضرت موسی علیہ السلام کی ملاقات حضرت شعیب علیہ السلام سے ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے من و عن اپنی ولادت اور فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم سے شروع کر کے آخر تک ساری داستان کہہ سنائی۔ سب کچھ سننے کے بعد بزرگ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی اور فرمایا کہ خدا کا شکر کرو کہ اب تم کو ظالموں کے پنجہ سے نجات مل گئی اب کوئی خوف کا مقام نہیں ہے۔

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ مدین والے شیخ نبی اللہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ بعض نے ان کی قوم کے ہی ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ نبی نہیں تھے۔ بہر حال ان میں اختلاف ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مدین کے بزرگ میزبان کے درمیان یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اس لڑکی نے جو موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی اپنے باپ سے کہا: اے باپ! آپ اس مہمان کو اپنے مویشیوں کے چرانے اور پانی مہیا کرنے کے لئے اجیر رکھ لیجئے، اجیر وہی بہتر ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔

مفسرین کہتے ہیں کہ باپ کو لڑکی کی یہ گفتگو عجیب سی معلوم ہوئی اور اس نے دریافت کیا: ''تجھ ''کو اس مہمان کی قوت و امانت کا حال کیا معلوم؟ لڑکی نے جواب دیا: میں نے مہمان کی قوت کا اندازہ تو اس سے کیا کہ کنوئیں کا بڑا ڈول اس نے تنہا بھر کر کھینچ لیا اور امانت کی آزمائش اس طرح کی کہ جب میں اس کو بلانے گئی تو اس نے مجھے دیکھ کر نیچی نظریں کر لیں اور

گفتگو کے دوران میں ایک مرتبہ بھی میری طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا اور جب یہاں آنے لگا تو مجھے پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے آگے چلا اور صرف اشاروں ہی میں اس کی رہنمائی کرتی رہی۔[42]

بزرگ باپ نے بیٹی کی ان باتوں کو سنا تو بہت مسرور ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم آٹھ سال تک میرے پاس رہو اور میری بکریاں چراؤ تو میں اس بیٹی کی تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں اور اگر تم اس مدت کو دو سال بڑھا کر دس سال کر دو تو اور بھی بہتر ہے یہی لڑکی کا مہر ہو گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کر لیا اور فرمایا کہ یہ میری خوشی پر چھوڑیئے کہ میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو چاہوں پورا کر دوں، آپ کی جانب سے مجھ پر اس بارہ میں کوئی جبر نہ ہو گا۔ طرفین کی اس باہمی رضامندی کے بعد بزرگ میزبان نے اس بیان کردہ مدت کو مہر قرار دے کر موسیٰ علیہ السلام سے اپنی اس بیٹی کی شادی کر دی۔

اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مدت ختم ہونے پر ''عقد'' عمل میں آیا اور عقد کے فوراً بعد ہی موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہو گئے، مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کا نام حضرت ''صفورہ'' بتایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں ایک عرصہ قیام کیا اور اس پوری مدت میں اپنے خسر کے مویشیوں کی گلہ بانی کرتے رہے

قرآن عزیز نے یہ نہیں بتایا کہ مدت پوری ہونے کے کس قدر بعد تک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''شیخ'' اپنے خسر کے پاس قیام کیا؟ البتہ مفسرین یہ کہتے ہیں کہ مدت ختم ہونے کے فوراً بعد ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کو روانہ ہو گئے اور ان کے

---

[42] تفسیر ابن جریر، سورۃ قصص

خسر نے روانگی کے سال میں بکریوں نے جس قدر بچے دیئے تھے ان کے حوالے کر دیئے اور وہ اپنی بیوی اور اس ریوڑ کو لے کر چل پڑے۔[43]

تورات میں مذکور ہے کہ اس قیام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام جیر سون رکھا، مدیانی عبرانی میں اس کے معنی ''غربت و مسافرت'' کے ہیں۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیٹے کے نام میں اپنی ''مسافرت'' کو بطور یاد گار قائم رکھا تا کہ خاندان والوں کو یاد رہے کہ اس بچہ کی ولادت غربت و مسافرت میں ہوئی تھی، تورات کی عبارت یہ ہے:

"اور اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰ کو دی وہ بیٹا جنی اس نے اس کا نام جیر سون رکھا کیونکہ اس نے کہا میں اجنبی ملک میں مسافر ہوں۔''[44]

وادی مقدس میں نبوت ملنا:

واپس آتے ہوئے یا وہیں مدین کے قریب ہی ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال سمیت بکریاں چراتے چراتے مدین سے بہت دور نکل گئے گلہ بان قبائل کے لئے یہ بات کوئی قابل تعجب نہ تھی مگر رات ٹھنڈی تھی اس لئے سردی آگ کی جستجو پر مجبور کر رہی تھی۔

سامنے کوہ سینا کا سلسلہ نظر آرہا تھا یہ سینا کا مشرقی گوشہ تھا اور مدین سے ایک روز کے فاصلہ پر بحر قلزم کے دو شاخے کے درمیان مصر کو جاتے ہوئے واقع تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ جلانے کے لئے چقماق استعمال کیا مگر

---

43 معالم القرآن، جلد ۵ ص ۱۴۳

44 خروج، باب ۲، آیت ۲۲،۲۱

سخت خنکی تھی اس نے کام نہ دیا۔ سامنے کی وادی (وادی ایمن) میں نگاہ دوڑائی تو ایک شعلہ چمکتا ہوا نظر پڑا، بیوی سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں آگ لے آؤں تاپنے کا بھی انتظام ہو جائے گا اور اگر وہاں کوئی رہبر مل گیا تو بھٹکی ہوئی راہ کا بھی کھوج لگ جائے گا۔

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى[45]

جب اس نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید کہ میں اس سے تمہارے پاس کوئی چنگاری لاؤں یا وہاں کوئی رہبر پاؤں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ عجیب آگ ہے درخت پر روشنی نظر آتی ہے مگر نہ درخت کو جلاتی ہے اور نہ گل ہی ہو جاتی ہے، یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھے لیکن جوں جوں آگے بڑھتے جاتے تھے آگ دور ہوتی جاتی تھی یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو خوف سا پیدا ہوا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ واپس ہو جائیں جوں ہی وہ پلٹنے لگے آگ قریب آگئی اور قریب ہو گئی اور قریب ہوئے تو سنا کہ یہ آواز آرہی ہے:

اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ[46]

اے موسیٰ! میں ہوں میں اللہ پروردگار تمام جہانوں کا۔

---

[45] سورۃطٰہٰ:10

[46] سورة القصص: 30

یہی واقعہ سورۃ طٰہٰ میں یوں بیان ہوا ہے:

فَلَمَّآ اَتَاهَا نُـوْدِیَ یَا مُوْسٰی۔ اِنِّـیَ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۖ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی۔ وَاَنَا اخْتَـرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی[47]

پس جب موسیٰ اس (آگ) کے قریب آئے تو پکارے گئے اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار پس اپنی جوتی اتار دے تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ! میں نے تجھ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سن۔

اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے جس طرح کلام فرمایا قرآن مجید نے اُس کو اِس طرح بیان فرمایا کہ!

وَمَا تِلْكَ بِـیَمِیْنِكَ یَا مُوْسٰی۔ قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْـهَا وَاَهُشُّ بِـهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْـهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی [48]

ترجمہ:۔ اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے، اے موسیٰ عرض کی یہ میرا عصا ہے میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اِس میں اور کام ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[47] سورۃ طٰہٰ: 11-13
[48] سورۃ طٰہٰ: 17-18

قَالَ اَلْقِهَا يَا مُوْسٰى[49]

"موسیٰ! اپنی اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔"

اور موسیٰ علیہ السلام نے اس ارشاد عالی کی تعمیل کی:

فَاَلْقَاهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى[50]

پھر اسے ڈال دیا تو اسی وقت وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ حیرت زدہ واقعہ دیکھا تو گھبرا گئے اور بشریت کے تقاضہ سے متاثر ہو کر بھاگنے لگے، پیٹھ پھیر کر بھاگے ہی تھے کہ آواز آئی:

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى[51]

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) موسیٰ! اس کو پکڑ لو اور خوف نہ کھاؤ ہم اس کو اس کی اصل حالت پر لوٹا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی دوشاخہ تھی اب وہی دوشاخہ اژدہے کا منہ نظر آرہا تھا سخت پریشان تھے مگر قربت الٰہی نے طمانیت و سکون کی حالت پیدا کر دی اور انہوں نے بے خوف ہو کر اس کے منہ پر ہاتھ ڈال دیا اس عمل کے ساتھ ہی فوراً وہ دوشاخہ پھر لاٹھی بن گیا۔

---

[49] سورۃ طٰہٰ: 19
[50] سورۃ طٰہٰ: 20
[51] سورۃ طٰہٰ: 21

اب موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ پکارا گیا اور حکم ہوا کہ اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر لے جا کر بغل سے مس کیجئے اور پھر دیکھئے وہ مرض سے پاک اور بے داغ چمکتا ہوا نکلے گا۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى[52]

اور ملا دے اپنے ہاتھ کو اپنی بغل کے ساتھ نکل آئے گا وہ روشن بغیر کسی مرض کے (یعنی برص سے پاک) یہ دوسری نشانی ہے۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيَاتِنَا الْكُبْرٰى[53]

تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرا دیں

یہ نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا کیں تاکہ آپؑ فرعون کے پاس جا کر دین کی تبلیغ کر سکیں اور اس کو اور اس کی قوم کو سیدھے رستے پر لا سکیں۔

فرعون کو دعوت حق:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ ان نشانیوں کے ساتھ فرعون کے پاس جائیں اور اسے دین حق کی دعوت دیں۔ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کروائیں۔

---

[52] سورۃ طٰہٰ: 22
[53] طٰہٰ: 23

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ[54]

پس تیرے پروردگار کی جانب سے فرعون اور اس کی جماعت کے مقابلہ میں تیرے لئے یہ دو برہان ہیں بلاشبہ وہ فرعون اور اس کی جماعت نافرمان قوم ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ[55]

کہا اے پروردگار! میرے ہاتھ سے ایک مصری قتل ہو گیا تھا اس لئے یہ خوف ہے کہ کہیں وہ مجھ کو قتل نہ کر دیں

"اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان دلایا کہ تم ہمارا پیغام لے کر ضرور جاؤ اور ان کو حق کی راہ دکھاؤ، وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے اور جو نشانات ہم نے تم کو بخشے ہیں وہ تمہاری کامیابی کا باعث ہوں گے اور انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔ ہم تمہاری درخواست منظور کرتے ہیں اور تمہارے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی تمہارا شریک کار بناتے ہیں۔ دیکھو تم دونوں فرعون اور اس کی قوم کو جب ہماری صحیح راہ کی جانب بلائو تو اس پیغام حق میں نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آنا کیا عجب ہے کہ وہ نصیحت قبول کر لیں اور خوف خدا کرتے ہوئے ظلم سے باز آجائیں۔"

---

[54] سورة القصص: 32
[55] قصص: 33

داخلہ مصر:

سدی کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت سے سرفراز ہو کر کلام ربانی سے فیضیاب بن کر اور دعوت و تبلیغ حق میں کامیابی و کامرانی کا مژدہ پا کر وادی مقدس سے اُترے تو اپنی بیوی کے پاس پہنچے جو وادی کے سامنے جنگل میں ان کی منتظر اور چشم براہ تھیں۔ ان کو ساتھ لیا اور یہیں سے تعمیل حکم الٰہی کے لئے مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے اور والدہ کے سامنے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے یہ بنی اسرائیل میں مہماں نواز گھر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر مدارت کی گئی۔ اسی دوران میں ان کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آ پہنچے۔ یہاں پہنچنے سے قبل ہی ہارون علیہ السلام کو خدا کی طرف سے منصب رسالت عطا ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کو بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بتا دیا گیا تھا۔ وہ بھائی سے آ کر لپٹ گئے اور پھر ان کے اہل و عیال کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ کو سارا حال سنایا۔ تب سب خاندان آپس میں گلے ملا اور بچھڑے ہوئے بھائیوں نے ایک دوسرے کی گذشتہ زندگی سے تعارف پیدا کیا اور والدہ کی دونوں آنکھوں نے ٹھنڈک حاصل کی۔[56]

اس کے بعد حضرت موسی علیہ السلام کچھ عرصہ بعد اللہ تعالی کے حکم کے مطابق فرعون کے دربار کی طرف روانہ ہوئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں جانے لگے تو والدہ نے غایت شفقت کی بنا پر روکنا چاہا کہ

---

[56] تاریخ ابن کثیر ج ا ص ۲۵۲

تم ایسے شخص کے پاس جانا چاہتے ہو جو صاحب تخت و تاج بھی ہے اور ظالم و مغرور بھی، وہاں نہ جاؤ وہاں جانا بے سود ہو گا مگر دونوں نے والدہ کو سمجھایا کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا اور اس کا وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔

غرض دونوں بھائی اور خدا کے سچے پیغمبر و نبی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف و خطر اندر داخل ہو گئے جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور گفتگو شروع ہوئی۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف و خطر اندر داخل ہو گئے جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور گفتگو شروع ہوئی اور انہوں نے فرمایا:

وَقَالَ مُوْسٰی یَا فِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ[57]

اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں۔ میرے لیے یہی مناسب ہے کہ سوائے سچ کے کوئی بات خدا کی طرف منسوب نہ کروں، میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک بڑی دلیل لایا ہوں پس بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

فرعون نے جب یہ سنا تو کہنے لگا کہ: ”اے موسیٰ! آج تو پیغمبر بن کر میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے وہ دن بھول گیا جب تو نے میرے ہی گھر میں پرورش پائی اور بچپن کی زندگی گذاری اور کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے

---

[57] سورۃ الاعراف:104-105

ایک مصری کو قتل کیا اور یہاں سے بھاگ گیا، موسیٰؑ نے فرمایا: فرعون! صحیح ہے کہ میں نے تیرے گھر میں پرورش پائی اور ایک مدت تک شاہی محل میں رہا اور مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ غلطی کی بنا پر مجھ سے نادانستہ ایک شخص قتل ہو گیا اور میں اس خوف سے چلا گیا تھا لیکن یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے تمام بیکسانہ مجبوریوں کی حالت میں تیرے ہی گھرانے میں میری پرورش کرائی اور پھر مجھ کو اپنی سب سے بڑی نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز کیا۔"

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پرورش اور حسن سلوک کا جو احسان جتلایا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ[58]

"مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے جسے تو جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟"

یعنی تو نے مجھ ایک فرد پر جو احسان کیا ہے، کیا تو اپنے اس ظلم کے مقابلے میں اس کا ذکر کر سکتا ہے کہ تو نے ایک پوری قوم کو غلام بنا کر اپنی خدمت میں لگا رکھا ہے؟

اللہ پاک نے سورۃ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ بیان کیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[58] سورۃ الشعراء:۲۲

"فرعون نے کہا، رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ موسیٰؑ نے فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا: کیا تم سن نہیں رہے؟ موسیٰؑ نے فرمایا: وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا: (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، یہ تو یقیناً" دیوانہ ہے۔ موسیٰؑ نے فرمایا: وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔"[59]

فرعون اللہ پاک کے وجود کا انکار کرتا تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ (نعوذ باللہ) وہ خود معبود ہے اس کے اس اعلان کا ذکر قرآنِ پاک میں کچھ یوں ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَآ اَيُّـهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰـهٍ غَيْـرِيْ[60]

"اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔"

ایک اور جگہ ذکر ہوا: "تم سب کا سب سے بلند و بالا رب میں ہی ہوں۔"[61]

وہ یہ سب محض ہٹ دھرمی کی بنیاد میں کہہ رہا تھا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ ایک بندہ ہے اور کسی اور کے سایہ ربوبیت میں ہے اور اللہ ہی خالق ہے اور سچا معبود ہے۔ لیکن وہ دلائل کے میدان میں شکست کھا چکا تھا اسے اسکے شبہات کا

---

[59] الشعراء، ۲۳۔۲۸

[60] القصص، ۳۸

[61] النازعات، ۲۴

واضح جواب مل چکا تھا اور اب اس کے پاس عناد اور ضد کے سوا اللہ پاک کے وجود سے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی اور اس نے اپنی بادشاہت، اقتدار اور اختیارات کا رعب ڈالنا چاہا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْ۔ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِيْنٍ۔ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۔ وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ[62]

"فرعون کہنے لگا: (سن لے!) اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر لوں گا۔ موسیٰؑ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز لے آؤں تو بھی؟ فرعون نے کہا: اگر تُو سچوں میں سے ہے تو اسے پیش کر۔ آپ نے اسی وقت اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی، جو اچانک زبردست اژدھا بن گئی اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اس وقت دیکھنے والوں کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا۔"

یہ دو معجزے ہیں جن سے اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی، یعنی عصا اور ید بیضا۔ لیکن ان سب سے بھی فرعون کو کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ کفر پر اڑا رہا۔ اس نے ان معجزات کو جادو قرار دیا اور انکا مقابلہ جادو کے ذریعے سے کرنا چاہا۔ اس نے اپنے ملک کے ان تمام جادوگروں کو جمع کرنے کے لئے آدمی بھیج دیئے جو اسکی رعیت میں شامل تھے لیکن اسکے نتیجے میں حق کی حقانیت مزید پختہ ہو گئی۔

---

[62] الشعراء، ۲۹۔۳۳

جادوگروں کا ایمان لانا:

فرعون نے ایک میلہ لگوایا۔ اور اپنی پوری سلطنت کے جادوگروں کو جمع کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کے لئے مقابلہ پر لگا دیا۔ اور اس میلہ کے ازدحام میں جہاں لاکھوں انسانوں کا مجمع تھا، ایک طرف جادوگروں کا ہجوم اپنی جادوگری کا سامان لے کر جمع ہو گیا۔ اور اُن جادوگروں کی فوج کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہا ڈٹ گئے۔ جادوگروں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر اپنے جادو کی لاٹھیوں اور رسیوں کو پھینکا تو ایک دم وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر پورے میدان میں ہر طرف پھنکاریں مار کر دوڑنے لگیں اور پورا مجمع خوف وہراس میں بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگا اور فرعون اور اس کے تمام جادوگر اس کرتب کو دکھا کر اپنی فتح کے گھمنڈ اور غرور کے نشہ میں بدمست ہو گئے اور جوشِ شادمانی سے تالیاں بجا بجا کر اپنی مسرت کا اظہار کرنے لگے کہ اتنے میں ناگہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنی مقدس لاٹھی کو اُن سانپوں کے ہجوم میں ڈال دیا تو یہ لاٹھی ایک بہت بڑا اور نہایت ہیبت ناک اژدہا بن کر جادوگروں کے تمام سانپوں کو نگل گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر تمام جادوگر اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے اور باآوازِ بلند یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى یعنی ہم سب حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے۔

چنانچہ قرآنِ مجید نے اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

ترجمہ قرآن:۔ بولے اے موسیٰ یا تو تم ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں موسیٰ نے کہا بلکہ تمہیں ڈالو جبھی اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے زور سے اُن کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں تو اپنے جی میں موسیٰ نے خوف پایا ہم نے فرمایا ڈر نہیں بیشک تو ہی غالب ہے اور ڈال تو دے جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے اور اُن کی بناوٹوں کو نگل جائے گا وہ جو بنا کر لائے ہیں وہ تو

جادو گر کا فریب ہے اور جادو گر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں آوے تو سب جادو گر سجدے میں گرا لئے گئے بولے ہم اس پر ایمان لائے جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے۔[63]

لیکن فرعون پھر بھی ایمان نہ لایا اور اپنے کفر پر اڑا رہا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے تمام جادو گروں سے کہا کہ مجھے رب مان لو نہیں تو میں تمہیں قتل کروادوں گا۔ لیکن تمام جادو گر اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے اور فرعون نے ان تمام جادو گروں کو آگ میں پھینک کر قتل کروادیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن کر جادو گروں کے سانپوں کو نگل گیا تو جادو گر سجدے میں گر کر ایمان لائے۔ مگر فرعون اور اس کے متبعین نے اب بھی ایمان قبول نہیں کیا۔ بلکہ فرعون کا کفر اور اس کی سرکشی اَور زیادہ بڑھ گئی اور اس نے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دل آزاری اور ایذا رسانی میں بھرپور کوشش شروع کر دی اور طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ فرعون کے مظالم سے تنگ دل ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس کے دربار میں اس طرح دعا مانگی کہ:

"اے میرے رب! فرعون زمین میں بہت ہی سرکش ہو گیا ہے اور اس کی قوم نے عہد شکنی کی ہے لہٰذا تو انہیں ایسے عذابوں میں گرفتار فرمالے جو ان کے لئے سزاوار ہو۔ اور میری قوم اور بعد والوں کے لئے عبرت ہو۔"[64]

---

[63] سورۃ طٰہٰ: 65-70

[64] روح البیان، ج۳، ص۲۲۰، پ۹، الاعراف: ۱۳۳

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے مسلسل بنی اسرائیل کی آزادی کے لیے کوششیں کر رہے تھے اور دوسری طرف بنی اسرائیلیوں کا طرز عمل کیا تھا اس کا اندازہ بائبل کی اس آیت سے ہوتا ہے۔ کتاب خروج میں ہے:

"جب وہ فرعون کے پاس نکلے آرہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لیے راستے میں کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھوں میں تلوار دے دی ہے"۔[65]

مصریوں پر آنے والے پانچ عذاب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر لگاتار پانچ عذابوں کو مسلط فرما دیا وہ پانچوں عذاب یہ ہیں:۔

1۔ **طوفان:** ناگہاں ایک ابر آیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا پھر انتہائی زور دار بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ طوفان آگیا اور فرعونیوں کے گھروں میں پانی بھر گیا۔ اور وہ اس میں کھڑے رہ گئے اور پانی ان کی گردنوں تک آگیا ان میں سے جو بیٹھا وہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ نہ ہل سکتے تھے نہ کوئی کام کر سکتے تھے۔ ان کی کھیتیاں اور باغات طوفان کے دھاروں سے برباد ہو گئے۔ سنیچر سے سنیچر تک مسلسل سات روز تک وہ لوگ اسی مصیبت میں مبتلا رہے اور باوجود یکہ بنی اسرائیل کے مکانات فرعونیوں کے گھروں سے ملے ہوئے تھے مگر بنی اسرائیل کے گھروں میں سیلاب کا پانی نہیں آیا اور وہ نہایت ہی امن و چین کے ساتھ اپنے گھروں میں رہتے تھے جب فرعونیوں کو اس مصیبت کے برداشت کرنے کی تاب و طاقت نہ رہی اور وہ بالکل ہی عاجز ہو

---

[65] کتاب خروج،6:20-21

گئے تو ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے دعا فرمایئے کہ یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ چنانچہ آپ نے دعا مانگی تو طوفان کی بلا ٹل گئی اور زمین میں ایسی سرسبزی اور شادابی نمودار ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی بھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ کھیتیاں بہت شاندار ہوئیں اور غلوں اور پھلوں کی پیداوار بے شمار ہوئی یہ دیکھ کر فرعونی کہنے لگے کہ یہ طوفان کا پانی تو ہمارے لئے بہت بڑی نعمت کا سامان تھا۔ پھر وہ اپنے عہد سے پھر گئے اور ایمان نہیں لائے اور پھر سرکشی اور ظلم وعصیان کی گرم بازاری شروع کر دی۔

1۔ **ٹڈیاں:** ایک ماہ تک تو فرعونی نہایت عافیت سے رہے۔ لیکن جب ان کا کفر و تکبر اور ظلم و ستم پھر بڑھنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر و عذاب کو ٹڈیوں کی شکل میں بھیج دیا کہ چاروں طرف سے ٹڈیوں کے جھنڈ کے جھنڈ آ گئے جو ان کی کھیتیوں اور باغوں کو یہاں تک کہ ان کے مکانوں کی لکڑیاں تک کو کھا گئیں اور فرعونیوں کے گھروں میں یہ ٹڈیاں بھر گئیں جس سے ان کا سانس لینا مشکل ہو گیا مگر بنی اسرائیل کے مومنین کے کھیت اور باغ اور مکانات ان ٹڈیوں کی یلغار سے بالکل محفوظ رہے۔ یہ دیکھ کر فرعونیوں کو بڑی عبرت ہو گئی اور آخر اس عذاب سے تنگ آ کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے عہد کیا کہ آپ اس عذاب کے دفع ہونے کے لئے دعا فرمادیں تو ہم لوگ ضرور ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل پر کوئی ظلم و ستم نہ کریں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ساتویں دن یہ عذاب بھی ٹل گیا اور یہ لوگ پھر ایک ماہ تک نہایت ہی آرام و راحت میں رہے۔ لیکن پھر عہد شکنی کی اور ایمان نہیں لائے۔ ان لوگوں کے کفر اور عصیان میں پھر اضافہ ہونے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کو ایذائیں دینے لگے اور کہنے لگے کہ ہماری جو کھیتیاں اور پھل بچ گئے ہیں وہ ہمارے لئے کافی ہیں۔ لہٰذا ہم اپنا دین چھوڑ کر ایمان نہیں لائیں گے۔

3۔ **گھن:**۔ غرض ایک ماہ کے بعد پھر ان لوگوں پر "قمل" کا عذاب مسلط ہو گیا۔ بعض مفسرین کا بیان ہے کہ یہ گھن تھا جو ان فرعونیوں کے اناجوں اور پھلوں میں لگ کر تمام غلوں اور میوؤں کو کھا گیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ایک چھوٹا سا کیڑا تھا، جو کھیتوں کی تیار فصلوں کو چٹ کر گیا اور ان کے کپڑوں میں گھس کر ان کے چمڑوں کو کاٹ کاٹ کر انہیں

مرغ بسمل کی طرح تڑپانے لگا۔ یہاں تک کہ ان کے سر کے بالوں، داڑھی، مونچھوں، بھنوؤں، پلکوں کو چاٹ چاٹ کر اور چہروں کو کاٹ کاٹ کر انہیں چیچک رو بنا دیا۔ یہ کیڑے ان کے کھانوں، پانیوں اور برتنوں میں گھس جاتے تھے۔ جس سے یہ لوگ نہ کچھ کھا سکتے تھے نہ کچھ پی سکتے تھے۔ نہ لمحہ بھر کے لئے سو سکتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ میں اس قہر آسمانی و بلاء ناگہانی سے بلبلا کر یہ لوگ چیخ پڑے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضور حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنے لگے اور ایمان لانے کا عہد دینے لگے چنانچہ آپ نے ان لوگوں کی بے قراری اور گریہ وزاری پر رحم کھا کر دعا کر دی۔ اور یہ عذاب بھی رفع دفع ہو گیا۔ لیکن فرعونیوں نے پھر اپنے عہد کو توڑ ڈالا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ ظلم و عدوان پر کمربستہ ہو گئے۔ پھر ایک ماہ کے بعد ان لوگوں پر مینڈک کا عذاب نازل ہو گیا۔

4۔ **مینڈک:** ان فرعونیوں کی بستیوں اور ان کے گھروں میں اچانک بے شمار مینڈک پیدا ہو گئے اور ان ظالموں کا یہ حال ہو گیا کہ جو آدمی جہاں بھی بیٹھتا اس کی مجلس میں ہزاروں مینڈک بھر جاتے تھے۔ کوئی آدمی بات کرنے یا کھانے کے لئے منہ کھولتا تو اس کے منہ میں مینڈک کود کر گھس جاتے۔ ہانڈیوں میں مینڈک، ان کے جسموں پر سینکڑوں مینڈک سوار رہتے۔ اٹھنے، بیٹھنے، لیٹنے کسی حالت میں بھی مینڈکوں سے نجات نہیں ملتی تھی۔ اس عذاب سے فرعونی رو پڑے اور پھر روتے گڑگڑاتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں دعا کی بھیک مانگنے کے لئے آئے اور بڑی بڑی قسمیں کھا کر عہد و پیمان کرنے لگے کہ ہم ضرور ایمان لائیں گے اور مومنین کو کبھی ایذاء نہیں دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ساتویں دن یہ عذاب بھی اٹھا لیا گیا مگر یہ مردود قوم راحت ملتے ہی پھر اپنا عہد توڑ کر اپنی پہلی خبیث حرکتوں میں مشغول ہو گئی۔ مومنین کو ستانے لگے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین و بے ادبی کرنے لگے تو پھر عذابِ الٰہی نے ان ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان لوگوں پر خون کا عذاب قہر الٰہی بن کر اتر پڑا۔

5۔ **خون:** ایک دم بالکل اچانک ان لوگوں کے تمام کنوؤں، نہروں کا پانی خون ہو گیا تو ان لوگوں نے فرعون سے فریاد کی، تو اس سرکش نے کہا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جادوگری اور نظر بندی ہے۔ یہ سن کر فرعونیوں نے کہا کہ یہ

کیسی اور کہاں کی نظر بندی ہے ؟ کہ ہمارے کھانے پینے کے برتن خون سے بھرے پڑے ہیں اور مومنین پر اس کا ذرا بھی اثر نہیں تو فرعون نے حکم دیا کہ فرعونی لوگ مومنین کے ساتھ ایک ہی برتن سے پانی نکالیں۔ مگر خدا کی شان کہ مومنین اسی برتن سے پانی نکالتے تو نہایت ہی صاف شفاف اور شیریں پانی نکلتا اور فرعونی جب اسی برتن سے پانی نکالتے تو تازہ خالص خون نکلتا۔ یہاں تک کہ فرعونی لوگ پیاس سے بے قرار ہو کر مومنین کے پاس آئے اور کہا کہ ہم دونوں ایک ہی برتن سے ایک ہی ساتھ منہ لگا کر پانی پئیں گے مگر قدرت خداوندی کا عجیب جلوہ نظر آتا۔ ایک ہی برتن سے ایک ساتھ منہ لگا کر دونوں پانی پیتے تھے مگر مومنین کے منہ میں جو جاتا وہ پانی ہوتا تھا اور فرعون والوں کے منہ میں جو جاتا وہ خون ہوتا تھا۔ مجبور ہو کر فرعون اور فرعونی لوگ گھاس اور درختوں کی جڑیں اور چھالیں چباچبا کر چوستے تھے مگر اس کی رطوبت بھی ان کے منہ میں جا کر خون بن جاتی تھی۔

الغرض فرعونیوں نے پھر گڑگڑا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی۔ تو آپ نے پیغمبرانہ رحم و کرم فرما کر پھر ان لوگوں کے لئے دعائے خیر فرمادی تو ساتویں دن اس خونی عذاب کا سایہ بھی ان کے سروں سے اٹھ گیا۔ الغرض ان سرکشوں پر مسلسل پانچ عذاب آتے رہے اور ہر عذاب ساتویں دن ٹلتا رہا اور ہر دو عذابوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ ہوتا رہا مگر فرعون اور فرعونیوں کے دلوں پر شقاوت و بدبختی کی ایسی مہر لگ چکی تھی کہ پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے اور اپنے کفر پر اڑے رہے اور ہر مرتبہ اپنا عہد توڑتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا آخری عذاب آگیا کہ فرعون اور اس کے متبعین سب دریائے نیل میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے خدا کی دنیا ان عہد شکنوں اور

مردودوں سے پاک وصاف ہوگئی اور یہ لوگ دنیا سے اس طرح نیست ونابود کر دیئے گئے کہ روئے زمین پر ان کی قبروں کا نشان بھی باقی نہیں رہ گیا۔[66]

قرآن مجید میں پانچوں عذابوں کی منظر کشی

قرآن مجید نے ان مذکورہ بالا پانچوں عذابوں کی منظر کشی ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۚ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿133﴾وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿134﴾فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿135﴾فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿136﴾[67]

تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور گھن (یا کلنی یا جوئیں) اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی اور جب ان پر عذاب پڑتا کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے بے شک اگر تم ہم پر سے عذاب اٹھادو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھالیتے ایک مدت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ پھر جاتے تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ ہماری آیتیں جھٹلاتے اور ان سے بے خبر تھے۔

---

[66] تفسیر الصاوی، ج ۲، ص ۸۰۳، پ ۹، الاعراف: ۱۳۳

[67] الاعراف: 133 تا 136

ان واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ عہد شکنی اور اللہ کے نبیوں کی تکذیب و توہین کتنا بڑا اور ہولناک جرم عظیم ہے کہ اس کی وجہ سے فرعونیوں پر بار بار عذابِ الٰہی قسم قسم کی صورتوں میں اترا۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ دریا میں غرق کر کے دنیا سے فنا کر دیئے گئے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو عہد شکنی اور سرکشی اور گناہوں سے بچتے رہنا لازم ہے کہ کہیں بداعمالیوں کی نحوستوں سے ہم پر بھی قہرِ الٰہی عذاب کی صورت میں نہ اتر پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صبر و تحمل اور ان کی رقیق القلبی بلاشبہ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ بار بار عہد شکنی کرنے والے اپنے دشمنوں کی آہ وفغاں پر رحم کھا کر ان کے عذاب کو دفع کرنے کی دعا فرماتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوم کے ہادی اور ان کے پیشوا کے لئے صبر و تحمل اور عفو و درگزر کی خصلت انتہائی ضروری ہے اور علماء کرام کو جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نائبین ہیں ان کے لئے بے حد لازم و ضروری ہے کہ وہ اپنے مخالفین اور بدخواہوں سے انتقام کا جذبہ نہ رکھیں بلکہ صبر و تحمل کر کے اپنے مجرموں کو بار بار معاف کرتے رہیں۔ کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مقدس سنت بھی ہے اور ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ ایک بڑا ہی خاص اور خصوصی طرہ امتیاز ہے کہ آپ نے کبھی بھی اپنی ذات کے لئے اپنے دشمنوں سے کوئی بھی انتقام نہیں لیا بلکہ ہمیشہ ان کو معاف فرما دیا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی مقدس تعلیم کا بہت ہی تابناک اور درخشاں ارشاد ہے کہ "تم سے جو تعلق کاٹے تم اس سے تعلق جوڑو۔ اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔ اور جو تمہارے ساتھ بُرا برتاؤ کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَا

یعنی برائی کا برابر لہ دینا تو بہت آسان ہے لیکن اگر تم جوان مرد ہو تو برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرو۔

حضرت موسیٰؑ کی مصر سے ہجرت

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مدت دراز تک فرعون کو ہدایت فرماتے رہے اور آیات و معجزات دکھاتے رہے مگر اس نے حق کو قبول نہیں کیا بلکہ اور زیادہ اس کی شرارت و سرکشی بڑھتی رہی۔ اور بنی اسرائیل نے چونکہ اس کی خدائی کو تسلیم نہیں کیا اِس لئے اس نے اُن مومنین کو بہت زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ اِس دوران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی اُتری کہ آپ اپنی قوم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر رات میں مصر سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات میں مصر سے روانہ ہو گئے۔

جب فرعون کو پتا چلا تو وہ بھی اپنے لشکروں کو ساتھ لے کر بنی اسرائیل کی گرفتاری کے لئے چل پڑا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تو بنی اسرائیل فرعون کے خوف سے چیخ پڑے کہ اب تو ہم فرعون کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کی حالت بہت نازک ہو گئی کیونکہ اُن کے پیچھے فرعون کا خونخوار لشکر تھا اور آگے موجیں مارتا ہوا دریا تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن تھے اور بنی اسرائیل کو تسلی دے رہے تھے۔ جب بحیرہ احمر کے پاس پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ تم اپنی لاٹھی دریا پر مار دو۔ چنانچہ جونہی آپ نے دریا پر لاٹھی ماری تو فوراً ہی دریا میں بارہ سڑکیں بن گئیں اور بنی اسرائیل ان سڑکوں پر چل کر سلامتی کے ساتھ دریا سے پار نکل گئے۔ فرعون جب دریا کے قریب پہنچا اور اس نے دریا کی سڑکوں کو دیکھا تو وہ بھی اپنے لشکروں کے ساتھ اُن سڑکوں پر چل پڑا۔ مگر جب فرعون اور اس کا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو اچانک دریا موجیں مارنے لگا اور سب سڑکیں ختم ہو گئیں اور فرعون اپنے لشکروں سمیت دریا میں غرق ہو گیا۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا کہ:۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿61﴾قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿62﴾فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿63﴾وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ

الْاٰخَرِیْنَ ﴿64﴾وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿65﴾ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿66﴾اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ[68] ﴿67﴾

پھر جب آمنا سامنا ہوا دونوں گروہوں کا موسیٰ والوں نے کہا ہم کو اُنہوں نے آلیا موسیٰ نے فرمایا۔ یوں نہیں بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جبھی دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ۔ اور وہاں قریب لائے ہم دوسروں کو اور ہم نے بچالیا موسیٰ اور اس کے سب ساتھ والوں کو پھر دوسروں کو ڈبو دیا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور اُن میں اکثر مسلمان نہ تھے۔

فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا۔ فرعون جب اپنے لشکروں کے ساتھ دریا میں غرق ہونے لگا تو ڈوبتے وقت تین مرتبہ اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا مگر اس کا ایمان مقبول نہیں ہوا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرا۔ لہٰذا بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ فرعون مومن ہو کر مرا، ان کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے۔[69]

ڈوبتے وقت ایک مرتبہ فرعون نے "اٰمَنْتُ" کہا یعنی میں ایمان لایا۔ دوسری مرتبہ اَنَّہٗ، لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤ اِسْرَآئِیْلَ کہا یعنی اس اللہ کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے دوسرا کوئی خدا نہیں ہے اور تیسری بار یہ کہا کہ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ70 (یعنی میں مسلمان ہوں۔

---

[68] الشعراء:61تا67

[69] تفسیر صاوی، ج۳، ص۸۹۱، پ۱۱، یونس:۹۰

[70] یونس:۹۰

روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرعون کے منہ میں خداوند تعالیٰ کے حکم سے کیچڑ بھر دی اور وہ اچھی طرح کلمہ ایمان ادا نہیں کر سکا۔[71]

یہ بھی ایک حکایت منقول ہے کہ جب فرعون تختِ سلطنت پر بیٹھ کر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آدمی کی شکل میں اس کے پاس یہ فتویٰ طلب کرنے کے لئے تشریف لے گئے کہ کیا فرماتے ہیں بادشاہ اس غلام کے بارے میں جو اپنے مولیٰ کے دیئے ہوئے مال اور اس کی نعمتوں میں پلا بڑھا پھر اس نے اپنے مولیٰ کی ناشکری کی اور اس کے حقوق کا انکار کرتے ہوئے خود اپنی سیادت کا اعلان کر دیا بلکہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔ تو فرعون نے اس کا جواب یہ لکھا کہ ایسا غلام جو اپنے مولیٰ کی ناشکری کر کے اپنے مولیٰ کا باغی ہو گیا اس کی سزا یہی ہے کہ وہ دریا میں غرق کر دیا جائے چنانچہ جب ڈوبتے وقت فرعون پر موت کا غرغرہ سوار ہو گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرعون کا وہ دستخطی فتویٰ اس کو دکھایا اس کے بعد فرعون مر گیا۔[72]

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد بھی بنی اسرائیل پر اس کی ہیبت کا اس درجہ دبدبہ چھایا ہوا تھا کہ لوگوں کو فرعون کی موت میں شک و شبہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو خشکی پر پہنچا دیا اور دریا کی موجوں نے اس کی لاش کو ساحل پر ڈال دیا تا کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس کی موت کا یقین بھی کر لیں اور اس کے انجام سے عبرت بھی حاصل کریں۔

---

[71] تفسیر جلالین، ص۱۷۸، پ۱۱، یونس:۹۰

[72] تفسیر صاوی، ج۳، ص۸۹۱، پ۱۱، یونس:۹۰

مشہور ہے کہ اس کے بعد ہی سے پانی نے لاشوں کو قبول کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ پانی لاشوں کو اوپر تیراتا رہتا ہے یا کنارے پر پھینک دیتا ہے۔

بنی اسرائیل وادی سینا میں:

جب فرعون دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل مسلمان ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان نصیب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کا لشکر لے کر ارض مقدس (بیت المقدس) میں داخل ہو جائیں۔ اُس وقت بیت المقدس پر عمالقہ کی قوم کا قبضہ تھا جو بدترین کفار تھے اور بہت طاقتور و جنگجو اور نہایت ہی ظالم لوگ تھے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر قوم عمالقہ سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے مگر جب بنی اسرائیل بیت المقدس کے قریب پہنچے تو ایک دم بزدل ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس شہر میں "جبارین" (عمالقہ) ہیں جو بہت ہی زور آور اور زبردست ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ لوگ شہر میں رہیں گے ہم ہرگز ہرگز شہر میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کا خدا جا کر اس زبردست قوم سے جنگ کریں۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بنی اسرائیل کی زبان سے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا رنج و صدمہ ہوا اور آپ نے باری تعالیٰ کے دربار میں یہ عرض کیا کہ:۔

رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ[73]

---

[73] المائدہ: 25

ترجمہ:۔ اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو اُن بے حکموں سے جدا رکھ۔

اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و جلال کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ [74]

ترجمہ:۔ تو وہ زمین اُن پر حرام ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم اُن بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ چھ لاکھ بنی اسرائیل ایک میدان میں چالیس برس تک بھٹکتے رہے مگر اس وادی سے باہر نہ نکل سکے۔ اسی وادی کا نام وادی سینا ہے۔ اس میدان میں بنی اسرائیل کے کھانے کے لئے "من و سلویٰ" نازل ہوا۔ اور پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مار دیا تو پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے بار بار مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس میں سے سورہ مائدہ میں یہ واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا ہے جو بلاشبہ ایک عجیب الشان واقعہ ہے جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی تعجب خیز اور حیرت انگیز داستان ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت و شفقت بنی اسرائیل پر ہمیشہ رہی کہ جب یہ لوگ وادی سینا میں بھوکے پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگ کر اُن لوگوں کے کھانے کے لئے من و سلویٰ نازل کرایا۔ اور پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کرا دیئے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر اور آپ کے حلم اور تحمل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[74] المائدہ: 26

سامری اور اس کے بچھڑے کا فریب:

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل اس کے پنجے سے آزاد ہو کر سب ایمان لائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خداوند کریم کا یہ حکم ہوا کہ وہ چالیس راتوں کا کوہِ طور پر اعتکاف کریں اس کے بعد انہیں کتاب (توراۃ) دی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چلے گئے اور بنی اسرائیل کو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ آپ چالیس دن تک دن بھر روزہ دار رہ کر ساری رات عبادت میں مشغول رہتے۔ اور ادھر سامری کو بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے کا موقع مل گیا۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کا نام سامری تھا جو طبعی طور پر نہایت گمراہ کن آدمی تھا۔ اس کی ماں نے برادری میں رسوائی و بدنامی کے ڈر سے اس کو پیدا ہوتے ہی پہاڑ کے ایک غار میں چھوڑ دیا تھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس کو اپنی انگلی سے دودھ پلا پلا کر پالا تھا۔ اس لئے یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا۔ اس کا پورا نام "موسیٰ سامری" ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام بھی "موسیٰ" ہے۔ موسیٰ سامری کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پالا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر ہوئی تھی۔ مگر خدا کی شان کہ فرعون کے گھر پرورش پانے والے موسیٰ علیہ السلام تو خدا کے رسول ہوئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پالا ہوا موسیٰ سامری کافر ہوا اور بنی اسرائیل کو گمراہ کر کے اس نے بچھڑے کی پوجا کرائی۔ اس بارے میں کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے:۔

یعنی جب کوئی آدمی ازل ہی سے نیک بخت نہیں ہوتا تو وہ بھی نامراد ہوتا ہے۔ اور اس کی پرورش کرنے والے کی کوشش بھی ناکام اور نامراد ہوتی ہے۔ دیکھ لو موسیٰ سامری جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پالا ہوا تھا وہ کافر ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو فرعون کی پرورش میں رہے وہ خدا کے رسول ہوئے۔ اس کا راز یہی ہے کہ موسیٰ سامری ازلی شقی اور پیدائشی بدبخت تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تربیت اور پرورش نے اس کو کچھ بھی نفع نہ دیا، اور وہ کافر کا کافر ہی رہ گیا اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ ازلی سعید اور نیک بخت تھے اس لئے فرعون جیسے کافر کی پرورش سے بھی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔[75]

جن دنوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر معتکف تھے۔ سامری نے آپ کی غیر موجودگی کو غنیمت جانا اور یہ فتنہ برپا کر دیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے سونے چاندی کے زیورات کو مانگ کر پگھلایا اور اس سے ایک بچھڑا بنایا۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی خاک جو اس کے پاس محفوظ تھی اس نے وہ خاک بچھڑے کے منہ میں ڈال دی تو وہ بچھڑا بولنے لگا۔

پھر سامری نے مجمع عام میں یہ تقریر شروع کر دی کہ اے بنی اسرائیل! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) خدا سے باتیں کرنے کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے ہیں لیکن خدا تو خود ہم لوگوں کے پاس آگیا ہے اور بچھڑے کی طرف اشارہ کر کے بولا کہ یہی خدا ہے۔ "سامری" نے ایسی گمراہ کن تقریر کی کہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کے خدا ہونے کا یقین آگیا اور وہ بچھڑے کو پوجنے لگے۔ اور بارہ ہزار آدمیوں کے سوا ساری قوم نے چاندی سونے کے بچھڑے کو بولتا دیکھ کر اس کو خدا مان لیا اور اس کے آگے سربسجود ہو کر اس بچھڑے کو پوجنے لگے۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ[76]

---

[75] تفسیر الصاوی، ج ۱، ص ۶۳، پ ۱، البقرۃ: ۵۱

[76] الاعراف: ۱۴۸

ترجمہ:۔ اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھی بے جان کا دھڑ تھا وہ۔ گائے کی طرح آواز کرتا۔

جب چالیس دنوں کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا عزوجل سے ہم کلام ہو کر اور توراۃ شریف ساتھ لے کر بستی میں تشریف لائے اور قوم کو بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا تو آپ پر بے حد غضب و جلال طاری ہو گیا۔ آپ نے جوش غضب میں اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے اور فرمانے لگے کہ کیوں تم نے ان لوگوں کو اس کام سے نہیں روکا۔ حضرت ہارون علیہ السلام معذرت کرنے لگے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ۪ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ[77]

ترجمہ:۔ کہا اے میرے ماں کے بیٹے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں نہ ملا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے اس بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر اور جلا کر اور اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیا۔

---

[77] الاعراف:150

پھر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی ہے وہ لوگ بچھڑا پوجنے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ سامری سمیت ستر ہزار بچھڑے کی پوجا کرنے والے قتل ہو گئے۔ اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہِ طور پر لے جائیں اور یہ سب لوگ بچھڑا پوجنے والوں کی طرف سے معذرت طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگیں کہ بچھڑا پوجنے والوں کے گناہ معاف ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چن چن کر اچھے اچھے ستر آدمیوں کو ساتھ لیا اور کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ جب لوگ کوہِ طور پر طلب معذرت و استغفار کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ:۔

"اے بنی اسرائیل! میں ہی ہوں، میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں میں نے ہی تم لوگوں کو فرعون کے ظلم سے نجات دے کر تم لوگوں کو بچایا ہے لہٰذا تم لوگ فقط میری ہی عبادت کرو اور میرے سوا کسی کو مت پوجو"۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سن کر یہ ستر آدمی ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ یہ ستر آدمی اپنی ضد پر بالکل اَڑ گئے کہ ہم کو آپ خدا کا دیدار کرایئے ورنہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے کہ خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا، مگر یہ شریر و سرکش لوگ اپنے مطالبہ پر اڑے رہ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و جلال کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے ایک ایسی خوفناک چیخ ماری کہ خوف و ہراس سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور یہ ستر آدمی مر

گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم سے کچھ گفتگو کی اور ان لوگوں کے لئے زندہ ہو جانے کی دعا مانگی تو یہ لوگ زندہ ہو گئے۔[78]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات

روایت ہے کہ جب فرعون مع اپنے لشکر کے دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ساتھ مصر میں قرار نصیب ہوا تو ایک دن موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے اس طرح مکالمہ شروع ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: خداوند! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ تجھ کو محبوب کون سا بندہ ہے

اللہ تعالیٰ: جو میرا ذکر کرتا ہے اور مجھے کبھی فراموش نہ کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ: جو حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور کبھی بھی خواہش انسانی کی پیروی نہ کرے

حضرت موسیٰ علیہ السلام: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ: جو ہمیشہ اپنے علم کے ساتھ دوسروں سے علم سیکھتا رہے تا کہ اس طرح اُسے کوئی ایک ایسی بات مل جائے جو اُسے ہدایت کی طرف راہنمائی کرے یا اس کو ہلاکت سے بچالے۔

---

[78] تفسیر صاوی، ج ا، ص ۶۵، ۶۴، پ ا، البقرۃ: ۵۵، ۵۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام: اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ علم والا ہو تو مجھے اس کا پتا بتادے؟

اللہ تعالیٰ:"خضر"تم سے زیادہ علم والے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: میں انہیں کہاں تلاش کروں؟

اللہ تعالیٰ: ساحل سمندر پر چٹان کے پاس۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: میں وہاں کیسے اور کس طرح پہنچوں؟

اللہ تعالیٰ: تم ایک ٹوکری میں ایک مچھلی لے کر سفر کرو۔ جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے بس وہیں خضر سے تمہاری ملاقات ہو گی۔[79]

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم اور شاگرد حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہم السلام کو اپنا رفیق سفر بنا کر "مجمع البحرین" کا سفر فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلتے چلتے جب بہت دور چلے گئے تو ایک جگہ سو گئے۔ اُسی جگہ مچھلی ٹوکری میں سے تڑپ کر سمندر میں کود گئی۔ اور جس جگہ پانی میں ڈوبی وہاں پانی میں ایک سوراخ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نیند سے بیدار ہو کر چلنے لگے۔ جب دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے اپنے شاگرد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے مچھلی طلب فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ چٹان کے پاس جہاں آپ سو گئے تھے، مچھلی کود کر

---

[79] مدارک التنزیل، ج۳، ص۲۱۷، پ۱۵، الکہف:۶۰

سمندر میں چلی گئی اور میں آپ کو بتانا بھول گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو اس جگہ کی تلاش تھی۔ بہر حال پھر آپ اپنے قدموں کے نشانات کو تلاش کرتے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی جگہ بتائی گئی تھی۔

وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک بزرگ کپڑوں میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو سلام کیا تو انہوں نے تعجب سے فرمایا کہ اس زمین میں سلام کرنے والے کہاں سے آ گئے؟ پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں "موسیٰ" ہوں۔ تو انہوں نے دریافت کیا کہ کون موسیٰ؟ کیا آپ بنی اسرائیل کے موسیٰ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اے موسیٰ! مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا علم دیا ہے جس کو آپ نہیں جانتے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا علم دیا جس کو میں نہیں جانتا۔ مطلب یہ تھا کہ میں علم "اسرار" جانتا ہوں۔ جس کا آپ کو علم نہیں اور آپ "علم الشرائع" جانتے ہیں جس کو میں نہیں جانتا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے خضر! کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں تا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم دیئے ہیں آپ کچھ مجھے بھی تعلیم دیں۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ صبر کروں گا۔ اور کبھی بھی کوئی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ آپ مجھ سے کسی بات کے متعلق کوئی سوال نہ کریں۔ یہاں تک کہ میں خود آپ کو بتا دوں۔ غرض اس عہد و معاہدہ کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ اور یوشع بن نون علیہما السلام کو اپنے ساتھ لے کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک کشتی پر نظر پڑی۔ اور کشتی والوں نے ان تینوں صاحبان کو کشتی پر سوار کر لیا اور کشتی کا کرایہ بھی نہیں مانگا۔ جب یہ لوگ کشتی میں بیٹھ گئے تو حضرت خضر

علیہ السلام نے اپنے جَھولے میں سے کلہاڑی نکالی اور کشتی کو پھاڑ کر اُس کا ایک تختہ نکال کر سمندر میں پھینک دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے اور حضرت خضر علیہ السلام سے یہ سوال کر بیٹھے کہ:۔

اَخَرَقْتَہَا لِتُغْرِقَ اَہْلَہَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا[80]

ترجمہ:۔ کیا تم نے اسے اس لئے چیرا کہ اس کے سواروں کو ڈبا دو بے شک یہ تم نے بُری بات کی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے آپ سے کہہ نہیں دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے بھول کر سوال کر دیا۔ لہٰذا آپ میری بھول پر گرفت نہ کیجئے اور میرے کام میں مشکل نہ ڈالئے۔

پھر یہ حضرات کچھ دور آگے کو چلے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک نابالغ بچے کو دیکھا جو اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے گلا دبا کر اور زمین پر پٹک کر اُس بچے کو قتل کر ڈالا یہ ہوش رُبا خونی منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام میں صبر کی تاب نہ رہی اور آپ نے ذرا سخت لہجے میں حضرت خضر علیہ السلام سے کہہ دیا:۔

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَکِیَّۃًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّکْرًا[81]

ترجمہ:۔ موسیٰ نے کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی بیشک تم نے بہت بری بات کی۔

---

[80] الکہف:71

[81] الکہف:74

حضرت خضر علیہ السلام نے پھر یہی جواب دیا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ ہر گز میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اب اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ میرے ساتھ نہ رہیے گا۔ اس میں شک نہیں کہ میری طرف سے آپ کا عذر پورا ہو چکا ہے۔

پھر اس کے بعد ان حضرات نے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ایک گاؤں میں پہنچے اور گاؤں والوں سے کھانا طلب کیا۔ مگر گاؤں والوں میں سے کسی نے بھی ان صالحین کی دعوت نہیں کی۔ پھر ان دونوں نے گاؤں میں ایک گرتی ہوئی دیوار پائی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اسم اعظم پڑھ کر دیوار سیدھی کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گاؤں والوں کی بداخلاقی سے بیزار تھے ہی، آپ کو غصہ آ گیا، برداشت نہ کر سکے اور یہ فرمایا:

لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا [82]

ترجمہ:۔ تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔

یہ سن کر حضرت خضر علیہ السلام نے کہہ دیا کہ اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے اور جن چیزوں کو دیکھ کر آپ صبر نہ کر سکے اُن کا راز میں آپ کو بتا دوں گا۔ سنئے جو کشتی میں نے پھاڑ ڈالی وہ چند مسکینوں کی تھی جس کی آمدنی سے وہ لوگ گزر بسر کرتے تھے اور آگے ایک ظالم بادشاہ رہتا تھا جو سالم اور اچھی کشتیوں کو چھین لیا کرتا تھا اور عیب دار کشتیوں کو چھوڑ دیا کرتا تھا تو میں نے قصداً ایک تختہ نکال کر اُس کشتی کو عیب دار کر دیا تا کہ ظالم بادشاہ کے غضب سے محفوظ رہے۔ اور جس لڑکے کو میں نے قتل کر دیا اس کے والدین بہت نیک اور صالح تھے۔ اور یہ لڑکا پیدائشی کافر تھا اور والدین اس لڑکے

---

[82] الکہف:77

سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اُس کی ہر خواہش پوری کرتے تھے تو ہمیں یہ خوف وخطرہ نظر آیا کہ وہ لڑکا کہیں اپنے والدین کو کفر میں نہ مبتلا کر دے۔ اس لئے میں نے اُس لڑکے کو قتل کر کے اُس کے والدین کو کفر سے بچالیا۔ اب اُس کے والدین صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُس لڑکے کے بدلے میں اس کے والدین کو ایک بیٹی عطا فرمائے گا، جو ایک نبی سے بیاہی جائے گی اور اس کے شکم سے ایک نبی پیدا ہو گا جو ایک امت کو ہدایت کرے گا۔ اور گرتی ہوئی دیوار کو سیدھی کرنے کا راز یہ تھا کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک صالح اور نیک آدمی تھا۔ اگر ابھی یہ دیوار گر جاتی تو ان یتیموں کا خزانہ گاؤں والے لے لیتے۔ اس لئے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں یتیم بچے جوان ہو کر اپنا خزانہ نکال لیں، اس لئے ابھی میں نے دیوار کو گرنے نہیں دیا۔ یہ خداوند تعالیٰ کی ان بچوں پر مہربانی ہے اور اے موسیٰ علیہ السلام! آپ یقین واطمینان رکھیں کہ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اپنی طرف سے نہیں کیا ہے بلکہ میں نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے وطن واپس چلے آئے۔[83]

بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فلسطین کی ارض مقدس میں داخل ہونے کو کہا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ ارض مقدس تمہیں ضرور ملے گا۔ بنی اسرائیل کی قوم چونکہ ایک عرصے سے غلامی میں رہے تھی اس لیے ان میں جوش وہمت اور مقابلہ کرنے کی صلاحیت و قوت ناپید تھی۔ انہوں نے کہا کہ آپ اور آپ کا رب فلسطین میں آباد قوم سے لڑیں، جب وہ جابر قوم مغلوب ہو جائے تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ اس حکم عدولی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا

---

[83] مدارک التنزیل، ج۳، ص۲۱۹۔۲۲۱، پ۱۵۔۱۶، الکہف ملخصاً

دی اور وہ چالیس (40) سال تک سحرائے سینا میں بھٹکتے رہے۔ ان چالیس سالوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کی وفات ہو گئی۔ بنی اسرائیل کی نئی نسل آئی، جو غلامی کے عنصر سے ناواقف تھی۔ اس نئی جوان نسل کی قیادت یوشع بن نون نے کی۔ جنہوں نے یروشلم (بیت المقدس) فتح کیا۔ اس نئی سلطنت کو آپ نے بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا اور یہاں بارہ قبائلی ریاستیں بنیں۔ یہ پورا دور (تقریباً 1220BC سے لے کر 1033BC تک) قاضیوں کا دور کہلاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر جمہوری قبائلی حکمران حکومت کرتے تھے جو قاضی (judges) کہلاتے تھے۔

اس دور میں اگرچہ بنی اسرائیل کے علاقے میں توسیع ہوتی رہی لیکن وہ بحیرہ روم کے ساحل کا درمیانی علاقہ اور مغربی پہاڑی سلسلوں پر اپنا تسلط قائم نہ کر سکے۔ لیکن یہ لوگ معاشی اور مذہبی طور پر کافی مستحکم تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد کا قبیلہ افراہیم (Ephraim) مذہبی عبادات کے سلسلے میں ممتاز تھا اور اسی خاندان سے قاضی مقرر ہوا کرتے تھے۔ یہ قاضی صرف مذہبی و معاشرتی معاملات ہی نہیں بلکہ ریاستی معاملات بھی چلایا کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام (David) اور حضرت سلیمان علیہ السلام (Solomen)

حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے وصال کے وقت بنی اسرائیل کو قوانین الٰہیہ پر عمل کرنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے شریعت موسیٰ علیہ السلام کو پس پشت ڈال دیا۔ اور دوسری قوموں کی بت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا اور دوبارہ نافرمانیوں پر اتر آئے۔ اور فلسطینیوں کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے دوبارہ پیغمبر بھیجے جن کا نام سموئیل علیہ السلام تھا۔ حضرت سموئیل علیہ السلام نے سب سے پہلے ان کی مذہبی اصلاح کی اور انہیں ایک خدا کی بندگی پر دوبارہ لائے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو خدا کا وعدا یاد دلایا کہ اگر تم ان بتوں کو توڑ کر ایک خدا کی عبادت میں مشغول ہو گے تو خدا تمہیں عزت و کامرانی عطا کرے گا۔ چنانچہ ایک بار پھر یہود اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ حضرت سموئیل علیہ السلام نے اپنے زیر نگرانی تقریباً 1050 ق۔م میں طالوت کو بادشاہ مقرر کیا جن کو ساؤل (Saul) بھی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ مطالبہ

بھی بنی اسرائیل کا ہی تھا کہ ہمارے درمیان بادشاہ مقرر کریں، لیکن جب حضرت سموئیل علیہ السلام نے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا تو بنی اسرائیل نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ قرآن میں ارشاد ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۚ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ[84]

ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر فرمایا ہے، انہوں نے کہا اس کی حکومت ہم پر کیوں کر ہو سکتی ہے اس سے تو ہم ہی سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی کشائش نہیں دی گئی، پیغمبر نے کہا بے شک اللہ نے اسے تم پر پسند فرمایا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے، اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دیتا ہے، اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔

ساؤل کی حکومت میں بھی فلسطینیوں اور بنی اسرائیل کے مابین جنگ ہوئی جس میں اسرائیلیوں کو فتح ہوئی۔ ان کی زیر قیادت فلسطین کے آس پاس کے علاقے فتح ہوئے۔ بازہ کی ریاست جس پر جالوت کی حکومت تھی وہ بھی اسی دور میں بنی اسرائیل کی ریاست میں شامل ہوا۔ طالوت نے تقریباً سولہ 16 سال حکومت کی۔

---

[84] البقرہ: 247

حضرت سموئیل علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی قیادت سنبھالی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر تھے جنہیں زبور عطا کی گئی۔ انہوں نے یروشلم کو حاصل کیا جو اب تک کنعانیوں کے قبضے میں تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تقریباً 39 سال حکومت کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام حاکم بنے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے جنہیں بنی اسرائیل کے لیے مبعوث کیا گیا۔ قرآن مجید اور بائبل کے مطابق آپؑ کو بہت سے معجزات دیے گئے۔ ان کی سب سے اہم خصوصیت یہ بیان ہوتی ہے کہ ان کی حکومت صرف انسانوں تک محدود نہیں تھی بلکہ جنات بھی ان میں شامل تھے۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی تعمیر بھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کی مدد سے کی، جو بڑے بڑے پتھر اور موتی سمندر سے نکال کر لایا کرتے تھے۔ فلسطین میں واقع بیت المقدس بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا قبلہ تھا۔ بیت المقدس اس دور میں ہیکل سلیمانی کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ادوار بنی اسرائیل کے عروج کے دور سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی قیادت میں بنی اسرائیل نے اپنے تمام قریبی مخالفین پر اپنا تسلط حاصل کیا۔ ان کے زمانے میں بنی اسرائیل کی دولت و عظمت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصال کے بعد بنی اسرائیل کا اتحاد ختم ہوا اور بنی اسرائیل کی قوت و عظمت دونوں کو زوال نصیب ہوا۔

بنی اسرائیل کا عہد غلامی

حضرت سلیمان کے بعد چند صدیوں کے اندر اندر بنی اسرائیل میں وہ تمام برائیاں پیدا ہو گئیں جن کے خلاف انھیں جنگ کرنا تھی۔ ان کی عظیم حکومت دو ریاستوں یہودیہ اور اسرائیل میں تقسیم ہو گئی۔ شمالی فلسطین میں سلطنت اسرائیل تھی جس کا دار لحکومت سامریہ بنا۔ جنوبی فلسطین میں سلطنت یہودیہ قائم ہوئی جس کا دار لحکومت یروشلم رہا۔ ان

میں سے اسرائیلی ریاست کے فرمانروا اور باشندے ہمسایہ قوموں کے مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فساد سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ اور یہ حالت اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب اس ریاست کے فرمانروا اخی اب نے ایک مشرک شہزادی ایزابل سے شادی کی اور بعل دیوتا کی پوجا کرنے لگا۔

ان دونوں سلطنتوں میں سخت رقابت اور کشمکش روز اول سے ہی شروع تھی۔ رقابت اور کشمکش کی اس فضا میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کی خاطر دو پیغمبر حضرت الیاس علیہ السلام (Elijah) اور حضرت الیسع علیہ السلام (Elisha) کو بھیجا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ۔ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ۔ اَللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ۔ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۔[85]

اور بے شک الیاس رسولوں میں سے تھا۔ جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر بنانے والے کو چھوڑ دیتے ہو۔ اللہ کو جو تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے۔ پس انہوں نے اس کو جھٹلایا پس بے شک وہ حاضر کیے جائیں گے۔ مگر جو اللہ کے خالص بندے ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جس تنزل اور بربادی کی طرف یہ جا رہے ہیں ان کا علاج کرنا چاہئے، لیکن ہر اصلاحی کوشش بے کار ثابت ہوئی۔

---

[85] الصافات: 123- 128

اس دوران میں نبیوں نے بار بار بنی اسرائیل کو ان کی غلط روی پر متنبہ کیا، ان میں عاموس نبی (Amos) اور یوشع نبی (Hashea) نے اسرائیلیوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہا، مگر بے سود۔ یہاں تک کہ عاموس بنی کو ریاست بدر ہونے کے لیے کہہ دیا گیا۔

آخر کار خدائی عذاب کا کوڑا بنی اسرائیل پر برس پڑا۔ پہلے ریاست اسرائیل آشوریوں کے حملوں میں برباد ہو گئی۔ ۷۲۱ق۔م میں اشوری حکمران سارگون نے اس کے دارالحکومت سامریہ کو فتح کر لیا۔ بنی اسرائیل کے دس ذیلی قبائل کو شام سے جلاوطن کر دیا۔ اس دور میں یہود کو متحد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت یرمیاہ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے یہود کو متحد کرنے اور ان کی اصلاح کرنے کے لیے اپنی دعوت پیش کی، اس دعوت کی ایک بہترین جھلک یروشلم کی تباہی پر یرمیاہ علیہ السلام کا وہ نوحہ ہے جو تورات میں بہترین ادب کی حیثیت سے مشہور ہے۔ لیکن بنی اسرائیل نے اس بہترین نبی کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے ان پر ظلم شروع کر دیا اور انہیں کنویں میں لٹکا دیا۔

پانچویں صدی قبل مسیح میں صدقیاہ (Zedekiah 597-586 B.C) یہوداہ کا بادشاہ بنا۔ اس نے گیارہ برس حکومت کی۔ لیکن اس کے دور میں یہوداہ باہمی خانہ جنگی کے باعث کمزور ہو چکی تھی۔ حکومت کے گیارویں برس ۵۸۷ق۔م میں یہودیہ کی ریاست کے تمام شہر بابل کے حکمران بخت نصر کے حملے میں برباد ہو گئے۔ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، تورات کے نسخوں کو جلا دیا گیا اور ہیکل سلیمانی کو زمین بوس کر دیا گیا، اور بخت نصر بنی اسرائیل کو غلام بنا کر بابل لے گیا۔ یہاں یہ لوگ پچاس برس غلامی میں رہے۔[86]

---

[86] اخلاق احمد قادری، تاریخ عالم، ص229، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، 2011

اس عہد غلامی میں اہل یہود نے کئی مشکلات کا سامنا کیا، کئی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن وہ اپنے مذہبی افتخار اور شناخت کو کبھی نہیں بھولے۔ اس دور میں ان کی طرف پیغمبر حزقی ایل اور دانیال مبعوث ہوئے جنہوں نے بنی اسرائیل کو توحید سے جوڑے رکھا اور انہیں مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ مسیح کے ذریعے دوبارہ عروج کی امید دلائی۔

آخر کار 539 ق۔م میں ایرانی فاتح سائرس (خورس، خسرو یا گورش) نے بابل فتح کیا اور بنی اسرائیل کو غلامی سے چھڑایا۔ سائرس نے ایران میں اخامنشی (Achaemenic) سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بیت المقدس کو 522 ق۔م میں از سر نو تعمیر کیا گیا۔ اس دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیز علیہ السلام (Ezra) (480-440B.C) کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے تورات کی کتب خمسہ کو دوبارہ ترتیب دیا، اور بنی اسرائیل کی دینی اور اخلاقی تربیت کی۔ حضرت عزیز کے بعد حضرت نحمیاہ علیہ السلام اللہ کی طرف سے نبی بن کے آئے۔ انہوں نے بنی اسرائیل میں خدائی قوانین نافذ کئے اور ان کی تربیت جاری رکھی۔ اس طرح ڈیڑھ سو سال بعد بیت المقدس پھر سے آباد ہوا اور یہودی مذہب و تہذیب کا مرکز بن گیا۔ مگر شمالی فلسطین اور سامریہ کے اسرائیلیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کی اصلاح و تجدید سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، بلکہ بیت المقدس کے مقابلے میں اپنا ایک مذہبی مرکز کوہ جزریم پر تعمیر کر کے اس کو قبلہ اہل کتاب بنانے کی کوشش کی۔ اس طرح یہودیوں اور سامریوں کے درمیان عداوت بڑھ گئی۔

ایرانیوں کے تحت یہودیوں کی ریاست تقریباً 333 B.C تک قائم رہی۔ لیکن اس کے بعد یونانی فاتح سکندر (Alexander 356-323BC) نے فلسطین پر حملہ کیا اور بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالیا۔ یہ غلامی یہود کی مذہبی حالت کو دوبارہ بگاڑنے کا سبب بنی۔ یونان کے تسلط میں رہ کر انہوں نے یونانی تہذیب کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ اس کے بعد یونانی حکمران انطوکس (Antiochus) تخت نشین ہوا۔ اس نے یہودیوں کو یونانی تہذیب و تمدن اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے بیت المقدس میں بت رکھوا کر یہودیوں سے بت پرستی کروائی۔ اسی کے رد عمل میں مکابی تحریک اٹھی۔

مکابی تحریک(Maccabean Revolt)

انطوقسس نے تورات کی شریعت پر عمل کرنے پر پابندی لگادی تھی۔ جس یہودی کے پاس توریت کا نسخہ بر آمد ہوتا اسے سزائے موت دی جاتی۔ تمام یہودی قوانین کی جگہ یونانی قوانین نافذ کر دیے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی اشرافیہ میں تو یونانی تہذیب فروغ پانے لگی مگر روایت پسند یہودیوں نے حالات کا مقابلہ کیا۔ ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں مکابی تحریک یا مکابی بغاوت کے نام سے مشہور ہے۔ انطوقس کے جبر کے خلاف یہ ایک رد عمل سامنے آیا۔ اس بغاوت میں بہت خون خرابا بھی ہوا مگر 140 قبل مسیح میں یہودیوں نے اپنی ایک آزاد دینی ریاست یہودیہ (Judea)' قائم کرلی جو BC63 تک قائم رہی۔ یہودیوں نے یروشلم پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور بیت المقدس کو بتوں سے پاک کیا، اسی خوشی میں یہودیوں نے شاندار جشن منایا۔ اس واقعے کی یادگار میں اہل یہود آج بھی ہنوخ نامی تہوار مناتے ہیں۔[87]

مکابیوں کی تحریک جس اخلاقی اور دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج فنا ہوتی چلی گئی۔ اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی اور ظاہر داری نے لے لی۔ کچھ عرصہ بعد انہی کے درمیان پھوٹ پڑگئی اورانہوں نے خود رومی فاتح پومپئی (Pompey) کو فلسطین پر حملہ کرنے کی دعوت دے ڈالی۔ چنانچہ پومپئی نے 63ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ یاد رہے کہ رومی فاتحین کی پالیسی تھی کہ وہ مفتوح علاقوں پر مقامی حکمرانوں کے ذریعے نظم ونسق چلایا کرتے تھے۔ انہوں نے 40ق م میں ایک ہوشیار یہودی ہیروڈیس کو حکمران مقرر کر دیا جو 36 سال تک حکمران رہا۔ اسی کے زمانے میں بیت المقدس کی

---

[87] Warren Matthews.World Reliogions. Page 259. Canada: Cengage Learning, 2011

تعمیر نو کی گئی۔ شہر کو منظم کیا گیا۔ اس نے ایک طرف مذہبی پیشواؤں کی سرپرستی کر کے یہودیوں کو خوش کیا، اور دوسری طرف رومی تہذیب کو فروغ دے کر رومی سلطنت کی وفاداری کا مظاہرہ کر کے قیصر کی بھی خوشنودی حاصل کی۔

لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے چار سال پہلے اس کی موت ہو گئی۔ (اس کے نام سے یروشلم کا ایک دروازہ بھی منسوب ہے) ہیروڈیس کے بعد اس کی ریاست تین حصوں میں تقسیم ہو گئی اس کا ایک بیٹا ارخلاؤس 6 عیسوی تک حکمران رہا۔ کیونکہ قیصر آرگسٹس نے اس کو معزول کر کے اس کی پوری ریاست اپنے گورنر کے ماتحت کر لی تھی اور 41 عیسوی تک یہی انتظام رہا۔

عیسائیت کا عروج اور یہود کی دوسری جلاوطنی

پہلی صدی عیسوی میں یہودیوں کی حالت قدرے بہتر تھی۔ وہ اپنی ریاست کی مسلمہ حیثیت تسلیم کر چکے تھے، لیکن یہودیوں نے ہیرود کے بعد کئی بغاوتیں کیں جنہیں رومیوں نے ناکام بنا دیا اور بے شمار یہودیوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد کا دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ جو خاص بنی اسرائیل میں بھیجے جانے والے آخری پیغمبر تھے۔ یہود کی اکثریت نے انکے پیغمبر ہونے کا انکار کیا اور یہودیہ کے رومی گورنر پائلٹ (Pontius Pilate CE. c. 26-36) نے (یہودی اور عیسائی عقیدے کے مطابق) انہیں صلیب چڑھا کر قتل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر عروج کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

یہود نے دوبارہ 60 CE میں رومی سلطنت سے بغاوت کی۔ جس کے نتیجے میں رومی جرنیل ٹائٹس ان پر مسلط ہوا اور اس نے 70 CE میں یروشلم فتح کر کے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اسرائیلیوں کے 133،000 افراد قتل کیے گئے اور 67،000 افراد کو غلام بنا لیا گیا۔ ہیکل سلیمانی کو ایک بار پھر تباہ کر دیا گیا اور یہودیوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ اس دور میں یہودیوں کو پوری دنیا میں جلا وطن کر دیا گیا۔ یہود کی تاریخ میں اسے بنی اسرائیل کی دوسری جلاوطنی (Second Diaspora) کہا جاتا ہے۔

یروشلم کی تباہی کے بعد یہودیت کی کسمپرسی کو دیکھتے ہوئے 70 CE میں ہی فلسطین کے ایک ساحلی شہر جامنیا میں ایک ربی (تورات کا عالم) یوحنا بن ذکائی (30-91CE) نے ایک درس گاہ قائم کی۔ اس درس گاہ کا بنیادی مقصد یہ تھا لہ ہیکل کی تباہی کے بعد یہود کسی نہ کسی طرح اپنے مذہب سے جڑے رہیں اور یہودی علماء باہم متحد رہیں۔ بعد ازاں یہاں ایک کونسل قائم کی گئی جس کا مقصد یہودی قوم میں نئی روح بیدار کرنا اور انہیں متحد کرنا تھا۔ اس کونسل کے سربراہ جمالیل ثانی (45-115 CE) تھے جو قومی حمیت کے داعی بن کر ابھرے۔ انہوں نے یہودی قوم کو متحد کرنے کے لیے کئی کوششیں کیں۔ اسی دور میں تورات پر نظر ثانی کر کے اسے دوبارہ مرتب کیا۔ یہاں کے ربیوں نے اجتہادات کر کے ہیکل سلیمانی سے متعلق رسومات کو غیر ضروری قرار دے دیا اور ان کی جگہ تلاوت، دعا اور انفرادی اعمال کو مرکزی اہمیت دی۔[88]

ربانی دور (Rabbinistic Period)

یہود اپنے ادبی و مذہبی سرمائے کو دوبارہ مرتب کرنے کی کوششوں میں مشغول ہو گئے۔ اس دور کو ربانی دور (Rabbinistic Period) کہا جاتا ہے۔ یروشلم کی تباہی سے اب تک یہودی مختلف حالات سے گزرے تھے جس مین ان کے علماء نے حالات کے مطابق مختلف اجتہادات کیے تھے۔ شریعت موسوی کے مطابق ہونے والے ان اجتہادات کو ایک جگہ جمع کر کے لکھا گیا، اس مجموعہ کو مشنا (Mishnah) کہتے ہیں۔ یہود کا ماننا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دو طرح سے دی گئی، ایک تحریری اور دوسری زبانی۔ اس زبانی تورات کو تحریر کر کے مشنا کی شکل دے دی گئی۔

---

[88] یوسف ظفر، یہودیت، ص120۔ لاہور: احمد پبلیکیشنز۔ 2009

چوتھی صدی عیسوی میں رومی حکومت کا عیسائیت قبول کرنے کے بعد یہودیوں کو عیسائی حکمرانوں کی جانب سے سخت رویے کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ عیسائی عقیدے کے مطابق یہودی ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے ذمہ دار تھے۔ بعض مورخین بعد کی صدیوں میں یہودیوں کے قتل عام بالخصوص جرمنی کے ہولوکاسٹ کو بھی اسی سے نسبت دیتے ہیں۔ عیسائی حکومت کے تحت یہودیوں کو باہر کرنے کے بعد بیت المقدس کا یہ علاقہ ان کے لیے ممنوع کر دیا گیا تھا۔

اس ڈیڑھ ہزار سال کے طویل عرصے نے یہودیوں کو دو مختلف مذہبی گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک گروہ وہ جو فلسطین میں آباد تھا، غلامی کی زندگی گزارتے ہوئے سخت گیر اور مذہب میں شدت پسند ہو گیا تھا۔ جبکہ دوسرا گروہ بابلی یہودیوں کا تھا، جو بابل اور ایران میں امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان میں مذہبی شدت پسندی کم اور دیگر اقوام سے میل جول کی بدولت مذہب میں لچک زیادہ تھی۔

425CE میں یہودی فقہ مشنا کی ایک تفسیر لکھی گئی جسے گمارا (Gemara) کہتے ہیں۔ اس تفسیر میں مزید احادیث اور اجتہادات اکھٹے کیے گئے۔ ان دونوں کے مجموعہ کو بابلی تالمود کہا جاتا ہے جو تورات کے بعد یہود کے مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

کچھ یہودی رومی دور میں یورپ اور جرمنی کی طرف ہجرت کر گئے وہ اشکنازی کہلائے۔ دوسری طرف 70CE کے مظالم کے بعد یہودیوں کی ایک بڑی جماعت عرب آ گئی کیونکہ یہ علاقہ فلسطین کے جنوب میں ہی واقع تھا۔ یہ یہود سفرادیم کہلائے۔ عرب میں تبوک، تیاء، یثرب (مدینہ)، وادی القریٰ، فدک اور خیبر پر ان کا تسلط قائم ہوا۔ ان کے قبائل بنو قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع مدینہ میں آباد ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک یہ وہاں موجود تھے۔

یمن کی سرحد کے قریب واقع شہر نجران میں ایک زمانے سے عیسائی آباد تھے۔ 524 میں یہاں کا بادشاہ تبان اسعد ابو کرب ایک مرتبہ مدینہ گیا جہاں یہودیوں سے متاثر ہو کر اس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اپنے ساتھ بنی قریظہ کے دو

عالموں کو لے کر واپس یمن پہنچا اور بڑے پیمانے پر یہودیت کی اشاعت کی۔ 525 میں حبشی حکومت نے یمن پر حملہ کر کے اپنی سلطنت قائم کی۔

ظہور اسلام کے بعد یہود کا طرز عمل

پانچویں صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا تو یہود عرب میں خاصی تعداد میں آباد تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہودیوں سے مسلمانوں کے بہت سے معرکے ہوئے لیکن جنگ خیبر کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب اسلامی فتوحات پھیلتے ہوئے ایران، عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ اور سپین میں پہنچی تو یہاں کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف کوئی محاز آرائی نہیں کی۔ خلافت راشدہ میں یہودیوں پر کسی قسم کی قدغن نہ تھی۔ وہ مذہبی، سماجی اور تمدنی طور پر بالکل آزاد تھے۔ یہ علاقے یہودیوں کے لیے ساز گار مسکن ثابت ہوئے۔

یہود روایتی طور پر مسیحیوں کے ساتھ مسلم ممالک میں رہتے آئے ہیں۔ ان کو ذمی کہا جاتا تھا۔ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنے معاملات اپنی روایت کے مطابق سلجھانے کی (کچھ شرائط کے ساتھ) مکمل آزادی تھی۔ ان کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ جزیہ ایک قسم کا ٹیکس ہوتا تھا جو آزاد غیر مسلم پر نافذ ہوتا تھا۔ لیکن ان کو زکاۃ ادا کرنے سے معاف رکھا گیا تھا۔ ذمیوں کو ہتھیار پہننے اور عدالت میں گواہی دینے پر پابندی تھی کیونکہ بہت سے شرعی شرائط پر وہ پورے نہیں اترتے تھے۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں یہودیوں کو نہ کبھی قتل کیا گیا، نہ جلاوطنی کی گئی اور نہ مذہب بدلنے پر مجبور کیا گیا۔ حتی

کہ طرز زندگی، رہائش اور پیشہ کا مکمل اختیار ہوتا تھا جس میں بحیثیت یہود ان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔[89] حالانکہ ان پر کچھ پابندیاں بھی تھیں جنہیں معاہدہ عمر میں تحریر کیا گیا تھا۔ معاہدہ عمر ان ہدایات کا مجموعہ ہے جن میں ایک اسلامی ملک میں یہود پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ان میں کچھ پابندیاں بہت سخت ہیں۔ البتہ اگر اسی دور کے مغربی مسیحی ملکوں میں یہود کی حالت کو دیکھا جائے تو وہ مسلم ممالک میں بہت خیر وعافیت سے رہتے تھے۔ ان پر کوئی ظلم وستم نہیں ہوتا تھا۔ ان سے دوستانہ تعلقات ہوتے تھے۔[90] اس عہد میں یہود کے تئیں مسلمانوں کی رواداری، سیاسی ترقی اور ثقافتی پر امنیت اس دور کو ہسپانیہ میں یہود کا عہد زریں بناتی ہے۔ اس دور میں جب یہودیوں کی سماجی حالت سدھری تو ان کو معاشی اور اقتصادی طور پر بھی ترقی ملی اور انہوں نے کچھ طاقت حاصل کی۔ اپنی تجارت شروع کی اور یہاں تک کہ حکومت میں ان کو کچھ عہدے بھی ملنے لگے۔

711CE میں طارق بن زیاد نے ہسپانیہ فتح کیا اور مفتوحہ علاقے بنو امیہ کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ اور یہاں کے یہود بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے۔ بعد ازاں 750CE میں عبد الرحمٰن (r.788-756) نے ہسپانیہ میں اپنی الگ سلطنت قائم کی تو ہسپانیہ علوم وفنون کا گہوارہ بن گیا جس میں یہود کو بھی خاص مقام ملا۔ بنو امیہ کے بعد یہاں یوسف بن تاشقین (r.1106-1061) نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ایک مستحکم سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد ہسپانیہ پر موحدین کا تسلط ہوا۔ انہوں نے یہود و نصاریٰ کو اختیار دیا کہ مسلمان ہو جائیں اور آزادی سے زندگی بسر کریں یا پھر ریاست سے باہر چلے جائیں۔[91] کئی یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا اور باقی شمالی سپین اور مصر ہجرت کر گئے۔

---

[89] Bernard Lewis, *The Jews of Islam*, (USA: Princeton University Press, 2014)

[90] Mark R. Cohen, "The Neo Lachrymose Conception of Jewish Arab History", *Tikkun*, Vol. 6, No. 3. 1991

[91] یوسف ظفر، یہودیت، ص157۔ لاہور: احمد پبلیکیشنز۔ 2009

یہودیوں کا دوسرا اہم مرکز مصر تھا۔ یہ علاقہ 358CE میں مسلمانوں کی سلطنت فاطمیہ اور ان کے بعد صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ آیا۔ بنو امیہ کی طرح فاطمی اور ایوبی حکمراں بھی انتہائی وسیع النظر تھے۔ اس دور میں بہت سے یہودی ادیب، شاعر، طبیب، مفکر، فلسفی اور تاجر پیدا ہوئے۔ اندلس کی اسلامی تہزیب سے انہوں نے عقلی علوم میں اپنا مقام پیدا کر لیا تھا۔ اس زمانے کے ایک مشہور یہودی عالم موسیٰ بن میمون (1135-1204) تھے جو یونانی اور مسلم فلسفہ کے ماہر تھے۔ یہودی ہونے کے باوجود انہیں مصر میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ایک وزیر کے ذاتی معالج اور دوست کی حیثیت حاصل تھی۔ انہوں نے یہودی شریعت پر کئی کتابیں لکھیں۔ انہیں یہودی شریعت کا ایک اہم مجتہد مانا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی حکومت کے بعد 1492 میں جب اندلس (ہسپانیہ) پر عیسائی حکمران فرڈیننڈ (r. 1479-1516) کا قبضہ ہوا تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہود پر بھی مظالم ہوئے۔ بے شمار یہودیوں کو قتل کیا گیا اور ہزاروں یہود جلاوطن کیے گئے۔ چنانچہ انہوں نے سلطنت عثمانیہ کے علاقوں میں پناہ لی۔[92]

یہودیوں کی ایک بڑی تعداد بازنطیہ (Byzantine) سلطنت میں آباد تھی جو یونان، اٹلی اور ایشیائے کوچک (Anatolia) کے بعض حصوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں شروع میں یہود خوشحال تھے، ان کو سرکاری عہدے بھی دیے گئے تھے۔ لیکن چھٹی صدی عیسوی کے بعد کے عیسائی حکمرانوں کا سلوک یہود سے اچھا نہ رہا۔ ساتھویں صدی میں لیو سوئم

---

[92] Sarah E. Karesh and Mitchell M. Hurvitz, *Encyclopedia of Judaism*, (USA: Infobase Publishing) p. 492

(717-741) نے انہیں اس شرط پر آباد کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ عیسائی مذہب قبول کر لیں، چنانچہ بعض نے عیسائیت قبول کر لی اور بعض کو سزائیں دی گئیں۔[93]

یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور یہود

پندرہویں صدی عیسوی کا دور یورپ میں احیاء علوم اور نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا۔ یورپ میں آنے والی اس تبدیلی سے اگرچہ یہود کی مذہبی روایت پر کوئی خاص فرق نہیں پڑا، لیکن یہود چونکہ معیشت میں ماہر تھے لہٰذا انہوں نے سولہویں صدی تک اٹلی اور ہالینڈ میں اپنی بینکاری کا نظام متعارف کروایا۔ اس علمی انقلاب نے عیسائیوں کی توجہ یہود کے مذہبی سرمایہ کی طرف بھی مرکوز کروائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی عیسائی یہودی ربیوں کے شاگرد بن گئے۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا خاص اثر یہود پر اٹھارویں صدی میں پڑا جب جرمنی میں موسیٰ مینڈلیسان (1729-1786)، ایرون ہیل (1754-1835) اور جوزف پرل (1773-1839) جیسے مفکر پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے لوگوں کو عبرانی روایات کو چھوڑ کر جرمنی زبان اور معاشرت اپنانے کی دعوت دی۔ اس تحریک میں ہسکلہ (Haskalah) کہا جاتا ہے۔ یہ تحریک دراصل سیکولر یہودیت کی بنیاد تھی۔ اس تحریک کے اثرات سے یہود اپنی قدیم روایات سے کافی دور ہو کر جرمن تہذیب میں مل گئے۔

---

[93] Gerrit Jan Reinink, Bernard H Stolte and others, *The Reign of Heraclius*, (Leuven: Peters Publications, 2002), p.189

یورپ کے علاوہ روس اور پولینڈ کے یہودی بھی اس اثر سے محفوظ نہ رہ سکے، اٹھارویں صدی کے آخر میں روس میں ہونے والے فسادات کی وجہ سے یہود کو امریکہ اور کینیڈا میں بڑی تعداد میں ہجرت کرنا پڑی۔

یہود کی آزاد ریاست اسرائیل کے قیام کی کوششیں

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یہود کے خلاف ظاہر ہونے والے سخت رویوں نے یہودی مفکرین کو اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ یہود اس وقت تک باعزت زندگی نہیں گزار سکتے جب تک کہ ایک آزاد یہودی ریاست قائم نہ کر لیں۔ تورات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ فلسطین یہودیوں کے لیے عرض مقدس کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہودی بھی اس کو ہمیشہ سے اپنا وطن مانتے تھے۔ چنانچہ اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پہلے محبان صہیونی اور بعد میں 1897 میں ایک یہودی تھیوڈور ہرتزل نے سوئیٹزرلینڈ میں صیہونیت (Zionism) کے نام سے ایک منظم تحریک قائم کی۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ یورپ اور دیگر علاقوں سے یہودی آکر فلسطین میں آباد ہونا شروع ہو جائیں۔ اس منصوبہ کے تحت 1914 تک فلسطین میں تقریباً 65،000 یہودی آباد ہو گئے۔ 1939-1914 کے دوران بہت بڑی تعداد میں یہودی فلسطین آکر آباد ہوتے رہے اور یہاں کے عربوں سے ان کی زمینیں خریدتے رہے۔

1939 میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی جس میں یہودیوں کو ہٹلر کی طرف سے تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ 1945-1939 کے درمیان 304،000 یہودیوں کو ایک چیمبر میں بند کر کے زندہ جلا دیا گیا۔ اس واقعہ کو تاریخ میں ہولوکاسٹ (Holocaust) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد بالآخر 1948 میں دو ہزار سال بعد اسرائیل کی یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا گیا اور فلسطین کو اسرائیلی ریاست قرار دے دیا گیا۔ اسرائیل کی اس ریاست کے خلاف مقامی عربوں میں ایک تحریک شروع ہوئی اور انہوں نے 1948 میں ان کے خلاف جنگ کی مگر ناکام رہے۔ 1967 میں مصر، شام اور اردن کی مشترکہ افواج نے

عرب نیشنل ازم کے جھنڈے تلے متحد ہو کر اسرائیل پر حملہ کیا۔ اسرائیل نے امریکہ اور یورپ کی مدد سے نہ صرف انہیں شکست دی بلکہ ان ممالک کے بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد 1973 میں ایک اور بڑی جنگ ہوئی جس میں پہلے تو مصر نے اسرائیل کو شکست دی مگر امریکہ کی مداخلت کے سبب اسرائیل محفوظ رہا۔ امریکی اثر کے تحت اسرائیل اور مصر کے درمان صلح ہو گئی اور مصر کو اپنے وہ علاقے واپس مل گئے جو 1967 میں اسرائیل نے لے لیے تھے۔ فلسطینی مسلمانوں اور اسرائیلیوں کے درمیان تب سے آج تک جنگ جاری ہے۔

خود آزمائی

1 قرآنِ کریم میں سرزمینِ فلسطین کے مبارک، مقدس اور سرزمین محشر ہونے کے اعتبار سے جائزہ پیش کریں۔

2 قرآن میں فلسطین کے علاقوں کا تذکرہ اور قرآن مجید میں سرزمین فلسطین کا بغیر کسی صفت کے مختلف مقامات پر تذکرہ بیان کریں۔

3 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا جائزہ پیش کریں۔

4 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کو واضح کریں۔

5 حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل یہودیوں کے مذہبی عقائد، حضرت موسیٰؑ کی حیات، فرعون کو دعوت حق سے جادوگروں کے ایمان لانے تک کے واقعات بیان کریں۔

6 مصریوں پر آنے والے پانچ عذاب نیز اور قرآن مجید میں بیان کردہ پانچوں عذابوں کی منظر کشی کو بیان کریں۔

7 حضرت موسیٰؑ کی مصر سے ہجرت، وادی سینا میں بنی اسرائیل، سامری کا بچھڑے کا فریب اور بنی اسرائیل کے جہاد سے انکار کے واقعات پر روشنی ڈالیں۔

8 بنی اسرائیل کی طرف حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بعثت اور عہد غلامی تک کے واقعات کی وضاحت کریں۔

9 مکابی تحریک اور اس کے بعد عیسائیت کا عروج اور یہود کی دوسری جلاوطنی کے واقعات پر روشنی ڈالیں۔

10 بنی اسرائیل کے ربانی دور اور بعد ازاں ظہور اسلام کے بعد یہود کے طرز عمل کی وضاحت کریں۔

11 یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے یہود پر اثرات اور یہود کی آزاد ریاست اسرائیل کے قیام کی کوششوں کی وضاحت کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مزید تفصیل کے لئے حواشی میں بیان کردہ مآخذ و مصادر، کتب اور حوالہ جات اور ویب سائٹس سے رجوع فرمائیں۔

یونٹ:9

عصر حاضر میں یہودی ریاست اور ارض فلسطین

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبد اللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر
محمد عبد اللہ، ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 484

یونٹ کے مقاصد 485

ارض فلسطین کا مختصر تاریخی پس منظر 486

ارض فلسطین کے اصل باشندے 488

ارض فلسطین میں غیر سامی اقوام کے وجود کے تاریخی شواہد 489

ارض فلسطین میں سامی اقوام کی ہجرت 490

عبرانی:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد 490

فلسطین عبرانیوں کا اصل وطن نہیں 491

فلسطین:۔ کنعانیوں کی سرزمین 492

کنعانیوں کی سرزمین پر عبرانیوں کا قبضہ 493

ہیکل کی تباہی 494

فلسطین پر یہودی دعویٰ کی حقیقت 494

رومی قیصروں کا فلسطین پر قبضہ اور دعویٰ 494

خطہ فلسطین مسلمانوں کا قبلہ اوّل 496

فلسطین:۔ مسلمان حکمرانوں کے زیر نگیں 497

فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ 497

دلیل اور قوت کی کشمکش میں پہلا بیانیہ (عالم اسلام کا بیانیہ) 499

دلیل اور قوت کی کشمکش میں دوسرا بیانیہ (صہیونیت) 499

دلیل اور قوت کی کشمکش میں تیسرا بیانیہ (سیاسی اور مفاداتی) 500

ارض فلسطین میں دوریاستی حل کی تجویز: 501

فلسطینی عوامی مزاحمت: 502

دوریاستی حل کا ابہام: 504

دوریاستی مذاکرات اور اسرائیلی حکمت عملی: 505
فلسطین میں متحدہ یا وفاقی ریاستی حل: 506
فلسطینی مزاحمت کا احیا: 507
فلسطین کے دو علاقے (غرب اردن اور غزہ) 508
حماس کیا ہے؟ 508
حماس اور اسرائیل کی حالیہ لڑائی 509
فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان مرکزی تنازع کیا ہے؟ 509
مسئلہ فلسطین کا حل 510
ریاست فلسطین ناگزیر ہے! 513
غزہ 513
مغربی کنارہ 514
اوّل 515
دوئم۔ 515
سوئم۔ 515
چہارم۔ 516
فلسطین ایک عالمی مسئلہ 517
عصر حاضر میں فلسطین کے حوالے سے چند اقدامات کی اشد ضرورت 519
طبّی وفود 519
ابلاغ عامہ کا استعمال 520
سوشل میڈیا کا محاذ 520
تعلیمی اداروں اور جامعات میں سرگرمیاں 521
بین الاقوامی اداروں کو قراردادیں جمع کرانا 521
سیاسی محاذ 522

مسئلہ فلسطین پر قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کا موقف 522
خود آزمائی 529
جوابات 530

یونٹ کا تعارف

یہودی دنیا کی واحد قوم ہے کہ ان کے پاس اپنی کوئی زمین نہیں بلکہ استعماری قوتوں بین الاقوامی آقاؤں کی مدد سے مشرق وسطیٰ کے قلب ارضِ مقدس انبیاء علیہ السلام کی سرزمین فلسطین پر بزورِ قوت ناجائز قابض ہیں۔ 1947ء میں ایک منصوبے کے تحت اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کی تقسیم کا فیصلہ کیا اور عربوں بالخصوص فلسطینوں کے خواہش کے برخلاف یہودی ریاست قائم کرنے کا فارمولا پیش کیا، یہ قضیہ چل ہی رہا تھا کہ محض ایک سال بعد بن گوریان نے اسرائیل کی آزادی کا اعلان کر دیا، واضح رہے کہ یہ محض کوئی اتفاق نہیں تھا بلکہ مستقل صہیونی ریاست کا قیام یہودیوں کی طویل منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا کیونکہ 1896ء میں تھیوڈور ہرتزل کی کتاب ''دی جیوئش اسٹیٹ'' کی اشاعت کے بعد یہودیوں نے اپنی ریاست کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا، یہودی ارض مقدس میں داخل ہوتے ہی یہودی ریاست کے لئے تگ ودو شروع کر دی تھی اور اس مقصد کے لئے عربوں اور ترکوں کے اختلافات کو چارے کے طور پہ استعمال کیا (یہود خوب جانتے تھے کہ خلافت عثمانیہ صہیونی مقصد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی لہذا اس موقع پرست قوم نے اختلافات کو پروان چڑھایا) دوسری طرف اقوام متحدہ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اپنی جائز ناجائز خواہشوں پر تصدیق کی مہر ثبت کروائی، نیویارک کے ایک معروف یہودی وکیل ہنری کلین نے اقوام متحدہ کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''یہی وہ حکومت اعلیٰ ہے جس کا تصور یہودی دستاویزات میں پیش کیا گیا ہے'' واضح رہے کہ اسرائیلیوں نے ارض مقدس پر صرف قبضہ نہیں کیا بلکہ ظلم وبربریت کی وحشتناک تاریخ رقم کی ہے، جس دن سے یہودی مشرق وسطی میں داخل ہوئے اور اسرائیل کی بنیاد رکھی اس دن سے مشرق وسطی تخریب کاری، بدعنوانی اور دہشت گردی کی آماجگاہ بن گیا ہے، 1948ء کے بعد سے اب تک صہیونیوں نے ارض مقدس پر جو ظلم وبربریت کا مظاہرہ کیا ہے وہ انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ سے بڑھ کر کچھ نہیں یہود کا مجرمانہ کردار کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں سرزمین فلسطین کی مساجد، ٹوٹے ہوئے سڑکیں، ویران تجارت گاہیں، اجڑی ہوئی بستیاں، ملبوں میں دبے عمارتیں اور آباد قبرستان صہیونیوں کی دہشت گردی و درندگی کا واضح نشان ہے۔ آج دنیا کے چند ممالک کے علاوہ تمام اسلامی ممالک اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہے جن ممالک نے اب تک اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا ان میں پاکستان اور سعودی عرب سرفہرست ہیں، ان کا موقف واضح ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنا فلسطینیوں سے غداری کے مترادف ہے دوسری جانب اسرائیل اپنا وجود منوانے کے

لئے سر توڑ کوششوں میں مصروف ہے اس یونٹ میں عصر حاضر کے تناظر میں ارض فلسطین اور یہود کے طرز عمل پر جامع روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 ارض فلسطین کا مختصر تاریخی پس منظر بیان کر سکیں۔
2 ارض فلسطین کے اصل باشندے کون ہیں؟ ارض فلسطین میں غیر سامی اقوام کے وجود کے تاریخی شواہد اور سامی اقوام کی ہجرت کی وضاحت کر سکیں۔
3 تورات کے مطابق عبرانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور فلسطین عبرانیوں کا اصل وطن نہیں اس فرضیہ کی وضاحت کر سکیں۔
4 فلسطین:۔ کنعانیوں کی سرزمین، کنعانیوں کی سرزمین پر عبرانیوں کا قبضہ اور ہیکل کی تباہی تک کے واقعات بیان کر سکیں۔
5 فلسطین پر یہودی دعویٰ کی حقیقت ، خطہ فلسطین مسلمانوں کا قبلہ اوّل ، فلسطین :۔ مسلمان حکمرانوں کے زیر نگیں، اور یہود کے قبضے تک کے واقعات پر روشنی ڈال سکیں۔
6 اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خلاف فلسطینی مزاحمتی تحریک اور دلیل اور قوت کی کشمکش کے موجودہ تین بیانیوں کی وضاحت کر سکیں۔
7 ارض فلسطین میں دو ریاستی حل کی تجویز سے کیا مراد ہے۔ اس ابہام کے خلاف فلسطینی مزاحمت، اور اسرائیلی حکمت عملی پر نوٹ لکھ سکیں۔
8 فلسطین میں متحدہ یا وفاقی ریاستی حل کی تجویز ، غرب اردن اور غزہ میں فلسطینی مزاحمت کی وضاحت کر سکیں۔
9 حماس اور اسرائیل کی حالیہ لڑائی، فلسطین اور اسرائیل کے درمیان مرکزی تنازع اور مسئلہ فلسطین کے حل کی تجاویز پر روشنی ڈال سکیں۔

10 غزہ اور مغربی کنارے کا تعارف پیش کر سکیں، نیز اسرائیل کے سخت گیر حربوں کی ناکامی کی چار وجوہات بیان کر سکیں۔

11 عصر حاضر میں فلسطین کے حوالے سے چند اشد اقدامات کی ضرورت اور تجاویز بیان کر سکیں۔

12 مسئلہ فلسطین پر قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کا موٴقف بیان کر سکیں۔

ارض فلسطین کا مختصر تاریخی پس منظر

تاریخی لحاظ سے ۶۳۸ عیسوی میں حضرت عمرؓ کے دور میں مسلمانوں نے فلسطین کو فتح کیا اور حضرت عمر فاروقؓ نے خود فلسطین جا کر وہاں کی غیر مسلم آبادی کو حقوق شہریت عطا کیے۔ حضرت عمرؓ کا یہ سفر تاریخ انسانی میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سفر میں کلیسا کے سربراہ سے گفتگو کے دوران نماز کا وقت آیا تو پادری نے کہا کہ آپ یہیں نماز پڑھ لیں لیکن حضرت عمرؓ نے کلیسا سے کچھ فاصلہ پر جا کر نماز ادا فرمائی۔ انھیں خدشہ تھا کہ عیسائی عبادت گاہ میں ان کی نماز کی ادائیگی کو نظیر قرار دے کر بعد میں آنے والے مسلمان، عیسائی عبادت گاہ کو مسجد میں تبدیل نہ کر دیں۔ دوسرے مذہب کے عبادت خانے کا ایک فاتح کی طرف سے یہ احترام تاریخ میں کہیں اور نہیں نظر آتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لے کر ساڑھے چار سو سال تک یہ علاقہ مسلمانوں کے زیر انتظام رہا۔ ۱۰۷۸ء میں سلجوقی اس کے حکمران بنے اور ۱۰۹۹ء میں کئی ممالک کی متحدہ عیسائی افواج نے مل کر حملہ کیا اور فلسطین پر عیسائی قابض ہو گئے۔ اکتوبر ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین ایوبی (۱۱۳۷ء-۱۱۹۳ء) نے اسے دوبارہ فتح کیا اور رواداری اور عدل کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ ۱۵۱۷ء میں فلسطین کو عثمانی فرماں روا نے دوبارہ فتح کیا اور پھر ۴۰۰ سال یہ عثمانی ریاست کا حصہ رہا۔ ۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید کی برطرفی کے بعد مصطفیٰ کمال کی قیادت میں 'نوجوان ترکوں' کے زیر عنوان ترکی کو ایک سیکولر ریاست قرار دے دیا گیا۔ مصطفیٰ کمال نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۴ء میں غیر جانب دار رہنے کی بجائے جرمنی کے حلیف کے طور پر معاہدہ کر لیا تھا۔ دوسری جانب برطانیہ، فرانس، روس اور امریکا آپس میں اتحادی بن گئے اور جرمنی کی شکست کے بعد اتحادیوں نے ترک مقبوضات کو ایک نئے نقشے کے تحت آپس میں تقسیم کر لیا۔

۱۰ اگست ۱۹۲۰ء مسلم دنیا کی تاریخ میں وہ تاریک دن ہے جب فرانسیسی اور برطانوی استعمار کے نمایندوں نے سیہیورس(Sevres) میں سائکس- پائی کوٹ(Sykes-Picot) معاہدہ کے نام سے ایک دستاویز کے ذریعے طے کیا کہ سلطنت عثمانیہ کو تتّر بتّر کرنے کے لیے فرانس کے حصے میں لبنان اور شام اور برطانیہ کی جھولی میں عراق، فلسطین اور اردن کو ڈال دیا جائے۔ تاکہ مسلم ممالک فرانس اور برطانیہ کے زیر سایہ زندگی بسر کر سکیں اور یہ دونوں ممالک مسلم دنیا کے قدرتی وسائل کو اپنی ترقی کے لیے استعمال کر سکیں۔ ۱۹۱۴ء کے اعداد و شمار کے لحاظ سے فلسطین میں چھ لاکھ فلسطینی تھے اور یہودی بمشکل ۵۰ ہزار تھے۔ آج اسرائیل کی دُوررس منصوبہ بندی اور مسلمانوں کی آنکھیں بند رکھنے کے نتیجے میں یہ تناسب اُلٹا ہے۔ فلسطین میں بمشکل ۲۰ فی صد مسلم آبادی ہے اور اس کو بھی قتل و غارت گری، دہشت گردی اور خوف کی فضا کے ذریعے مکمل طور پر صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلم ممالک آج بھی آنکھیں، کان اور عقل کو استعمال کرنے پر آمادہ نظر نہیں آرہے۔

مسئلہ فلسطین کی تخلیق مغربی استعمار کی وسیع تر تخریبی حکمت عملی کا ایک حصہ ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے فوراً بعد یورپی مسیحی اتحادی حکومتوں نے ایک وسیع تر تخریبی حکمت عملی کے تحت عثمانی مملکت کا جس نے غیر دانش مندانہ بنیاد پر جرمنی کا ساتھ دیا تھا، بٹوارے کا فیصلہ کیا تاکہ مسلم قوت کی مرکزیت کو ختم کر کے انھیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بانٹ دیا جائے، جو ہمیشہ طاقت ور یورپی ممالک کی مدد طلب کرنے پر مجبور ہوں۔ برطانوی شاطر دو قدم اور آگے بڑھے اور برطانیہ کے ہائی کمشنر ہینری میکموہن نے اپنے ایک خفیہ خط کے ذریعے عثمانیہ ریاست کے مقرر کردہ والی شریف حسین کو عثمانیوں کے خلاف بغاوت پر ابھارا اور برطانوی حکومت کی جانب سے کسی اختیار کے بغیر شریف مکہ کو ایک نجی خط کے ذریعے برطانیہ کی جانب سے ایک آزاد مملکت کی سربراہی کی پیش کش کر دی، جسے شریف حسین نے بلا کسی تردد کے قبول کر لیا اور اس طرح عثمانی ریاست کے منتشر ہونے پر شام، عراق، فلسطین اور سعودی عرب سیاسی نقشے پر اُبھرے۔

نہ صرف یہ بلکہ برطانیہ نے کھلم کھلا فلسطین کے علاقے میں یہودی آبادکاری کے ایک منظم منصوبے کا بھی اہتمام کیا۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی فوج نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اور برطانوی استعمار نے اگلے تیس برسوں میں اس خطے میں یہودی آبادکاری کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کیا اور مقامی سادہ لوح افراد کی زمینیں اونی پونی قیمتوں پر دنیا بھر سے آنے والے یہودیوں نے خریدنی شروع کر دیں۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ناجائز ریاست کے

قیام کے وقت اس میں بہ مشکل ۷ لاکھ ۵۸ ہزار یہودی آباد تھے۔ ملک کا بٹوارا کرتے وقت کل رقبے کا ۵۶ فی صد رقبہ اسرائیل کو دیا گیا اور ۴۴ فی صد حصہ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے، وہاں فلسطینی مسلمانوں اور عیسائیوں کو رہایشی حقوق دینے کا اعلان کیا گیا۔ یہودی آبادی اس وقت کل آبادی کا بہ مشکل ایک تہائی تھی۔ دو تہائی آبادی میں مسلمان اکثریت میں تھے اور قلیل تعداد میں عیسائی بھی آباد تھے۔ آج ناجائز مقبوضہ اسرائیل میں تقریباً ۱۸ لاکھ مسلمان ہیں ، جب کہ آبادی کے جائزوں اور گوشواروں میں مسلمانوں کی شرح پیدائش یہودیوں سے بہت زیادہ ہے۔ یہودی آبادی ۶۳ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

ارض فلسطین کے اصل باشندے

فلسطین جسے قدیم زمانے میں ماٹو پھر سرگون اعظم کے زمانہ میں ارض ایمورائٹ۔ یونانیوں کی تاریخ میں سیریا، رومیوں نے فلسطائنا، فونیقیوں کی مناسبت سے فونیشیا۔ بابلی نوشتوں میں کنعان، بمعنی نشیبی زمین۔ عربوں نے شام بمعنی بایاں۔ ترکوں نے سنجاک آف یروشلم یا ولایت بیروت۔ یہود نے ارض اسرائیل اور عیسائیوں نے ارض مقدس کہا ہے۔ آج سیاسی لحاظ سے دنیا کا اہم ترین قطعہ ارض بنا ہوا ہے۔ مذہبی طور پر یہاں یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں اور سیاسی طور پر تینوں اقوام کے مفادات اس خطے سے وابستہ ہیں۔ دونوں قسم کے عوامل اس قدر جاندار ہیں کہ ان کے باعث پوری دنیا تباہی کے کنارے آن لگی ہے۔ تینوں اقوام میں سے کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔ تینوں کا خیال ہے کہ فلسطین پر صرف ان کا حق ہے اور کسی دوسرے کو اس میں مداخلت کا اختیار نہین ہے۔ ہم آج کی نشست میں مسئلہ فلسطین کے حقیقی پس منظر کو ایک غیر جانبدار مؤرخ کی نظر سے دیکھ کر قارئین پر اس کے صحیح خدوخال واضح کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں کے اصل باشندے کون سے ہیں کیونکہ وہی اس کے صحیح حق دار ہیں اور کون کون سی اقوام کہاں کہاں سے آکر کن کن ادوار میں کن مقاصد کی خاطر یہاں آباد ہوئیں۔ ہماری نظر میں اس مسئلے کے حل میں مذہب کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ تینوں اقوام کے مقدس مذہبی مقامات یہاں موجود ہیں اور کوئی بھی قوم طبعی طور پر اپنے مقامات مقدسہ سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ جس طرح ہم اپنے قبلے بیت اللہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے اسی طرح عیسائی اور یہودی بھی فلسطین میں موجود اپنے قبلے سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ جس طرح ہم مسجد اقصیٰ سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یادگاروں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یادگاروں سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ اس مسئلے کا واحد

حل "فرزند سرزمین" کا نظریہ ہے کہ زمین انہی کی ہے جو وہاں کے اصل باشندے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ فلسطین کے قدیم ترین باشندے کون سے ہیں۔ آیا وہ قوم دنیا میں اب موجود ہے۔ اگر موجود نہیں ہے تو ان کے بعد قدیم ترین کون سے ہیں۔ اگر وہ نسل بھی اب موجود نہیں ہے تو کون سی قدیم ترین نسل موجود ہے جسے فلسطین کا وارث تصور کیا جائے اور فلسطین کے آتش کدہ کو سرد کیا جاسکے۔ آیئے ہم آپ کو اس مقصد کی خاطر ازمنہ گزشتہ میں لے چلتے ہیں۔

ارض فلسطین میں غیر سامی اقوام کے وجود کے تاریخی شواہد

فلسطین اپنی مخصوص تاریخ کے اعتبار سے محض ایک قطعہ اراض کبھی نہیں رہا بلکہ جغرافیے نے اسے کچھ ایسی اہمیت عطا کر دی ہے کہ تاریخ ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہی ہے اور یہ ہر دور میں بین الاقوامی استخوان نزاع بنا رہا ہے۔ اس قطعہ ارض میں انسان اس وقت سے آباد ہے جب سے انسانی زندگی تاریخ کی روشنی میں آئی ہے۔ یہ بات یروشلم کے شمال مغرب میں واقع "وادی نطوف" کے وسطی حجری دور کے آثار قدیمہ سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ حالیہ کھدائی سے جو بابلی اور مصری آثار ظاہر ہوئے ہیں، اس کی مدد سے ہم عبرانیوں سے قبل کی تاریخ بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے فلسطین میں اسرائیلیوں سے قدیم تر باشندوں کا کا پتہ چلتا ہے۔ آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے لیے 1860ء میں لندن میں فلسطین ایکسپوریشن فنڈ قائم یا گیا۔ پھر جرمن اور یئینٹل سوسائٹی اور فرنچ بابلی سکول آف یروشلم وجود میں آئے۔ جن کی کاوشوں سے 1890ء میں جنوبی جوڈیا میں کھدائیوں کا عملی کام شروع ہوا اور ارض مقدس سے متعلق بہت سی معلومات منظر عام پر آئیں جن کے مطابق تین ہزار قبل مسیح میں یہاں سامی آباد تھے اور ان سے پہلے یہاں کوئی اور نسل آباد تھی جن کے غیر سامی ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ ڈاکٹر میکس بینکن ہارن کے مطابق اس علاقے میں کم از کم دس ہزار سال پہلے انسان آباد ہوا۔ یہ لوگ غاروں میں رہتے تھے کیونکہ ایک غار سے شیر کی ہڈیوں کے ساتھ انسانی پنجر بھی ملا ہے۔ کھدائیوں کے باعث ایک ایسے دور کے آثار بھی ملے ہیں جن لوگوں کا گزارہ صرف شکار پر تھا۔ یہ لوگ غیر سامی تھے کیونکہ وہ اپنے مُردوں کو جلا دیتے تھے جو آریاؤں کی رسم ہے۔ (سامی اپنے مُردے کو دفن کرتے ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ غاروں کے یہ مکین ہورائٹ یا ہورم تھے جو ابڈومائٹس کے اجداد تھے۔ اسی بنا پر بعض علماء کا خیال ہے کہ کنعان و فلسطین کے اصل باشندے یہی ہیں۔ مصری نوشتوں کے مطابق کھانی یہاں کے قدیم باشندے ہیں۔ یہ نام ہیٹوں کے پرانے پایہ تخت کی مناسبت سے ہے۔ یہ لوگ غیر سامی تھے۔ تورات سے بھی یہاں غیر سامی اقوام کا وجود ملتا ہے۔ اسی لیے علماء کی اکثریت کا کہنا یہ ہے کہ

تین ہزار سے ڈھائی ہزار سال قبل مسیح تک فلسطین میں غیر سامی آباد تھے جن کی طاقت عبرانیوں نے ختم کی اور طویل جدوجہد اور لڑائیوں کے بعد ارض مقدس پر اپنا تسلط جمانے میں کامیاب ہو گئے اور اسی تسلط کی بنا پر وہ آج بھی اس علاقے کے دعویدار ہیں۔

ارض فلسطین میں سامی اقوام کی ہجرت

سامی حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام سے منسوب ہیں اور تاریخ میں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو شمال میں سیرین کے نام سے جنوب میں عربوں کے نام سے، مغرب میں موآبیوں، فونیشیوں اور عبرانیوں کے نام سے آباد تھے۔ اس سارے علاقے کو ہلال زرخیز کہتے ہیں۔ سامیوں کا اصل وطن عرب تھا جہاں سے آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ دوسرے علاقوں میں جاکر آباد ہوتے رہے۔ تاریخ میں ایسی چار ہجرتوں کا پتہ چلتا ہے۔ کنعان یا فلسطین میں سامیوں کا آکر آباد ہونا دوسری ہجرت کہلاتا ہے۔ عبرانیوں کے یہاں آنے سے پہلے سامیوں کے دو گروہ کنعانی اور راموری یہاں آباد تھے۔ کنعانی ساحلی علاقوں میں رہتے تھے اور اموری پہاڑوں میں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہاں پہلے اموری آئے پھر کنعانی۔ یہ دونوں گروہ اگرچہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان میں کوئی مشابہت نہ تھی۔ ان کے بعد جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ سامیوں کا ہی ایک اور گروہ جسے بعد میں عبرانی اور آگے چل کر اسرائیلی اور یہودی کہا گیا علاقہ فلسطین میں آکر آباد ہوا۔

عبرانی:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد

تورات کے مطابق عبرانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں جو سمبریوں کے دارالحکومت "اُر" سے ہجرت کر کے کنعان یا فلسطین میں آکر آباد ہوئے۔ "اُر" حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ مشرق سے آنے والے خونخوار قبیلوں نے اس عظیم سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طوفان نوح جیسے ایک اور طوفان نے ان کو تباہ کر دیا ہو کیونکہ اس سلطنت کے شہر تاریخ میں چار ہزار سال تک پھر کہیں نظر نہیں آئے۔ بہر حال کسی بھی وجہ سے اگرچہ یہ سلطنت برباد ہو گئی تاہم ان کا تحریری اثاثہ موجود رہا۔ جو مصر پہنچا۔ پھر اسیریا یا بابل کی سلطنتوں میں پہنچا۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیریا کی یہ سلطنت مشرقی اور مغربی تہذیبوں کی ماخذ ہے۔ ان تحریروں سے معلوم ہوتا کہ

ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح میں جب کہ مصر میں بھی وحشت کا دور دورہ تھے "اُر" کے لوگ سونے چاندی اور دیگر دھاتوں سے شاہکار تخلیق کرتے تھے۔ یہاں کے ماہرین تعمیرات دور جدید کے اصول تعمیر سے خوب واقف تھے۔ اہل سمیر یا کتابت کو کافی ترقی دے چکے تھے۔ فن سپہ گری میں طارق تھے۔ خشکی اور سمندری راستوں سے دنیا کے دیگر ممالک سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے۔ لکڑی کا کام بہت عمدہ کرتے تھے۔ نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ بیلوں سے ہل چلا کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کا اپنا مجموعہ قوانین اور منظم و مذہب تھا۔ اور قدیم زمانے میں اسی علاقے سے زیادہ خوشحال کوئی علاقہ نہیں دیکھا گیا۔ اس علاقے سے ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور آٹھ سو میل کا فاصلہ طے کر کنعان پہنچے۔ راستے میں پہلے حران (ترکی میں ہے) پہنچے۔ پھر ساحل کے ساتھ ساتھ اس پرانے کاروانی راستے پر چلتے گئے جو فرات اور نیل کے شہروں کو ملاتا ہے۔ شاید وہ دمشق میں بھی رُکے لیکن یہاں ماحول کو سازگار نہ پا کر آگے پہاڑی علاقوں کی طرف چل دیئے۔ جہاں اگرچہ کاشت مشکل تھی لیکن امن و سکون میسر آسکتا تھا۔ یہ کنعان کا وہ حصہ تھا جسے بعد میں فلسطین کہا گیا۔ کنعانیوں نے ان نواردوں کو ابوس یا ابرم (دوسری جانب) کہا۔ یعنی دریائے فرات واردن کے دوسری جانب سے آنے والے۔ یہی لفظ بعد میں ہیریو یعنی عبرانی بن کر اس نسل کے لیے مخصوص ہو گیا۔

فلسطین عبرانیوں کا اصل وطن نہیں

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ فلسطین عبرانیوں کا اصل وطن نہیں ہے بلکہ ان کا یہاں نووارد ہونا خود ان کے نام میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد قدیم میں عبرانیوں نے فلسطین کو کبھی اپنا وطن نہیں سمجھا اور جب انہیں محسوس ہوا کہ کسی اور علاقے میں انہیں زیادہ مفادات مہیا ہو سکتے ہیں تو یہ فوراً دوسری جگہوں کی جانب چل دیئے۔ جس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ان کا مصر آکر آباد ہو جانا ہے۔ ہوا یوں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے حضرت یوسف علیہ السلام فروخت کر کے مصر پہنچا دیئے گئے۔ ہاں مغربی ایشیا کے سامی النسل چرواہوں کا ایک قبیلہ ہائیکساس حکمران تھا۔ یہ قبیلہ خود غیر ملکی تھا اس لیے غیر ملکیوں کی حوصلہ افزائی کرتا اور مصریوں کو دباتا تھا۔ اس قبیلے کی حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث وزیر خوراک کے منصب تک پہنچ گئے۔ اس زمانے میں ایک عالمگیر قحط سے مجبور ہو کر ان کے بھائی مصر آئے۔ جنہیں نیل کے ڈیلٹا میں ارض گوشن میں آباد کر دیا گیا۔ اس طرح عبرانی فلسطین سے مصر منتقل ہو گئے اور صدیوں تک یہیں

مقیم رہے۔ اس وقت تک ان کے ذہن میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا تھا کہ فلسطین ہمارا وطن ہے اور نہ ہی انہوں نے مصر کو اپنا وطن قرار دیا۔ بلکہ سیاسی اور معاشی اغراض سے مصر میں مقیم رہے اور جب یہاں یہ اغراض پورا ہونا بند ہو گئیں تو پھر مصر سے نکل کھڑے ہوئے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ہائیکساس جب عیاشیوں میں مصروف ہو کر جانبازی سے عاری ہو گئے تو مصریوں نے ان کے خلاف بغاوت کر کے پندرہویں صدی قبل مسیح میں مصر میں ایک نئی اور مضبوط حکومت قائم کر دی جس نے بڑی بڑی تعمیرات کا سلسلہ شروع کیا جس کے لیے بیگار کی ضرورت تھی۔ گوشن کے علاقے میں صحت مند عبرانیوں کو جو غیر ملی ہونے کے باوجود صدیوں سے وہاں آباد تھے انہیں کھٹکنے لگے اور بیگار کا قُرعہ ان کے نام پڑ گیا۔ نیز یہ مصری حکومت اس بات سے بھی خائف تھی کہ ایک خاص علاقے میں آباد خوشحال اور مضبوط غیر ملکی قوم کہیں ان کے اقتدار کو چیلنج نہ کر دے اس لیے انہوں نے عبرانیوں پر سختیاں شروع کر دیں جن سے تنگ آ کر اور کچھ وقتی مذہبی اسباب کے تحت یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں مصر سے نکل گئے اور فلسطین کی راہ لی۔ ان کا خیال تھا کہ کنعانی پہلے کی طرح کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔ لیکن انہیں شدید مزاحمت سے واسطہ پڑا جس کے نتیجہ میں یہ لوگ ہمت ہار بیٹھے اور چالیس سال تک دست نوردی کرتے رہے۔ بعد ازاں شکست و فتح کا کھیل کھیلتے ہوئے رفتہ رفتہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین میں سر چھپانے میں کامیاب ہو گئے۔ تورات میں مذکور ہے:

"جب یوشع بوڑھا ہو گیا تو خدا نے اسے کہا تم بوڑھے ہو گئے ہو لیکن ابھی بہت سا علاقہ فتح کرنے کے لیے باقی ہے جس میں مصر کی سرحدوں سے لے کر وہ تمام علاقہ شامل ہو جو کنعانیوں کا علاقہ کہلاتا ہے۔ میں بنی اسرائیل کے داخلے سے قبل وہاں کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کروں گا۔ تم بنی اسرائیل کو ان کی جگہ لینے کے لیے تیار کرو۔"

فلسطین:۔ کنعانیوں کی سرزمین

فلسطین میں مکمل برتری حاصل کرنے سے قبل عبرانی جہاں جہاں آباد ہوئے وہاں انہوں نے قلعہ بند شہر بنا لیے تھے اور کنعانیوں سے دوستانہ روابط پیدا کر کے زراعت میں مشغول ہو گئے۔ کنعانی بھی ایسے ہی شہروں میں رہتے تھے جو اکثر میدانی علاقوں اور خال خال پہاڑی علاقوں میں واقع تھے اور اکثر رقبہ خالی پڑا تھا۔ یہی بات یہاں عبرانیوں کے قدم جمانے کا باعث بنی۔ بعد میں جب دونوں اقوام کے مفادات ٹکرائے تو ان میں پھر

حالت جنگ پیدا ہو گئی۔ جنگ گبسن کی کہانی عبرانیوں میں اسی دور کی یادگار ہے جس کے مطابق امورائٹس کے بادشاہ نے عبرانیوں پر حملہ کر کے انہیں بے گھر کر دیا تھا (تورات میں کنعانیوں کو امورائٹس اور ہٹی بھی کہا گیا ہے) بعد میں پانسہ پلٹ گیا اور عبرانیوں نے کنعانیوں کے شہر حبرون اور ڈیبر وغیرہ فتح کر لیے اور تقریباً گیارہ سو سال قبل مسیح میں فلسطین کے منظر پر کنعانیوں کی بجائے عبرانی جلوہ گر ہو گئے ورنہ اصل میں یہ سرزمین کنعانیوں کی ہی تھی جیسا کہ تورات میں ہے وہ.... وہ جگہ جہاں تم اجنبی ہو کنعانیوں کی سرزمین ہے۔

کنعانیوں کی سرزمین پر عبرانیوں کا قبضہ

کنعانیوں کی اس سرزمین پر عبرانیوں نے قابض ہو کر ایک عظیم سلطنت قائم کی۔ جس کا دارالحکومت حبرون تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے خیال میں یہ جگہ پایہ تخت کے لیے مناسب نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے موجودہ یروشلم کو جسے اس وقت جیوسائٹ کہتے تھے منتخب کیا۔ سلیمان علیہ السلام نے عبرانیوں کی مرکزی عبادت گاہ تعمیر کرائی جسے ہیکل کہا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام 961 ق م میں بادشاہ ہو کر 872 ق م میں فوت ہو گئے جس کے فوراً بعد شیشاک مصری نے ہیکل تباہ کر دیا اور معبد کا قیمتی طلائی سامان لوٹ کر لے گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد عبرانیوں کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک کا نام جوڈیا تھا جس کا پایہ تخت یروشلم تھا۔ اس کا حکمران حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا رجعام بنا۔ اور بعد ازاں اولاد سلیمان عرصہ تک یہاں حکمران رہے۔ دوسری ریاست کا نام اسرائیل تھا جس کا دارالحکومت سامریہ تھا۔ یہاں عبرانیوں کے دس قبائل آباد تھے۔ ان دونوں ریاستوں کی داخلی تاریخ باہمی قتل و غارت اور سازشوں سے پُر ہے۔ آخر 721 ق م میں اسرائیل کی ریاست اشوریوں کے ہاتھوں اور 588 ق م میں جوڈیا کی ریاست بابلیوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ بخت نصر شاہنشاہ بابل نے 607 ق م، 597 ق م اور 588 ق م میں یکے بعد دیگرے جوڈیا پر حملے کیے اور آخری حملے میں ہیکل کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا۔ خزانہ اور متبرک اشیا لوٹ کر ساتھ لے گیا اور بے شمار عبرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر لاتعداد افراد کو گرفتار کر کے بابل لے گیا اور بیگار کیمپوں میں محبوس کر دیا۔ تا آنکہ ایرانی بادشاہ سائرس نے 536 ق م میں بابل فتح کر لیا اور بابلیوں کے مقبوضات اس کے قبضے میں آ گئے۔ اس نے عبرانیوں کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی اور 517 ق م میں یہ لوگ دوبارہ ہیکل تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سکندر نے ایران پر غلبہ حاصل کیا تو فلسطین اور عبرانی سکندر کے محکوم ہو گئے اور اس کی موت کے بعد یہ چیزیں اس کے جرنیل پٹولمی کے حصہ میں آئیں۔

ہیکل کی تباہی

70 ق م میں ہیکل پر پھر تباہی نازل ہوئی۔ اس کی بنیادوں میں ہل چلا دیا گیا۔ 31 ق م کے بعد ہیرو ڈنے اسے دوبارہ بنوا دیا۔ لیکن 69ء ٹائیٹس نے فلسطین کو تہ و بالا کر کے 29۔ اگست 70ء کو یروشلم پر قبضہ کر کے آگ لگا دی۔ ہیکل کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ مقدس صحیفوں کو نکال کر فتح کی یادگار کے طور پر روم لے گیا اور یروشلم کے گرد غیر یہودی آبادیاں قائم کر دیں۔ قیصر ہادریان (117ء تا 138ء) نے ہیکل کی جگہ پر جوپیٹر کا مندر بنوا دیا اور پانچ لاکھ یہود کو قتل کروا دیا اور پورے سال میں صرف ایک دن انہیں یروشلم آنے کی اجازت ملتی۔ جس روز ٹائٹس نے بیت المقدس کو مسمار کیا تھا تاکہ خدا کے پیاروں کے ناخلف آکر یہاں رولیں۔ اس شخص نے یروشلم کے کھنڈرات پر ایک نیا شہر تعمیر کر کے اس کا نام "ایلیا کاپی تولینا" رکھا۔ اس واقعہ کے بعد فلسطین میں عبرانیوں کا یا تو داخلہ ہی ممنوع رہا اور اگر آئے بھی ہیں تو قیام اسرائیل تک محکوموں کی حالت میں۔

فلسطین پر یہودی دعویٰ کی حقیقت

آج یہ قوم فلسطین کے دعویداروں میں سرفہرست ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ داؤد و سلیمان علیہم السلام کی سرزمین ہمارا ورثہ ہے اور جس طرح ہر قوم کا ایک وطن ہوتا ہے اسی طرح یہ علاقہ ہمارا وطن ہے جہاں سے ہمیں جبراً نکال دیا گیا تھا لیکن جیسا کہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ لوگ عہد قدیم میں بھی یہاں باہر سے آکر اور مقامی باشندوں کو دبا کر آباد ہوئے تھے اور جوں ہی ان کے مفادات متقاضی ہوتے بہ بے دریغ نئے علاقوں کی طرف چل دیتے ہیں اس لیے ان کا موجودہ دعویٰ قطعاً بے بنیاد ہے۔

رومی قیصروں کا فلسطین پر قبضہ اور دعویٰ

یہود کی جلاوطنی کے بعد فلسطین رومی قیصروں کے زیر نگیں رہا۔ اس دور میں یہاں عیسائیت نے جڑیں پکڑیں۔ تا آنکہ 336ء میں رومی قیصر قسطنطین نے عیسائیت قبول کرلی جس نے اس مذہب کے فروغ کے لیے بھرپور مساعی کا آغاز کر دیا۔ اس نے ہیکل سلیمانی کی جگہ گرجا بنوا دیا۔ یروشلم میں کئی اور گرجے بھی بنوائے اور مسیح کی یادگاروں پر عمارات تعمیر کروائیں جن کی زیارت کے لیے ہزارہا عیسائی یہاں آنے لگے جن کے لیے مسافر خانے

تعمیر کروائے گئے۔ اس طرح یروشلم ایک عیسائی شہر اور فلسطین ایک عیسائی ملک کی صورت اختیار کر گیا۔ صلیب مقدس تلاش کی گئی۔ قسطنطین کی ماں سینٹ ہلنا نے یروشلم کی زیارت کے سفر کو مقدس مذہبی رنگ دے دیا۔ بعد کے قیصروں نے بھی ایک عیسائی شہر بنانے میں بھرپور حصہ لیا اور ان کی زیر سرپرستی عیسائیوں کی جانب سے یہودیا عبرانیوں پر مظلم کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ عیسائیوں کا خیال تھا کہ مسیح اور ان کے اولین پیروکاروں پر عبرانیوں نے جو مظالم کیے تھے ان کا بدلہ لینے کا وقت آچکا ہے۔ گریشین اور تھیودوسیس اعظم بڑے متعصب عیسائی بادشاہ تھے۔ انہوں نے غیر عیسائیوں کو سخت سزائیں دی۔ 391ء میں سکندریہ کا مشہور کتب خانہ جلا دیا۔ (یہ وہی کتب خانہ ہے جس کے جلانے کا الزام مستشرقین سیدنا عمر فاروقؓ پر لگاتے ہیں) ظلم و تعصب کا یہ دور 614ء تک جاری رہا۔

پھر خسرو شاہ ایران نے رومیوں سے ہتھیا لیا اور عیسائی مکافات عمل کی زد میں آگئے۔ ہزارہا عیسائی تہ تیغ کر دیئے گئے۔ مزار مقدس کے کلیسا اور دوسرے چرچ تباہ کر دیئے گئے۔ ہیکل پہلے سے ہی برباد ہو چکا تھا۔ پھر 628ء میں ہرقل نے خسرو کو شکست دے کر یروشلم کو دوبارہ عیسائی قبصہ بحال کیا او ریہود کے یہاں داخلے کی پھر سے ممانعت کر دی تا آنکہ 639ء میں حضرت فاروق اعظمؓ اپنے ایک غلام کو اونٹ پر بٹھائے بیت المقدس کی چابیاں حاصل کرنے کے لیے شہر مقدس تشریف لائے اور بطریق بیت المقدس بے اختیار پکار اٹھا کہ مصحف آسمانی کا لکھا پورا ہو گیا۔ "وہ اپنے غلام کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے شہر میں داخل ہو گا۔" اس طرح شہر مقدس ایک اسلامی شہر کی حیثیت سے منظر عام پر آیا۔ گویا 338ء تک یہ شہر عیسائی حکومت کے زیر نگیں رہا اور تین صدیوں کا یہ قبضہ ان کے دعویٰ فلسطین کی ایک بنیاد بن گیا۔

عیسائیوں کا فلسطین پر دعویٰ ہر دور میں رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ علاقہ ان کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ہے۔ وہ یہیں پروان چڑھے۔ یہیں انہیں نبوت ملی۔ ان کی تبلیغ کا میدان بھی یہی علاقہ ہے۔ یہیں انہیں پھانسی دی گئی۔ اور پھر آسمان پر جانے سے قبل وہ یہیں دفن ہوئے۔ ان کا قبلہ و کعبہ یہی علاقہ ہے۔ مزید بر آں ابتدائی عیسائیوں میں عبرانی یہودیوں کی کثیر تعداد شامل تھی اس لیے اگر فلسطین عبرانیوں کی میراث ہے تو یہ اب عیسائیوں کی جانب منتقل ہو جانی چاہیے۔ اپنی یہ میراث حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں نے ہر دور میں کوشش کی ہے۔ ہم ان کے دعویٰ پر بحث کرنے سے قبل اس ارض مقدس کے دعویداروں میں تیسرے فریق کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کر دینا چاہتے ہیں جو مسلمان ہیں۔

خطہ فلسطین مسلمانوں کا قبلہ اوّل

خطہ فلسطین مسلمانوں کا قبلہ اوّل ہے۔ یہاں فاتحانہ ورود سے پہلے ہی مسلمان اس جگہ سے قلبی وابستگی رکھتے تھے۔ واقعہ معراج میں یروشلم مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ فتح بیت المقدس کے بعد مسلمانوں نے اس کی عظمت و تقدیس کو چار چاند لگا دیئے۔ مکمل مذہبی آزادی عطا کی۔ باشندوں کے جانو مال و آبرو کی مکمل حفاظت کی۔ یہاں لاثانی مذہبی عمارات تعمیر کرائیں۔ ولید نے مسجد اقصیٰ بنوائی۔ سلیمان نے رملہ نامی شہر بسا کر اسے فلسطین کا دارالحکومت بنایا۔ یہود نے اپنی صدیوں پرانی اکیڈمی آف طریاس یروشلم میں منتقل کرلی۔ عبدالملک نے عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دے کر جب اس کی نشوونما کے لیے اقدامات شروع کیے تو عبرانیوں کو بھی اپنی مردہ زبان کی نشاۃ ثانیہ کا خیال آیا جس کے نتیجہ میں عبرانی زبان پھر سے محفوظ ہوگئی۔ گویا اس ارض مقدس میں تاریخ میں پہلی مرتبہ تینوں مذاہب کے لوگ مکمل امن و امان سے رہنے لگے تا آنکہ عیسائیوں نے اپنے سابقہ اقتدار کے نشے میں گیارہویں صدی عیسوی میں اس علاقے میں مسلم اقتدار کو چیلنج کر کے مسلسل دو صدیوں تک کے لیے امن و امان کا سلسلہ درہم برہم کر دیا۔ یہ دور تاریخ میں صلیبی جنگوں کا دور کہلاتا ہے۔ ان جنگوں کے اسباب مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھے۔ مثلاً ایشیائے کوچک واپس لینے کی ایک کوشش میں رومی بادشاہ بذات خود گرفتار ہوگیا۔ اسے خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان اب اس کے پایہ تخت کو بھی روند ڈالیں گے۔ لہٰذا اس نے عیسائیوں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کر کے مسلمانوں کے مقابل لا کھڑا کیا۔ کلیسائے روم کا پاپائے اعظم عالم عیسائیت میں تفوق و برتری کی سب سے بڑی علامت تھا لیکن کلیسائے یونان اس کا اقتدار تسلیم نہ کرتا تھا۔ جو 1054ء سے الگ حیثیت منوا چکا تھا۔ یروشلم پر قبضہ کی صورت میں دونوں کلیساؤں کے ایک ہو جانے اور پاپائے روم کے غلبہ کی امید تھی اس لیے اس نے مذہب کی آڑ لے کر اپنی سیاست چمکانے کی کوشش کی۔ یورپ کے عوام کی معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی اور وہ شام و فلسطین کے مسلمانوں کی مال و دولت کے قصے سنا کرتے تھے۔ لوٹ مار کے شوق نے مذہب کا لبادہ اوڑھ لیا اور یہ سب عوامل اس ایک واقعہ سے کھل کر سامنے آگئے جب کہ فاطمی خلیفہ الحاکم نے عیسائیوں کی صلیب مقدس کے ساتھ ان کے بقول غیر شائستہ سلوک کیا تھا اور یہ خطہ دو صدیوں تک جنگ کی آگ کی لپیٹ میں آگیا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں یہ جنگیں ختم ہوئیں اور عیسائی اپنی پوری مشرقی سلطنت دے کر کمبل سے جان چھڑا سکے۔ دعویٰ فلسطین بھی بظاہر واپس لے لیا گیا۔ کیونکہ رچرڈ شیر دل نے یہ علاقہ اپنی بہن کے جہیز میں مسلمانوں کو دینے کی پیشکش بھی کر دی تھی۔ قسطنطنیہ میں عیسائی سلطنت راکھ کا ڈھیر بن گئی اور یہ عظیم شہر آج بھی مسلمانوں کا شہر ہے۔ یونان و بلقان جو کسی زمانے میں رومن صوبے

تھے مسلمانوں کی کالونی بن گئے۔ اس سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو یورپ میں عمل دخل کا موقع مل گیا جس سے وہاں جہالت کا خاتمہ اور سیاسی بیداری کا آغاز ہوا۔ شاید یہی ایک فائدہ تھا جو دو صدیوں کی جنگوں سے عیسائیوں کو حاصل ہوا۔

فلسطین:۔ مسلمان حکمرانوں کے زیر نگیں

صلیبی جنگوں کے بعد یہ علاقہ مسلمان حکمرانوں ہی کے زیر نگیں رہا۔ اس کی پاسبانی کے فرائض عثمانی ترک سرانجام دیتے رہے۔ 1517ء میں سلطان سلیم نے اس پر قبضہ کیا تو یہود یہاں آکر آباد ہونے لگے۔ اس سے قبل سپین ان کا محبوب علاقہ تھا۔ یورپی ممال کے ستائے ہوئے یہودی وہاں جا کر پناہ لیتے تھے اور وہاں کے علمی ماحول میں پہنچ کر علم و فن کے خادم بن جاتے تھے۔ موسیٰ بن میمون جس نے شریعت یہود کو از سر مرتب کیا تھا سپین ہی کا رہنے والا یہودی تھا۔ پھر سپین سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد یہود پر بھی وہاں کی فضا تنگ ہو گئی اور ان کا رخ فلسطین کی جانب ہو گیا۔ عثمانیوں نے انہیں مذہبی آزادی عطا کی۔ یہاں ان کی مذہبی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا جس کا مرکز سیفد نامی جگہ بنی جہاں سپین سے بھاگ کر آیا ہوا ایک یہودی عالم جیکب براپ آباد ہو گیا تھا۔ عثمانی سلطان نے ایسے پناہ گزینوں کو آبادکاری کے لیے طبریہ کے گرد زمین عطا کی۔ عیسائیوں سے ان کی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ ان کے بھگوڑوں کو عیسائی جہازوں میں سفر کرنے کی اجازت بھی نہ دی۔

فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ

ترکوں کے ہمدردانہ رویہ کے باعث یروشلم اور فلسطین میں ان کی تعداد میں اضافہ شروع ہوا۔ مشہور سیاح گبروندی کے مطابق 1267ء میں یروشلم میں صرف دو یہودی خاندان آباد تھے۔ 1488ء میں پورے فلسطین میں ان کے خاندانوں کی تعداد 70 تھی جو 1495ء میں بڑھ کر 200 ہو گئی۔ ترکوں کی رواداری کے باعث یہ تعداد بڑھتی گئی تا آنکہ انیسویں صدی کے آغاز میں فلسطین میں یہود کی آبادی آٹھ ہزار ہو گئی۔ ترک مسلمانوں کے جن سلوک کا بدلہ اس احسان فراموش قوم نے یہ دیا کہ فلسطین میں وطن الیہود کے قیام کی کوششیں شروع کر دی۔ 1897ء میں لارڈ ہرزل نے صہیونی تحریک شروع کر کے سلطان عبدالحمید سے مراعات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سلطان کے انکار پر اس نے قیصر ولیم آف جرمنی سے اس شرط پر سفارش کروائی کہ یہودی سلطان کے تمام قرضے چکائیں گے اور

ترکی میں فیکٹریاں لگائیں گے لیکن سلطان نے کورا جواب دے دیا۔ اس پر ان لوگوں نے زیر زمین سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ 1908ء میں سلطان معزول کر دیا گیا۔ عرب و عثمانی کی تفریق کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے لڑانا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں 9 دسمبر 1997ء کو جنرل ایلن بی نے فلسطین فتح کر لیا اور اس طویل مسلم دور کا خاتمہ ہو گیا جو سیدنا عمر فاروقؓ کی فتح بیت المقدس سے شروع ہوا تھا۔ بعد ازاں اس علاقے کو دو حصوں میں بانٹ کر اُردن اور اسرائیل کی حکومتیں قائم کر دی گئیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس تقسیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا نتیجۃً کئی جنگیں ہو چکی ہیں اور تا حال اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھا۔

اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خلاف فلسطینی مزاحمتی تحریک

مسئلۂ فلسطین کو حل کرنے کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی منظور کردہ قراردادیں، انسانی حقوق سے متعلق بین الاقوامی اعلامیے، انسانیت سوز جرائم (crimes against humanity) سے متعلق قوانین، اسرائیل اور پی ایل او کے درمیان طے پانے والے معاہدے، حتیٰ کہ سلامتی کونسل کی منظور کردہ قراردادیں یہ سب صہیونی اسرائیلی حکومت کی ہٹ دھرمی کے سامنے ویسے ہی بے بس نظر آتے ہیں جس طرح جرمن نازی فوجیوں کے سامنے یہودی مرد عورت بوڑھے بچے اجتماعی ہلاکت (Holocaust) کے موقع پر دکھائی دیتے رہے ہوں گے۔ کوئی قوم اپنے اوپر ہونے والے ظلم و جبر کو دوسری غیر متعلق قوم پر اسی طرح دہرائے گی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن اپنے قیام سے پہلے برطانیہ کی سرپرستی میں اور قیام کے بعد امریکہ کی سرپرستی میں اسرائیلی حکومت نے فلسطینی آبادی کے خلاف ہولوکاسٹ کی ایک نئی تاریخ رقم کی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اسرائیلی ہولوکاسٹ بروقت نشر بھی ہو رہا ہے اور دنیا تماشائی بنی بیٹھی ہے یا پشت پناہی کر رہی ہے۔ رہے عرب اور مسلم ممالک تو وہ رسمی بیان سے آگے بڑھ کر کسی عملی اقدام کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔ ایسے حالات میں صہیونی توسیع پسندی اور انسانیت سوز جرائم کے خلاف فلسطینی مزاحمتی تحریک (Palestinian Resistance movement) ہی انسانی آزادی و خود مختاری کی آخری امید ہے۔ اسرائیل کے غاصبانہ قبضہ کے خلاف جاری فلسطینی مزاحمت اخلاقی، سیاسی اور قانونی ہر اعتبار سے نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے کیوں کہ اس مسئلہ کے منصفانہ حل کا واحد راستہ اب یہی رہ گیا ہے۔

دلیل اور قوت کی کشمکش میں پہلا بیانیہ (عالم اسلام کا بیانیہ)

۱۹۴۸ء میں فلسطینی سرزمین پر اسرائیلی ریاست کے قیام سے پہلے اور قیام کے بعد عام طور پر تین طرح کے بیانیے پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ ایک بیانیہ فلسطینی باشندوں، عرب حکومتوں اور عوام بلکہ امت مسلمہ اور عالمی سطح پر ہندوستان سمیت بیشتر ممالک کا رہا ہے کہ اس سرزمین سے فلسطینی باشندوں کو بے دخل کرنا اور دنیا کے مختلف خطوں سے یہودیت سے نسبت رکھنے والی دیگر قوموں کو لا کر آباد کرنا ناجائز ہے۔ فلسطین کے ایک خطے پر اسرائیل کے نام سے الگ ملک قائم کرنا ایک غاصبانہ قبضہ (illegal occupation) ، نو آبادیاتی تسلط (colonial expansion) اور نسل پرستانہ عمل (apartheid) ہے۔ اقوام متحدہ کا چارٹر، جس پر تمام قوموں نے اتفاق کیا ہے، وہ ایسے کسی عمل کی اجازت نہیں دیتا جو مقامی آبادی کو بے دخل کر کے زبردستی دوسرے خطوں سے لائے گئے لوگوں کو مسلط کرنے والا ہو۔ اسی طرح کسی انتدابی ملک (Mandate country) کو دوسرے ملک کی زیر انتداب سرزمین کے بارے میں ایسا وعدہ کرنے کا نہ تو اخلاقی نہ ہی قانونی حق تھا جس سے اس ملک کے اصل باشندے بے دخل ہو جائیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اس کے مالک بن جائیں۔ اس لیے فی نفسہ ۱۹۱۷ کا بالفور اعلان (Balfour declaration) جو برطانوی سکریٹری خارجہ آرتھر بالفور نے صہیونی تحریک کے ایما پر کیا اخلاقی اور قانونی اعتبار سے ناجائز تھا۔

دلیل اور قوت کی کشمکش میں دوسرا بیانیہ (صہیونیت)

دوسرا بیانیہ صہیونی شدت پسندوں کا ہے جس کی بنیاد نسل پرستانہ رجحان (apartheid) اور مذہبی نظریے پر رکھی گئی ہے۔ دائیں بازو کے شدت پسند یہودی اور صہیونیت پسند عیسائی اس نظریہ کے پرجوش علم بردار ہیں کہ پورا فلسطین یہودیوں کا ارض موعود (Promissed Land) ہے جس پر بنی اسرائیل کو تمکن عطا کیا گیا تھا، اس لیے اسرائیلی حکومت کا قیام، توسیع اور تحفظ لازم ہے۔ ان کے خیال میں مذہبی، تاریخی اور تہذیبی طور پر پورا فلسطین یہودیوں کا ہے جس میں مقامی باشندے دوسرے درجے کے شہری کے طور پر رہ تو سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ مقامی عرب فلسطینی باشندے، جو یہودیت سے تعلق نہیں رکھتے، نقل مکانی کر لیں یا زبردستی انھیں اس خطے سے باہر نکال دیا جائے۔ جہاں تک فلسطین کے بارے میں بنی اسرائیل کے لیے ارض موعود ہونے کا تصور ہے تو اس مذہبی تصور کے ساتھ دوسرا تصور بھی وابستہ ہے جسے مسیح موعود (Mashiach) کا عقیدہ کہا جاتا ہے۔ یہودی مذہبی

بیانیے میں مسیح موعود کی آمد تک یہودی ریاست کا قیام ناجائز ہے۔ لہذا! یہ مذہبی استدلال بودا ہے کہ یہودی نظریہ کے ایک حصے کو تو اسرائیلی ریاست کے قیام کا جواز بنایا جائے اور اس سے وابستہ دوسرے حصہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔ جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے تو یہ حقیقت معلوم و معروف ہے کہ یہودی النسل باشندوں نے فلسطین میں تقریباً چار سو سال کی حکم رانی کے دوران اس ملک کو اپنا گہوارہ بنایا پھر آپس کی گروہی جنگوں اور بیرونی حملوں کے نتیجے میں پاس پڑوس کے خطوں میں بکھر گئے لیکن مقامی آبادی رعایا کے طور پر یہیں آباد رہی۔ بعد کے ادوار میں مسلم حکم رانوں نے ان یہودیوں کو اپنی مملکت کے مختلف حصوں بسنے اور ترقی کرنے کے مواقع فراہم کیے اور فلسطین میں انھیں سکونت اختیار کرنے کی آزادی فراہم کی۔ لہذا! اس سرزمین پر انھیں دوسرے مقامی باشندوں کے ساتھ رہنے اور خطے کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینے کا استحقاق تو ہے لیکن مقامی باشندوں کو اپنے چار سو سالہ اقتدار کی بنیاد پر بے دخل کرنے کا حق کس منطق سے دیا جا سکتا ہے۔ اگر اس منطق پر عمل کیا جائے تو موجودہ قومی ریاستوں کی از سر نو تشکیل کرنی پڑے گی۔

دلیل اور قوت کی کشمکش میں تیسرا بیانیہ (سیاسی اور مفاداتی)

تیسرا بیانیہ ان بڑی طاقتوں کا ہے جنھوں نے مشرق وسطی میں اپنے معاشی اور علاقائی سیاسی مفادات (geopolitical interest) کی برقراری کے لیے بزور قوت فلسطین کے ایک حصے پر اسرائیلی ریاست قائم کر دی اور اس کے تحفظ و بقا کے نام پر بے تحاشا مالی، فوجی اور سیاسی پشت پناہی کرتے رہے ہیں۔ اس بیانیے کے مطابق فلسطین کے ایک حصے پر یہودی ریاست اور دوسرے حصے پر فلسطینی باشندوں کی قومی جمہوری ریاست کا قیام مسئلۂ فلسطین کا مناسب حل ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ فلسطین کو دو لخت کرنے کا اخلاقی، قانونی اور سیاسی جواز کیا تھا؟ اولاً تو فلسطین کی تقسیم اگر ہو سکتی تھی تو اس میں وہاں کے باشندوں کی رائے شماری لازم تھی۔ دوم اگر وہاں کے یہودی باشندے اپنے لیے علیحدہ قومی ریاست کے حق میں رائے دیتے تو ان کی آبادی کے تناسب سے اس سرزمین کی تقسیم کی جانی چاہیے تھی۔ سوم یہودی قومی ریاست کی تشکیل اور اس کی سالمیت کا نظم تو پوری تندہی اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے کیا جاتا رہا لیکن غیر منصفانہ تقسیم کے باوجود مقامی عرب فلسطینی باشندوں کی باضابطہ ریاست کے قیام کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ اس بیانیہ کی معقولیت اور اس کے تئیں اخلاص کا بنیادی تقاضا تھا کہ فلسطینی ریاست کے قیام اور اس کی پشت پناہی کے لیے اخلاقی، قانونی، سیاسی اور عسکری تائید و حمایت بھی کی جاتی تھی جو فراہم نہیں کی

گئی۔ چناں چہ اسرائیل نواز عالمی طاقتوں کی مکر و فریب پر مبنی ڈپلومیسی نے فلسطینی ریاست کے تصور کو ایک خیال پریشاں بنادیااور جسے سراب بنائے رکھنے کا عمل آج بھی جاری ہے۔

ان تین بیانیوں کے حق میں جو بھی اخلاقی، تاریخی اور سیاسی دلائل پیش کیے جاتے رہے ہوں اور ان میں خواہ کتنا ہی وزن ہو، عملی طور پر اصل غلبہ دوسرے بیانیے کو حاصل ہے یعنی پورا فلسطین یہودیوں کا ہے جس پر صہیونی نسل پرستانہ قومی بالادستی کی علامت اسرائیلی ریاست ہے۔ اس کی عسکری قوت اور عالمی سطح پر امریکی حمایت کے سامنے تمام اخلاقی، قانونی، تاریخی اور مذہبی دلائل بے وزن اور لاحاصل ہیں۔

ارض فلسطین میں دوریاستی حل کی تجویز:

فلسطینی عوام اور اسرائیلی ریاست کے درمیان جاری طویل کشمکش اور نہ ختم ہونے والی خونریزی کے پیش نظر، دوریاستی حل کا بیانیہ عالمی سطح پر سب سے زیادہ مقبول اور زیر بحث رہا ہے۔ اس دوریاستی حل کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ۱۹۴۹ء میں پہلی عرب اسرائیل جنگ بندی کے وقت کی سرحدی لکیر جسے ۴ جون ۱۹۶۷ سے پہلے کی پوزیشن یا سبز لکیر بھی کہا جاتا ہے اسرائیلی ریاست کی حد ہو گی۔ اسرائیلی ریاست کو قانونی اور سیاسی طور پر فلسطینی عوام اور عرب ممالک پوری طرح تسلیم کر لیں۔ مجوزہ فلسطینی ریاست کیسی ہو گی اس کا تعین فلسطینی اور اسرائیلی نمائندوں کے درمیان ہونے والے امن مذاکرات کے دوران کیا جائے گا۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ مجوزہ فلسطینی ریاست کی خود مختارانہ حیثیت کا تعین اسرائیلی ریاست کی بقا، تحفظ اور مفادات اور فلسطینی ریاست میں غاصبانہ طور پر قائم کی گئی یہودی بستیوں کی سلامتی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی کیا جائے گا۔ گویا ایک بالادست اور طاقتور اسرائیلی ریاست اور ایک مجہول اور زیر دست فلسطینی ریاست اس دوریاستی حل کے بنیادی فریم ورک کا حصہ ہوں گے۔

دوریاستی حل دراصل ابہام سے آلودہ غیر نتیجہ خیز تجویز ہے جس کے مطابق فلسطین کے ایک حصہ پر اسرائیلی ریاست قائم رہے گی اور دوسرے حصہ میں ایک ایسی فلسطینی ریاست قائم کی جائے جسے اپنے دفاع کے لیے کوئی قوت حاصل نہیں ہو گی۔ نہ اس کی اپنی فوج ہو گی، نہ اس کے مختلف حصے (مغربی کنارہ، بیت المقدس کا مشرقی حصہ اور غزہ کی پٹی) باہم دگر مربوط (contiguous) ہوں گے بلکہ وہ اسرائیلی راہداری کے محتاج ہوں گے۔

اس دو ریاستی حل کا ایک پہلو تو اصولی ہے جس کی بنیاد اقوام متحدہ کی ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کی قرارداد نمبر 181 (II) ہے جس کے ذریعے فلسطین کو دو حصے میں تقسیم کیا گیا تھا: ۵۶ فیصد حصہ ایک تہائی یہودی آبادی کے حوالے کیا گیا اور ۴۴ فیصد حصہ دو تہائی فلسطینی عرب کے لیے چھوڑا گیا۔ فلسطین پر برطانوی انتداب (British Mandate) کے خاتمہ کے بعد اقوام متحدہ کے Partition Plan کے مطابق اسرائیلی ریاست قائم ہو گئی لیکن عربوں نے اس تقسیم کو رد کرتے ہوئے جنگ کی باضابطہ ابتدا کر دی جس کا خاتمہ ۱۹۴۹ کی جنگ بندی لائن کی شکل میں نکلا۔ ۱۹۶۷ کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی شکست اور اسرائیل کے ذریعے فلسطین، اردن، شام اور مصر کے علاقوں پر قبضے کے بعد اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر ۲۴۲ منظور کی جس میں تمام متعلقہ ریاستوں پر لازم کیا گیا کہ وہ اپنی سابقہ سرحدوں پر واپس چلے جائیں اور ایک دوسرے کی خود مختاری اور سالمیت کا احترام کریں۔ لیکن اس قرارداد کے باوجود اسرائیل نے اپنے مقبوضہ علاقوں سے انخلا نہیں کیا۔ جب ۱۹۷۳ کی مصر اسرائیل جنگ میں بزور قوت اسرائیل کو صحرائے سینا میں پسپائی کا سامنا کرنا پڑا تو سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر ۳۳۸ منظور کرتے ہوئے فوری جنگ بندی کا حکم دیا اور سابقہ قرارداد نمبر ۲۴۲ پر مکمل عمل درآمد کی ہدایت کی۔ قرارداد ۲۴۲ کے دو بنیادی نکتے تھے:

فلسطین کے مقبوضہ علاقوں سے اسرائیلی افواج کا مکمل انخلا اور اسرائیلی افواج کی ۴ جون ۱۹۶۷ کی سابقہ سرحد میں واپسی۔ اس خطے کی تمام ریاستوں کے درمیان ایک دوسرے کی زمین پر دعوی اور حالت دشمنی کا خاتمہ اور ایک دوسرے کی ریاستی حاکمیت، سالمیت اور سیاسی خود مختاری کا احترام اور تسلیم شدہ سرحدوں کے اندر امن کے ساتھ جینے کا حق۔ لیکن اسرائیل آج تک اس قرارداد پر عمل درآمد سے گریز کی راہ اختیار کرتا رہا ہے۔ عرب ممالک نے بھی اسرائیل کے خلاف ۱۹۷۳ کی جنگ میں مصر کی کامیابی کے باوجود بتدریج اپنے آپ کو اسرائیلی جارحیت کے خلاف محاذ آرائی سے الگ کر لیا۔ اس طرح فلسطینی مزاحمت کمزور ہوتی چلی گئی۔

فلسطینی عوامی مزاحمت:

عرب حکومتوں کی سرد مہری کے ماحول میں فلسطینی عوام نے اسرائیلی قبضے کے خلاف ۱۹۸۷ سے ۱۹۹۳ کے دوران عدم تشدد (Non-violence) پر مبنی احتجاجی تحریک چلائی جسے انتفاضہ اوّل کہا جاتا ہے۔ انتفاضہ کی اس تحریک نے مسئلۂ فلسطین کی سنگینی اور اسرائیل کی توسیع پسندی کو نمایاں کیا۔ چناں چہ خفیہ ربط و ملاقات کے بعد

اسرائیل اور پی ایل او (Palestinian Liberation Organisation) کے درمیان امن مذاکرات کی بساط بچھائی گئی۔ جب ایک مرکزی مزاحمتی تحریک پی ایل او کے رہ نما یاسر عرفات نے فلسطینی ریاست کے حصول کے لیے مزاحمت ترک کرنے اور پر امن مذاکرات شروع کرنے کی راہ اختیار کرنے کی حامی بھر لی تو اسرائیل کی پشت پناہ مغربی طاقتوں نے مسئلۂ فلسطین کو ۱۹۹۳ کے اوسلو مفاہمتی عمل کے ذریعے ایک ایسے مکڑ جال میں الجھا دیا جس سے نکلنا فلسطینیوں کے لیے مشکل تھا۔ اس معاہدے کے مطابق پانچ سال کے اندر سرحدی تنازعات کا خاتمہ، اسرائیلی افواج کا انخلا، ناجائز یہودی بستیوں کا مسئلہ، غزہ اور مغربی کنارے کے درمیان راہداری کا نظم، مربوط زمینی تعلق کے لیے زمینوں کا تبادلہ، خود مختار جمہوری فلسطینی ریاست کا قیام اور مشرقی یروشلم میں فلسطینی ریاست کے دارالحکومت، وغیرہ امور باہمی مذاکرات سے طے پانے تھے۔

لیکن ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۰ء تک اوسلو معاہدے کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلا جس کے بارے میں ایڈورڈ سعید نے اسی وقت کہا تھا کہ یہ Palestinian Versailles ہے۔ ان کے الفاظ میں So first of all let us call the agreement by its real name: an instrument of Palestinian surrender, a Palestinian Versailles.(سب سے پہلے تو ہمیں اس معاہدے کو اس کے اصل نام سے موسوم کرنا چاہیے: فلسطینی دستبرداری کی دستاویز، ایک فلسطینی ورسیلز)۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جس طرح جنگ عظیم اوّل کے اختتام پر ورسیلز کے معاہدے میں جرمنی کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے تھے اور اس طرح دوسری جنگ عظیم کا بیج بو دیا گیا تھا، ویسے ہی اوسلو معاہدے میں پی ایل او کو پیچ در پیچ جال میں الجھا کر ترک مزاحمت کی راہ قبول کرنے اور فلسطینی عوام کو اسرائیلی رحم و کرم کے حوالے کر دینے کا پورا بندوبست کر دیا گیا۔ اسی اسکیم کے تحت امریکہ دو ریاستی حل کو فلسطینیوں اور عرب مملکتوں سے منوانے کی پالیسی پر گامزن رہا۔ جب پی ایل او اور دیگر عرب ریاستیں اس حل پر راضی ہو گئیں تو امریکہ کی سرپرستی میں ایک ایسے دو ریاستی حل پر اسرائیل اور پی ایل او کو رضامند کیا گیا جس میں حل شدہ باتیں کم اور متنازعہ مسائل کی فہرست کلیدی تھی۔ اور ان متنازعہ مسائل کا نتیجہ اسی کے حق میں جانا تھا جو مضبوط ہو خواہ اس کا حل نکلے یا متنازعہ ہی رہے۔

دو ریاستی حل کا ابہام:

اس دو ریاستی حل میں واضح کیا ہے اور مبہم کیا ہے اور اس ابہام کا فائدہ کس کو ہے؟ اب تک کے معاہدات اور امریکی سرپرستی میں کیے گئے مذاکرات سے دو ریاستی حل کی درج ذیل صورت سامنے آتی ہے:

۱۹۴۹ء کی عرب اسرائیل جنگ بندی والی سرحد جسے سبز لکیر بھی کہا جاتا ہے اسرائیل اور مجوزہ فلسطینی ریاست کے درمیان سرحد ہو گی لیکن مغربی کنارے میں اب تک بسائی گئی یہودی بستیاں اور ان کے لیے تعمیر کردہ سڑکیں، پل اور دیگر انفراسٹرکچر کے ارد گرد حصے اسرائیل کے تحت ہوں گے۔ اس کے بدلے نصف اجاڑ زمین اسرائیلی سرحد کے اندر سے تبادلہ کے طور پر فلسطینی ریاست کو دی جائے گی یعنی مغربی کنارے کی ۳۰ فیصد زمین کے بدلے اسرائیلی سرحد میں واقع اجاڑ زمین سے ۱۴ فیصد رقبہ فلسطینیوں کے حوالے کیا جائے گا۔ مغربی کنارے اور غزہ پر مشتمل جمہوری فلسطینی ریاست قائم ہو گی جس کی اپنی فوج نہیں ہو گی۔ نئی فلسطینی ریاست کے غیر منسلک حصوں کے درمیان رسل و رسائل کے لیے اسرائیل اپنے علاقے کی سڑکوں کو استعمال کرنے اجازت دے گا اور راہداری فراہم کرے گا۔

یروشلم کا مشرقی حصہ نئی فلسطینی ریاست میں شامل ہو گا اور مغربی حصہ اسرائیل میں شامل ہو گا۔ یروشلم کے مذہبی علاقوں کی نگرانی عالمی ادارہ کے ذمہ ہو گی جو مسلم، عیسائی اور یہودی آبادی کو ان کے مقدس مقامات تک رسائی کی سہولت بہم پہنچائے گا۔ سرحدی تعین کے تنازعات اور زمین کا تبادلہ، غزہ اور مغربی کنارے کے مابین راہداری، مغربی کنارے اور دیگر فلسطینی علاقے میں نئی یہودی بستیوں کا معاملہ، آبی وسائل کی تقسیم، اسرائیل سے ہجرت کرنے والے فلسطینی پناہ گزینوں کی بازآبادکاری، اسرائیل میں موجود مقامی فلسطینی عرب آبادی کی حیثیت کا تعین، اسرائیل کی سالمیت کے لیے مطلوبہ اقدامات جیسے معاملات و مسائل کو باہمی مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کے بعد ہی نئی فلسطینی ریاست باضابطہ طور پر قائم کی جاسکے گی۔

اس مجوزہ دو ریاستی حل کو بامراد ہونے کے لیے جن مرحلوں سے گزرنا ہے اور ہر مرحلے پر اسرائیل اور فلسطینی قیادت کی جیسی باہمی رضامندی درکار ہے اسے دیکھتے ہوئے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دو ریاستی حل فلسطینیوں کے خلاف اور اسرائیلی عزائم کی تکمیل کا زینہ تو ہے لیکن فلسطینیوں کے حقوق کا ضامن نہیں۔ اس سے کسی

منصفانہ اور پائیدار حل کی امید نہیں کی جا سکتی۔ دو ریاستی حل کا مندرجہ بالا لائحۂ عمل اسرائیلی جارحیت اور توسیع پسندی کو حیلہ سازی کا موقع فراہم کرتا ہے۔ مجوزہ اسکیم فلسطینیوں کے لیے مزاحمت کے سوا کوئی راہ عمل نہیں چھوڑتی ہے سوائے اس کے کہ وہ بدرجۂ مجبوری ذلت و محکومی کے لیے راضی ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو پھر دو ریاستی حل کے ڈرامہ کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی بلکہ صہیونی عزائم کے مطابق ایک نسل پرست یہودی ریاست کو تسلیم کر لینے سے ہی مسئلۂ فلسطین کا قصہ تمام ہو سکتا ہے۔ اسی لیے صہیونی بیانیے کی تکمیل کے لیے اسرائیل کے نزدیک وقتی حکمت عملی کے طور پر موجودہ صورتِ حال کی برقراری (status quo) پہلی ترجیح ہے۔

دو ریاستی مذاکرات اور اسرائیلی حکمت عملی:

دو ریاستی حل کی جو تجاویز اب تک سامنے لائی جاتی رہی ہیں وہ کس طرح اسرائیل کی توسیع پسندی اور جارحیت کو بڑھانے کا موقع فراہم کرتی رہی ہیں اس کا اندازہ اوسلو معاہدہ کے بعد کی تیس سالہ تاریخ کے سرسری جائزہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

اوسلو معاہدہ ۱۹۹۳ء میں اسرائیل اور پی ایل او (Palestinian Liberation Organisation) کے درمیان طے پایا کہ فلسطین میں فلسطینیوں کی آزاد قومی ریاست قائم ہو گی اور اسرائیل اور فلسطینی قومی اتھارٹی باہمی مذاکرات کے ذریعے مسئلۂ فلسطین کے حتمی حل تک پہنچیں گے۔ اس معاہدہ کے بعد کی تین دہائیوں میں اسرائیل کے ذریعے مسلسل اس کو روندنے کا سلسلہ جاری ہے۔ سرحدوں کا تنازع، مغربی کنارے (West Bank) پر یہودی بستیوں کی ناجائز تعمیر و توسیع، یروشلم اور فلسطینی مہاجرین کا غیر واضح مستقبل، سیکوریٹی کی مخدوش صورتِ حال اور ایک دوسرے کی خود مختاری اور آزادی کو تسلیم کرنے جیسے معاملات و مسائل کو التوا میں ڈالے رکھنے کی اسرائیلی پالیسی نے مسئلۂ فلسطین کے حل کی تمام راہیں مسدود کر رکھی ہیں۔ واضح طور پر نظر آتا ہے کہ صہیونی اسرائیل کی اصل ترجیح تو پورے فلسطین پر ایک نسل پرست یہودی ریاست کا قیام ہے جس میں مقامی فلسطینی باشندوں (سوائے مقامی یہودی آبادی) کا جبری انخلا یا دوسرے درجہ کے شہری کے طور پر رہنے کی اجازت شامل ہے۔ لیکن حکمت عملی کے تحت ایک مبہم دو ریاستی حل پر مذاکرات کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے جاری رکھنا اور موجودہ صورتِ حال (status quo) کو برقرار رکھنا اسرائیل کی پالیسی کا بنیادی نکتہ ہے جسے بھرپور امریکی تائید حاصل ہے۔ اسی لیے اوسلو معاہدہ کے بعد ہونے والے درجنوں مذاکرات نے مسئلۂ فلسطین کو حل کرنے کے بجائے

اسرائیلی جارحیت اور توسیع پسندی کی راہ بتدریج ہموار کی ہے۔ اوسلو معاہدہ کے بعد ہر آنے والے دن مجوزہ فلسطینی ریاست کے خدوخال مزید مبہم اور اسرائیلی توسیع پسندی کے خدوخال زیادہ نمایاں ہوتے جارہے ہیں۔ اس توسیع پسندانہ اسکیم کی رفتار کم کرنے میں واحد کردار فلسطینی مزاحمتی تحریکوں کا ہے ورنہ معاہدہ کے مطابق اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرنے اور اس کے لیے خطرہ نہ بننے کی جو شرائط درج کی گئی تھیں انھیں تو تقریباً تمام عرب ریاستوں نے بخوشی منظور کرہی لیا ہے۔

فلسطین میں متحدہ یا وفاقی ریاستی حل:

دو ریاستی حل کے علاوہ ''فلسطین فلسطینی باشندوں کا ہے'' اور ''فلسطین یہودیوں کا ہے'' کے دو باہم متصادم دعووں کے درمیان مفاہمت کے لیے دو راستے تجویز کیے جاتے رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ فلسطینیوں اور یہودیوں کی الگ الگ ریاستیں ہوں اور مرکزی طور پر ایک وفاقی حکومت قائم ہو جس کے اختیارات دونوں ریاستوں کی سالمیت اور مفادات کا تحفظ کرنے والے ہوں۔ یروشلم کا نظم، دفاع، معاشی ترقی وغیرہ جیسے امور وفاقی حکومت کے ذمہ ہو۔ دوسری تجویز کے مطابق ایک مشترک کثیر القومی جمہوری ریاست قائم کی جائے جس میں اقلیتوں کے حقوق اور تہذیبی تکثیریت (cultural plurality) کا تحفظ اور سب کے لیے نظم حکم رانی میں شرکت کا یکساں موقع فراہم ہو۔ ان دونوں تجاویز کو عالمی اداروں کے فورم پر عام طور سے زیر بحث نہیں لایا جاتا کیوں کہ یہ دونوں ہی تجاویز اسرائیلی نسل پرستی اور توسیع پسندی کے مناسب حال نہیں ہیں۔ لیکن دانش ور طبقوں میں ان تجاویز پر سنجیدہ غور کیا جاتا رہا ہے۔

اس تجویز کی عدم مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ فلسطین کی آبادی (demography) ہے۔ ۲۰۲۰ء میں اسرائیلی یہودیوں کی تعداد کل آبادی کا ۴۹ تا ۵۱ فیصد بتائی جاتی ہے جس کا تناسب موجودہ شرح اضافہ کے اعتبار سے آنے والے دنوں میں کم ہوتا جائے گا۔ دوسرا مسئلہ مغربی کنارے پر یہودی کالونیوں میں مسلسل اضافہ ہے جو ایک طرح سے مغربی کنارے کو بتدریج ہڑپ لینے کی حکمت عملی ہے۔ اوسلو معاہدہ کے بعد یروشلم سے باہر مغربی کنارے میں اس طرح کا یہودی قبضہ چار گنا سے زیادہ ہو گیا ہے اور اس وقت تقریباً پانچ لاکھ سے زائد یہودی اس علاقے میں آباد کر دیے گئے ہیں۔ خود مشرقی یروشلم میں یہودی آبادی دو لاکھ سے زائد لا بسائی گئی ہے۔ تیسرا مسئلہ اس فلسطینی آبادی کا ہے جو پناہ گزیں کیمپوں میں گذشتہ ۷۵ برسوں کے دوران پروان چڑھی ہے اور فلسطین میں

واپسی کی منتظر ہے۔ ظاہر ہے ان تجاویز پر عمل درآمد کے لیے اسرائیل کا صہیونی طبقہ کبھی راضی نہیں ہو سکتا اور اگر یہ طبقہ راضی نہ ہو تو امریکی حکومت ایسی کسی تجویز کی حمایت کیوں کر کر سکتی ہے۔

فلسطینی مزاحمت کا احیا:

جب کبھی مسئلۂ فلسطین سرد خانے کی نذر ہونے لگتا ہے تو از خود فلسطینی جذبۂ مزاحمت بیدار ہو جاتا ہے۔ چناں چہ امریکی سرپرستی میں اسرائیل نے جب عرب ممالک کو رام کرنے کی حکمت عملی اپنائی اور مسئلۂ فلسطین کو سرد بستے میں ڈالنے کی کوشش کی تو فلسطینی عوام نے دوسرا انتفاضہ ستمبر ۲۰۰۰ء میں شروع کیا جو ۲۰۰۵ء تک جاری رہا۔ اس عوامی احتجاج نے علامتی تشدد کی راہ بھی اختیار کی جسے الاقصیٰ انتفاضہ بھی کہا جاتا ہے۔ مسئلۂ فلسطین کو زندہ رکھنے میں وقفے وقفے سے اٹھنے والی ان مزاحمتی کوششوں کا اہم کردار ہے۔ اسرائیلی فوجی قوت کی طرف سے نہتے فلسطینیوں پر بے دریغ طاقت کے استعمال اور لبنان کی مسلح مزاحمتی تحریک حزب اللہ کے ذریعے جنوبی لبنان کو بزور قوت اسرائیلی قبضے سے آزاد کروانے میں ملی کامیابی نے فلسطینی مزاحمتی تحریک کو قوت کے حصول کی طرف مائل کیا تاکہ وہ اسرائیلی غاصب فوج کا مقابلہ بہتر طور پر کر سکیں۔

انتفاضہ اور فلسطینی مسلح مزاحمتی تحریکوں کی وجہ سے ہی مسئلۂ فلسطین ایک دہکتے انگارے کی طرح عالمی ضمیر کی ہتھیلی پر سلگتا رہتا ہے۔ اس سوزش سے نجات پانے کے لیے اقوام متحدہ اپنے پارٹیشن پلان کا اعادہ اور اس کی خلاف ورزی پر اسرائیل کی سرزنش کرتی رہتی ہے اور عالمی طاقتیں دوبارہ مسئلۂ فلسطین کے ایسے حل کی طرف متوجہ ہوتی رہتی ہیں جو اسرائیل کے تحفظ و بقا کا ضامن تو ہو لیکن فلسطینی اور عرب عوام بھی اس سے کچھ مطمئن ہو سکیں۔ یہی مزاحمت عرب حکم رانوں اور امت مسلمہ کو بیت المقدس کی بازیابی اور مسئلۂ فلسطین کے منصفانہ حل کی طرف متوجہ کرتی رہتی ہے اور صہیونی نسل پرستانہ جارحیت اور مغربی قوتوں کے دوہرے معیار کو عوام الناس کے سامنے واضح کرتی رہتی ہے۔ آزادی، انصاف اور امن کی علم بردار یہ فلسطینی عوامی مزاحمت، (Palestinian Popular Resistance) جو ایک بار پھر غزہ سے ابھری اور دنیا بھر میں عوامی حمایت کی لہر جگا گئی۔

فلسطین کے دو علاقے (غرب اردن اور غزہ)

اسرائیل آج بھی غربِ اردن پر قابض ہے تاہم اس نے 2005 میں غزہ کی پٹی سے فوجیں نکال لیں تھیں۔ اقوام متحدہ آج بھی اس علاقے کو مقبوضہ مانتا ہے۔ اسرائیل پورے بیت المقدس کو اپنا دارالخلافہ مانتا ہے جبکہ فلسطینی مشرقی بیت المقدس کو مستقبل کی فلسطینی ریاست کا دارالحکومت مانتے ہیں۔ اس وقت دو فلسطینی علاقے ہیں جن میں سے ایک غرب اردن اور ایک غزہ کی پٹی ہے۔ ان دونوں علاقوں کے درمیان 45 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ غرب اردن کا رقبہ 5970 سکوائر کلومیٹر جبکہ غزہ کی پٹی صرف 365 سکوائر کلومیٹر پر محیط ہے۔ غرب اردن یروشلم اور اردن کے درمیان موجود ہے جبکہ غزہ کی پٹی 41 کلومیٹر طویل اور 10 کلومیٹر چوڑی ہے۔ غزہ کی پٹی کی سرحد کا سات کلومیٹر حصہ مصر سے ملتا ہے اور ایک جانب بحیرہ روم واقع ہے۔

غزہ میں فلسطینی عسکریت پسند گروہ حماس برسر اقتدار ہے جس نے اسرائیل سے کئی مرتبہ جنگ کی ہے۔ اسرائیل اور مصر سختی سے غزہ کی سرحدوں کی نگرانی کرتے ہیں تاکہ حماس تک ہتھیار نہ پہنچیں۔ دوسری جانب غرب اردن میں بین الاقوامی طور پر مانی جانے والی فلسطینی حکومت ہے جس میں فتح تنظیم کا اہم کردار ہے۔ تاہم غرب اردن غربِ اردن کہلانے والے اس چھوٹے سے علاقے میں 86 فیصد فلسطینی ہیں جبکہ 14 فیصد لوگ اسرائیلی آباد کار ہیں جو ایسی بستیوں میں رہتے ہیں جو ایک دوسرے سے عموماً فاصلے پر موجود ہوتی ہیں۔ زیادہ تر اسرائیلی بستیاں 70، 80 اور 90 کی دہائی میں تعمیر ہوئی تھیں مگر گذشتہ 20 برسوں میں ان کی آبادیوں میں دوگنا اضافہ ہوا۔ اسرائیل ان بستیوں کو پانی اور بجلی جیسی سہولیات فراہم کرتا ہے اور ان کی حفاظت اسرائیل کی فوج کرتی ہے۔

حماس کیا ہے؟

حماس غزہ کی پٹی پر برسر اقتدار فلسطینی عسکریت پسند گروہ ہے جو 2007 میں اقتدار سنبھالنے سے اب تک اسرائیل کے ساتھ متعدد جنگیں لڑ چکا ہے۔ ان جنگوں کے علاوہ حماس نے اسرائیل پر ہزاروں راکٹ داغے ہیں اور کئی حملے کیے ہیں۔ اسرائیل نے بھی حماس کو کئی بار فضائی حملوں سے نشانہ بنایا ہے۔ 2007 سے اسرائیل نے مصر کی مدد سے غزہ کی پٹی کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اسرائیل، امریکہ، برطانیہ اور یورپی یونین سمیت کئی عالمی طاقتیں حماس یا اس کے عسکری ونگ کو دہشت گرد قرار دے چکی ہیں۔ حماس کو متعدد مسلم ممالک کی حمایت حاصل ہے۔

حماس اور اسرائیل کی حالیہ لڑائی

حماس اور اسرائیل کے درمیان مستقل تناؤ موجود رہتا ہے۔ تاہم اکتوبر 2023ء کو حماس کی جانب سے ہونے والے اسرائیل پر حملے بالکل اچانک ہوئے جس میں حماس نے پہلے درجنوں راکٹ داغے جس کے بعد اس کے بعد حماس کے جنگجو سرحد پار کرنے کے بعد اسرائیلی آبادیوں پر حملہ آور ہوئے۔ یہ زمینی حملے زیادہ تر جنوبی اسرائیل میں ہوئے جن کی سوشل میڈیا پر نظر آنے والی ویڈیوز میں دیکھا گیا کہ متعدد افراد موٹر سائیکلوں پر، پیدل یا گاڑیوں پر سرحد پر موجود رکاوٹیں عبور کرنے کے بعد اسرائیل میں داخل ہوئے۔ اسرائیلی میڈیا کے مطابق حماس کے جنگجوؤں کے اسرائیل میں داخل ہونے کے بعد ملک کے جنوبی علاقوں میں ان کی اسرائیلی فوجیوں سے مسلح جھڑپیں ہوئیں۔ بی بی سی کے مطابق فلسطینی عسکریت پسندوں نے متعدد فوجی چوکیوں پر حملہ کیا۔ اس سے قبل اسرائیلی وزیر اعظم بنیامن نیتن یاہو نے ایک ویڈیو بیان جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ 'ہم حالتِ جنگ میں ہیں' اسرائیل کے وزیر دفاع یوآو گیلنٹ نے کہا ہے کہ حماس نے 'ایک سنگین غلطی' کی ہے اور یہ کہ 'اسرائیل کی ریاست یہ جنگ جیت جائے گی۔' القدس بریگیڈ کے ترجمان ابو حمزہ کی جانب سے ٹیلی گرام پر جاری ایک بیان میں کہا گیا کہ 'اُن کے جنگجوؤں نے 'متعدد' اسرائیلی فوجیوں کو یرغمال بنالیا ہے۔' حماس کا دعویٰ ہے کہ اس کے پاس کم از کم سو سے زائد 'جنگی قیدی' ہیں جن میں اسرائیلی فوج کے سینیئر افسر بھی شامل ہیں اور ان میں سے بہت سوں کو ان سرنگوں میں رکھا گیا ہے جنھیں ماضی میں اسرائیل نشانہ بناتا رہا ہے اس کارروائی کے جواب میں اسرائیل نے غزہ کی پٹی پر فوری فضائی حملے شروع کیے جہاں اب تک کی اطلاعات کے مطابق اب تک تیس ہزار سے زیادہ فلسطینی شہید ہو چکے ہیں۔[1]

فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان مرکزی تنازع کیا ہے؟

ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام میں تاخیر کے علاوہ اسرائیل کی جانب سے غرب اردن میں یہودی بستیوں کی تعمیر اور ان کے گرد سکیورٹی رکاوٹوں کی تعمیر نے امن کے حصول کو مشکل بنا دیا ہے۔ تاہم ان کے علاوہ بھی کئی اختلافات موجود ہیں۔ اسرائیل یروشلم پر مکمل دعوی کرتا ہے اور اس کا دعوی ہے کہ یہ اس کا دارالحکومت ہے۔ تاہم اس دعوے کو بین الاقوامی حمایت حاصل نہیں ہے۔ فلسطینی مشرقی یروشلم کو اپنا دارالحکومت بنانا چاہتے

[1] بی،بی سی - 9 اکتوبر 2023
https://www.bbc.com/urdu/articles/ce7jz069zd9o

ہیں۔ فلسطینیوں کا مطالبہ ہے کہ ان کی مستقبل کی ریاست کے سرحدیں 1967 کی جنگ سے قبل کی حالت پر طے ہونی چاہیے تاہم اسرائیل اس مطالبے کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسرائیل نے 1967 کی جنگ کے بعد جن علاقوں پر قبضہ کیا، وہاں غیر قانونی بستیاں تعمیر کی گئی ہیں اور اب غرب اردن اور مشرقی یروشلم میں پانچ لاکھ کے قریب یہودی بستے ہیں۔

ایک اور معاملہ فلسطینی تارکین وطن کا بھی ہے۔ پی ایل او کا دعوی ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں ایک کروڑ سے زیادہ فلسطینی موجود ہیں جن میں سے نصف اقوام متحدہ کے ساتھ رجسٹر ہیں۔ فلسطینیوں کا کہنا ہے کہ ان افراد کو اسرائیل واپس آنے کا حق حاصل ہے جبکہ اسرائیل کا ماننا ہے کہ ایسا کرنے سے اس کی یہودی شناخت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ایسے میں امن کیسے قائم ہو گا؟ اس کے لیے دونوں جانب سے چند اقدامات ضروری ہوں گے۔ اسرائیل کو فلسطینیوں کی آزاد ریاست کا حق تسلیم کرنا ہو گا، غزہ کی پٹی کے محاصرہ ختم کرنا ہو گا اور مشرقی یروشلم اور غرب اردن میں رکاوٹیں ختم کرنی ہوں گی۔

مسئلہ فلسطین کا حل

اول: یہ کہ یہودی آج تک اپنے منصوبوں میں اس بنا پر کامیاب ہوتے رہے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں ان کی حامی و مددگار بنی رہی ہیں اور اُن کی اس روش میں آیندہ بھی کسی تغیر کے امکانات نظر نہیں آتے، خصوصاً امریکا کی پُشت پناہی جب تک اسے حاصل ہے، وہ کسی بڑے سے بڑے جرم کے ارتکاب سے بھی باز نہیں رہ سکتا۔

دوم: یہ کہ اشتراکی بلاک سے کوئی اُمید وابستہ کرنا بالکل غلط ہے۔ وہ اسرائیل کا ہاتھ پکڑنے کے لیے قطعاً کوئی خطرہ مول نہ لے گا۔ زیادہ سے زیادہ آپ اس سے ہتھیار لے سکتے ہیں، اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اشتراکیت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالیں اور اسلام کو دیس نکالا دے دیں۔

سوم: یہ کہ اقوامِ متحدہ ریزولیوشن پاس کرنے سے بڑھ کر کچھ نہیں کر سکتی۔ اس میں یہ دم خم نہیں ہے کہ اسرائیل کو کسی مجرمانہ اقدام سے روک سکے۔[2]

چہارم: یہ کہ عرب ممالک کی طاقت اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لیے قطعی ناکافی ہے۔ پچھلے ۲۲ سال کے تجربات نے یہ بات پوری طرح ثابت کر دی ہے۔

ان حقائق کے سامنے آجانے کے بعد نہ صرف مسجدِ اقصیٰ، بلکہ مدینہ منورہ کو بھی آنے والے خطرات سے بچانے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی طاقت اس یہودی خطرے کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے مقاماتِ مقدسہ کو مستقل طور پر محفوظ کر دینے کے لیے مجتمع کی جائے۔ اب تک یہ غلطی کی گئی ہے کہ فلسطین کے مسئلے کو ایک عرب مسئلہ بنائے رکھا گیا۔ دنیا کے مسلمان ایک مدت سے کہتے رہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کا مسئلہ ہے مگر بعض عرب لیڈروں کو اس پر اصرار رہا کہ نہیں، یہ محض ایک عرب مسئلہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب مسجد اقصیٰ کے سانحے سے ان کی آنکھیں بھی کھل گئی ہیں اور ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ صہیونیت کی عظیم بین الاقوامی سازش کا مقابلہ، جب کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کی پوری تائید و حمایت بھی اس کو حاصل ہے، تنہا عربوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔ دنیا میں اگر ایک کروڑ ۶۰ لاکھ یہودی ایک طاقت ہیں تو ۷۰، ۷۵ کروڑ مسلمان بھی ایک طاقت ہیں، اور ان کی ۳۲-۳۰ حکومتیں اس وقت انڈونیشیا سے مراکو اور مغربی افریقہ تک موجود ہیں۔ ان سب کے سربراہ اگر سر جوڑ کر بیٹھیں، اور روے زمین کے ہر گوشے میں بسنے والے مسلمان ان کی پشت پر جان و مال کی بازی لگا دینے کے لیے تیار ہو جائیں تو اس مسئلے کو حل کر لینا، ان شاء اللہ کچھ زیادہ مشکل نہ ہو گا۔[3]

اس سلسلے میں جو عالمی کانفرنس بھی ہو اس کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اصل مسئلہ محض مسجد اقصیٰ کی حفاظت کا نہیں ہے۔ مسجد اقصیٰ محفوظ نہیں ہو سکتی جب تک بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے، اور خود بیت المقدس بھی محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک فلسطین پر یہودی قابض ہیں۔ اس لیے اصل مسئلہ فلسطین کو یہودیوں کے غاصبانہ تسلط سے آزاد کرانے کا ہے۔ اور اس کا سیدھا اور صاف حل یہ ہے کہ اعلان بالفور سے پہلے جو یہودی

---

[2] مولانا مودودی، سانحہ مسجد اقصیٰ، ناشر: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۲۰-۱۸

[3] مولانا مودودی، سانحہ مسجد اقصیٰ، ناشر: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۲۰-۱۸

فلسطین میں آباد تھے صرف وہی وہاں رہنے کا حق رکھتے ہیں، باقی جتنے یہودی ۱۹۱۷ء کے بعد سے اب تک وہاں باہر سے آئے اور لائے گئے ہیں انھیں واپس جانا چاہیے۔ ان لوگوں نے سازش اور جبر و ظلم کے ذریعے سے ایک دوسری قوم کے وطن کو زبردستی اپنا قومی وطن بنایا، پھر اسے قومی ریاست میں تبدیل کیا، اور اس کے بعد توسیع کے جارحانہ منصوبے بنا کر آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا نہ صرف عملاً ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا، بلکہ اپنی پارلیمنٹ کی پیشانی پر علانیہ یہ لکھ دیا کہ کس کس ملک کو وہ اپنی اس جارحیت کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ ایسی ایک کھلی کھلی جارح ریاست کا وجود بجاے خود ایک جرم اور بین الاقوامی امن کے لیے خطرہ ہے اور عالمِ اسلامی کے لیے اس سے بھی بڑھ کر وہ اس بنا پر خطرہ ہے کہ اس کے ان جارحانہ ارادوں کا ہدف مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ ہیں۔ اب اس ریاست کا وجود برداشت نہیں کیا جاسکتا، اس کو ختم ہونا چاہیے۔ فلسطین کے اصل باشندوں کی ایک جمہوری ریاست بننی چاہیے جس میں ملک کے پُرانے یہودی باشندوں کو بھی عرب مسلمانوں اور عیسائیوں کی طرح شہری حقوق حاصل ہوں، اور باہر سے آئے ہوئے اُن غاصبوں کو نکل جانا چاہیے جو زبردستی اس ملک کو قومی وطن اور پھر قومی ریاست بنانے کے مرتکب ہوئے ہیں۔[4]

انعام الحق کے بقول

اس کے سوا فلسطین کے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ رہا امریکا، جو اپنا ضمیر یہودیوں کے ہاتھ رہن رکھ کر، اور تمام اخلاقی اصولوں کو بالاے طاق رکھ کر ان غاصبوں کی حمایت کر رہا ہے، تو اب وقت آگیا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان اس کو صاف صاف خبردار کر دیں کہ اس کی یہ روش اگر اسی طرح جاری رہی تو روے زمین پر ایک مسلمان بھی وہ ایسا نہ پائے گا جس کے دل میں اُس کے لیے کوئی ادنیٰ درجے کا بھی جذبۂ خیر سگالی باقی رہ جائے۔ اب وہ خود فیصلہ کرلے کہ اسے یہودیوں کی حمایت میں کہاں تک جانا ہے۔[5]

---

[4] مولانا مودودی، سانحہ مسجد اقصیٰ، ناشر: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۲۰-۱۸

[5] مولانا مودودی، سانحہ مسجد اقصیٰ، ناشر: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۲۰-۱۸

ریاست فلسطین ناگزیر ہے!

ریاست فلسطین موجودہ اسرائیل کے کچھ حصوں اور دیگر فلسطینی علاقوں بشمولہ غزہ اور دریائے اردن کے مغربی کنارے پر مشتمل ہے۔ مصر سے شام جانے والے راستے اور بحیرہ روم سے لے کر دریائے اردن کے پار موجود پہاڑی سلسلوں تک سارا علاقہ اس کی عمل داری میں آتا ہے۔[6]

غزہ

(عربی: قطعہ) بحیرہ روم کے مشرق اور وادیٔ سینا (مصر) کے شمال مشرق میں واقع ۳۶۳ مربع میل پر محیط ساحلی پٹی ہے جس کی لمبائی ۴۱ کلومیٹر، جب کہ چوڑائی ۶ سے ۱۲ کلومیٹر ہے۔ شمال اور مشرق میں اسرائیل کے ساتھ اس کی سرحد ۵۱ کلومیٹر، جب کہ جنوب میں رفح شہر کے نزدیک مصر کے ساتھ اس کی سرحد گیارہ کلومیٹر طویل ہے۔ ۲۳ لاکھ لوگوں پر مشتمل یہ گنجان آباد علاقہ کئی چھوٹے شہروں اور قصبوں (بشمولہ غزہ شہر، رفح، خان یونس) میں تقسیم ہے اور قانونی طور پر کسی ملک کا حصہ نہیں سمجھا جاتا۔ ۲۰۰۶ء کے انتخابات میں ۱۹۵۰ء سے فلسطین میں متحرک گروہ الفتح کو کرپشن اور بدعنوانی کے باعث حماس نے فیصلہ کن شکست دے دی تھی۔ رفح کی سرحدی راہداری کے علاوہ غزہ میں معیشت، تجارت اور سیاست سمیت ہر شعبۂ زندگی پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ موجودہ حملہ ماضی کے تمام پانچ اسرائیلی محاصروں اور زمینی، فضائی اور میزائل حملوں کی نسبت زیادہ مہلک ثابت ہوا ہے اور اس سے بے شمار شہری خصوصاً عورتیں اور بچے شہید ہو چکے ہیں۔ اس دفعہ گرنے والی لاشوں میں سے ہر تیسری لاش ایک فلسطینی بچے کی ہے۔ غزہ کو دنیا کا سب سے بڑا 'انسانی قید خانہ' کہا جاتا ہے۔ اسرائیلی محاصرے اور حماس کے خلاف زمینی جنگ کے باعث دس لاکھ سے زائد فلسطینی اپنا گھر بار چھوڑ کر جنوب کی جانب ہجرت پر مجبور ہو چکے ہیں۔[7]

---

[6] انعام الحق، اخبار امت، دسمبر ۲۰۲۳

[7] انعام الحق، اخبار امت، دسمبر ۲۰۲۳

مغربی کنارہ

(عربی: الضفہ الغربیہ) ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک برطانوی قبضے میں رہنے والا فلسطینی علاقہ ہے جو دریائے اردن کے مغرب اور غزہ کے شمال مشرق میں واقع ہے اگرچہ غزہ اور یہ باہم متصل نہیں ہیں۔ مغربی کنارے پر اردن کا دعویٰ ہے اگرچہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اس پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا تھا۔ مشرق میں دریائے اردن اور جنوب میں اردن اور بحیرۂ مردار کے علاوہ اس خطے کو ہر طرف سے اسرائیل نے گھیر رکھا ہے۔ مغربی کنارے کا رقبہ تقریباً ۵۶۰۰ مربع کلومیٹر، جب کہ آبادی تقریباً ۳۰لاکھ ہے جو گیارہ شہروں مثلاً جنین، نابلس، رملہ، اریحا وغیرہ میں آباد ہے۔ یروشلم اور بیت اللحم منقسم شہر ہیں۔ فلسطین اور اسرائیل دونوں یروشلم (بیت المقدس، القدس) کو اپنا دارالحکومت قرار دیتے ہیں لیکن یہ دونوں دعوے ہی بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ نہیں ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں بین الاقوامی عدالت انصاف نے اپنے فیصلے میں اسرائیلی فوج کو مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم پر قابض قرار دیا تھا۔ اسرائیل نے بیت اللحم (یروشلم سے ۱۰کلومیٹر پر واقع) پر ۱۹۶۷ء میں قبضہ کیا تھا لیکن ۱۹۹۵ء میں اس شہر کو فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کر دیا۔ اب مغربی کنارے پر الفتح کی حکومت ہے۔[8]

انسانی جغرافیے کے بعد اب آبادی کا ذکر ہو جائے۔ ۲۰۱۷ء میں فلسطین کے تمام علاقوں بشمول اسرائیل، مغربی کنارہ اور غزہ میں عرب آبادی ۵ء۷۹ ملین تھی جس میں اکثریت نوجوانوں کی ہے۔ اس میں سے ۸۴ ملین عرب اسرائیل میں رہتے ہیں۔ ۲۰۱۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق مغربی کنارے میں شرح پیدائش ۲ء۳، جب کہ غزہ میں ۳ء۹۷ ہے۔ غزہ میں فی مربع کلومیٹر تقریباً چار ہزار لوگ آباد ہیں۔ اس کے برعکس اسرائیل کی کل آبادی ۵ء۹ ملین اور قدامت پسند کٹر یہودیوں کے علاوہ بقیہ آبادی کی شرح پیدائش سرکاری حوصلہ افزائی کے باوجود ۲ء۷۴ ہے۔ ان اعداد و شمار کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ آئندہ سالوں میں عرب آبادی کا ایک سیلاب اسرائیل کو بہالے جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر باقی خطے کو دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اسرائیل پہلے ہی ہر طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔[9]

---

[8] انعام الحق، اخبار امت، دسمبر ۲۰۲۳

[9] انعام الحق، اخبار امت، دسمبر ۲۰۲۳

اسرائیل کے سخت گیر حربے مستقبل میں کام نہیں آئیں گے۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

اوّل

آبادی کا توازن اسرائیل کے حق میں نہیں ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ نسل در نسل فلسطینی نوجوان، جن میں سے ہر ایک اسرائیلی ظلم و سفاکیت کی کسی نہ کسی داستان کا عینی شاہد ہے، اسرائیلی ریاست کو چین سے جینے نہیں دیں گے۔

دوئم۔

حماس کا جنم اسرائیل کے ظالمانہ رویے کا براہ راست نتیجہ ہے۔ اس کے خاتمے سے مسئلہ ختم نہیں ہو گا۔ بلکہ مسئلہ تب تک ختم نہیں ہو گا جب تک ناانصافی، فلسطینیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک، ان کی زمینوں پر قبضے اور مسلسل فوجی ظلم کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ ۷۵ سال تک ذلت و رُسوائی برداشت کرنے کے بعد مزاج میں جو بے چینی پیدا ہوتی ہے حماس نے ۷ اکتوبر کو اسی بے چینی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگرچہ کسی بھی جنگ میں بچوں اور خواتین کو نشانہ نہیں بنایا جا سکتا لیکن اس تنازعے میں فریقین ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ اسرائیل اپنی طاقت اور دستیابیٔ وسائل کے باعث ساری حدیں پار کر جاتا ہے۔

سوئم۔

کسی بھی قوم کو جبر کے ذریعے دبایا نہیں جا سکتا۔ تاریخ ہمیں بار بار یہی سبق یاد دلاتی ہے۔ فوجی قبضے اور جابرانہ اقتدار کے ذریعے دلوں میں روشن حریت و خود مختاری کی چنگاریاں بجھائی نہیں جا سکتیں۔ یہودی مذہب کے پیروکار، مغربی ممالک کے لوگ، حتیٰ کے اسرائیل کے اندر بھی باشعور لوگ اس حقیقت سے باخبر ہیں۔ انھیں نیتن یاہو کو بھی اس ناقابلِ فراموش حقیقت کا ادراک کروانے کی ضرورت ہے۔ ہولوکاسٹ کو گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ انسانی وقار کی توہین اور نفرتوں کے سلسلے یونہی جاری رہے تو ارضِ مقدس میں نئے سرے سے ایک

ہولوکاسٹ شروع ہو جائے گی۔ حماس نے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس مسئلے کو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے جسے اسرائیل اور اس کے نئے نئے 'ابراہیمی دوست' مل کر قصۂ پارینہ بنانے چلے تھے۔[10]

چہارم۔

حکومتوں کو ایک طرف کر دیا جائے تو اسرائیل کا یہ سخت ترین رد عمل دنیا بھر کے عوام میں اس کیلئے ہمدردیاں پیدا کرنے کا باعث نہیں بنے گا۔ دم توڑتے بچوں اور نوحہ کناں عورتوں کی تصاویر اور وڈیو کلپس جو سوشل میڈیا اور ٹیلی ویژن پر ہمیں ہمہ وقت دکھائی دے رہی ہیں، اسرائیلی بیانیے کو ہمیشہ سے زیادہ کمزور کر دیں گے۔ یوں حماس کو ختم کرنے کی آڑ میں فلسطین کو نابود کرنے کی اسرائیلی کوششیں بھی بے نقاب ہو جائیں گی۔ اس کے اثرات نظر آنے بھی لگے ہیں کیونکہ سعودی عرب کے ساتھ تعلقات کی بحالی کم از کم ایک طویل عرصے کے لیے کھٹائی میں پڑ چکی ہے۔ اسرائیلی بمباری سیاسی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی ہے اور دنیا بھر میں یہ تاثر پیدا ہو رہا ہے کہ اسرائیل 'دفاع کے حق' سے کہیں آگے گزر چکا ہے۔

چنانچہ اسرائیلی ریاست کو جلد یا بدیر مسئلے کی جڑ کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا تاکہ نفرت اور تشدد کے اس گھناؤنے چکر کو ختم کیا جا سکے۔ موجودہ صورتِ حال زیادہ دیر تک چل نہیں سکے گی۔ نیتن یاہو کی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر غزہ پر زمینی حملہ کر کے قابض ہونے کا اسرائیلی فیصلہ ایک تباہ کن سیاسی اور عسکری غلطی ثابت ہو گا۔ صدر بائیڈن نے ۱۶ اکتوبر کو اسی امکان کی طرف اشارہ کیا تھا اور امید کی جا رہی ہے کہ وہ جلد اسے روکنے کے لیے خطے کا دورہ بھی کریں گے۔ حماس کو مکمل تباہ کر بھی دیا جائے تو اس کی راکھ سے حماس جیسے کئی مزید ادارے پیدا ہو جائیں گے۔ مزید آتش زنی کی صورت میں دیگر متعلقین مثلاً حزب اللہ، شام، اردن، اور مصر بھی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ ایران اور دیگر عرب ریاستیں بھی عوامی دباؤ کے تحت دخل اندازی پر مجبور ہوں گی۔ یوکرینی جنگ میں مصروف امریکا و یورپ ایسی صورتِ حال کی کبھی خواہش نہیں کریں گے۔

---

[10] انعام الحق، اخبار امت، دسمبر ۲۰۲۳

فلسطینیوں کو اپنے معاملات کا فیصلہ کرنے کی آزادی ملنے کے بعد جنگ اور نفرت کا یہ کھیل رفتہ رفتہ ختم ہو گا۔ بصورت دیگر یہ خون ریزی شکل بدل بدل کر جاری رہے گی اور بالآخر افغانستان اور عراق کی طرح کمزور فریق کو بھی مقابلہ کرنے کا ہنر آ جائے گا۔ کہا جا سکتا ہے کہ موساد کو بھی 'اندرونی مخبروں' کے جال کے باوجود ایسی ناگہانی صورتیں پیش آتی رہیں گی۔

*اس مسئلے کا نام نہاد 'دو ریاستی حل' فلسطین کے مظلوموں کو ایک نئے گرداب میں پھانسنے کی دوسری دفاعی لائن ہے اور جنگ و بدامنی برقرار رکھنے کا ایک انتظام ہے، جبکہ واحد حل یہ ہے کہ ناجائز اسرائیلی ریاست کے بجائے فلسطین کی ریاست بحال کرنے کا اعلان کیا جائے اور فلسطین میں موجود تمام مذاہب اور رنگ و نسل کے شہریوں کا خود مستقبل کے تعلقاتِ کار طے کرنے کا حق تسلیم کیا جائے۔ اگر نام نہاد 'دو ریاستی' حل ٹھونسا گیا تو وہ اس خطے میں نئی جنگوں اور اسلحے کے انبار خریدنے کی ایک اور بدنما دوڑ کا نقطۂ آغاز ہو گا۔[11]

فلسطین ایک عالمی مسئلہ

مشرق وسطیٰ کے وہ مسلم ممالک خصوصاً جہاں عربی زبان رائج ہے، وہ مسئلہ فلسطین کو فلسطینی عربوں اور یہودیوں کا تنازع سمجھتے ہیں اور اپنے سیاسی مصالح کو اولیت دیتے چلے آ رہے ہیں اور اس نازک اور حساس معاملہ پر زبانی جمع خرچ سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ اگر واقعی یہ صرف عربوں اور یہودیوں کا مسئلہ ہے تو وہ عرب ممالک جو کچھ عرصہ قبل معقول عسکری قوت رکھتے تھے، وہ سیاسی اور عسکری دباؤ کا استعمال کر کے مسئلہ کا سیاسی حل نکال سکتے تھے۔ لیکن مصر ہو یا اُردن یا مراکش ان ممالک نے ایک ناجائز قابض حکومت کو نہ صرف تسلیم کرتے ہوئے اپنے سفارتی تعلقات ہی قائم نہیں کیے بلکہ خفیہ اداروں کے ذریعے معلومات کے تبادلے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ۲۰۲۰ء میں 'معاہدہ ابراہیم' (Abraham accord) کے عنوان سے امریکا کی سرپرستی میں خلیجی ریاستوں یو اے ای نے اسرائیل سے ایک ایسے شرمناک معاہدے پر دستخط کیے جو نہ صرف ایک اعترافِ جرم کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ صدیوں کی تاریخ کو غلط قرار دیتے ہوئے اصلاحات کرنے کے بعد ایک ایسی تاریخ تحریر کرنے کا پابند کرتا

[11] انعام الحق، اخبار امت، دسمبر ۲۰۲۳

ہے جس میں کسی مقام پر جہاد کا تذکرہ نہ ہو اور صہیونیت کے خلاف ماضی میں جو کچھ قانونی یا دستوری اقدامات کیے گئے ہیں، انھیں منسوخ کرنے اور تاریخ کی نئی تعبیر کرنے کا پابند بناتا ہے۔

یہ مسئلہ فقط عربوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک عالمی انسانی مسئلہ ہے۔ ۳۰ لاکھ سے اُوپر مقامی باشندوں کو حقوق انسانی سے محروم اور بے گھر کرنے اور بچوں، خواتین، بزرگوں اور جوانوں کو تشدد اور قتل وغارت گری کا نشانہ بنانے کی ذمہ داری صہیونی دہشت گردی پر ہے۔ یہ محض ایک مذہبی اختلافی مسئلہ بھی نہیں ہے کیونکہ صہیونی حکومت کو صحیح العقیدہ یہودی بھی یہودیت کا نمایندہ نہیں سمجھتے۔ یہ ایک ناجائز حکومت کا نسلی برتری اور نسل پرستی (Racism) کی بنیاد پر نسل کشی (Genocide) کی پالیسی کے خلاف جدوجہد ہے، جو ہر باشعور انسان کی دل کی آواز ہے۔ اسرائیلی حکومت نسل پرست لادینی قومیت کی علَم بردار ہے، جب کہ فلسطین کے مسلمان صرف اپنے بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ اور سرزمین پر اپنے آبائی حق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ فلسطینی یہودیوں کی طرح مشرقی یورپ، افریقہ اور دیگر ممالک سے نقل مکانی کر کے آنے والے افراد نہیں ہیں بلکہ صدیوں سے مسجد اقصیٰ کے اردگرد آباد ہیں، جنھیں ان کے گھروں سے جارحیت اور قتل وغارت گری کے ذریعے بے گھر کیا جارہا ہے۔ یہ مسلمانوں کے قبلۂ اول کی حفاظت کا مسئلہ ہے جو سیکولر، صہیونی اسرائیلی حکومت کی نگاہ میں ایک غیر مطلوب عبادت گاہ ہے اور جسے مسمار کرنا ان کے مقاصد میں شامل ہے۔ غزہ میں حالیہ فضائی حملوں کے بعد زمینی بکتر بند حملے کا مطلب یہ ہے کہ جو جاندار بھی غزہ میں ہے، اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے اور یہی وہ کام ہے جو ہلاکو خان نے بغداد میں کیا تھا۔ اس سفاکانہ عمل کی مخالفت اور اسرائیل کو اس سے باز رکھنا ہر انسان پر ایک فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

جس ڈھٹائی کے ساتھ مغربی ممالک، ہندستان اور اقوام متحدہ نے غزہ کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ بے اعتنائی اور انسانی حقوق کی پامالی کو گوارا کیا ہے، اس کے بعد ان اداروں اور ممالک سے کسی خیر یا تعاون کی امید رکھنا عقل مندی کے منافی ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلم ممالک آنکھیں کھولیں اور خود کو مغربی اداروں کی معاشی غلامی سے نکالنے کے لیے ایک عالمی مالی ادارہ قائم کریں جو ان کے معاشی مسائل میں امداد کرے۔ اس کے ساتھ ہی نظام تعلیم میں بنیادی اصلاحات کریں تاکہ قوم میں اعتماد پیدا کریں اور یوں القدس کی آزادی آج نہیں تو کل باشعور مسلم نوجوانوں کے ذریعے عملی شکل اختیار کر سکے۔

عصر حاضر میں فلسطین کے حوالے سے چند اقدامات کی اشد ضرورت

پوری دنیا کے تمام مسلمانوں کا ایک اہم ہدف نظام عدل پر مبنی معاشرہ اور ریاست کا قیام ہے۔ ملک اور ملک کے باہر جہاں کہیں بھی ظلم و استحصال ہو رہا ہو، حقوق انسانی پامال کیے جا رہے ہوں اور انسانی جان اور مال کی حرمت باقی نہ ہو، تو مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ہر ممکنہ ذریعے سے مظلوموں کی مدد کرے اور انھیں ظلم سے نجات دلائے۔ اس حوالے سے پہلا کرنے کا کام عوام و خواص کو مسئلے کی اصل نوعیت سے آگاہی فراہم کرنا ہے۔ اس غرض سے بڑے اور چھوٹے اجتماعات، وفود، گھر گھر جا کر مظلوم مسلمانوں کے لیے ادویات اور غذا فراہم کرنے کے لیے مالی وسائل کا جمع کرنا، اسکولوں کالجوں اور جامعات میں امدادی فنڈ کی مہم کے ذریعے وسائل جمع کر کے جلد از جلد پوری ذمہ داری کے ساتھ مستحقین تک پہنچانا مسلمانوں کی اوّلین ذمہ داری ہے۔

طبّی وفود

جتنی بڑی تعداد میں اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں بچے، خواتین اور ضعیف افراد زخمی ہو رہے ہیں، ان کے لیے مقامی طور پر طبی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ۷ اکتوبر سے ۲۲ اکتوبر تک صرف دو ہفتوں میں ۷ ہزار سے زیادہ فلسطینی شہید ہو چکے ہیں اور ۱۵ ہزار ۲ سو ۳۷ افراد زخمی ہوئے ہیں جن میں ۱۱۱۹ خواتین اور دو ہزار ۳۵ بچّے شامل ہیں۔ اسرائیلی بمباری نے ہسپتالوں کو بھی نشانہ بنایا ہے جس کے نتیجے میں سیکڑوں مریض، ڈاکٹر اور طبی عملے کے افراد روزانہ کی بنیادوں پر شہید، زخمی اور معذور ہو رہے ہیں۔ علاج معالجے کی سہولیات کی فراہمی کے لیے بھرپور سرگرمی ضروری ہے۔ اس حوالے سے تحریک کو ملکی اور عالمی تعلقات کو بروئے کار لاتے ہوئے غزہ کے مظلوموں کی جانوں کے تحفظ کے لیے قائدانہ کردار ادا کرنا ہوگا۔ یہ ایک انسانی فریضہ ہے اور کوشش کی جانی چاہیے کہ طبی امدادی وفود کے لیے غزہ تک کے راستے سہولت میں تعاون کرے۔

ابلاغ عامہ کا استعمال

ارباب اختیار کے لیے ضروری ہے کہ مسئلے فلسطین کے مختلف پہلوؤں پر علمی اور تحقیقی مواد (حقائق اور معلومات) تیار کریں اور یونی ورسٹیوں اور بیرون ملک اخبارات تک ای میل اور دیگر ابلاغی و سماجی میڈیا کے ذریعے دنیا تک پہنچانے کا اہتمام کریں۔

سوشل میڈیا کا محاذ

اس وقت سوشل میڈیا محاذِ جنگ کے بعد دوسرا اہم ترین محاذ بنا ہوا ہے۔ سوشل میڈیا پر اسرائیل کی حمایت میں یہود و ہنود کے اشتراک سے جھوٹا پروپیگنڈا انتہائے کمال پر ہے۔ حماس کی تازہ کارروائی کے فوراً بعد اسرائیل میں حماس کے ہاتھوں ۴۰ بچوں کے قتل کی جھوٹی خبر کو سوشل میڈیا پر پھیلا دیا گیا۔ امریکی صدر نے بھی اس بنیاد پر حماس کے خلاف سخت ترین غیر سفارتی زبان میں اس عمل کی مذمت کی۔ بعد ازاں خبر غلط ثابت ہوئی۔ موبائل اور کمپیوٹر کے ذریعے لڑی جانے والی اس جنگ کے لیے ہمیں بھی فعال، ذہین اور مستعد افراد کے ذریعے منظم انداز میں روزانہ کی بنیاد پر جھوٹے پروپیگنڈے کا توڑ کرنا چاہیے۔ سوشل میڈیا محاذ کے ذریعے حسب ذیل اہداف پر توجہ کی ضرورت ہے:

- اسرائیل کے زیر اثر عالمی میڈیا کے جھوٹے پروپیگنڈا کا توڑ
- ہر گھنٹے کی بنیاد پر اسرائیل کے غزہ کے انسانوں پر توڑے جانے والے مظالم سے دنیا کو آگاہ کرنے کا اہتمام
- عوامی بیداری کے لیے حقائق اور تاریخی پس منظر کی مسلسل تشہیر
- لاکھوں محصور لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے عطیات کے حصول کی مہم کو آگے بڑھانا
- دیگر رضاکار اداروں کی سرگرمیوں کا ابلاغ
- اسرائیل اور اس کے اتحادی ممالک کی مصنوعات کی نشان دہی اور ان کے بائیکاٹ کے لیے عوام کی ذہن سازی

تعلیمی اداروں اور جامعات میں سرگرمیاں

اہم تاریخی اور نظریاتی اہمیت کے موضوعات ہمارے نصاب تعلیم کا حصہ نہیں ہیں۔ جس کے باعث ہماری نوجوان نسل میں اہم نظریاتی موضوعات پر شعور کی کمی ہے۔ ان حالات میں ہمیں ایسے پروگرام اور سرگرمیاں منعقد کرنی چاہییں جن کے نتیجے میں نوجوان نسل کے شعور میں اضافہ ہو۔ ہر جامعہ میں طلبہ کی سرگرمیوں کے لیے سوسائٹیاں اور کلب موجود ہوتے ہیں۔ مسئلہ فلسطین کی تاریخ، پس منظر، حقائق واضح کرنے کے لیے تقاریری مقابلے منعقد کیے جاسکتے ہیں۔ ہینڈ بلوں، کتابچوں، اور سوشل میڈیا پوسٹوں کے ذریعے نوجوان نسل کو اس انسانی مسئلے کے حقائق اور تاریخی پس منظر سے آگاہ کرنے کا اہتمام ضروری ہے۔ تعلیمی اداروں کی سطح پر پُرامن احتجاجی واک، شعور بیدار کرنے والی ریلیوں اور جلسوں کے ذریعے نوجوان نسل کی سیاسی جدوجہد کی تربیت کے عمل کو آگے بڑھایا جائے۔ تعلیمی اداروں کی سطح پر مختلف ڈراما سوسائٹیوں کے قیام کے ذریعے ڈراموں اور مختصر تمثیلی خاکوں کے ذریعے غزہ کے مظلوموں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور عالمی سامراج کے دُہرے منافقانہ معیار کو اجاگر کیا جائے۔ غرض ہر سطح کے تعلیمی اداروں میں نوجوانوں میں بیداری کے حصول کے لیے مختلف النوع تربیتی و آگاہی سرگرمیاں منعقد کرنا ضروری ہے۔ ان سرگرمیوں کے مختصر دورانیئے کے کلپس سوشل میڈیا کے ذریعے عوامی شعور میں اضافے کا بھی سبب بنیں گے۔

بین الاقوامی اداروں کو قراردادیں جمع کرانا

غزہ کا مسئلہ بنیادی طور پر ایک انسانی مسئلہ ہے جس میں لاکھوں لوگ اپنی سرزمین سے بے دخل کر کے جبری طور پر مہاجر بنائے جارہے ہیں اور ان پر بنیادی ضروریات زندگی کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ ظالمانہ بمباری کے ذریعے ہزراوں عورتوں، بچوں، مریضوں کو قتل عام کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اس عظیم انسانی المیے کے خلاف اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں کے مقامی دفاتر کے سامنے مظاہروں کا انعقاد کیا جائے اور قراردادیں جمع کروائی جائیں، جن میں اقوام متحدہ کو ذمہ داری ادا کرنے پر متوجہ کیا جائے۔ اس صورت حال پر اقوام متحدہ سے سوال کیا جائے کہ اگر وہ انڈونیشیا میں عیسائیوں کے تحفظ کے لیے اقدام کر سکتی ہے تو وہ فلسطین کے نہتے اور مظلوم انسانوں کے لیے کیوں جنگ بندی نہیں کرواسکتی اور اسرائیل پر انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں پر ہرجانہ کیوں نہیں کر

سکتی؟ اقوام متحدہ پر زور ڈالا جائے کہ وہ غزہ کے متاثرین تک طبی اور غذائی امداد کی فراہمی کے جلد از جلد انتظامات کرے۔

سیاسی محاذ

پاکستانی دانش ور اور عوام عمومی طور پر مسئلہ فلسطین کے حوالے سے قائداعظمؒ کے اصولی موقف سے آگاہ نہیں ہیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی بھی قائداعظمؒ کے موقف سے انحراف کی راہ پر گامزن ہے۔ قومی سطح پر تمام سیاسی جماعتوں سے روابط اور اس موضوع پر قومی اتفاق رائے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔۔ تمام جماعتوں کے قائدین کو آل پارٹیز فلسطین کانفرنسوں میں مدعو کر کے قومی اتفاق رائے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ تمام جماعتوں کی جانب سے مشترکہ اعلامیوں اور قراردادوں میں حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ جنگ بندی کے قیام، فوری طبی امداد و دیگر بنیادی ضروریات کے ذریعے متاثرین کی ہر ممکن فوری امداد کی ذمہ داری ادا کرے۔ نیز تمام ریاستی وسائل مثلاً ٹی وی، ریڈیو، اخبارات کو بروئے کار لاتے ہوئے تنازع فلسطین کے تاریخی پس منظر اور اسرائیل کے سفاکانہ کردار کو پاکستان سمیت پوری دنیا کے سامنے بھرپور انداز میں پیش کرے۔

مسئلہ فلسطین پر قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کا موقف

تحریک پاکستان کا باقاعدہ آغاز نہ ہوا تھا کہ عالمی استعماری قوتوں نے فلسطین کی سرزمن پر اسرائیل قائم کرنے کا تہہ کر لیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے، جو مسلمانوں کی آزادی کے علمبردار تھے، فلسطین فنڈ قائم کیا۔ 3 دسمبر 1937ء کو پورے ہندوستان میں "یوم فلسطین" منایا گیا کیونکہ برصغیر کے مسلمان ارضِ فلسطین اور بیت القدس سے گہرا لگاؤ اور عقیدت رکھتے تھے۔ برٹش انڈیا میں جب دو قومی نظریہ نے جڑ پکڑ لی تو 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں "قراردادِ پاکستان" کے ساتھ ساتھ "قرار دادِ فلسطین" منظور کی گئی۔ پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آگیا۔ 1948ء میں سامراجی قوتوں کی سازش کے تحت اسرائیل قائم کرنے کا اعلان ہوا تو پاکستان کے گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح نے اَرضِ فلسطین پر اسرائیلی ریاست کے قیام کی شدید مخالفت کی۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ "اسرائیل ایک ناجائز ریاست ہے، یہ امت کے قلب میں گھسایا گیا خنجر ہے۔ پاکستان اسے کبھی تسلم نہیں کرے گا"۔ یوں قائداعظم کے

یہ الفاظ پاکستان کی "مستقل فلسطین پالیسی" بن گئے جسے 75 سالوں میں کسی حکومت نے تبدیل نہیں کیا اس لئے اگر آج کوئی سرزمینِ فلسطین پر دو ریاستوں (فلسطین اور اسرائیل) کی بات کرتا ہے تو وہ بانی قائداعظم کے وژن سے انحراف کرتا ہے اور انصاف کے مروجہ اصول کو بھی نظر انداز کرتا ہے۔

ذیل میں قائداعظمؒ کے فلسطین کے حوالے سے اصولی موقف کی ترجمانی کرنے والے اہم حوالے پیش کیے جارہے ہیں۔ قائداعظمؒ کے اصولی موقف کی روشنی میں قومی اتفاق رائے اور خارجہ پالیسی کی سمت درست کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ ۱۷ فروری ۱۹۴۴ء کو اپنے ایک تار کے ذریعے پیغام میں مسٹر چرچل کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں

America-Zionist propaganda supported by influential quarters causes alarm and serious apprehension. Any departure from White Paper and definite assurances given to Muslim India by Lord Linlithgow, Viceroy on behalf of His Majesty's Government would be further act of flagrant injustice to Arabs and breach of faith. Not only Muslim India but entire Muslim world would deeply resent it. The consequences are fraught with gravest danger.[12]

(ترجمہ) بااثر حلقوں کی حمایت سے امریکی وریہودی پروپیگنڈا زبردست خوف اور خطرے کو جنم دیتا ہے۔ قرطاسِ ابیض اور ان یقین دہانیوں سے کوئی انحراف جو وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے ملک معظم کی حکومت کی جانب سے مسلم ہند کو کرائی تھی عربوں کے ساتھ صریحی ناانصافی اور عہد شکنی کی جانب ایک اور قدم ہو گا۔ نہ صرف مسلم ہند بلکہ پورا عالم اسلام اس کے خلاف اظہارِ ناراضی کرے گا۔ اس کے نتائج شدید تشویش اور سنگین خطرات کا باعث ہوں گے۔

اسی طرح کا ایک برقی پیغام میں (۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء) برطانوی وزیراعظم مسٹر ایٹلی کو لکھتے ہیں:

President Truman's reported Palestine immigration proposal is unwarranted, encroaching upon another country, monstrous and highly unjust. Any departure from the

[12] Daily Dawn, 18th February 1944

White Paper and Britain's pledge will not only be sacrilege and a breach of faith with Muslim India but an acid test of British honour. It is my duty to inform you that any surrender to appease Jewry at the sacrifice of Arabs would be deeply resented and vehemently resisted by the Muslim would and Muslim India and its consequences will be most disastrous. [13]

فلسطین میں یہودیوں کی آمد کے بارے میں صدر ٹرومین کی تجویز، جو اخبارات میں شائع ہوئی، ناجائز، دوسرے ملک کے معاملے میں مداخلت، خوفناک اور نہایت غیر منصفانہ ہے۔ قرطاس ابیض اور برطانیہ کے عہد سے ماورا کوئی اقدام نہ صرف [مذہبی] بے حُرمتی اور مسلمانانِ ہند کے ساتھ عہد شکنی ہوگی بلکہ برطانوی وقار کی آزمایش بھی ہوگی۔ مَیں یہ اطلاع دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ یہودیوں کی خوشامد کے لیے عربوں کو قربان گاہ کی بھینٹ چڑھانے کی سعی عالمِ اسلام اور مسلم ہند میں بے جا خفگی کا باعث ہوگی اور اس کی زبردست مزاحمت ہوگی اور اس کے نتائج نہایت تباہ کن ہوں گے۔

۲۳ جنوری ۱۹۴۶ء کو اپنے ایک بیان میں اسی بات کو دُہراتے کرتے ہیں:

If there is going to be any departure from the policy declared by Britain in the White Paper on Palestine, Mussalmans in India cannot remain detached observers and will support the Arabs in any way they can. However, boycott measures might be levelled against goods of Jewish origin, as indicated by the Agra Report that Muslim shopkeepers are already refusing to sell "Jewish cigarettes" (APA). [14]

اگر برطانیہ کی جانب سے فلسطین کے متعلق قرطاس ابیض میں اعلان کردہ حکمت عملی سے انحراف ہوا تو مسلمانانِ ہند خاموش تماشائی بنے نہیں رہ سکتے، اور وہ ہر ممکن طریقے سے عربوں کی حمایت کریں گے... تاہم یہودی الاصل اشیا کی خرید و فروخت کے مقاطعے کے اقدامات اختیار کیے جاسکتے ہیں، جیسا کہ 'آگرہ رپورٹ' سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں مسلمان دکان دار 'یہودی سگریٹ' فروخت کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔

---

[13] Daily Advocate, Thu 4 Oct 1945, Page 1, JEWS SAID TO BE ILLEGALLY LANDED IN PALESTINE
[14] The Dawn, January 24, 1946

۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو یمن کے بادشاہ امام یحییٰ کے نام ان کے پیغام کے جواب میں اس عزم کا اظہار (روزنامہ پاکستان ٹائمز، ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء) میں کرتے ہیں:

I fully share your Majesty's surprise and shock at the serious lack of judgment shown by the UNO by their unjust decision in respect of Palestine. I once more assure you and our Arab brethren that Pakistan will stand by them and do all that is possible to help and support them in their opposition on the UNO decision which is inherently unjust and outrageous[15].

اقوام متحدہ کے فلسطین کے حوالے سے انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویے کی بنا پر کیے گئے غیر منصفانہ فیصلے پر میں عزّت مآب کی حیرت اور صدمے کی کیفیت میں پوری طرح شریک ہوں۔ میں ایک بار پھر آپ کو اور اپنے عرب بھائیوں کو یقین دہانی کراتا ہوں کہ اس مسئلے میں پاکستان ان کے ساتھ کھڑا ہے اور اقوام متحدہ کے اس فیصلے کی مخالفت میں ان کی ہر ممکن مدد اور حمایت کرے گا، جو کہ فطری طور پر غیر منصفانہ، انتہائی شرمناک اور توہین آمیز ہے۔

قائداعظمؒ نے بے شمار مواقع پر فلسطینی جہاد کی حمایت اور اسرائیل کو ایک ناجائز غاصبانہ ریاست قرار دیا تھا لیکن نئی نسل ان کے موقف سے آگاہ نہیں ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے اپنے انتقال سے صرف ایک سال پہلے ایک برطانوی رہنما کو فلسطینی مسلمانوں کے حق میں خط لکھا اور برطانوی حکومت پر زور دیا کہ عربوں سے ناانصافی نہ کی جائے۔ علامہ اقبال کا یہ خط اعلان بالفور کے بعد فلسطین پر صہیونی قبضے کی کوششوں اور وہاں پر ایک ناجائز اسرائیلی ریاست کے قیام سے پیدا شدہ صورت حال کے حوالے سے تھا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں: 'میں بدستور علیل ہوں، اس لیے تفصیل سے آپ کو نہیں لکھ سکتا کہ رائل کمیشن کی رپورٹ نے میرے دل پر کیسا چرکا لگایا ہے۔ نہ یہ بتانے پر قادر ہوں کہ اس رپورٹ سے ہندوستان کے مسلمان بالخصوص اور پورے ایشیا کے مسلمان بالعموم کس قدر رنج والم کا شکار ہوئے ہیں اور ان کے غم وغصے کے جذبات

[15] Pakistan Times, December 25, 1947

آئندہ دنوں کیا رنگ اختیار کر سکتے ہیں۔ لیگ آف نیشنز کو چاہیے کہ بیک آواز ہو کر اس ظلم اور طغیان کے خلاف احتجاج بلند کرے اور برطانوی باشندگان کو سمجھائے کہ عربوں سے ناانصافی نہ کریں بلکہ ان وعدوں کو ایفا کریں جو گذشتہ جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کے حکمرانوں نے برطانوی عوام کے نام عربوں سے کیے تھے۔ حقیقی طاقت کے نشے سے سرشار ہو انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے تو تباہی سے ہمکنار ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔'[16]

مجلس قانون ساز سے 1933 میں اپنے خطاب میں علامہ اقبال نے کہا کہ 'ہمیں اپنے دوسرے ہم مذہب مسلمانوں سے ہمدردی کے جذبات واحساسات درپیش ہیں۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ برطانوی حکومت فلسطین اور وزیرستان میں جو پالیسی اختیار کر رہی ہے وہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔' علامہ اقبال کے ان خیالات سے عرب بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کے جذبے کا اظہار ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ مکمل یکجہتی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ پون صدی قبل حکیم الامت اپنی مومنانہ بصیرت کی بنیاد پر جو دیکھ رہے تھے وہ آج عملاً نظر آرہا ہے اور مسئلہ فلسطین سے پورا عالم اسلام متاثر ہو رہا ہے۔

برطانیہ کی طرف سے اعلان بالفور کے سامنے آنے کے ساتھ ہی اس معاملے میں قائد اعظم کی دلچسپی شروع ہو گئی اور انہوں نے فلسطین اور فلسطینی مسلمانوں کے مستقبل کو درپیش ہونے والے خطرات کو محسوس کر لیا۔ اس بارے میں پہلا ردعمل اعلان بالفور کے فوری بعد سامنے آیا۔ قائد رحمہ اللہ کا کہنا تھا کہ 'میں برطانوی حکومت کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ مسئلہ فلسطین کو اگر منصفانہ اور آبرومندانہ طریقے سے حل نہ کیا گیا تو سلطنت برطانیہ کے لیے یہ تبدیلی کا نکتہ آغاز ہو گا۔ برطانیہ نے فسلطینی عربوں کی رائے عامہ کو طاقت وجبر سے کچلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہم برصغیر کے مسلمان اس موڑ پر عرب موقف کے حامی ہیں اور ان کی منصفانہ جدوجہد میں ہم ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ عرب مسلمان اپنے جائز حق کی جدوجہد میں ضرور کامیابی حاصل کریں گے۔'[17]

---

[16] منصور جعفر، بانیان پاکستان اور اسرائیل، جمعہ 25 دسمبر 2020
https://www.independenturdu.com/node/55726

[17] منصور جعفر، بانیان پاکستان اور اسرائیل، جمعہ 25 دسمبر 2020
https://www.independenturdu.com/node/55726

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنو میں 15 اکتوبر 1937 کو قائداعظم نے مسئلہ فلسطین کے حوالے سے برطانوی حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔

'مسئلہ فلسطین کا تمام مسلمانوں پر گہرا اثر پڑا ہے۔ حکومت برطانیہ کی پالیسی رہی ہے کہ اس نے شروع سے لے کر اب تک مسلمانوں کو دھوکا دیا اور عربوں کی اعتبار کر لینے والی فطرت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ برطانیہ نے عربوں کو مکمل آزادی دینے کے حوالے سے کیے گئے وعدے پورے نہیں کیے بلکہ ہوا یہ کہ برطانیہ نے جھوٹے وعدے کر کے خود فائدہ اٹھایا اور بدنام زمانہ اعلان بالفور کے ذریعے خود کو ان پر مسلط کر دیا اور یہودیوں کے لیے قومی وطن بنانے کی پالیسی بنانے کے بعد برطانیہ اب فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ رائل کمیشن کی سفارشات نے اس الم ناک داستان کا آخری باب لکھ دیا ہے۔ اگر یہ نافذ کر دیا گیا تو عربوں کی اپنے آزاد وطن کی تمناؤں اور آرزوؤں کا خون ہو جائے گا۔ اب ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ اصل واقعات (زمینی حقائق) پر غور کریں لیکن سوال یہ ہے کہ یہ حالات پیدا کس نے کیے۔۔۔ میں حکومت برطانیہ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر اس نے مسئلہ فلسطین کا تدبر، جرات اور دلیری و انصاف کے ساتھ فیصلہ نہ کیا تو یہ برطانیہ کی تاریخ میں ایک تازہ انقلاب کا دروزہ کھول دے گا۔۔ مسلمانان ہند عربوں کے اس منصفانہ اور جرات مند جہاد میں ان کی ہر ممکن مدد کریں گے۔'[18]

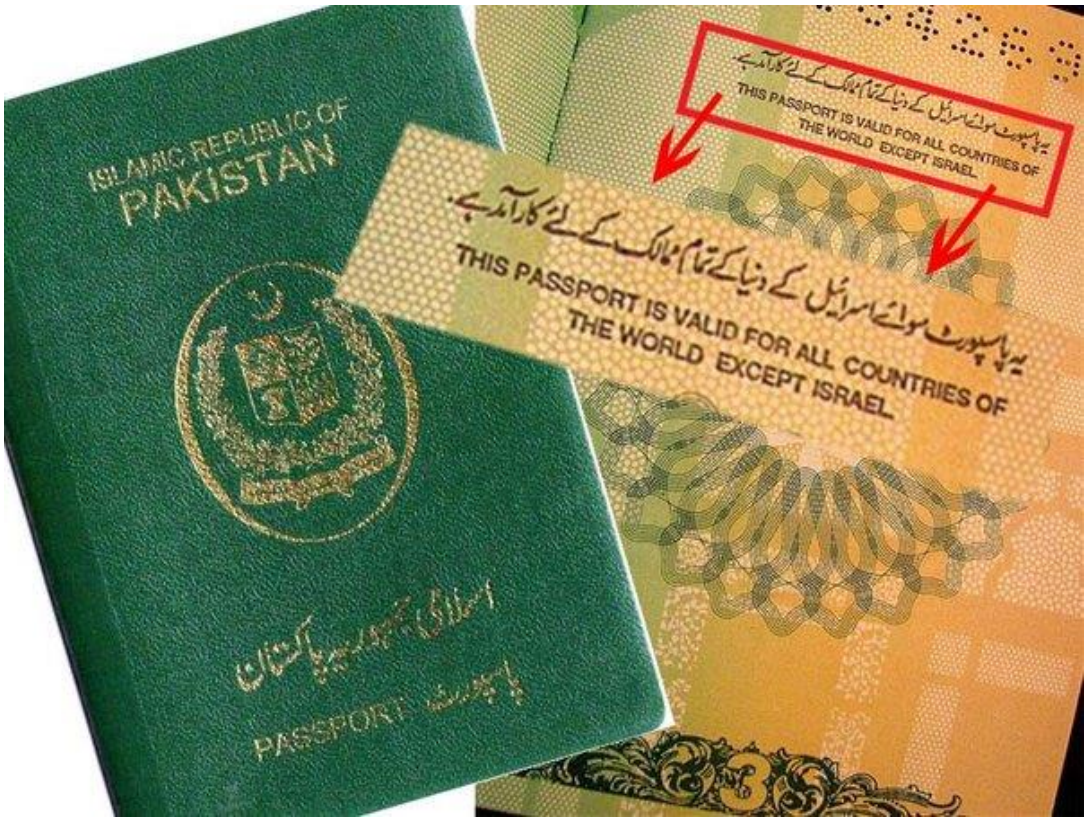
فلسطینی مسلمانوں کے حق کے لیے آواز برصغیر میں تحریک پاکستان کے ساتھ ساتھ بلند ہوتی رہی اور اسلامیان ہند جہاں اپنی آزادی کے لیے مصروف جہد رہے، وہیں انہوں نے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ مسلم لیگ کے ہر اہم اجلاس میں اس معاملے پر مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے عرب مسلمانوں کا ساتھ دینے کے عزم کا اعادہ کیا جاتا رہا۔ 26 دسمبر 1938 کو مسلم لیگ کے پٹنہ میں ہونے والے اجلاس میں قائداعظم نے ان خیالات کا اظہار کیا: 'مسلمانان برصغیر اپنے عرب بھائیوں کی جدوجہد آزادی برائے خود مختار ریاست کے معاملے میں ان کی مدد سے ہرگز گریز نہ کریں گے۔' قیام پاکستان کے بعد قطع نظر اس کے کہ حکومت کا تعلق کس جماعت سے تھا ہر حکومت نے فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا۔ اگرچہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ پاکستان کے عوام کے جذبات اس سلسلے میں شدید ترین رہے اور حکومتوں کے لیے ان جذبات کی

---

[18] منصور جعفر، بانیان پاکستان اور اسرائیل، جمعہ 25 دسمبر 2020
https://www.independenturdu.com/node/55726

بعینہ ترجمانی ہر دور میں ہو سکی ہے۔ لیکن یہ اپنی جگہ سچ ہے کہ کسی بھی حکومت نے تمام تر دباؤ کے باوجود اسرائیل کی ناجائز ریاست کو آج تک تسلیم نہیں کیا اور پاکستان کا ایک ایک شہری آج بھی اسرائیل کو ناجائز ریاست سمجھتا ہے۔

اپنے اس اصولی موقف کی پاکستان کو براہ راست اور بالواسطہ دونوں صورتوں میں بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ پاکستان کے اندر پوری قوم جن امور پر سیسہ پلائی دیوار ہے ان میں سے ایک مسئلہ فلسطین اور قبلہ اول کی یہودی تسلط سے آزادی ہے۔ یہ اصول اہل پاکستان کے جذبات کی ترجمانی ہے۔ پاکستانی قوم کی روایت بھی اور بانیان پاکستان کا ورثہ بھی۔ اس لیے اس سے پیچھے ہٹنے کا سوچنا بھی محال ہے۔



اہل پاکستان کے دل فلسطینی بھائیوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ اپنے اس امتیاز پر اہل پاکستان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ ان کا یہ جذبہ شبنم کی طرح پاک اور فولاد کی طرح مضبوط ہے۔ اہل پاکستان کے اس واضح، دوٹوک اور اٹل موقف کی وجہ سے ناجائز اسرائیلی ریاست پاکستان کو اپنا دشمن قرار دیتی ہے۔ آج بھی پاکستانی پاسپورٹ پر اسرائیل کے سفر کی اجازت نہیں ہے۔

خود آزمائی

1. ارض فلسطین کا مختصر تاریخی پس منظر بیان کریں۔
2. ارض فلسطین کے اصل باشندے کون ہیں؟ ارض فلسطین میں غیر سامی اقوام کے وجود کے تاریخی شواہد اور سامی اقوام کی ہجرت کی وضاحت کریں۔
3. تورات کے مطابق عبرانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور فلسطین عبرانیوں کا اصل وطن نہیں اس فرضیہ کی وضاحت کریں۔
4. فلسطین:۔ کنعانیوں کی سرزمین، کنعانیوں کی سرزمین پر عبرانیوں کا قبضہ اور ہیکل کی تباہی تک کے واقعات بیان کریں۔
5. فلسطین پر یہودی دعویٰ کی حقیقت، خطہ فلسطین مسلمانوں کا قبلہ اوّل، فلسطین:۔ مسلمان حکمرانوں کے زیر نگیں، اور یہود کے قبضے تک کے واقعات پر روشنی ڈالیں۔
6. اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خلاف فلسطینی مزاحمتی تحریک اور دلیل اور قوت کی کشمکش کے موجودہ تین بیانیوں کی وضاحت کریں۔

7. ارض فلسطین میں دو ریاستی حل کی تجویز سے کیا مراد ہے۔ اس ابہام کے خلاف فلسطینی مزاحمت، اور اسرائیلی حکمت عملی پر نوٹ لکھیں۔
8. فلسطین میں متحدہ یا وفاقی ریاستی حل کی تجویز، غرب اردن اور غزہ میں فلسطینی مزاحمت کی وضاحت کریں۔
9. حماس اور اسرائیل کی حالیہ لڑائی، فلسطین اور اسرائیل کے درمیان مرکزی تنازع اور مسئلہ فلسطین کے حل کی تجاویز پر روشنی ڈالیں۔
10. غزہ اور مغربی کنارے کا تعارف پیش کر سکیں، نیز اسرائیل کے سخت گیر حربوں کی ناکامی کی چار وجوہات بیان کریں۔
11. عصر حاضر میں فلسطین کے حوالے سے چند اشد اقدامات کی ضرورت اور اقدامات کی تجاویز بیان کریں۔
12. مسئلہ فلسطین پر قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کا موقف بیان کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مزید تفصیل کے لئے حواشی میں بیان کردہ مآخذ و مصادر، کتب اور حوالہ جات اور ویب سائٹس سے رجوع فرمائیں۔